ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ

کی فرانسیسی زبان میں سیرتِ رسولؐ پر عالمی شہرت یافتہ کتاب

Le Prophete de l'Islam

کا اردو ترجمہ

صلی اللہ علیہ وسلم
محمد

مترجم: پروفیسر خالد پرویز

Urdu	اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے
Bangla	করুণাময় কৃপানিধান আল্লাহর নামে।
Hindi	'अल्लाह' के नाम से, जो अत्यन्त कृपाशील और दयावान् है।
Persian	بنام خدای بخشاینده مهربان
English	*In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful.*
Russian	Во имя Аллаха милостивого, милосердного!
French	Au nom de Dieu le Très Miséricordieux, le Tout Miséricordieux.
Burmese	အနန္တကရုဏာရှင် ဖြစ်တော်မူသော အစဉ်မပြတ် သနားကြင်နာ တော်မူသော 'အလ္လာဟ်' အရှင်မြတ်၏ နာမံတော်ဖြင့် အစပြုပါ၏။
Sinhalese	දයාළු පරම දයාළු අල්ලා හුගේ නාමයෙන්.
German	*Im Namen Allahs, des Erbarmers, des Barmherzigen!*
Tamil	அளவற்ற அருளாளனும் நிகரற்ற அன்புடையோனுமாகிய அல்லாஹ்வின் திருநாமத்தால் (துவங்குகிறேன்)
Siraiki	اللہ سائیں دے ناں نال جو ڈاڈھا مہربان تے رحم کرن والا ہے۔
Punjabi	اللہ دے ناں نال جو بہت ای مہربان تے رحم کرن والا اے۔

Chinese: 奉普慈特慈安拉之名

Japanese: 慈悲あまねく慈愛あまねきアッラーの御名において……

احمد ﷺ حامد ﷺ محمود ﷺ اسماء الحسنیٰ رسول اللہ ﷺ قاسم ﷺ عاقب ﷺ فاتح ﷺ
خاتم ﷺ حاشر ﷺ ماح ﷺ داع ﷺ سراج ﷺ رشید ﷺ منیر ﷺ بشیر ﷺ نذیر ﷺ
ھاد ﷺ مھد ﷺ رسول ﷺ نبی ﷺ طٰہٰ ﷺ یٰس ﷺ مزمل ﷺ مدثر ﷺ شفیع ﷺ
خلیل ﷺ کلیم ﷺ حبیب ﷺ مصطفیٰ ﷺ مرتضیٰ ﷺ مجتبیٰ ﷺ مختار ﷺ ناصر ﷺ منصور ﷺ
قائم ﷺ حافظ ﷺ شہید ﷺ عادل ﷺ حکیم ﷺ نور ﷺ حجۃ ﷺ برھان ﷺ ابطحی ﷺ
مومن ﷺ مطیع ﷺ مذکر ﷺ واعظ ﷺ
امین ﷺ صادق ﷺ ناطق ﷺ صاحب ﷺ
مکی ﷺ مدنی ﷺ عربی ﷺ ہاشمی ﷺ
تہامی ﷺ حجازی ﷺ نزاری ﷺ قریشی ﷺ
مضری ﷺ امی ﷺ عزیز ﷺ حریص ﷺ
محمد ﷺ
اللھم صل علی محمد
وعلی آل محمد
وبارک وسلم
رؤف ﷺ رحیم ﷺ یتیم ﷺ غنی ﷺ جواد ﷺ فتاح ﷺ عالم ﷺ طیب ﷺ طاھر ﷺ
مطھر ﷺ خطیب ﷺ فصیح ﷺ سید ﷺ امام ﷺ بار ﷺ شاف ﷺ متوسط ﷺ متقی ﷺ
سابق ﷺ مصدق ﷺ مہدی ﷺ حق ﷺ مبین ﷺ اول ﷺ آخر ﷺ ظاہر ﷺ باطن ﷺ
رحمۃ ﷺ محلل ﷺ محرم ﷺ آمر ﷺ شکور ﷺ قریب ﷺ منیب ﷺ طٰسٓ ﷺ حٰمٓ ﷺ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

کی فرانسیسی زبان میں عالمی شہرت یافتہ کتاب

Le Prophete de l'Islam

کا اردو ترجمہ

بیکن بکس

BEACON BOOKS

• غزنی مارکیٹ اردو بازار لاہور فون 042-7351662

• گلگشت، ملتان فون 061-6520790,6520791

E-mail:becaonbookspakistan@hotmail.com

اشاعت : 2005ء

عبدالجبار نے
حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس لاہور سے
چھپوا کر بیکن بکس ملتان۔ لاہور
سے شائع کی

قیمت : 480/- روپے

ISBN 969 - 534 - 074 - 1

انتساب

رب العالمین جل شانہ

کے نام

پروفیسر خالد پرویز

11/6 فیصل اسٹریٹ گلگشت ملتان

061-6522252 / 0300-6302548

حسن ترتیب

پہلی بات

رب قادر و قدیر نے زندگی کے سفر میں بندگی کا ھنر یھی عطا کیا ھے کہ تحریر کی استطاعت ودیعت کی ھے ۔ کاغذ کی بساط پر لفظوں کے مھروں کو قلم کے ذریعے حرکت دیتا ھوں تو ایسے جملے وجودیت کا لبادہ اوڑھتے ھیں کہ جو میری رگوں میں دوڑتے خون کے ھر قطرے کو اس طور معطر و مطھر کرتے ھیں کہ میرا دل کلمئہ شھادت پڑھ کر گواھی دیتا ھے کہ میرے ان جملوں کو رب رحمن و رحیم ضرور قبولیت و مقبولیت کی سند عطا فرمائیں گے۔ جب کوئی قاری میری تحریر سے متاثر ھو کر مجھ تك ڈھیروں دعائیں پھنچاتا ھے تو میری آنکھوں میں امڈتے آنسو یھی دعا و التجا کرتے ھیں کہ یاالٰھی ! میرے گناھوں ، میرے عیبوں ، میری نادانیوں اور میری ناسمجھیوں پر اِس عالمِ فنا کی طرح اُس عالمِ بقا میں بھی پردہ ڈالے رکھنا۔ جس طرح آپ نے اس دنیا میں مجھ جیسے گنھگار کے ذمہ اس قدر بابرکت اور باعث رحمت کام لگایا ھے اسی طرح اے میرے مالك !آپ روز محشر بھی میرے ھاتھ میں قلم دے کر یھی حکم دیجئے گا کہ " پھلے میری عطا کردہ اھلیت و استطاعت کو بروئے کار لاتے ھوئے میری وحدانیت و حقانیت اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و رسالت پر ایك ایك کتاب اور لکھو پھر تمھارے اعمال کی کتاب کھولیں گے۔"

کسی قسم کا دعویٰ کرنا رب تعالیٰ جل شانہ' کی طرف سے [illegible] کو دعوت دینا ھے ۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے محض یہ دعویٰ کیا کہ " اے میرے پیارے اللہ پاك !میں آپ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ھوں۔" اور پھر آزمائش در آزمائش سے انھیں اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنا پڑا جس میں وہ کامیاب و کامران رھے مگر وہ تو اللہ جل شانہ' کے نبی تھے، خلیل تھے ۔ میں

گنہگار ہوں اپنی تردامنی سے میں خود واقف ہوں یا رب علیم و خبیر کو علم ہے۔ میں تو بخشش کا طالب ہوں۔ رب کریم سے کرم چاہتا ہوں ۔ رب رحیم سے رحم مانگتا ہوں ۔وہ جو میری شہ رگ سے بھی قریب تر ہے اس کی عطا کا طلبگار ہوں۔ وہ چاہے تو اپنی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو فراوانی عطا کر دے مگر کسی آزمائش کے بغیر...... اس لیے کہ میں آزمائش کی قطعاً طاقت و ہمت نہیں رکھتا ۔ میں تو آپ سب قارئین کے ساتھ مل کر صرف اتنی عاجزی کر سکتا ہوں کہ "اے رب ہمارے! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو آپ ہمیں نہ پکڑیئے ۔ اے ہمارے رب ! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھیئے جیسا کہ آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوائیے جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کر دیجئے اور ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے ۔ آپ ہی ہمارے کار ساز ہیں۔"
(البقرۃ: 286)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کتاب "دنیا کا قدیم ترین مجموعۂ حدیث" کی تزئین اور انگریزی کتب "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی و جانشینی" کو اردو میں منتقل کرنے کے بعد اب "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم" آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کتاب فرانسیسی زبان میں تحریر کی ۔ اس کتاب کا پورا نام *Le Prophete de l' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre.* ہے ۔ (یعنی پیغمبر اسلام : حیات و کارنامے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اسے دو جلدوں میں تحریر کیا۔ اب آپ سوال کریں گے کہ یہ پہلی جلد ہے یا دونوں جلدیں اکٹھی ہیں تو میں اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ نبیؐ آخر الزماں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی کتاب کی کوئی جلد دوسری یا آخری قطعاً نہیں ہو سکتی ۔ ایسے خوش قسمت افراد بھی ہیں جنھوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کئی جلدوں میں لکھی مگر کیا سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کتاب کو مکمل یا حرف آخر کہا جا سکتا ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر لکھا جاتا رہا ہے اور قیامت تک لکھا جاتا رہے گا بلکہ اس کے بعد بھی کیونکہ رب تعالیٰ جل شانہ‘ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کر دیا ہے ۔ جب یہ صورتحال ہو تو دوسری یا آخری یا مکمل جلد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی ہر کتاب کی ہر جلد پہلی ہی رہے گی ۔ اس ضمن میں مجھے ذاتی طور پر ایک معزز ترک سکالرز کے همرکاب ممتاز عالم دین محترم ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے کہ جن کی گرانقدر کوشش و کاوش کے مرحلے سے گزرتی ہوئی یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے۔ اس حوالے سے مزید مواد جیسے ہی میسر آیا آپ تک پہنچانے میں تاخیر نہیں کی جائے گی ۔ انسانی واقفیت اور بساط میں جو کچھ ہے اس کے مطابق اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں نے ہر ممکن کاوش کی ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے ۔ اسلامی مطبوعات میں کمپوزنگ و طباعت کے مراحل کے دوران مقدور بھر کوشش کے باوجود کوئی نادانستہ غلطی قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود اگر دوران مطالعہ کسی ایسی بنیادی غلطی کا علم ہو تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ اگلے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جا سکے۔

آپ دعا نہیں بلکہ دعائیں کیجئے کہ رب کریم و عظیم اپنی رحمتوں کی بارش مجھ سمیت ہم سب پر جاری و ساری رکھیں۔

دعاؤں کا طالب

پروفیسر خالد پرویز

11/6 فیصل اسٹریٹ گلگشت ملتان

061-6522252 / 0300-6302548

باب 01

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟

1: تعریف وتوصیف اس اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو رب العالمین ہے۔ ہم اسی ہی کی پرستش کرتے ہیں اور اسی ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ انسانیت کی اصلاح وفلاح کے لیے کیا ہم اس کی تصدیق وتوقیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

2: ''رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغمبر'' کا تصور مختلف ممالک، اقوام اور ادوار کے حوالے سے مختلف ہوسکتا ہے۔ اسلام میں انسان تمام مخلوقات سے اشرف وافضل ہے جب کہ رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغمبر، انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف وافضل اور کامل واکمل ہیں۔ یقینی طور پر یہ بات انسانیت کے بہتر پہلوؤں کے تحت ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

3: انسانی زندگی دو عظیم شعبوں میں تقسیم ہے۔ ایک مادی جب کہ دوسرا روحانی ہے۔ ان دونوں شعبوں میں ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنے کے لیے ایسی حیات مبارکہ کی عملی مثال دینا ہوگی جو فانی انسانوں کی رہنمائی کے لیے ایک مثالی نمونہ ہو۔

4: تاریخ نے ایسے لاتعداد بادشاہوں، دانشوروں، ولیوں اور دوسرے ممتاز راہنماؤں کا ریکارڈ پیش کیا ہے جن کی زندگیاں ہمارے لیے بہترین قابل عمل مثالیں ہیں۔ پھر آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیوں کیا جائے جو کہ دوسرے انسانوں کی طرح 1400 سال قبل اس دار فانی سے کوچ فرما گئے اور اس دوران سائنس کی قابل قدر ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارے حالات اور زندگی کے بارے میں ہمارے نظریات میں ٹھوس تبدیلیاں آچکی ہیں؟

5: ایک مسلمان کے لیے اس کا جواب انتہائی سادہ ہے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو

سکتا جب تک وہ اپنے رہبر ورہنما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی نہ کرے لیکن وہ افراد جو ابھی تک نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (سوانح حیات) کی تفصیلات سے آگاہ و آشنا نہیں ہیں ان کے لیے چند حقائق کی یاد دہانی اہمیت کی حامل ہے۔

(الف) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نگرانی میں انتہائی قابل اعتماد انداز میں محفوظ کرنے کی خاطر تحریر میں لائی گئیں۔ دوسرے مختلف بڑے مذاہب کے بانیوں میں سے صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک نے خوش بخت نظریہ کے تحت وقتاً فوقتاً رب تعالیٰ جل شانہ، کی جانب سے وحی اور احکامات کو نہ صرف اپنی امت کے افراد تک پہنچایا بلکہ اپنے کاتبوں کو لکھوایا اور یہ کہ اس کے کئی نسخے اپنے پیروکاروں تک پہنچانے کا محتاط و محفوظ انتظام فرمایا۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تحفظ کا تعلق ہے یہ مسلمانوں کا مذہبی فریضہ بن گیا کہ وہ رب تعالیٰ جل شانہ، کی جانب سے نازل ہونے والے کلام کے مختلف حصوں (اقتباسات) کو اپنی نمازوں میں تلاوت کریں۔ اس طرح اس متبرک کلام کا زبانی یاد کرنا لازم ہوگیا۔ یہ روایت بغیر کسی رکاوٹ کے جاری وساری رہی کہ رب کائنات کے کلام قرآن الحکیم کے تحریر شدہ نسخے محفوظ رکھے جائیں دوسرا یہ کہ انہیں زبانی حفظ کیا جائے۔ یہ دونوں طریقے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کی اس کی اصلی زبان میں مستند ومعتبر ترسیل وتشہیر میں ایک دوسرے کے مددگار ثابت ہوئے۔ قرآن الحکیم اپنے مواد کے اعتبار سے ''عہد نامہ قدیم'' کی پہلی پانچ کتابوں مع ''عہد نامہ جدید'' کی پہلی چار کتابوں سے بھی زیادہ ضخیم ہے۔ چنانچہ اس امر میں حیرت وحیرانی کی کوئی بات نہیں کہ قرآن الحکیم میں تمام شعبہ ہائے حیات کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔

(ب) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، رب تعالیٰ جل شانہ، کے نبی اور رسول کا اعزاز حاصل کرنے پر اپنی اجارہ داری کا اعلان نہیں فرماتے بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام قوموں کے لیے پیغمبر بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے چند کے نام بھی لیے ہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ابراہیم

علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جن پیغمبروں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی پیغمبر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محض یہ دعویٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقانیت و وحدانیت کی بحالی کا کردار ادا کرنے آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ پیغمبروں کی تعلیمات کا احیاء چاہتے ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا کے جانشینوں کی بدقسمت تاریخ کے دوران جنگوں اور انقلابات کے ذریعے بے قدری و تنزلی کا شکار ہوئیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش قسمت و مقدس یادداشت کی بہت مضبوط و مستحکم اور غیر مصالحانہ توثیق و تصدیق یہ رہی کہ رب تعالیٰ جل شانہ، کے کلام کی ترسیل و ابلاغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی برقرار رہی جس سے رب تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے مزید پیغمبر بھیجنے کی ضرورت نہ رہی۔ یقینی طور پر ہمارے پاس القرآن الحکیم اور الحدیث اپنی اصل زبان میں محفوظ ہیں۔

(ت) نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے پہلے ہی روز سے تمام دنیا سے مخاطب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا کسی زمانے تک محدود نہیں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ و نسل اور سماجی و معاشرتی درجہ بندیوں کی غیر مساوی تقسیم کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلام میں تمام انسان مکمل طور پر برابر ہیں اور ذاتی برتری کی بنیاد نیک اعمال و افعال پر ہے۔

(ث) انسانی معاشرے میں مکمل طور پر اچھے اور مکمل طور پر برے انسان شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت کا تعلق متوسط درجے سے ہوتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر اطمینان حاصل نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ''فرشتوں'' سے مخاطب ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام کا رخ بنیادی طور پر عام لوگوں اور فانی انسانوں کی بہت زیادہ اکثریت کی جانب رکھا۔ قرآن الحکیم کے الفاظ میں انسان کو ''اس دنیا کے اچھے حصے اور آخرت کے اچھے حصے'' کے حصول کے لیے کوشش و کاوش کرنی چاہیے۔

(ج) انسانی معاشرے میں عظیم سلاطین، عظیم فاتحین، عظیم مصلحین اور عظیم متقین کی کمی نہیں لیکن زیادہ تر افراد اپنے متعلقہ شعبے ہی میں مہارت اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ ان تمام اوصاف کا تمام پہلوؤں کے حوالے سے اجتماع صرف ایک ہی شخص میں ہونا۔ جیسا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ہے۔ نہ صرف بہت ہی نایاب و کمیاب ہوتا ہے بلکہ وہاں

ہوتا ہے جب معلم کو اپنی تعلیمات کو بذات خود عملی شکل دینے کا موقع ملتا ہے یعنی جب تدریس و تجربہ میں توازن پیدا ہوتا ہے۔

(ح) اتنا کہنا کافی ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مصلح کی حیثیت سے ایک مذہب کے بانی ہیں جو، دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کا ہمیشہ شاندار و جاندار وجود رہا ہے جس کا نقصان اس کے روزانہ کے فوائد وثمرات کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اپنے ہی بتائے گئے اصول وضوابط پر انتہائی ریاضت واستقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے حوالے سے رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بے داغ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک سماجی ومعاشرتی منتظم کی حیثیت سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ملک میں صفر سے سفر آغاز کیا جہاں ہر ایک شخص، ہر دوسرے شخص سے برسر پیکار تھا۔ سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھنے میں دس سال لگے جو تیس 30 لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ کے علاقے پر پھیلی ہوئی تھی اور جس میں تمام جزیرہ نمائے عرب کے ساتھ ساتھ فلسطین اور جنوبی عراق کے علاقے شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی سلطنت کو اپنے جانشینوں کے لیے ورثہ میں چھوڑا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پندرہ سال کے عرصہ میں اسے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے تین براعظموں تک وسعت دے دی (طبری، جلد اول صفحہ 2817) فاتح کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی وعسکری مہمات میں دونوں جانب سے انسانی جانوں کے ضیاع کی کل تعداد چند سو افراد سے زیادہ نہیں ہے لیکن ان علاقوں کی رعایا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کامل واکمل تھی۔ درحقیقت رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسموں کی بجائے دلوں پر حکمرانی کی۔ جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی وکامرانی کا تعلق ہے مکہ مکرمہ میں حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ لاکھ (150,000) پیروکاروں کے اجتماع سے خطاب کیا جب کہ ابھی تک مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس تاریخی موقع پر لازماً اپنے اپنے گھروں میں رہی ہوگی (کیونکہ ہر سال حج کرنا فرض نہیں ہے)۔

(خ) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قوانین اپنے پیروکاروں کے لیے

لاگو کیے اپنے آپ کو کبھی بھی ان قوانین سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ اس کے برعکس جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں سے عمل کی توقع ہو سکتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑھ کر عبادت وریاضت کی، روزے رکھے اور رب تعالیٰ جل شانہ، کی راہ میں خیرات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف پسند تھے اور حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی و ہمدردی سے پیش آتے تھے چاہے وہ امن کا زمانہ یا جنگ کا دور ہو۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتی ہیں یعنی عقائد، روحانی عبادات، اخلاقیات، معاشیات، سیاست الغرض وہ تمام کچھ جس کا انسان کی انفرادی یا اجتماعی، روحانی و مادی زندگی سے ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شعبہ ہائے حیات میں اپنے فعل و عمل کی مثال چھوڑی ہے۔

6: چنانچہ کسی بھی فرد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے اس سے پہلے کہ وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔

باب 02

مادی اور بنیادی ذرائع

7: مختلف شخصیات کی سوانح حیات مختلف قسم کے مواد کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہیں۔ خاص طور پر عمومی وعوامی دلچسپی کے نکات پر کچھ شخصیات کے بارے میں تحریری مواد و ذرائع بہت زیادہ ہیں جب کہ کچھ کے بارے میں بہت ہی کم۔

8: تاہم ایک عام آدمی مثلاً بادشاہ، شاعر، فلسفی، انجینئر، جج، متقی وغیرہ کی سوانح حیات کے مقابلے میں رب تعالیٰ جل شانہ، کے کسی پیغمبر کی سوانح حیات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ پیغمبر کی سوانح حیات میں نہ صرف مادی باتیں ہوتی ہیں جو کہ دوسرے عام فانی انسانوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ بلکہ اس میں غیر معمولی حقائق بھی ہوتے ہیں جیسا کہ رب تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے وحی و الہام، معجزات اور دوسرے عوامل جن سے عام لوگ ناواقف و ناآشنا ہوتے ہیں۔ اور پھر جب رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغمبر میں ایک ہی وقت میں کئی خوبیاں ہوں تو سوانح نگار میں بھی ایسی سوانح حیات لکھنے کے لیے غیر معمولی خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلی بات یہ کہ سوانح نگار موضوع کو غیر جانبدارانہ اور واقعیت پسندانہ گہرائی وگیرائی کے ساتھ سمجھنے کے لیے مخلصانہ ہمدردی اور اشتیاق رکھتا ہو۔ وہ کافی حد تک یہ بھی لازمی طور پر جانتا ہو کہ متعلقہ ملک کی قدیم تاریخ کیا ہے تاکہ وہ اپنے ہیرو کے کاموں اور کارناموں کی بھرپور انداز میں تعریف وتوصیف کر سکے۔ وہ اس دور کی بین الاقوامی تاریخ سے آگاہ وآشنا ہو تاکہ عالمی تاریخ میں اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اور کوشش وکاوش کے پس منظر اور نتائج کا علم ہو سکے۔ وہ سوشیالوجی (عمرانیات) کا ماہر ہو تاکہ اسے پتہ چل سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کی تہذیب وتمدن کا معیار کس طرح بلند کیا۔ وہ ادب سے واقفیت رکھتا ہو تاکہ اسے قرآن الحکیم کی غیر معمولی قدر و قیمت کا علم ہو

سکے۔ وہ عسکری سائنس جانتا ہوتا کہ اسے سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحانہ صلاحیتوں سے آگاہی ہو۔ وہ نفسیات سے شناسا ہوتا کہ اسے مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں قبول اسلام کی وجہ سے ذہنی وقلبی تبدیلی سے شناسائی ہو وعلیٰ ھذا القیاس۔ ان خوبیوں میں سے کسی ایک بھی خوبی کی ملکیت کا دعویٰ کیے بغیر اگر ہم کسی ایسے شخص کا انتظار کرتے کہ جس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہوں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات کبھی بھی نہ لکھی جاتی اور اس سے علم کی ترویج وترقی کو عظیم نقصان پہنچتا۔

9: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے متعلق مواد بہت زیادہ مقدار میں ہے۔ اول یہ کہ قرآن الحکیم ہے جو رب رحمٰن ورحیم کی جانب سے نازل کردہ احکامات وارشادات کا مجموعہ ہے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اپنی نگرانی میں لکھوایا اور مرتب کروایا۔ دوم یہ کہ حدیث یا سنت ہے جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کا مجموعہ ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمایا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک لاکھ سے زائد نے اپنے معلم ومدرس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں کم از کم ایک ایک حقیقت آنے والی نسلوں تک ضرور پہنچائی۔ فرد واحد کی زندگی کے بارے میں اس قدر زیادہ تعداد میں قریبی ذرائع اور عینی گواہ کہ جن کی روایات ہم تک پہنچی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی ایسی مثال نہیں ملتی اور حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے کبھی بھی ایسی مثال نہیں ملے گی۔

10: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وتعلیمات کے بارے میں دو بنیادی منبع وماخذ اور الحدیث کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں اشارات، تفصیلات پر مشتمل اس دور کی شاعری بھی معلومات کا قیمتی اور نادر ذریعہ ہے۔ جیسا کہ عربی ضرب المثل ہے کہ ''شاعری عربوں کی تاریخی دستاویزات کا محافظ خانہ ہے۔'' (الشعر دیوان العرب)

11: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں (اور شاید طائف، خیبر وغیرہ میں بھی) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں حتیٰ کہ ہزاروں کتبے موجود ہیں اور ان کو اکٹھا کرنے کا کام بمشکل ہی شروع ہوا ہے۔ میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور کے نصف درجن کتبے شائع کیے ہیں اور

اب تک صرف وہی ہی ہیں جن کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

12: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ ممالک کی تاریخ بد قسمتی سے دستیاب نہیں ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مسلم سلطنت کے حبشہ، مصر، بازنطینی سلطنت، ایران کی ساسانی سلطنت اور حتیٰ کہ مالا بار (جنوب مغربی ہندوستان) اور چین سے روایتی تعلقات تھے۔ مارگلیتھ (Margoliouth) مکمل یقین و اعتماد کے ساتھ کہتا ہے کہ ہمارے موضوع کے حوالے سے مصر میں آج کل کوئی قبطی لٹریچر دستیاب نہیں ہے۔ بازنطینی شہنشاہوں کے درباروں میں حکومتی تاریخ دان ہوا کرتے تھے لیکن یہ ایک بدقسمت اتفاق ہے کہ ان کی تاریخ میں ایک صدی کی تاریخ موجود نہیں اور یہ وہی عرصہ ہے جس کا تعلق ہم سے ہے۔ ذو نورس (Zonoras) نائس فورس (Nicephoras) اور تھیوفین (Theophane) کا تعلق بعد کے زمانے سے ہے۔ ایرانی، ہندوستانی یا چینی ذرائع سے بھی کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں عرب کے ہمسایہ ممالک کو ابھی اتنی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو کہ وہ جزیرہ نمائے عرب میں ہونے والے واقعات کو اہمیت دیں جہاں ایسے خانہ بدوش اور بدوی رہتے ہوں جو ہر دور میں نہ ختم ہونے والی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ٹکڑوں میں بٹے رہتے ہوں۔

13: مسلمانوں نے بہت پہلے ہی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات تحریر کرنا شروع کر دی تھی حتیٰ کہ کچھ سوانح عمریاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں تیار ہوئیں جن میں پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی و تبلیغی مہمات کو موضوع بنایا گیا اور پھر انسانیت کی وسیع تر فلاح و اصلاح کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں اور کارناموں کو ضابطہ تحریر میں لایا گیا۔ پہلی صدی ہجری میں حدیث کے حوالے سے جو کام ہوا تھا وہ مکمل طور پر منظر عام سے غائب نہیں ہوا تھا لیکن اسی دور کی تحریر کردہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمریاں عملی طور پر ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئیں۔ اس حوالے سے قدیم ترین کام جو ابھی تک موجود ہے وہ ابن اسحٰق (وفات 151 ہجری) کا نامکمل حصوں پر مشتمل کام ہے جو "قرویین" (فیض) اور "ظاہریہ" (دمشق) کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ ابن اسحٰق کے ہم مکتب موسیٰ ابن عقبہ جو کہ بعد کے لکھاری ہیں ان کے تحریر کردہ کچھ اقتباسات برلن میں موجود ہیں۔ جو کام ہم تک تکمیل شدہ پہنچا ہے اس

میں ''مغازی'' (مخطوطہ برٹش میوزیم) اور ''رِدّہ'' (مخطوطہ بانکی پور، ہندوستان) از الواقدی (وفات 207 ہجری) شامل ہیں۔ ہم ابن ہشام (وفات 210 ہجری) کے احسان مند ہیں کہ جنہوں نے ابن اسحاق کے کام کے دو حصوں کو نئی ترتیب دے کر اسے ہمارے لیے ایک کتاب ''سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی شکل میں محفوظ کیا ہے۔ اسے کئی دفعہ ایڈٹ کیا گیا ہے۔ ابن سعد (وفات 230 ہجری) بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی ایک ضخیم سوانحی لغت ''طبقات'' میں نہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں بھی تحریر کیا ہے۔

14: اسلام سے پہلے کے عرب کی قومی تاریخ شجرۂ نسب کے کوائف کی شکل میں لکھی جاتی تھی۔ ابن الکلبی (وفات 204 ہجری) اور بعد ازاں اس کے شاگرد البلاذری (وفات 279 ہجری) نے نہ صرف اس کام کو اسلامی دور کے لیے جاری رکھا بلکہ ان معلومات وکوائف کو ضخیم کتب کی صورت میں محفوظ بھی کیا۔ البلاذری کے ساتھ ساتھ مصعب (وفات 236 ہجری) اور اس کے شاگرد ابن بکار نے بھی اسی موضوع پر لکھا جو ہم تک پہنچا ہے اور وہ بعض ایسے واقعات کا حوالہ دیتے ہیں جن کا کسی اور جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔

15: ابن حبیب، الدینوری، الطبری، الیعقوبی، المسعودی اور دوسروں کے کام اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمریوں پر مشتمل نہیں تاہم وہ ہمارے موضوع کے حوالے سے نادر معلومات کے حامل ہیں۔

16: میں نے اپنے پیش رو مشرقی اور مغربی لکھاریوں کے کام سے فائدہ اٹھایا ہے جن میں سے کچھ تو بہت زیادہ ذہانت وفطانت کے مالک ہیں۔

17: کچھ بھی ہو، ہم ہمیشہ اپنے مبداء وماخذ کا حوالہ دیں گے۔

باب 03

ماحول اور حالات

18: انسانی تاریخ واقعات، وجوہات اور اثرات کا ایک تسلسل ہے جب اسلام وجود میں آیا تو پہلے ہی سے دنیا میں بہت بڑی تعداد میں مذاہب موجود تھے۔ تو پھر ایک نئے مذہب کی کیا ضرورت تھی؟ اور وہ کون سے حالات تھے جس نے اسلام کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا؟ اس حوالے سے پروفیسر فلپ کے۔ ہٹی (Philippe K. Hitti) کا جواب انتہائی مختصر مگر بلیغ و پر مغز ہے۔ (''عربوں کی تاریخ'' صفحہ 8) ''اسلام بھی اپنی اصلی شکل میں سامی مذہب کی منطقی تکمیل ہے۔'' سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پہلے ہی مختلف اقوام کا ایک دوسرے پر باہمی انحصار بہت اہمیت اختیار کر چکا تھا اور اقوام و قبائل کی اس صورت حال کا ذکر کرنا غیر متعلق نہیں ہوگا یعنی خاص طور پر معاشی تعلقات کہ جن کا تعلق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی شہریوں سے تھا۔ حضرت ابن حنبلؒ (''مسند'' جلد چہارم صفحہ 206) کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نوجوانی میں عبد القیس (عمان۔ بحرین) کی سرزمین کا دورہ فرمایا تھا۔ حضرت ابن حبیبؒ (''محبر'' صفحہ 265) کہتے ہیں کہ ''۔۔۔۔۔ پھر ''دبا'' (عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک) کا میلہ کہ جس میں سندھ، ہند اور چین کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب سے تاجر شرکت کرنے کے لیے پہنچتے تھے۔''

19: عرب کے اپنے حالات کے بارے میں بات کرنے سے پہلے آیئے عربوں کے ان ہمسایوں کے بارے میں حقائق ملاحظہ کرتے ہیں۔

چین

20: کنفیوشس (Confucius، 551-479 قبل مسیح) کی وجہ سے چین اگر چہ اپنی تہذیب وتمدن کی معراج کو پہنچ چکا تھا۔ لیکن ظہور اسلام کے موقع پر وہاں صرف ابتری و بدنظمی اور عام تنزلی دیکھی جاسکتی تھی۔ کنفیوشس کا سماجی و معاشرتی نظام بکھر رہا تھا اور ہندوستان سے آنے والا بدھ مت زیادہ مضبوط و مستحکم صورت حال کے ساتھ بحال ہونے کی کوشش و کاوش میں مصروف تھا۔ اس دور میں کہ جس کا تعلق ہم سے ہے چین میں ہر چیز تبدیلی وتغیر کے عمل سے گزر رہی تھی۔ پاسٹیریئر ہنس (Posterior Huns) کا دور حکومت کافی عرصہ سے ختم ہو چکا تھا۔ تین شاہی خاندانوں اور سلسلوں WU, WEI اور SHU کے وجود وظہور سے محض ایک بھائی کا دوسرے بھائی کو قتل کرنے والی جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ خانہ جنگی کے ساتھ ساتھ تاتاریوں، Husiung-N اور تبت کے حملہ آوروں کی مزاحمت بھی کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک لمبے عرصے کے بعد 30 سال تک حکمرانی کرنے والے SUI خاندان سلاطین نے کچھ حد تک ملک کے اتحاد کو بحال کیا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ سے پانچ سال پہلے خوفناک و خطرناک قسم کی ابتری وبے ترتیبی وجود میں آئی۔ بعد ازاں تیانگ (T'IANG) نے برسر اقتدار آ کر کچھ حد تک نظم وضبط قائم کیا (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا) لیکن انسانیت سے محبت اور اس کی خدمت میں خوشی جیسی باتیں باگ پور (BOGPUR) کے لیے بالکل اجنبی تھیں جو کہ ''جنت کا بیٹا'' کہلاتا تھا چنانچہ اس طرف سے مزید کسی قسم کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عمان کے دورے کے موقع پر لازماً چند چینیوں سے ملے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی صنعت کی بہت زیادہ تعریف کی ہوگی۔ یہ فرمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منسوب کیا جاتا ہے کہ ''علم کی تلاش کے لیے حتیٰ کہ چین تک جاؤ۔'' (''العلم'' ابن عبدالبر)

ہندوستان

21: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے آریاؤں نے مستقل رہائش اختیار کرنے کے لیے ہندوستان کو فتح کیا تھا۔ ان کے ذات پات کے نظام، تمام غیر آریاؤں کو

سمجھنے کے نظریہ اور خالق کی بجائے اس کے مظاہر کی عبادت نے ان کی ایسے مسلک کی طرف رہنمائی کی کہ جس میں دیوتاؤں کی تعداد پجاریوں سے بہت زیادہ تھی یعنی ہندوؤں کے ایک مندر میں 40 کروڑ دیوتا تھے۔ ان کا یہ عقیدہ کہ دنیا سے قطع تعلقی ہی انسان کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے اور ان کے تناسخ (آواگون) پر ایمان کا یہ نتیجہ نکلا کہ مفتوحین نے اچھوتوں کی حیثیت سے اپنی غیر انسانی قسمت پر رضا کارانہ اطاعت قبول کر لی۔ ان سب عوامل نے ہندوؤں کو معاشرے کے لیے ایک خطرہ بنا دیا۔ کنفوشس کے ہم عصر گوتم بدھ نے ہندوستان میں برہمنوں کی (روحانیت کی بجائے) ظاہریت و مادیت پرستی پر احتجاج کیا لیکن اس کی تعلیمات کا رخ مبالغہ آرائی کے ذریعے دوسری طرف موڑ دیا گیا۔ بدھ مت نے انسانیت کے لیے عمومی طور پر کوئی قطعی حکم وضع نہ کیا بلکہ یہ ایک قدم کی پیش رفت تھی۔ ہندوستان کے لیے اس نے بہت کچھ اچھا کام کیا۔ یہ بتدریج ارتقاء و اصلاح کی صلاحیت رکھتا تھا تاکہ نہ صرف منتخب افراد بلکہ عام آدمی کے لیے بھی معیاری و مثالی زندگی تلاش کی جا سکے۔ بدقسمتی سے برہمیت نے جلد ہی اپنے اس حریف سے نجات حاصل کر لی اور بڑے ظالمانہ طریقے سے اسے اپنے وطن ہندوستان سے نکال باہر کیا۔

22: ہجرت مدینہ سے پہلے ہندوستان میں وسطی ایشیا کے سفید خانہ بدوشوں کے شاہی سلسلہ کی حکومت رہی۔ لیکن پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی 565ء میں پیدائش (جو کہ جسٹنین کی تاریخ وفات بھی ہے) سے چار سال پہلے انہوں نے دریائے آکسس کے کنارے شکست کھائی جو ان کے لیے ہندوستانی مقبوضات کے نقصانات کا باعث بنی۔ بعد ازاں بادشاہ تھنیسر (Thanesar) کا بیٹا ہرش (Harsh) شمالی ہندوستان پر قبضہ کرتا نظر آتا ہے (606-648) تھوڑا تھوڑا کر کے اس نے آسام، بنگال، نیپال، ملوہ، گجرات اور کاٹھیاواڑ وغیرہ کو فتح کر لیا لیکن 610ء میں (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے چند ماہ بعد) بادشاہ ہرش نے جنوبی ہندوستان میں دکن پر حملہ کیا اور وہاں دریائے نربودا پر شاہی سلسلہ چلوکیہ سے تعلق رکھنے والے بادشاہ پلکیسن دوم (Pulikesan II) سے شکست کھائی۔ ہرش کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی عظیم فتوحات کے ساتھ ساتھ اس کی پرسکون سلطنت نے اس کے عوام کی زندگیوں کو آرام دہ اور محفوظ و مامون بنا دیا۔ ہرش کی وفات کے ساتھ ہی اس کی سلطنت تباہ و برباد ہو گئی اور خانہ جنگیوں کی بدولت ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ چلوکیہ نے شمال کی جانب سے ہرمشیوں کے

حملوں کے خلاف فاتحانہ دفاع کیا لیکن جنوب کی جانب سے پڑوسیوں کے حملوں کی مزاحمت نہ کر سکے۔ اس طرح صدیوں تک نیم ہمالیاتی براعظم (ہندوستان) میں ابتری، بے یقینی اور بدنظمی کا دور دورہ رہا (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا)

ترکستان اور منگولیا

23: دنیا کے چہار جانب ان علاقوں سے مہاجرین کی لہریں یقینی طور پر دلچسپی کی حامل ہیں لیکن یقینی طور پر آغاز اسلام کے زمانے میں (یعنی ساتویں صدی عیسوی میں) اس ملک کے بارے میں کوئی مزید معلومات نہیں ہیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہن (ترکی اور منگولیائی خانہ بدوش) نے تبت پر قبضہ کر لیا تھا اور مغربی ترکوں کے اشتراک و اتحاد سے اپنی پوزیشن مضبوط و مستحکم کر لی تھی لیکن حتیٰ کہ اس دور میں بھی انسانیت کی خدمت کی اعلیٰ اقدار ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

بازنطینی سلطنت

24: اعلیٰ وارفع یادداشت کے مالک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوجوانی میں اگرچہ یورپ اور کیتھولک مذہب کے بارے میں باخبر نہیں ہوں گے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازنطینی سلطنت کے زیراثر شام کے عیسائی عربوں سے روابط قائم تھے۔ عربوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائی عقائد کی بنیادی باتیں ضرور بتائی ہوں گی۔

25: عربی زبان نے لفظ ''روم'' محفوظ کر لیا تھا لیکن صحیح صورت حال یہ تھی کہ رومی سلطنت آغاز اسلام کے وقت پہلے سے ہی موجود نہیں تھی۔ جو کچھ بچا تھا وہ محض سلطنت کا مشرقی حصہ تھا جسے بعد ازاں بازنطینی سلطنت کا نام دیا گیا جب کہ مغربی صوبوں حتیٰ کہ دارالخلافہ روم پر بھی شمال کی جانب سے جرمن اور دوسرے حملہ آوروں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان وحشی اور غیر مہذب لوگوں نے بتدریج رومی عیسائیت کو قبول کیا لیکن بین الاقوامی قانون کا تاریخ دان ارنیسٹ (Ernest Nys) ہمیں بتاتا ہے کہ ان شمالی خانہ بدوشوں نے اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تبلیغ کردہ امن وسلامتی کے مذہب کو قبول کر لیا تھا مگر انہوں نے کفار کی نسبت زیادہ ظالمانہ رویہ اختیار لیا۔

مزید یہ کہ یہ علاقہ سینکڑوں ریاستوں میں منقسم ہو گیا جو ہر وقت ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتی تھیں۔

26: جہاں تک بازنطینی سلطنت کا تعلق ہے۔ یہ ایک طرف تو صدیوں سے ایران کے خلاف غضبناک حد تک جدو جہد میں مصروف تھی جب کہ دوسری طرف مغربی وحشیوں کے ساتھ ساتھ سلیوز (Slavs) سے بھی نبرد آزما تھی۔ ہادیء کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے آغاز کے وقت ایران نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر بازنطینیوں کے کئی بہترین صوبوں پر قبضہ کر لیا تھا جن میں شام اور مصر بھی شامل تھے۔ مکہ والوں کا اس ''کافی دور ہونے والی جنگ'' سے بظاہر کوئی سروکار نہیں تھا۔ ان کے بازنطینی اور ساسانی دونوں سلطنتوں سے تجارتی تعلقات تھے اور یہ کہ تیسری غیر جانبدار پارٹی کی حیثیت سے مکہ والوں کو ایک سلطنت کے مقبوضات میں اضافے سے اور دوسری سلطنت کے نقصان سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ تاہم اقوام کا ایک دوسرے پر انحصار اس دور میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس کی جانب قرآن الحکیم کی مکی آیات میں اشارے بھی ملتے ہیں۔ قرآن الحکیم کی 30 ویں سورت ''روم'' میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان واقعات سے مسلمانوں نے کیا مفاد حاصل کیا اور پیشین گوئی کی ہے کہ چند سالوں کے اندر صورت حال کس طرح پلٹ جائے گی ارشاد ربانی ہے:

''رومی مغلوب ہو گئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند ہی سال میں غالب آ جائیں گے۔ پہلے اور پچھلے سب کام اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب اور رحم کرنے والے ہیں۔'' (الروم: 2 تا 5)

27: یقینی طور پر 9 ویں سال کے اختتام سے قبل 6 ہجری میں آگ کے پجاری ایرانیوں نے نینوا کے مقام پر بازنطینیوں سے بھاری شکست کھائی۔ یہ شکست اس قدر بھیانک تھی کہ اس سے ایرانی تخت کے قابضین اور ممکنین میں بے شمار اور تیز ترین تبدیلیاں آئیں۔ ایران اس سے کبھی بھی پھر سنبھل نہ سکا اور نہ ہی بازنطینیوں نے اس سے کوئی عظیم مفاد حاصل کیا کیونکہ ملک صدیوں پرانی بیرونی جنگوں سے تباہ ہو چکا تھا اور اندرونی طور پر مذہبی ظلم وستم اور ایذا رسانی کا شکار تھا۔ اعلیٰ وارفع عالمانہ و فاضلانہ مذہبی بحثیں بازنطینی عوام میں سرایت کر چکی تھیں اور وہ انہیں

اس حد تک اہمیت دیتے تھے کہ ایک عقیدے کے کٹر حامی دوسرے عقیدے پر یقین رکھنے والوں کا وجود تک برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وقتاً فوقتاً حکمرانوں نے حتیٰ کہ ایک ہی نسل میں اپنا ذہن اور خیالات بدلے اور غیر جانبدارانہ انصاف کی بجائے ان کی مذہبی ایذا رسانیوں اور تشدد نے عوام کی حالت تکلیف دہ، اذیت ناک اور قابل رحم کر دی۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ غیر سرکاری عقائد و رسومات کے حامل عیسائیوں نے اپنے سے علیحدہ وجدا عیسائی فرقے کی حاکمیت پر غیر ملکی حکمرانی کو ترجیح دی اور یقینی طور پر انہوں نے جلد ہی مسلمانوں کو آزادی دہندہ کی حیثیت سے خوش آمدید کہا۔

ایران

28: عربوں کا دوسرا عظیم ہمسایہ ایران، انسانیت کے لیے کسی امید و توقع کا باعث نہ بنا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اسے دو محاذوں پر مسلسل جنگوں کا سامنا رہا۔ ایک بازنطینی محاذ جب کہ دوسرا وسطی ایشیا کا ترکی محاذ۔ اس طرح اس کی روحانی زندگی دوسروں کو دینے کے لیے اپنے دامن میں کچھ بھی نہیں رکھتی تھی۔ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے زمانے میں ایران کا سرکاری مذہب ''مزدک ازم'' تھا۔ اس مذہب کا بانی مزدک ہر دربار حکومت میں شہنشاہ اور ملکہ کے انتخاب کا اختیار رکھتا تھا جب کہ ملکہ صرف شہنشاہ کی بیوی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ ملکہ سمیت ہر عورت سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس قانون و اختیار نے نہ تو ملکہ میں کوئی شرمندگی و بے عزتی کا احساس پیدا کیا اور نہ ہی شہنشاہ کے دل میں نفرت و حسد کا جذبہ بیدار ہوا۔ جب شہزادہ انوشروان کو طیسفون کا تخت اپنے والد کی وراثت میں ملا تو اس وقت مذہبی تشدد و ایذا رسانی کی لہر نے اپنی سمت تبدیل کی یوں کل کے مظلوم آج کے ظالم بن گئے اور ایران میں انسانیت کے مصائب و آلام کی کیفیت دنیا کے کسی بھی خطے سے کم نہیں تھی۔

حبشہ

29: اپنے قدیم تہذیب وتمدن کے ہمرکاب حبشہ نے اپنی قوت و طاقت کے بل بو عربوں سے ان کا زرخیز صوبہ ''یمن'' چھین لیا۔ بعد ازاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے

سال حبشہ والوں نے شمالی عرب کے خلاف یمن سے ایک بہت بڑی مہم منظم کی لیکن وہ مکہ مکرمہ کے نواح میں ہی قرآن الحکیم کی رو سے "اناج کے کھائے ہوئے بھوسے" میں بدل گئے۔ (سورۃ: 105 آیت: 5) حبشہ جیسے بہت بڑے علاقے میں ظہور اسلام کے وقت بھائی اپنے ہی بھائی سے جنگ میں مصروف تھا اور وہ مسلمان جنہوں نے وہاں پناہ لی تھی وہ طرفین کی تباہی کا موجب بننے والی ان جنگوں سے پریشان تھے۔

نتیجہ

30: مختصر یہ کہ اس دور میں ہم جس جانب بھی نظر کریں ہم صرف جنگیں، نسل، رنگ، زبان یا علاقہ کے حوالے سے احمقانہ امتیازی احساسات کے ساتھ ساتھ چند امیر افراد میں دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے باقی ماندہ آبادی کی غربت دیکھتے ہیں۔ لوگ بھول چکے تھے کہ وہ سب ایک ہی جوڑے (ماں باپ) آدم اور حوا کی اولاد ہیں اور ان کی بھائی سے بھائی کی نفرت اور قتل و غارت نے انہیں حیوانوں کے درجے سے بھی نیچے لا کھڑا کیا ہے۔ کئی افراد نے مادہ پرستی پر عمل کیا جو کہ صرف بھیڑیوں کو زیب دیتا ہے۔ اپنے آپ کو روحانی ریاضت کے لیے وقف کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے دنیا سے رشتہ توڑ لیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ فرشتوں سے مشابہ تھے لیکن وہ صرف اپنے مفاد کے لیے کام کر رہے تھے جب کہ انسانی معاشرے کو ان سے بمشکل ہی کوئی فائدہ پہنچ رہا تھا۔ ہر شخص یہ بھول گیا تھا کہ انسان بیک وقت جسم اور روح سے بنایا گیا ہے۔ انسانیت کو ایک رہنمائی کی ضرورت تھی۔ ایک "مذہب" کی جو ان کی عمومی رہنمائی کرتے ہوئے ان کو مادی اور روحانی دونوں راستے دکھائے۔ جو انسان کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک رابطہ، ایک توازن قائم کرتے ہوئے اسے ہم آہنگ ترقی کا راستہ بتائے۔ انسان نہ تو شیطان ہے اور نہ ہی فرشتہ اور نہ ہی پتھر ہے۔ وہ اچھے اور برے اعمال کرنے کی اہلیت رکھتا ہے لیکن وہ وجہ و دلیل بھی رکھتا ہے جس کی بنیاد پر وہ برے ارادوں اور اپنے جذبات کو کنٹرول کرتا ہے۔ اس زمانے میں انسان کو یہ تعلیم دینے کی اشد ضرورت تھی کہ اس کے صرف حقوق ہی نہیں ہیں بلکہ ان سے متعلقہ فرائض بھی ہیں اور یہ کہ اس نے جو کچھ اس دنیاوی زندگی میں کیا ہوگا اس سب کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔

باب 04

مقام کا انتخاب

31: محیط کی نسبت مرکز سے حرکت زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔اس زمانے میں دنیا کو نئے سرے سے نئے رخ پر ڈالنے کی ضرورت تھی۔سوال یہ تھا کہ اس اصلاحی مشن کا مرکز یعنی ''ہیڈکوارٹر'' کہاں قائم کیا جائے؟

جغرافیائی وجوہات

32: زمین کی طرح کے کروی جسم پر کسی بھی جگہ کوئی نقطہ اس کا مرکز ہوسکتا ہے لیکن چونکہ تمام دنیا پر انسانی آبادی نہیں ہے اس لیے ہمیں وہ علاقے چھوڑ دینا چاہئیں جو پانی سے ڈھکے ہوئے ہیں، جہاں پہاڑ ہیں اور یہ کہ جو برف پوش ہیں۔ باقی سب کچھ ایک یا دوسرے نصف کرّے پر پایا جاتا ہے اور یوں لازمی طور پر انتخاب ''پرانی دنیا'' کا ہی ہوتا ہے جو وسیع تر ہے اور زیادہ گنجان آباد ہے۔

33: ایک دفعہ نصف کرّے کا انتخاب کرلیا جائے تو پھر آیئے ہم دنیا کے نقشے پر مرکزی مقام کو تلاش کریں جو کہ تین براعظموں یورپ، افریقہ اور ایشیا کے درمیان میں ہے۔ ہماری توجہ فوری طور پر عرب کی جانب مبذول ہوتی ہے جو ایشیا، یورپ اور افریقہ سے مساوی فاصلے پر ہے۔اگر انسانی تہذیب وتمدن پر آب وہوا اور موسمی حالات کے اثرات کو مدنظر رکھا جائے تو ہم تین قریبی شہروں مکہ، طائف اور مدینہ کی مثلث میں ایک حیران کن حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں۔مکہ معظمہ افریقی صحراؤں کی نمائندگی کرتا ہے۔ مدینہ منورہ معتدل درجہ حرارت والے ممالک کی زرخیزی جب کہ طائف جنوبی یورپ کی آب وہوا کی نمائندگی کرتے ہیں۔ظہور اسلام سے قبل ہی ان تینوں

شہروں کے آپس میں قریبی روابط تھے اور مشترکہ مفاد نے انہیں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا تھا یوں کم از کم عملی طور پر یہ ایک کنفیڈریشن تھے جب کہ مکہ مکرمہ اپنی تجارتی و معاشی تنظیم کے ذریعے ان میں رابطہ پیدا کیے ہوئے تھا۔

34: مزید یہ کہ عرب اس دور میں واحد ملک تھا جس سے یورپ، افریقہ اور ایشیا تینوں طاقتور براعظموں کے معاشی اور سیاسی مفادات وابستہ تھے۔ مثلاً عرب کے شمال میں بازنطینیوں کی حکومت تھی۔ مشرق اور شمال مشرق میں ایرانیوں کے ممالک محروسہ تھے یعنی عمان، بحرین (جدید الحساء) اور عربی عراق، مزید یہ کہ حبشی یمن پر حکمرانی کرتے تھے۔

35: تینوں براعظموں کے سنگم پر ہونے کی وجہ سے اور یہ کہ ہر ایک کے عمل اور ردعمل کا مرکز و محور ہونے کی وجہ سے عرب کسی دوسرے ملک کی نسبت ان تینوں براعظموں کے باشندوں اور ان کے رسوم و رواج کو زیادہ بہتر جانتا تھا۔

36: درحقیقت پرانے دور میں لوگ مکہ مکرمہ کو ''نافِ ارض'' یعنی زمین کا مرکز کہا کرتے تھے۔

عمرانیاتی وجوہات

37: یہ ایک بالکل حیران کن حقیقت ہے کہ انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ متمدن و مہذب ممالک پر غیر مہذب وحشیوں نے مادی وسائل نہ ہوتے ہوئے بھی حکومت کی ہے مثلاً رومیوں پر جرمن قبائل نے، چینیوں پر منگولوں نے وغیرہ وغیرہ۔ مزید یہ کہ قدیمی تہذیب و تمدن کو اعلیٰ و ارفع ثقافت و تمدن کا درجہ حاصل کرنے کے لیے بتدریج ترقی کرنا چاہیے۔ آسان اور آرام دہ طرز زندگی متمدن و مہذب لوگوں کو بہت سی خوبیوں سے محروم کر دیتا ہے جو کہ مہم جوئی اور حتیٰ کہ دفاع کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ متمدن و مہذب لوگوں میں خاص طور پر موت کا خوف قوی ہوتا ہے۔

38: اگر مکمل طور پر متمدن و مہذب ملک کو نئے خون کی امداد و اعانت ملنا بند ہو جائے چاہے وہ غیر مہذب خون ہی کیوں نہ ہو جو کہ باہر سے آ رہا ہو تو اس کے پاس نیا شباب حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں رہتا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ صحراؤں میں گھرے شہر اور خانہ بدوشوں کے قریبی

رشتہ دار شہری لوگ عرب کا امتیازی و خصوصی وصف و عمل تھا۔

39: اگر وسطی ایشیا نے چین سے مرکزی و وسطی یورپ کی جانب نو آباد کار اور متوطن بھیجے تو عرب بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہا۔ اس بات کی صداقت کی تصدیق کیے بغیر کہ قبل از اسلام عربی سمرقند جیسے دور دراز علاقے تک گئے تھے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عربوں نے نہ صرف نو آبادیات قائم کیں بلکہ حتیٰ کہ اپنی سرزمین اور مادر وطن سے بہت دور ''حلب'' جیسی بادشاہتوں کو بھی وجود دیا۔ ہمارا ارادہ یہ نہیں کہ ہم نسل انسانی کے آغاز پر بحث کریں یا حتیٰ کہ ''سامی'' زیر غور لائیں لیکن یہ خیال کرنا دیدہ دلیری اور شوخ چشمی نہیں کہ عربی قدیم ترین افراد میں سے ہیں جو اب تک زندہ ہیں۔ مثلاً ہمیں یہ علم ہے کہ عبرانی اور دوسری قدیم سامی زبانوں کی بے قاعدگیوں اور مسائل کی عربی زبان کے قواعد و ضوابط کی مدد سے بہ آسانی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ ہماری رائے میں یہ محض ان وجوہات سے ممکن ہے۔ (1) عربی اتنے ہی قدیم ہیں جتنا کہ قدیم ترین سامی۔ (2) عربوں نے اپنی زبان کو صدیوں تک خالص اور محفوظ رکھا ہے۔ درحقیقت 1500 سال کی زمانی مدت و وقت کے باوجود سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی عربی نثر و شاعری آج کی عربی نثر و شاعری سے مختلف نہیں ہے چاہے وہ ذخیرۂ الفاظ ہو، گرائمر ہو یا الفاظ کی ساخت و بناوٹ اور صوتی آہنگ ہو۔

40: المختصر عربوں نے اپنے تمام عہد رفتہ کے دوران اپنی طاقت و صلاحیت کو محفوظ رکھا۔ سینٹ ہیلینہ (Saint Helena) میں اپنی جلا وطنی کے دوران تحریر کردہ اپنی سرگزشت و آپ بیتی میں نپولین کا یہ خیال صحیح تھا کہ ''اتفاقی حالات سے قطع نظر جو کہ بعض اوقات حیرت انگیز واقعات عمل میں لاتے ہیں۔ یعنی اشاعت و قیام اسلام میں، مگر کچھ اور عوامل بھی رہے ہیں کہ جن سے ہم ابھی تک ناآشنا ہیں۔ یہ کہ دنیائے عیسائیت میں اس قدر حیران کن کھلبلی مچی کی اس کی لازمی طور پر کوئی بنیادی وجہ ہوگی جو کہ ابھی تک ہم سے پوشیدہ ہے۔ ہوسکتا ہے یہ لوگ (عربی) جو صحراؤں کی گہرائیوں سے اچانک ابھر کر سامنے آئے جن کی آپس میں طرفین کی تباہی کا موجب بننے والی طویل جنگیں ہو چکی تھیں جن کے دوران ان کے عظیم کردار، خصائل اور ناقابل مزاحمت تحریکی جذبات کی تشکیل و تعمیر ہوئی یا اس قسم کی کوئی اور وجہ ہوسکتی ہے وغیرہ۔''

41: حجاز کی قدیم تاریخ میں کم از کم پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت سے کوئی مذہبی

مصلح یا کوئی فاتح نہیں ملتا۔ یہاں کے باشندوں کی خوابیدہ طاقت وصلاحیت کو صحیح شکل اور درست سمت اسلام نے دی اور انہیں پہلے کی نسبت بہتر مقاصد کی طرف مائل و قائل کیا۔ اسلام نے عربوں سے خوف کا مکمل خاتمہ کیا اور حتیٰ کہ اسلام کے مقصد کی خاطر جان تک قربان کرنے کی رضامندی پیدا کی مزید یہ کہ دوسرے انسانوں کی زندگی اور خون کا احترام پیدا کیا چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بلکہ حتیٰ کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ادوار میں بھی عربوں کی سلطنت کی علاقائی وسعت خونی جنگوں کی وجہ سے نہیں تھی ۔ مثال کے طور پر شمالی شام اور فونیشی ساحلی علاقے (Phoenicinan Coast) فوج کی سادہ پیش قدمی سے فتح ہوئے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)۔

42: ایک اور پہلو یہ ہے کہ کسان اپنی زمین ومٹی سے اتنے زیادہ منسلک ہوتے ہیں کہ وہ نہ تو مہم جوئی کا کوئی جذبہ رکھتے ہیں اور نہ ہی دنیا کے کسی دور کے علاقے میں جانے کے لیے اپنا ملک اور اپنے عزیز واقارب چھوڑنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ مہم جوئی کا جذبہ تمام عظیم ذمہ داریوں کے لیے پیشگی شرط وضرورت ہے۔ وہ لوگ جو صنعتی زندگی گزارتے ہیں وہ بھی ایک مستقل مقام پر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ صرف درآمد، برآمد کا کاروبار کرنے والے تاجر اور تجارتی قافلوں والے لمبے سفر کی کشش رکھتے ہیں کیونکہ دراصل یہ ان کی ضرورت وذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اس کے وہ عادی بھی ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ جو کہ دین اسلام کی جائے آغاز ہے اسے قرآن الحکیم نے ''بغیر زراعت کی وادی'' کہا ہے (القرآن 40:14) اس قسم کے ماحول میں صنعت کا وجود نہیں ہو سکتا۔ مکہ والے خانہ بدوش نہیں تھے۔ تقریباً دو ہزار سال سے ست روی کی زندگی گزارتے ہوئے ان کا سب سے زیادہ عام ذریعہ معاش قافلہ وکارواں کی زندگی تھا۔ اس دور میں یورپ اور ہندوستان و چین کے مابین تجارت عرب کے راستے سے ہوتی تھی ۔ قریش مکہ تقریباً تمام بین الاقوامی تجارت اور قبل از اسلام عرب کی معاشی تنظیم کی سربراہی کر رہے تھے۔ انہوں نے دوسروں کے علاوہ حبشہ کے شاہ نجاشی اور یمن کے بادشاہ کندی کے ساتھ تجارتی ومعاشی معاہدے کیے ہوئے تھے۔ مکہ والے ہر سال شام، مصر، عراق، یمن اور حبشہ جایا کرتے تھے۔ وہ اپنی مذہبی اور سیاسی فتوحات سے پہلے ہی ان ممالک کی رسومات، عادات، قوانین اور سفری راستوں کو مکمل

طور پر جانتے تھے۔

43: فتح اور زیر نگیں علاقے میں وسعت ان لوگوں کے لیے آسان تر ہوتی ہیں جنہیں حرکت وسفر کرنے کی بہتر سہولیات میسر ہوں۔ اس دور میں گھوڑا اور اونٹ لڑائی اور نقل وحمل کے بہترین ذرائع تھے اور ہم جانتے ہیں کہ عرب میں اونٹ بکثرت پائے جاتے ہیں جب کہ عربی گھوڑا بین الاقوامی طور پر مشہور ہے۔

عملی وجوہات

44: مکہ، طائف اور مدینہ کی شہری ریاستوں کی بحث ایک ایسا موضوعی مواد ہے کہ جس کا بہت گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ہم بعد ازاں قبل از اسلام ملکی حکومت کا مطالعہ کریں گے۔ ہمیں یہاں محض اس امر کی نشاندہی کرنا ہے کہ ان تینوں شہروں میں اس قسم کی جمہوریت تھی جو وہاں کے شہریوں اور حقوق شہریت دیئے جانے والے غیر ملکیوں کے مابین مساوات پر قائم تھی۔ وہاں نہ تو کوئی ذات پات کا وجود تھا اور نہ ہی اعلیٰ و ادنیٰ کا تصور تھا۔ حتیٰ کہ سردار بھی ''مساوی افراد میں پہلا'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ رنگ ونسل کے امتیازات نہیں تھے۔ بین الاقوامی منظر نامے میں کسی اثر ورسوخ اور اہمیت نہ ہونے کی بناء پر عرب دوسروں کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کی بہتر پوزیشن میں تھے۔ عرب اپنے آپ کو چینیوں کی طرح ''عالم بالا کی مخلوق'' یا یہودیوں کی طرح ''خدا کے منتخب افراد'' یا یونانیوں کی طرح ''قدرت کی طرف سے آقا ہونا ان کا مقدر تھا جب کہ باقی تمام انسانیت ان کی غلام بنائی گئی تھی'' نہیں سمجھتے تھے (ارسطو ''پالٹکس'' کتاب ا، باب 7) بلکہ عرب انفرادی صلاحیت کے مطابق اہمیت پر یقین رکھتے تھے۔

نفسیاتی وجوہات

45: سوائے ساحلی علاقوں کے عرب کا مکہ مکرمہ سمیت زیادہ تر علاقہ ہمیشہ آزاد رہا ہے۔ رومی، بازنطینی اور ایرانی شہنشاہوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کی کئی مرتبہ کوششوں وکاوشوں کے باوجود کوئی بھی غیر ملکی اسے فتح کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ جس سال سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اسی سال ''ہاتھی والے لوگوں'' یعنی اہل حبشہ کا بہت بڑا

حملہ مکہ مکرمہ کے دروازے پر ہی ناکام و نامراد ہو گیا۔ظہور اسلام کے موقع پر مٹھی بھر عرب قبائل نے شمالی، مشرقی عرب میں ذوقار کے مقام پر طاقتور ایرانی فوج کو شکست فاش دی اور اس فتح نے جزیرہ نمائے عرب میں جوش و جذبہ پیدا کیا۔جس سے غیر ملکی طاقتوں کے حوالے سے عوامی سوچ و فکر میں تبدیلی آئی۔ یونیفارم (وردی) نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت عربوں نے جب کہ جنگ زوروں پر تھی دوست و دشمن میں فرق و تمیز کے لیے شناختی الفاظ استعمال کیے۔ہمیں قدیم مؤرخین سے علم ہوتا ہے کہ ذوقار کی جنگ میں عربوں کا شناختی نعرہ ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)'' تھا (الیعقوبی ''تاریخ'' جلد دوم صفحہ 47، ابن حبیب ''محبر'' صفحہ 360، طبری جلد اول 1031) لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ ایسا کیوں تھا۔ہم شاید اس کا تعلق اس حقیقت سے جوڑ سکتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے موقع پر تمام عرب میں یہ افواہ گردش کر رہی تھی کہ اسی دور میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گا اور یہ کہ اس کا نام ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا۔چنانچہ مدینہ منورہ کے رہائشی قبائل کنانہ اور سلیم وغیرہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام عام ہو گیا تھا اور خاص طور پر قبیلہ تمیم نے عیسائیوں سے یہ خبر لے کر افواہ پھیلا دی تھی (ابن حبیب ''محبر'' صفحہ 130) اس وقت کون سا بہتر انتخاب ہو سکتا تھا جب کہ ذوقار کے مقام پر وجود کے بقا کی اذیت ناک جدوجہد جاری تھی سوائے اس کے کہ جنگجوؤں کے جوش و جذبہ کو ابھارنے کے لیے اس نجات دہندہ کا نعرہ استعمال کیا جائے جس کا ایک عرصہ سے انتظار کیا جا رہا تھا؟

وجوہاتِ زبان و بیان

46: رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغام و کلام کے لیے عربی زبان کے انتخاب کے اپنے فوائد ہیں۔کوئی دوسری زبان تال و تناسب میں، الفاظ کی بناوٹ کے اصول و ضوابط میں، گردان و تعریف کے قواعد میں اور صوتیات و علامات وغیرہ میں عربی زبان کی مخصوص خصوصیات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ مفہوم و مطلب کی درستی و صحت کو مجروح کیے بغیر بات کو مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی زبان ہے۔اس میں نہ صرف اسم اشارہ و ضمیر بلکہ مصدر و فعل بھی مذکر اور مونث کے لیے علیحدہ ہیں۔صیغہ و تصریف کے زیادہ امکانات اور ذخیرۂ الفاظ کی بے کراں دولت نے اس زبان کو اس قابل بنا دیا ہے کہ یہ ہمہ قسم کے خیالات و نظریات اور معانی و مفاہیم کے مختلف

رنگ وآہنگ کو شاندار اور قابل تحسین طریقے سے ادا کر سکے۔ یہ انتہائی حیران کن امر ہے کہ عربی زبان کو صدیوں تک ارتقاء واحیاء کی ضرورت نہیں رہی۔ 1500 سال پہلے استعمال ہونے والی نثر ونظم گرائمر، ذخیرۂ الفاظ اور ہجوں کے حوالے سے آج سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔ عریبک ریڈیو براڈ کاسٹنگ سروسز تیونس، دمشق، قاہرہ یا بغداد جو زبان آج کل استعمال کر رہے ہیں یہ بالکل وہی ہے جو ہادیٔ کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ بات چیت میں استعمال کرتے تھے۔ بالکل یہی صورت حال شاعری کی ہے۔ عربی بولنے والوں کے لیے آج بھی معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اسی طرح واضح اور قابل فہم ہیں جس طرح وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے تھیں جنہوں نے انہیں سب سے پہلے سنا تھا۔ یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اصل مواد ومتن محفوظ کرلیا گیا ہے۔ کم مستحکم زبان منزہ ومتبرک کتاب کے لیے موزوں و مناسب نہ ہوتی کہ جو رب کریم وعظیم کے احکامات وارشادات پر مشتمل تھی (یعنی القرآن الحکیم) اور جس کے بعد نہ تو کسی نئے پیغمبر نے آنا تھا اور نہ ہی نئی وحی نے زمین پر اترنا تھا۔

باب 05

مکہ کا بحیثیت مرکز انتخاب

47: ''قدیم'' براعظموں میں مکہ مکرمہ کی مرکزی حیثیت کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ''ناف ارض'' کی نسبت اور کوئی علاقہ تمام دنیا میں آمد و رفت کے مرکز (ہیڈ کوارٹر) کے طور پر زیادہ موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔ تہذیب و تمدن سے محروم صحرائی علاقہ مکہ حملہ کی خواہش رکھنے والوں اور لالچی لٹیروں سے محفوظ بنا دیا گیا۔ اس کی روزی کے ذریعوں کامرس و کارواں نے بحفاظت کچھ دولت یہاں پہنچائی اور یہ کہ ایسے قدرت کے ساتھ ساتھ انسان کی بھی دوہری حفاظت میسر آئی۔ مکہ مکرمہ ایک ایسی وادی میں واقع ہے جو بلند و بالا پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور جس تک رسائی صرف تنگ گھاٹیوں کے ذریعے ممکن ہے جن کا آسانی سے دفاع کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ایک مقدس و محفوظ جائے امن و پناہ موجود ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے حضرت آدم علیہ السلام نے رب تعالیٰ جل شانہ، کا بطور نائب و خلیفہ زمین پر آنے کے بعد تعمیر کیا تھا۔ اس کی نئی اور دوبارہ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور اس کے تقدس و توقیر میں قبل از اسلام تمام قدیم زمانے میں پورے عرب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اگر عرب کے دوسرے بڑے شہر صرف ایک سالانہ میلے کی میزبانی کرتے تھے تو مکہ مکرمہ کے مضافات میں چار میلے منعقد ہوتے تھے۔ جس میں منیٰ، مجنہ، ذوالمجاز اور عکاظ شامل تھے۔ مکہ والوں کے مشرقی عرب میں تجارتی حریف اگر صحار اور دبا کے سالانہ بین الاقوامی تجارتی میلوں میں رجب کے صرف ایک مہینے میں رب تعالیٰ جل شانہ، کی طرف سے التوائے جنگ کی رعایت سے فائدہ اٹھاتے تھے تو مکہ والے اس سے عربی سال کے گیارہویں، بارہویں اور پہلے یعنی تین مسلسل مہینوں میں مفاد اٹھاتے تھے۔ (ابن حبیب ''المحبر'' صفحہ 265-266)۔ عربوں کی اکثریت التوائے جنگ

(متارکہ جنگ) کے ان چار مہینوں پر اکتفا کرتی تھی لیکن ''بسل'' کا ادارہ چند خاندانوں کی اذیت ناک لٹیروں سے آٹھ ماہ تک نگہبانی وحفاظت کرتا تھا (سیرت ابن ہشام صفحہ 66) اس کے ساتھ ساتھ پورے عرب میں آپس کے بے شمار اتحادی معاہدے اور ایران، حبشہ، بازنطین وغیرہ کی سلطنتوں سے میثاق نے مکہ والوں کو ایسی سیکیورٹی مہیا کر دی تھی جو کہ اس زمانے میں عرب کے دوسرے علاقوں میں نہیں تھی۔ بعدازاں قرآن الحکیم نے انہیں اس کی یاددہانی کرائی:

''اس لیے کہ اللہ نے قریش میں الفت واتحاد پیدا کر دیا۔ ان کو جاڑے اور گرمی کے (تجارتی) سفر کے لیے الفت واتحاد کے باعث ان کو اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن دیا۔'' (القریش 1 تا 4)

48: مکہ مکرمہ کی اہمیت ہر حوالے سے اس قدر زیادہ تھی کہ صحرا ہونے کے باوجود رومی و بازنطینی شہنشاہوں اور ایرانی وحبشی بادشاہوں سب نے اس شہر کو اپنے علاقوں میں شامل کرنے کے لیے کوشش کی۔ لیکن ام القریٰ (یعنی ''شہروں کی ماں'' حتیٰ کہ قبل از اسلام کے ایام میں بھی اسے اسی نام سے پکارا جاتا تھا) نے کبھی بھی غیر ملکی حکومت وحاکمیت کو قبول نہیں کیا۔

49: شہری ریاست کی حیثیت سے مکہ مکرمہ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت بہتر طور پر منظم تھی۔ ''عہدے'' دس خاندانوں میں وراثتی بنیادوں پر تقسیم تھے۔ اس طرح انتظامی روایات بہت زیادہ افراد میں منقسم تھیں۔ ان ''وزراء کی کونسل'' کو بالغ شہریوں کی ''پارلیمنٹ'' (دارالندوہ) کنٹرول کرتی تھی۔

50: مکہ مکرمہ میں لکھائی کے فن (خطاطی) کی کمزور اشاعت وترویج کے باوجود اس کے شہری ادبی سرگرمیوں یعنی شاعری، مرصع نثر اور کہانی میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے جنہیں رات کے اجتماعات میں علی الاعلان بیان کیا جاتا تھا۔ ان کی میونسپل عبادت گاہ کعبہ میں بہترین نظمیں آویزاں کی گئی تھیں جو کہ محض مکی شاعروں کی نہیں تھیں بلکہ تمام عرب والوں کی تھیں اور یہ ان شاعروں کے لیے عظیم ترین اعزاز تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مکہ والے اپنے بچوں کو زبان وبیان کی اچھی تعلیم دینے میں کافی دلچسپی لیتے تھے اور اس مقصد کے لیے اپنے بچوں کو پیدائش سے ہی عالمی مراکز سے بہت دور دوسرے قبائل میں بھیجتے تھے جہاں ان کی کئی سالوں تک پرورش وپرداخت اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل ہوتی تھی۔

51: ظہور اسلام کے موقع پر مکہ والے اگر چہ بت پرست تھے پھر بھی وہ ایک عظیم خدا اور لاثانی وتمام تر طاقت وقدرت رکھنے والے اللہ کا نظریہ رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کے سامنے بت محض سفارش کنندہ اور واسطہ ووسیلہ ہیں۔ تجسس وجستجو کے جذبہ نے انہیں عیسائیت و مجوسیت جیسے ''غیر ملکی'' مذاہب اور دہریت جیسے فلسفوں وغیرہ سے بہ آسانی متعارف کرادیا تھا لیکن یقینی طور پر ان کے پیروکار بہت کم تعداد میں تھے۔ غیر معمولی طور پر انہوں نے غیر متوقع مذہبی بردباری ورواداری کا مظاہرہ کیا یعنی یہ کہ ایک ہی گھر میں مختلف مذاہب کے پیروکار رہ سکتے تھے۔ مزید براں کعبہ کے اردگرد سینکڑوں بت پائے جاتے تھے جو کہ تمام عرب کے مختلف قبائل کے بت تھے۔ کعبہ کے اندر دیواری نقاشی میں دوسروں کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کے پورٹریٹ تھے۔

52: مکہ والوں کے رسوم ورواج اور عادات واطوار بلا شک وشبہ بہت عمدہ اور شائستہ تھے غیر ممالک کی جانب اپنے دوروں کے مواقع پر، حج کے لیے ان کے شہر میں آنے والے غیر ملکیوں کے ساتھ برتاؤ میں اور بین الاقوامی قافلوں کی آمدورفت کے مواقع پر وہ ان کا مظاہرہ کرتے تھے۔

53: اسلام کو محض ان کی خوبیوں کو چمکانا اور ان کو بے مثل و بے مثال نصب العین دینا پڑا جب کہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی تصحیح کرنا پڑی۔

باب 06

اعلیٰ خدائی مشن کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب

54: رب تعالیٰ جل شانہ، کسی بھی کام کے لیے کسی بھی شخص کا انتخاب فرما سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہ، کی قوت وقدرت کی کوئی حد نہیں اور اس کی مرضی ومنشاء کی کوئی سرحد نہیں۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وجوہات واثرات کے ایک سلسلہ کے تحت ڈیزائن کر کے اس دنیا کو تخلیق کیا تو کوئی بھی ذی شعور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے خدائی مشن کے لیے انتخاب میں روبہ عمل چند وجوہات کو سمجھ سکتا ہے اور پھر یہ کہ شہر مکہ مکرمہ آباد شدہ زمین کے بالکل درمیان میں قابل تعریف وتحسین جگہ ہے اس مشن کے لیے ابتدائی مقام عمل ٹھہرا۔

55: ظہور اسلام کے وقت مکہ شہر آباد تھا اور اس پر قریش قبیلے کے عربوں کی حکومت تھی جب کہ غلاموں اور غیر ملکیوں سمیت اس کے رہائشی افراد کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ بادشاہت و ملوکیت کی بجائے دس بڑے خاندانوں کی چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں شہری سلطنت پر حکومت تھی۔ ان دس خاندانوں میں بنوامیہ کے پاس فوجی طاقت وقوت تھی جب کہ بنو ہاشم کے پاس مذہبی طاقت وقوت تھی اور یہ دونوں قبائل اگرچہ سب سے ممتاز تھے مگر ایک دوسرے کے حریف تھے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق قبیلہ بنو ہاشم سے تھا۔

56: قریش یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ونسل سے ہیں اور عراق سے آئے ہیں۔ جب مذہبی ایذارسانی کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا وطن چھوڑا تو وہ سب سے پہلے مصر تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے پہلے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے شادی کی۔ بعد ازاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فلسطین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر چھوڑنا پڑا اور رہنے کے لیے ایک صحرا میں

اس جگہ جانا پڑا جہاں پانی کا چشمہ نکلا۔ قریش جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد و نسل ہیں ان کے مطابق وہ چشمہ ''زم زم'' ہے جو کہ مکہ مکرمہ کے علاقے میں پایا گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کی ایک عرب لڑکی سے شادی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام سے آ کر وقتاً فوقتاً حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مل جایا کرتے تھے اور انہوں نے ایک عبادت گاہ تعمیر کی جو کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کے لیے وقف تھی یعنی کعبہ یا اللہ تبارک وتعالیٰ کا گھر۔ ظہور اسلام کے وقت یہ عبادت گاہ پہلے ہی سے تمام عرب والوں کے لیے حج کا مرکز بن چکی تھی۔ کعبہ، یروشلم کی عبادت گاہ سے بھی زیادہ قدیم ہے اور قرآن الحکیم قطعی مبالغہ نہیں کرتا جب وہ کہتا ہے کہ یہ زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ''پہلا گھر'' ہے۔ (القرآن 96:3)

57: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے نہ صرف قدیم ترین مسلک توحید و وحدانیت کی روایت وراثت میں پائی تھی بلکہ اس کی شریانوں میں بابل، مصر اور عرب کی مختلف نسلوں کا خون تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس نے اس خاندان کو چھوٹی چھوٹی مخاصمتوں اور عصبیتوں سے پاک وصاف رکھا تھا حتیٰ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتہ داروں میں ایک یونانی بھی تھا۔ (''نسب قریش'' صفحہ 254) درحقیقت قدیم ماہر انساب مصعب بیان کرتا ہے کہ ابوالرم ابن عمیر کی والدہ یونانی تھیں۔ (''نسب قریش'' صفحہ 24) ابوالرم ابن عمیر کے بھائی مصعب ابن عمیر (جو کہ قریشی و مکی ہونے کے ساتھ ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے) نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کی (اس خاتون کا نام حمنہ بنت جحش تھا اور یہ امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) ہم بعد ازاں مطالعہ کریں گے کہ نبیؑ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں (امہات المومنینؓ) نہ صرف عرب خواتین تھیں بلکہ یہودی اور قبطی بھی تھیں۔

58: ابن حبیب (''امہات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'') نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کی بزرگ خواتین پر کام کیا ہے جس میں بیس سے زائد نسلوں کے ادوار کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ساتھ ساتھ دوسرے ذرائع (مثلاً ابونعیم " دلائل النبوۃ " باب 20) میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں (طائف کے حکمران) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی والدہ ماجدہ ایک ہی یمنی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے

حیرہ میں لخمی شاہی سلسلے کی بنیاد رکھی اور ان بزرگ (آباء واجداد) خواتین کا تعلق جزیرہ نمائے عرب کے انتہائی مختلف قبائل سے تھا جیسا کہ کنانہ، ازد، خزاعہ، قضاعہ، سلیم، عدوان اور دوسرے۔

59: مکہ مکرمہ پر مختلف قبائل کی چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں شہری حکومت میں حضرت عبدالمطلب ''دس وزراء'' میں سے ایک تھے۔ ان کے دس بیٹے تھے جن میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ اگرچہ ان کے سب سے بڑے بیٹے نہیں تھے لیکن وہ حضرت عبدالمطلب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اپنے والد محترم کی وفات کے چند ہفتوں بعد ہوئی۔ ان حالات میں نوجوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی ایسا موقع نہیں تھا کہ وہ اپنے آبائی شہر میں کوئی مقام و مرتبہ حاصل کر سکیں۔ اخلاقی اور قلبی خصوصیات قابل وراثت ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک بڑے (بیٹے) سے اس کے بڑے (بیٹے) میں منتقل ہوں۔ حتیٰ کہ یہ دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر خصوصیات جو بادشاہت کے لیے ضروری ہوتی ہیں وہ نوجوان اور چھوٹے بیٹے میں پائی جاتی ہیں اور چند خامیاں بھی جیسا کہ غرور، فیصلے میں جلد بازی، آرام و آسائش اور توہین عمل وغیرہ۔ مزید یہ کہ ولی عہد شہزادے کو پہلے تو اس کے اپنے ہی والدین خراب کرتے ہیں جبکہ دربار میں خوشامدی اسے بگاڑتے ہیں تاہم نوجوان و چھوٹے بیٹے یا یتیم شہزادے کی بہتر پرورش کے لیے زیادہ مناسب و موزوں مواقع ہوتے ہیں۔ ایک ایک کر کے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نگہبان و سرپرست اللہ تبارک و تعالیٰ کو پیارے ہوتے گئے۔ اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بوڑھے دادا کے پاس ٹھہرے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا فوت ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک محض آٹھ برس تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابو طالب کے پاس رہنے لگے جو فراخ دل تو تھے مگر اتنے زیادہ امیر نہیں تھے۔ نوجوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گلہ بان کی حیثیت سے اپنی روزی کمانے کا آغاز کرنا پڑا۔ نو (9) سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلسطین کی جانب ایک تجارتی سفر میں اپنے چچا کی رفاقت اختیار کی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی خاتون کا سامان تجارت لے کر دوسری مرتبہ اکیلے جانا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تاجر کی حیثیت سے یمن اور عبدالقیس کی سرزمین (بحرین، عمان، مشرقی عرب) بھی تشریف لے گئے۔ (طبری، تاریخ، جلد اول صفحہ 1129، مسند ابن حنبل جلد چہارم صفحہ 206)۔ اگر

صرف معلومات کی خاموشی ان کے عدم وجود کو ثابت نہ کرے تو یہ سوچنے اور خیال کرنے کی ایک وجہ بنتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاید سمندر کے ذریعے حبشہ بھی جا چکے تھے۔ ان تمام تجارتی سفروں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازنطین، ایران، یمن اور حبشہ کے انتظامی قوانین اور رسوم و رواج کے بارے میں علم حاصل ہوا۔ چالیس سال کی پختہ عمر میں ایسی تجربہ کار شخصیت کو لوگوں کی اصلاح کا خدائی حکم ملا۔ اپنے آبائی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''الامین'' (ایماندار) کا لقب حاصل کر چکے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ 125) شہر کے یتیم اور بیوائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر محافظ سمجھتے تھے اور غیر ملکی تاجر بھی جب وہ مکہ مکرمہ آتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حمایت و معاونت طلب کرتے تھے تا کہ مکی گاہکوں کے ساتھ تجارتی لین دین میں حساب کتاب (اکاؤنٹس) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہتر طور پر طے کرا سکیں۔ (ابن ہشام صفحہ 256 تا 258)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب نے کوئی مبالغہ نہیں کیا تھا جب انہوں نے اپنے بھتیجے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیات و خصائل کی تعریف و تحسین میں ایک نظم لکھی جس میں کہا گیا کہ:

بارش کے لیے مانگی جاتی ہیں دعائیں جس کے نام سے، وہ حسین چہرہ
بیواؤں کا محافظ و نگہبان، یتیموں کا ملجا و ماویٰ
(ابن ہشام صفحہ 174)

باب 07

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد

60: اسلامی روایت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ ایک ایسے علاقے میں ہمیشہ کے لیے رہائش پذیر ہوئے جو بعدازاں شہر مکہ مکرمہ بنا۔اس علاقہ میں قبیلہ جرہم کے لوگ رہتے تھے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے شادی کی لیکن صدیوں بعد بھی ہم اس خاندان کے بارے کچھ نہیں جانتے البتہ ہم مکمل یقین و وثوق کے ساتھ عدنان کے دور سے مستند علم رکھتے ہیں جو سلسلہ نسب (شجرہ نسب) کے حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں 21 ویں پشت سے تھے تمام عرب دو بڑے قبائلی سلسلوں میں تقسیم ہیں۔ (1) عدنانی (شمال والے)، (2) قحطانی (جنوب والے)۔ مضر اٹھارہویں پشت سے، کنانہ چودہویں جبکہ قریش گیارہویں پشت سے تھے۔عربوں نے شمالی قبیلہ (عدنان) کی مختلف شاخوں کوان کے مطابق نام دیئے ہوئے تھے۔جہاں تک کعب ابن لُوَیّ کا تعلق ہے وہ نویں پشت سے تھے۔وہ پہلے ہی سے ہفتہ وار (نماز پڑھتے) عبادت کرتے تھے جس میں خطبہ بھی شامل ہوتا تھا۔ ایسا وہ جمعۃ المبارک کے روز کرتے تھے۔اس دور میں اسے یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔(ابن الجوزی "الوفا" ص74,73)

61: قُصَیّ کے ساتھ اس خاندان کی کہانی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔اس کے والد کلاب شاید تجارتی و معاشرتی مہم پر اپنا گھر چھوڑ کر فلسطین گئے۔راستے میں انہوں نے قبیلہ قضاعہ کی ایک لڑکی سے (فاطمہ بنت سعد) شادی کی جن کے بطن سے قُصَیّ پیدا ہوئے قُصَیّ کے والد ماجد کی وفات کے بعد اس کے چچا اسے مکہ مکرمہ میں اپنے گھر لے آئے جب کہ بہت زیادہ غم والم کے عالم میں قُصَیّ کی والدہ محترمہ اپنے قضائی والدین کے پاس پیچھے ہی رہ گئیں۔(ابن ہشام صفحہ 75)

62: اس وقت شہر مکہ پر خزاعہ قبیلے کی حکومت تھی اور قُصَیٰ نے قبیلہ خزاعہ کے سردار کی بیٹی سے شادی کی جو کہ کعبہ کا متولی ومحافظ بھی تھا۔ بعدازاں سردار کا بیٹا کچھ مالی فوائد کے بدلے میں مذہبی ذمہ داری سے قُصَیٰ کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ لیکن دوسرے خزاعی صرف طاقت کے آگے جھکتے تھے قُصَیٰ نے اپنی والدہ کے قبیلے کی حمایت حاصل کی (البلاذری ''انساب'') اور حتیٰ کہ اس کے حق میں بازنطینی شہنشاہ نے بھی مداخلت کی (ابن قتیبہ ''معارف'' صفحہ 313) خزاعی قبیلہ کے افراد کو شہر چھوڑنا پڑا اور وہ مضافات والوں کے ساتھ اطمینان سے رہنے لگے۔

63: قُصَیٰ کے دور حکومت میں مکہ مکرمہ کو بہت زیادہ خوشحالی نصیب ہوئی۔ انتظامیہ کو نئے سرے سے دوبارہ منظم کیا گیا حتیٰ کہ اسے ''جمہوری'' بنا دیا گیا۔ قُصَیٰ نے دارالندوہ (غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے لیے عوامی جگہ) تعمیر کیا جہاں 40 سال یا اس سے زائد عمر کا ہر شہری اپنے شہر کے معاملات کو سلجھانے کے لیے بیٹھ سکتا تھا۔ یہ قُصَیٰ ہی تھا جس نے شہر کے باشندوں پر سالانہ ٹیکس رفادہ نافذ کیا تا کہ حاجیوں اور مکہ مکرمہ کے میلوں پر آنے والوں کی مدد کی جا سکے۔ قُصَیٰ ہی نے شامیانے ہٹا کر پتھر کے گھر تعمیر کر کے مکہ مکرمہ کو شہری شکل وصورت دی۔ (البلاذری ''انساب'' کے مطابق قُصَیٰ نے مکہ مکرمہ میں پینے کے پانی کا ایک کنواں بھی کھدوایا) اکثر قدیم مؤرخین کے مطابق کسی شخص کو یہ جسارت وجرأت نہیں تھی کہ وہ وادی میں موجود چند درختوں کو کاٹے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ قُصَیٰ ہی تھا جس نے اس توہم کا خاتمہ کیا لیکن البلاذری اس کے برعکس ہمیں یقین دلاتا ہے کہ جب مکانات تعمیر کیے جا رہے تھے تو وہاں کے رہائشی افراد درختوں کو کاٹنا چاہتے تھے مگر قُصَیٰ کی لگائی گئی پابندی کی وجہ سے درختوں کو حتیٰ کہ مکانوں کے صحنوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ اس حوالے سے قصی شکریہ کا مستحق ہے۔ ہمارا مصنف (البلاذری) اس حقیقت پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ آنے والی نسلوں نے اس پابندی وحکم کے گہرے مفہوم ومطلب کو نہ سمجھا اور مکہ کی سرزمین سے بہت مفید درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جنہیں موسمی حالات کی وجہ سے دوبارہ اگانا بہت مشکل تھا۔

64: قصی کے بیٹے عبد مناف نے غیر ممالک کے ساتھ سیاسی ومعاشی تعلقات استوار کر کے مکہ مکرمہ کی عزت وتوقیر میں اضافہ کیا۔ اس طرح بازنطینی اور ایرانی شہنشاہوں کے ساتھ ساتھ دوسروں۔ نے اس کو اپنے اپنے علاقوں میں کاروان بھیجنے کی اجازت دی۔ (ابن سعد ''طبقات'' جلد

اول، باب اول صفحہ 42 تا 46، یعقوبی ''تاریخ'' جلد اول صفحہ 280 تا 282)۔

65: عبد مناف کے فرزند ہاشم اپنی سخاوت کے حوالے سے مشہور ہیں۔ وہ بہت بڑے تاجر بھی تھے اور اکثر فلسطین جایا کرتے تھے۔ غزہ میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ مکی قافلوں کو مدینہ منورہ سے گزرنا پڑتا تھا اور یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ ہاشم نے ایک خوبصورت مدنی خاتون (سلمٰی) سے شادی کی۔ یہ خاتون مشہور سردار احیحہ ابن الجلاح کی بیوہ تھیں۔ اس سردار کے محل کے کھنڈرات اب بھی مدینہ منورہ کے زائرین کو نظر آتے ہیں۔ اس خاتون کے بطن سے عبد المطلب (اصل نام شیبہ تھا) پیدا ہوئے جو چند سالوں (8 برس) تک مدینہ منورہ میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہے اور بعدازاں اپنے چچا (مطلب) کے ہمراہ مکہ چلے گئے۔

(ابن ہشام صفحہ 88)

66: سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب عمدہ اور شریف کردار کے انسان تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بہتر قلبی اوصاف نے انہیں سردار بنایا۔ لوگ ان کی عزت کرتے تھے اور ان سے محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد المطلب دراز قامت، خوبصورت رنگ وروپ اور حسین وجمیل داڑھی کے مالک تھے۔ انہوں نے ایک خواب کے بعد متبرک کنوئیں زم زم کی جگہ کو دوبارہ دریافت کیا جس کے نشانات قبیلہ جرہم کے افراد کے جانے کے بعد گم ہو چکے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ 88) خانہ کعبہ سے چند گز کے فاصلے پر واقع اس شہری مقدس مقام اور متبرک کنوئیں کی ملکیت حضرت عبد المطلب کے حوالے سے متنازعہ بن گئی تھی۔ کیونکہ وہ اسے پرائیویٹ پراپرٹی بنانا چاہتے تھے۔ یہ ثالثی حتیٰ کہ بذریعہ طاقت فیصلے والا مسئلہ بن گیا۔ حضرت عبد المطلب نے ہمیشہ اپنی والدہ ماجدہ کے خاندان والوں سے تعلقات قائم رکھے تھے۔ آپ اکثر ان کے پاس جاتے تھے اور انہیں تحائف بھی پیش کرتے تھے۔ (بلاذری ''انساب'') یہ کوئی حیران کن بات نہیں اگر قدیم مؤرخین اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے اس معاملے میں اپنے رشتہ دار کے مفاد کا دفاع کرنے کے لیے گھڑ سواروں کی ایک مکمل رجمنٹ آئی تھی۔

67: یہ وہ دور تھا جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور خزاعہ قبیلے میں اتحاد قائم ہوا۔ ایسا اتحاد جو حتیٰ کہ ظہور اسلام کے بعد بھی برقرار رہا۔ اور یہ بھی اسی

زمانے کی بات ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے قسم کھائی اور عہد کیا کہ اگر اس کے دس بیٹے ہوئے تو وہ ان میں سے ایک کو رب تعالیٰ جل شانہ، کی راہ میں قربان کر دیں گے (ابن ہشام صفحہ 97)۔ یہ قدیم روایت تھی جو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد دلاتی ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے وہ چاہتے تھے کہ قربان کیے جانے والے بیٹے کا انتخاب بذریعہ قرعہ کریں اور یہ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونے والے والد محترم تھے کہ جن کا نام قرعہ میں نکلا تھا۔ قسمت کا حال بتانے والی ایک خاتون نے مشورہ دیا کہ رب تعالیٰ کے نام پر قربان کرنے کے لیے کچھ اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا جائے۔ اونٹوں کی تعداد بڑھائی جاتی رہی مگر ہر دفعہ حضرت عبداللہ کے نام ہی نکلتا تھا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اونٹوں کی قربانی قبول فرمائی یعنی قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اسے دس اونٹوں سے شروع کیا گیا لیکن 100 اونٹوں پر قرعہ اختتام پذیر ہوا۔

:68 حضرت عبدالمطلب سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے یمن سے واپسی پر مکہ والوں کو سفید بال رنگنے کا طریقہ بتایا۔ روایت ہے کہ ایک جذامی (جس کا تعلق شمال مغربی عرب سے تھا) کو قتل کر دیا گیا۔ جذامیوں نے بدلہ لینے کی خاطر ایک مکی کو قید کر لیا جو ان کے علاقے سے دوران سفر گزر رہا تھا۔ جب یہ واقعہ ہوا تو حضرت عبدالمطلب طائف کی جانب محو سفر تھے۔ وہاں سے واپسی پر انہوں نے جذامیوں کی وکالت و حمایت کی اور اپنے شہر کے رہائشی کو قید سے آزاد کرانے کے لیے بذات خود بہت بڑی رقم بطور قصاص ادا کی (بلاذری "انساب") یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے ہمسائے اور زیر حمایت ایک یہودی کو ایک دن خفیہ طور پر قتل کر دیا گیا۔ بڑی محنت طلب تفتیش کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ایک مکی قبیلے کا سردار حرب ابن امیہ قتل کے اس منصوبے کا محرک اور ترغیب کنندہ تھا۔ اپنے جرم سے انکار کرتے ہوئے حرب ابن امیہ کو غیر جانبدار ثالث کی تقرری کو ماننا پڑا۔ دونوں پارٹیوں نے حبشہ کے شاہ نجاشی کو اپنا ثالث بنانے پر اتفاق کیا مگر اس نے ثالث بننے سے انکار کر دیا۔ اس پر ایک اور ثالث کا انتخاب کیا گیا۔ ثالث نے حرب ابن امیہ کو قصور وار ٹھہرایا چنانچہ حرب بن امیہ کو نہ صرف خون بہا ادا کرنا پڑا بلکہ اسے وہ تمام رقم بھی واپس کرنا تھی جو یہودی کے ہاں سے چرائی گئی تھی جو حضرت عبدالمطلب نے مقتول یہودی کے چچازاد کو ادا کی۔ ایک مرتبہ پھر یہ حضرت عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے یمن کے حبشی

گورنر ابرہہ سے مذاکرات کیے جو مکہ کو فتح کرنے آیا تھا، کعبہ کی عزت وحرمت پامال کرنا چاہتا تھا (نعوذ باللہ) اور عیسائیت کی ترویج واشاعت کا خواہش مند تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 34) ہم بعد ازاں ''ہاتھی کے ساتھیوں'' کی اس مہم کے نتیجے کی تفصیل بیان کریں گے جن کی نشانی اور یادگار کو قرآن الحکیم میں محفوظ کیا گیا ہے (سورۃ 105) اسی سال (عام الفیل) ہی جب کہ ہاتھی والوں کا یہ واقعہ ہوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آٹھ سال بعد جب حضرت عبدالمطلب کا بڑھاپے میں انتقال ہوا تو غم والم اس قدر زیادہ تھا کہ مارکیٹ کئی روز تک بند رہی۔ (بلاذری ''انساب'') خاندان کے اندران کی بیٹیوں اور دوسری رشتہ دار خواتین نے نہ صرف نوحے پڑھے بلکہ حتیٰ کہ اپنے غم کا اظہار کرنے کے لیے اپنے بال تک کاٹ ڈالے۔

69: حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے بارے زیادہ معلوم نہیں۔ وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں جوانی کی عمر میں ہی وفات پا گئے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے چھوٹے بیٹوں میں سے تھے اور ان کی ام حکیم نام کی ایک جڑواں بہن تھی۔ (ابن حبیب ''المحبر'' صفحہ 172) وہ ایک خوبصورت نوجوان تھے۔ ایک خوبصورت مکی لڑکی کو ان سے محبت ہوگئی۔ ہم یقین کے ساتھ اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے تاہم محبت کا یہ معاملہ زیادہ دیر نہ چلا۔ (کچھ لکھاریوں کے نزدیک یہ مشہور عیسائی ورقہ ابن نوفل کی بہن قتیلہ تھیں جبکہ دوسروں کے نزدیک یہ فاطمہ نامی لڑکی تھیں جو یا تو خثعمی تھیں یا مرا ابن عبداللہ کی بیٹی تھیں۔ سہیلی ''روض الانف'' جلد اول صفحہ 104، ابونعیم ''دلائل'' صفحہ 38، 39) حضرت آمنہ کے ساتھ شادی کے چند ماہ بعد حضرت عبداللہ شمال کی جانب سفر پر گئے جب کہ ان کی حاملہ زوجہ پیچھے مکہ مکرمہ ہی میں رہیں۔ حضرت عبداللہ یا تو کسی تجارتی سفر پر گئے تھے یا مدینہ منورہ میں اپنے تمام ماموں صاحبان سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بیمار ہوئے اور مدینہ منورہ ہی میں وفات پا گئے۔ (بلاذری ''انساب'')

باب 08

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش

70: حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب اور اس کی بیوی حضرت آمنہ بنت وہب کے ہاں مکہ میں ہجرت سے 53 سال قبل سوموار 12 ربیع الاول (17 جون 569ء) کو مستقبل کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کچھ ہفتے پیشتر وفات پا چکے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی دیکھ بھالی کی ذمہ داری سنبھالی۔ مکہ معظمہ میں یہ ایک قدیم رسم تھی۔ حتیٰ کہ آج کل بھی جاری ہے کہ بچوں کو رضاعی ماؤں کے حوالے کر دیا جاتا تھا جو انہیں صحرا میں اپنے گھر لے جاتی تھیں۔ بچوں کو لے جانے والی بدوی خانہ بدوش خواتین کی آمد کے انتظار کے دوران خاندان کی کنیزیں (لونڈیاں) شاید نومولود بچوں کو اپنا دودھ پلاتی تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کی نوکرانی ثویبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روز تک پرورش کی۔ (بلاذری "انساب الاشراف" کے مطابق ثویبہ عربی رواج کے مطابق ابولہب کی لونڈی نہیں تھی بلکہ اس کے ایک غلام کی بیوی تھی) ہمیں یہ بھی علم ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ (بلاذری کے مطابق ثویبہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا دودھ پلایا تھا) رضاعی مائیں فطری اور ظاہری طور پر امیر لوگوں کے بچوں کو حاصل کرتی تھیں جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یتیموں کے لیے انہیں کوئی کشش نہیں ہوتی تھی۔

71: اس وقت ہوازن کی شاخ قبیلہ سعد ابن بکر کے مددگار حمایتی مکہ مکرمہ کے سردار تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ ان ہی میں سے تھیں جو کہ بہت غریب تھیں اور جو بعد ازاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضاعی والدہ بنیں۔ تھکا دینے والے پہاڑ کی چڑھائی کی وجہ سے وہ دوسروں سے کافی دیر بعد مکہ مکرمہ پہنچیں۔ یوں انہیں کسی امیر شخص کا بچہ نہ مل سکا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ خالی ہاتھ واپس جائیں انہوں نے یتیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا اور کبھی بھی اس پر فکر مند نہیں ہوئیں۔ (ابن ہشام، بلاذری اور سہیلی کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اور حضرت ابو سفیان ابن الحارثؓ کی بھی رضاعی والدہ تھیں)

72: یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک پیغمبر اپنی پیدائش سے ہی معجزے دکھا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو کوئی تکلیف یا درد نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہلایا گیا اور فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر کندھوں کے درمیان مہر نبوت ثبت کی۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کا گدھا قافلے میں تیز ترین ہو گیا جب کہ ان کی اونٹنی نے اتنی مقدار میں دودھ دینا شروع کر دیا جو کہ پورے خاندان کی ضرورت سے زیادہ تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 104، 105) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی والدہ کے صرف ایک جانب سے دودھ پیتے تھے تاکہ دوسری جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی دودھ پی سکیں۔ (سہیلی، اول، 108) حضرت حلیمہ سعدیہ کی بھیڑوں اور بکریوں کا ریوڑ چرنے کے بعد ہمیشہ مطمئن اور سیر ہو کر گھر آتا تھا جبکہ وہی چراگاہ دوسرے لوگوں کے جانوروں کو پیٹ بھر خوراک مہیا نہیں کرتی تھی۔

(ابن ہشام صفحہ 105)

73: ایک اور بہت اہم واقعے کی روایت ہے۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی خوفزدہ ہو کر دوڑا ہوا گھر آیا۔ اس نے اپنے والدین کو بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چند افراد نے قبضے میں کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کر کے کھول دیا۔ والدین دوڑتے ہوئے گئے لیکن انہوں نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر بیٹھے آسمان کی طرف ایک خاص مقام پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ رب تعالیٰ جل شانہ' کی جانب سے دو فرشتے آئے تھے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا۔ دل کو باہر نکالا جس میں سے شیطان سے متعلقہ حصے کو جدا کیا۔ پھر دل کو جنت کے مقدس پانی سے دھونے کے بعد واپس اپنی جگہ رکھ دیا جس کی تازگی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک محسوس کر رہے ہیں۔ پھر وہ فرشتے آسمان کی جانب اس سمت پرواز کر گئے جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں ابھی تک ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ اور ان کے شوہر نے یہ بہتر خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید اپنے پاس رکھنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو واپس دے دیا جائے کیونکہ کون جانتا ہے کہ اس حیرت انگیز بچے کے ساتھ کوئی دوسرا واقعہ نہ ہو جائے؟ اس بات کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ فرشتوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف زمین و آسمان اور سمندروں میں موجود تمام مخلوقات کو کرایا۔

(زرقانی "شرح المو اھب اللدنیہ"، ابونعیم "دلائل")

74: خانہ بدوش رضاعی والدہ کے ساتھ زندگی انتہائی سادہ ہوتی تھی۔ قبیلہ مختلف موسم، مختلف مقامات پر گزارتا تھا۔ بچے سارا دن چراگاہوں میں ریوڑ کی نگہبانی کرنے اور آپس میں کھیل کود میں گزارتے تھے۔ عورتیں کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں اکٹھا کرتی تھیں۔ اہل خانہ کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور دھاگہ کاتنے میں مصروف رہتی تھیں۔ بعض اوقات یہ لوگ کھجوروں اور دودھ پر گزارا کر لیتے تھے اور بعض اوقات وہ سبزیاں اور گوشت وغیرہ استعمال کرتے تھے جب کہ میلوں کے موقع پر یا مکہ جیسے بڑے شہروں میں جا کر وہ کچھ میٹھا گوشت بھی کھاتے تھے۔ قبائل کے مابین اچانک حملے اور جنگیں بھی ہو سکتی تھیں لیکن ہمارے ذرائع پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے قبیلے کے حوالے سے ایسی کسی قسم کی کوئی بات کا حوالہ نہیں دیتے۔

75: کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ بھی دوسرے بچوں کی طرح ہی تھا روایت ہے کہ چند وجوہات کی بناء پر جن کا راویوں نے حوالہ نہیں دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنی رضاعی بہن کے کندھے پر اس شدت سے کاٹا کہ اس کا نشان تمام عمر موجود رہا اور وہ اسے بھولی نہیں۔ درحقیقت بعدازاں ایک مہم کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں اور جب اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ یاد دلایا اور اپنے کندھے پر نشان دکھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اسے پہچان لیا اور پیاری بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا گیا۔

(ابن ہشام صفحہ 856-857)

76: ایسا دکھائی دیتا ہے کہ بچے کی صحت ہمیشہ نازک ونفیس ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اپنی رضاعی والدہ کے ہمراہ اپنی حقیقی والدہ اور اپنے دادا جان سے ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو موسم اور آب وہوا کی تبدیلی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت پر برا اثر پڑا اور اسی وجہ سے یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول سے زیادہ عرصہ اپنی رضاعی والدہ کے ہاں گزارا۔ (بلاذری کے مطابق 5 سال کی عمر تک یہ صورت حال رہی)

77: علاقے میں عکاظ کا سالانہ بڑا میلہ ہوا کرتا تھا۔ بعض اوقات ہم حضرت حلیمہ سعدیہ کو اپنے زیر پرورش بچے کے ہمراہ وہاں دیکھتے ہیں اور روایت یہ ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ نے اپنی پیشہ ورانہ خدمات پیش کرنے والے قبیلہ ہذیل کے ایک نجومی و کاہن سے بچے کے مستقبل کے بارے دریافت کیا۔ (ابن سعد I، 98) ہوسکتا ہے کہ بچے کا سینہ چاک ہونے والے واقعہ اور بچے کی قسمت کا حال معلوم کرنے کے اس عمل میں کوئی ربط وتعلق ہو۔ عجیب وغریب واقعہ سے خوفزدہ ہوکر رضاعی والدہ اپنے زیر حفاظت بچے کی قسمت کے بارے میں یقین دہانی چاہتی تھیں جیسا کہ ابن الجوزی ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ (''وفا'' صفحہ 113 یہ مصنف کئی مختلف واقعات ریکارڈ کرتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سینہ چاک ہونے والے واقعے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوڑتے ہوئے اپنی رضاعی والدہ کے پاس گئے اور انہیں وہ سب کچھ بتایا جو تھوڑی ہی دیر پہلے ان کے ساتھ ہوا تھا)۔

78: اس معجزانہ وقوعہ کے بعد بچہ اپنی حقیقی والدہ کے پاس جانے کے لیے روانہ ہوا اور مکہ مکرمہ کے قریب کھو گیا۔ رضاعی والدہ دوڑی ہوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان کے پاس گئیں اور تھوڑی سی تلاش کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم درختوں کے گرے ہوئے پتوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے بحفاظت مل گئے۔ (ابن ہشام صفحہ 106)

79: اس کے جلد ہی بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم، والدہ ماجدہ حضرت آمنہ، حبشی ملازمہ ام ایمن اور شاید ایک ملازم بھی مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں یہ سب حضرت عبدالمطلب کے رشتہ داروں کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ اگر صحیح صحیح کہا جائے تو قبیلہ بنو النجار کے کسی النابغہ کے مکان میں رہے۔ یہ وہ مکان تھا جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا مقبرہ تھا۔ بعدازاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قبیلے کے

ایک بہت بڑے چشمے میں تیراکی سیکھی تھی۔ (ابونعیم، ص 164) آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی یاد کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے میزبان کے بچوں کیساتھ کھیلا کرتے تھے خاص طور پر انیسہ نامی لڑکی کے ساتھ قلعہ بند مینار کے قرب وجوار میں جو کہ اس خاندان کی ملکیت تھا اور یہ کہ وہ مینار کی چوٹی پر بیٹھنے والے ایک پرندے کو وہاں سے اڑایا کرتے تھے کیونکہ وہ وہاں بسیرا کرنا چاہتے تھے اور یہ ان کی ایک تفریح تھی۔ (ابن سعد، اول، صفحہ 73)

80: واپسی کے سفر میں راستے میں ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ اچانک وفات پا گئیں۔ اگر چہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض چھ برس کی عمر کے تھے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر لازمی طور پر بہت زیادہ غم ہوا ہوگا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ بعدازاں اپنی مہمات کے دوران جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء سے گزرتے تھے تو ہر دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے مقبرے پر رکتے تھے اور ڈھیروں آنسو بہاتے تھے۔ (ابن ہشام، ص 107، سہیلی I، 113) ہم یہاں ایک بعد کے واقعے کو یاد کر سکتے ہیں۔ ایک دن ایک بدوی ملاقاتی کا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے تعارف کرایا گیا تو اس نے کانپنا شروع کر دیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم ایسے شخص سے کیوں ڈرتے ہو جس کی والدہ اکثر خشک گوشت کھایا کرتی تھی؟''

(حاکم، ''المستدرک''، III، 48؛ سرخسی ''مبسوط'' XVI، 79) حضرت آمنہ کی نظموں کے ساتھ ساتھ حضرت عبدالمطلب کے خاندان کی دوسری رشتہ دار خواتین کی نظمیں محفوظ کی گئی ہیں۔ (ابن سعد I/1، ص 62 ابن ہشام ص 108-111) جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس خاندان میں حتیٰ کہ عورتوں میں بھی ذہنی وفکری سطح کس قدر بلند تھی۔

81: حضرت آمنہ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے بعد ملازمہ ام ایمن بچے کے ہمراہ کسی نہ کسی طرح واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئی۔ 108 سالہ بوڑھے حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو اپنی حفاظت میں لیا کیونکہ بچہ اپنے ماں باپ دونوں کو کھو چکا تھا اور قدرتی وفطری طور پر دادا کو اس سے بہت شفقت ومحبت تھی۔

82: روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب میونسپل کونسل میں سنجیدہ مسائل پر دوسرے کونسلرز کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے جب بھی قالین پر بیٹھتے تھے تو بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے

کہ کھلونوں کو چھوڑ کر کونسل کی میٹنگ میں شرکت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا جان کے ساتھ اگلی نشست میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنے سے روکنا چاہتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان اکثر یہی کہتے تھے کہ ''اسے چھوڑ دو یہ سمجھتا ہے کہ یہ عظیم انسان ہے اور مجھے کامل یقین ہے کہ یہ ایسا ہی بنے گا۔ یہ بہت اچھا لڑکا ہے۔'' (ابن ہشام ص 108، ابن الجوزی ''وفا'' ص 130,120,102) یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر اچھا برتاؤ رکھتے تھے کہ کونسل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی گڑبڑ کی کوئی شکایت نہیں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ قدیم مؤرخین کے مطابق خشک سالی کے دوران ایک روز انہوں نے رب تعالیٰ جل شانہ' سے اپنے پوتے کے نام پر بارش کی دعا کی اور انہیں مایوسی نہیں ہوئی۔

(سہیلی ا، 179)

83: سات سالہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں تکلیف ہوئی تو مکہ مکرمہ کے ''ڈاکٹر'' اسے ٹھیک نہ کر سکے۔ روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب عکاظ کے نزدیک عیسائی راہب کے کلیسا میں گئے جہاں انہیں ایک نسخہ دیا گیا جس نے بہت اچھا اثر دکھایا۔ (حلبی ''انسان العیون'' ا، 149) یہ شاید بعد کے زمانے کی بات ہے کہ القفطی (''اخبار الحکماء'') بتاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ بیمار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ اسے مکی ڈاکٹر الحارث ابن کلادہ کو بلانا چاہیے۔ (ابن حجر ''الاصابہ'' نمبر 1471)

84: کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ذہین وفطین تھے کہ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان یا دوسرے رشتہ دار سے کوئی چیز گم ہو جاتی تو وہ ہمیشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کہتے کہ وہ جائیں اور اسے تلاش کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسے ڈھونڈ لیتے۔ ایک دفعہ حضرت عبدالمطلب کے ایک چرواہے نے آکر بتایا کہ چند اونٹ گم ہو گئے ہیں اور اس کے لیے یہ قطعی ناممکن ہے کہ وہ انہیں چرنے والی وادیوں میں تلاش کر سکے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں بھیجا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آنے میں دیر ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان اپنے پوتے کے لیے پریشان وخوفزدہ ہو گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت پہاڑوں میں بالکل اکیلے گئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان نے جوش وولولے کے ساتھ رب

تعالٰی جل شانہ' سے دعا والتجا کرنا شروع کر دی اور یہ کہتے ہوئے کعبہ کے گرد طواف کرنے لگے کہ اے آقا و مالک! میرا کم سن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے واپس دے دیں اور اپنے رحم و کرم سے مجھے تسکین و تسلی عطا فرمائیں۔

85: جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو حضرت عبدالمطلب نے قسم کھائی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے سفر پر دوبارہ کبھی نہیں بھیجیں گے۔

86: اپنی وفات سے قبل جو کہ اس وقت واقع ہوئی جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ برس کے تھے حضرت عبدالمطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے جناب ابو طالب کے حوالے کیا اور انہیں بچے کی زبردست دیکھ بھال کرنے کی نصیحت و وصیت کی۔

(ابن سعد 1/1، ص75، طبری ا، 1123)

باب 09

یتیم اپنے چچا کے گھر میں

87: کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا جان سے دلی محبت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے دادا جان کو محض ان کی دی ہوئی محبت لوٹا رہے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا دلی لگاؤ رکھتے تھے کہ حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں کھانا نہیں کھاتے تھے۔ (ابن سعد 1/I، ص 74) اپنے دادا جان کی وفات پر آٹھ سالہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے پیچھے چلتے ہوئے غم سے کراہ رہے تھے۔

(ابن سعد 1/I، ص 75)

88: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتالیق کی حیثیت سے جناب ابو طالب کا انتخاب دوسرے چچاؤں کی نسبت خصوصاً خوش بختی کا حامل تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم اور جناب ابو طالب کے ایک ہی ماں باپ ہونے کی بناء پر جناب ابو طالب غیر معمولی طور پر شریف النفس انسان تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور چچا ابولہب اپنے والد کی وفات کے بعد اوباش وعیاش ہو گیا۔ شراب نوشی شروع کر دی اور آوارہ زندگی گزارنے لگا۔ ایک مرتبہ وہ اس حد تک چلا گیا کہ اس نے کعبہ کی نذر کیے ہوئے جواہرات چرا لیے تا کہ وہ ان کی رقم سے شراب خرید سکے اور گلوکاراؤں کو تحائف دے سکے۔ (طبری I، 1135، ابن حبیب "المنمق" ص 54 تا 67) اس کے برعکس جناب ابو طالب کی خوبیوں نے اسے معاشرے کے افراد میں زیادہ سے زیادہ توقیر و تعظیم دلائی۔ وہ اپنی سخاوت کی کثرت کی وجہ سے کبھی اس قابل نہ ہوئے کہ اپنے خاندان کا بجٹ متوازن رکھ سکیں اس لیے انہیں ادھار لینا پڑتا تھا۔

89: اپنے اتالیق کی زوجہ محترمہ یعنی اپنی چچی جان کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ

وسلم خود بتاتے ہیں کہ جب وہ فوت ہوئیں تو کسی نے مجھ سے کہا ''اے اللہ کے پیغمبر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بوڑھی خاتون کی وفات سے اس قدر زیادہ پریشان اور متاثر کیوں ہیں؟'' اور میں نے جواب دیا ''کیوں نہ ہوں؟ جب میں اس کے گھر میں ایک یتیم بچہ تھا وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر مجھے کھلاتی تھیں۔ وہ اپنے بچوں کو نظر انداز کر کے میرے سر میں کنگھا کرتی تھیں۔ وہ میرے لیے ماں کی طرح تھیں۔'' (یعقوبی، II، 14؛ سہیلی، I، 112) ابن سعد ہمیں بتاتے ہیں کہ جناب ابوطالب کے ہاں جب ہر صبح کو ناشتہ لگایا جاتا تھا تو اس کے بے شمار بچے دوڑے ہوئے آتے اور اسے چٹ کر جاتے جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے چھونے تک کا موقع اور وقت نہ ملتا۔ جب جناب ابوطالب کو پتہ چلا کہ اس کے کم سن بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ناشتہ نہیں ملتا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا علیحدہ انتظام کر دیا۔

(ابن سعد I/1، ص 46؛ مقریزی "امتاع" I,7)

90: اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں کوئی اسکول نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ جلد ہی کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکی شخص کے لیے بطور گلہ بان کام کرنا شروع کر دیا تا کہ اپنے چچا جان کی کم آمدنی میں کچھ رقم کا اضافہ کیا جا سکے۔ (ابن ہشام، ص 106، سہیلی بحوالہ بخاری، I، 112) اس دور کا ایک چھوٹا سا واقعہ روایت کیا جاتا ہے کہ ایک دن کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ شہر کی ایک معزز شخصیت کے ہاں دعوت عام کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دوست سے کہا ''میں نے کبھی بھی کسی دعوت میں شمولیت نہیں کی ہے اگر آپ اپنے ریوڑ کے ساتھ ساتھ میرے ریوڑ کا بھی خیال رکھیں تو پھر میں شہر کی دعوت میں جا سکوں گا۔ اور یہ کہ کسی اور دن کے بدلے آپ کے ریوڑ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میری ہوگی۔'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست اس بات پر راضی ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر تشریف لے آئے لیکن دعوت ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ موسم شاید سخت گرم تھا اس دوران کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو بہت دیر ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس گھر جانا پڑا۔ یہ روایت ہے کہ اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی اسی قسم کے حالات میں پیش آیا۔ مجروح عزت نفس کے ساتھ کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی غیر اہم اور غیر سنجیدہ دعوتوں میں شرکت کرنے کا خیال ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ (سہیلی بحوالہ بخاری،

I، 112، طبری، I، 1126-1127)

91: اسی زمانے کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کانٹے دار درخت ارک کے پھل کھاؤ جنہوں نے اندھیرا کر دیا ہے۔'' کسی نے پوچھا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا کیسے علم ہوا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''میں انہیں کھایا کرتا تھا جب میں گلہ بانی کیا کرتا تھا۔''! (ابن سعد I/1، ص 80) یا یہ بھی کہ ''میں دوپہر کے چندھیا دینے والے سورج سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے عبداللہ ابن جدعان کے بہت بڑے پیالے کے سائے میں آجایا کرتا تھا۔'' (عبداللہ ابن جدعان نے اسے اونٹوں کی کمر پر سفر کرنے والے مسافروں کی خوراک کے لیے تعمیر کیا تھا) [سہیلی، I، 92]

92: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت 9 برس تھی جب جناب ابو طالب کو شام کی جانب ایک تجارتی کارواں کی قیادت کرنا پڑی۔ وہ اپنے بھتیجے کا دل اس حد تک جیت چکے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے بھی اپنے چچا جان سے دوری کے خیال سے افسردہ ہو جاتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا جان سے پوچھا کہ کیا وہ بھی ان کے ساتھ اس سفر میں رفاقت کر سکتے ہیں؟ جناب ابو طالب راضی ہو گئے اور اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب سے باہر اپنا پہلا سفر کیا۔ ہم بہتر طور پر سوچ سکتے ہیں کہ کم سن مسافر اپنے چچا کے لیے بے سود بوجھ نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہزار طریقے سے ان کے کام آ سکتے تھے اور ان کی کئی پریشانیوں سے انہیں بچا سکتے تھے۔

93: یروشلم اور دمشق کے درمیان بُصریٰ کے مقام پر معمول کا کاروبار کرنے اور دوسرے کاروباری معاملات سرانجام دینے کے لیے قافلہ رکا۔ معمول کے مطابق انہوں نے شہر کے مضافات میں کیمپ لگانا تھا۔ وہ بازنطینی سلطنت کے علاقے میں تھے۔ اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں اگر ان میدانوں کے قریب ایک کلیسا تھا جہاں قافلے نے اپنے ٹینٹ لگائے۔ جیرانامی عیسائی راہب نے اپنے کلیسا سے اس عارضی کیمپ کا مشاہدہ کیا اور وہ اپنے ہمسایوں کے اچھے رویے اور بہتر برتاؤ سے حیران ہوا کیونکہ اس قسم کے آنے والے مسافروں میں یہ خوبی نایاب تھی۔ اس نے انہیں کھانے پر مدعو کیا (ابن ہشام، ص 115-117) شاید وہ مذہب کی تبدیلی کے حوالے سے نیک ارادہ رکھتا تھا۔ مشہور فرانسیسی لکھاری کیسانووا (Casanova) ہمیں

یقین دلاتا ہے کہ ہمارے زیر مطالعہ دور میں عیسائی اور شاید یہودی بھی ایک پیغمبر، ایک مسیحا اور ایک آخری نجات دہندہ (نبی ٔ آخر الزماں) کی آمد و بعثت کا بڑی بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ راہب بحیرا نے ممکن ہے اور باتوں کے ساتھ ساتھ اپنے مہمانوں سے اس عقیدے کا بھی ذکر کیا ہو۔ یہ سوچنا بچگانہ بات ہوگی کہ ایک عیسائی راہب 9 سالہ بچے کی جسامت میں مستقبل میں آنے والے رب تعالیٰ جل شانہ، کے پیغمبر کو پہچان سکتا تھا۔ اسی طرح یہ خیال کرنا بھی بے سود ہوگا کہ راہب کے الفاظ 9 سالہ بچے کے ذہن میں نبوت کی امید و آرزو پیدا کرنے کا باعث بن سکتے تھے۔!

94: شام کی طرف اس تجارتی سفر کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تقریباً 10 سال تک کے عرصے کے بارے میں مزید کچھ بھی معلوم نہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جناب ابو طالب کی مکہ مکرمہ میں ایک دکان تھی (''محاسن'' صفحہ 165 جاحظ کے مطابق جناب ابو طالب کپڑے کا کاروبار کرتے تھے) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی طریقے سے اس کام میں ان کی مدد کرتے تھے۔ ابن الجوزی (''وفا''، ص 101) صحیح کہتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دس سال سے کچھ بڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک اور چچا جناب زبیر کے ساتھ ایک قافلے میں رفاقت کی جو کہ معجزانہ واقعات سے پُر تھا۔ مگر اس کی منزل نہیں بتائی گئی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بحرین، عمان، سرزمین عبدالقیس کی جانب سفر ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ بالکل وہی سفر ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا جناب ابو طالب کے ساتھ فلسطین کی جانب کیا اور اس سفر میں دونوں بھائی یعنی جناب ابو طالب اور جناب زبیر اکٹھے ہوں کیونکہ ابن الجوزی (''وفا''، ص 131) کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت 9 سال نہیں تھی بلکہ 12 برس تھی۔

95: الحلبی (''انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون'' I،164) بیان کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہر سال ایک میلے کا انتظام و انصرام کیا جاتا تھا جس میں ہر شخص انتہائی جوش و جذبے کے ساتھ حصہ لیتا تھا۔ ہر سال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نہ کسی عذر کے تحت اس میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کے ہمراہ اس میں شمولیت نہ کرنے پر خدائی ناراضی سے ڈرایا اور دھمکی دی۔ اس دفعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رفاقت کی لیکن میلے کے درمیان ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے

خاندان کے ٹینٹ میں واپس چلے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ زرد تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپکپی طاری تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجیب وغریب شکلیں دیکھی تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شیطانی جشن وتہوار میں حصہ لینے سے منع کیا۔آئندہ سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور چچیوں نے اس قسم کی تقریبات میں حصہ لینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید مجبور نہیں کیا۔الواقدی اس بیان کو یہ بتا کر ختم کرتا ہے کہ بچپن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والی سیاہ فام ملازمہ ام ایمن اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ بوانہ کا میلہ تھا جس میں شرکت کرنے والے کو اپنا سر منڈانے کے ساتھ ساتھ جانور ذبح کرنا پڑتے تھے۔ابن الاثیر کے مطابق بوانہ کی پہاڑی ینبع کے قریب واقع ہے۔ابن منذر ہمارے لیے ایک نظم ریکارڈ کرتا ہے جس میں شاعر کہتا ہے کہ وہاں کے کھجور کے دو متبرک درختوں کی کھجوریں چوری کرنے کے لیے اسے ان متبرک کھجور کے درختوں کے پہرے داروں کے سونے کا انتظار کرنا پڑا ابن الکلبی (''کتاب الاصنام'' ص 12) کے مطابق ایسا دکھائی دیتا ہے کہ قبل از اسلام کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بت (صنم) کے لیے ایک بھوری بھیڑ قربان کریں۔ہوسکتا ہے کہ یہ وہی بوانہ کی قربانی ہو۔اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ بھیڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد چچیوں نے فراہم کی تھی۔
امام بخاری (صحیح بخاری، 64/63، سہیلی، I، 146-7) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلدہ کے قریب اپنے ایک ساتھی شہری زید ابن عمرو سے ملے اور یہ کہ ان دونوں میں سے ایک نے وہ ایک کون تھا۔راوی مکمل یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔دوسرے کو بتوں پر قربان شدہ جانور کا گوشت پیش کیا لیکن دوسرے نے جواب دیا۔''میں وہ کچھ نہیں کھاتا جو بتوں پر قربان کیا گیا ہو۔'' اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے قسطلانی (''ارشاد''، 277/8) ''ابو یعلی، البزار اور دوسروں'' کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید ابن حارثہ تھے جنہوں نے ''کسی اونچے پتھر پر قربانی دی اور یہ کہ زید ابن عمرو نے دعوت سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''میں وہ کچھ نہیں کھاتا جس پر رب تعالیٰ جل شانہ' کا نام نہ لیا گیا ہو۔'' کیا یہ ایک ہی واقعہ تھا ہم وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔نوجوان ذہن زیادہ سے زیادہ شعور وآگہی حاصل کرتا گیا کہ اس کے اردگرد کیا ہورہا ہے۔

96: کیا ہمیں اس چھوٹے سے واقعے کو بھی جو کہ کچھ اہمیت کا حامل دکھائی دیتا ہے اسی دور کا سمجھنا چاہیے؟ بلاذری (''انساب''I ، پیرا263) بیان کرتا ہے کہ ایک دن جناب ابوطالب اور ان کے بھائی ابولہب آپس میں لڑ پڑے اور ابولہب نے اپنے بھائی کو زمین پر گرا کر اس کی چھاتی پر بیٹھ کر اس کے چہرے پر تھپڑ لگائے۔ کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے ہوئے گئے اور ابولہب کو دھکا دے کر جناب ابوطالب کی چھاتی سے ہٹایا۔ پھر جناب ابوطالب کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے غصے کے ساتھ ابولہب کو ضرب لگا کر نیچے گرا لیا اور اس کی چھاتی پر بیٹھ کر اس کے منہ پر مکوں کی بارش کر دی۔ بعدازاں ابولہب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''میں بھی ویسے ہی تمہارا چچا ہوں جیسا کہ ابو طالب ہے۔ تم نے وہ کچھ کیا ہے جو تمہیں میرے ساتھ کرنا تھا لیکن تم نے یہی کچھ ابوطالب کے ساتھ کیوں نہیں کیا؟ خدا کی قسم میں تم سے مزید کبھی بھی محبت نہیں کروں گا۔'' ہم جانتے ہیں کہ خاندان کے افراد میں سے ابولہب واحد شخص تھا جس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خوفناک و خطرناک ترین ذاتی دشمنوں کا ساتھ دیا۔ بعدازاں دوسرے واقعات بھی آئیں گے جنہوں نے چچا اور بھتیجے کے درمیان خلیج کو وسیع کیا۔

97: جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم 20 برس کے تھے تو ہم ایک زیادہ سنجیدہ واقعہ ریکارڈ کرتے ہیں جس نے خوش گوار تر نتائج پیدا کیے۔

باب 10

حرب فجار اور حلف الفضول

98: عرب جیسے پرامن مرکز میں قبل از اسلام چند معاشی ذرائع میں سے ایک ذریعہ آمدن تجارتی درآمد پر عُشر تھا۔ یہ عشر یا میلے کی آمدنی شہر یا علاقے کے سردار کے خزانہ کے صندوق (بیت المال) میں جمع ہوتی تھی۔ غیر ملکیوں کے لیے کشش پیدا کرنے کی خاطر رب رحمٰن و رحیم کے التوائے جنگ کے مہینوں کا خوشگوار نظام تخلیق کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ منعقد ہونے والا میلہ ایک ہی وقت میں کسی بتکدہ کی زیارت یا مذہبی تہوار بھی ہوتا تھا۔ قبائلی مخالفتوں اور منافرتوں کی وجہ سے متبرک اور حرمت والے مہینے مختلف علاقوں میں مختلف تھے۔ پس رجب کے مہینے کے دوران اس تمام علاقے میں امن وسکون رہتا تھا جہاں مضر رہتے تھے اور رمضان کے مہینے میں غیر ملکی و اجنبی افراد کو ربیعہ قبائل کے علاقے میں جائے پناہ ملتی تھی۔ (سہیلی، روض الانف، II، 351) اس طرح جزیرہ نمائے عرب کے نصف سے زیادہ علاقے میں امن وسکون کا راج ہوتا تھا۔ مضری رمضان کے مہینے میں ربیعہ کے علاقوں میں تجارت کرتے تھے جبکہ ربیعہ والے رجب کے مہینے میں مضر کے علاقے میں جاسکتے تھے۔ مکہ، طائف اور مدینہ کا علاقہ خاص طور پر بہتر فائدہ کی پوزیشن میں تھا کیونکہ یہ التوائے جنگ کے حرمت والے چار مہینوں کا مفاد حاصل کرتا تھا جن میں سے تین مسلسل تھے۔ (کعبۃ اللہ کے حج کی وجہ سے) اس سے عرب کے دور ترین علاقوں کی طرف واپسی کا سفر ممکن ہوگیا تھا۔ عام طور پر اس التوائے جنگ کی رعایت پر انتہائی محتاط انداز میں عمل درآمد کیا جاتا تھا (یعنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی گناہ سے بچنے کی کوشش کی جاتی تھی) ہر دفعہ ہتھیار اٹھا کر اس کی خلاف ورزی کی گئی۔ ایک بہت بڑا اسکینڈل ہوا جسے حرب فجار ''دین کی بے حرمتی کی جنگ'' کا نام دیا گیا۔ یہ واضح نہیں کہ اس کا آغاز کیسے ہوا تاہم قبل از اسلام چار مرتبہ خلاف ورزی کا حوالہ

دیا جاتا ہے۔ان جنگوں کی تفصیلات میں جائے بغیر یہ حقیقت ہے کہ عام طور پر ان کی وجوہات بڑی معمولی اور غیر اہم تھیں۔ اتنا حوالہ کافی ہے کہ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نوجوانی میں آخری دو جنگوں میں حصہ لیا۔ دو واقعات جو کہ بیان کیے جانے والے ہیں ان کا تعلق ایک ہی جنگ سے ہے۔ پس ہم پڑھتے ہیں (مقریزی، "امتاع") کہ ایک جنگ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور جنگجو ابو براء ملاعب الاسنہ کو اپنے خنجر سے زخمی کر دیا تھا۔ ایک اور روایت (ابن ہشام، ص 118، 119) سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ چوتھی جنگ فجار کے دوران محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیئے [بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ جیسا کہ ابن سعد (طبقات 1/I، ص 80-82، ابن حبیب، "منمق" ص 211) ہمیں بتاتا ہے "میں پسند نہیں کرتا کہ ایسا نہ کرتا۔"] ہم جانتے ہیں کہ ملاعب الاسنہ چوتھی جنگ میں دشمن فوجوں کا کمانڈر تھا (ابن حبیب "منمق"، ص 206) لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تیسری جنگ ایک جیسے موافق قبائل کے مابین ہی چھڑ گئی تھی۔

حلف الفضول

99: جنگ کے معمولی اور غیر اہم مقاصد ہوتے تھے اور اس سے انسانی جانیں بہت ضائع ہوتی تھیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا الزبیر جو کہ نہ صرف اپنے قبیلے کی سرکردگی کر رہے تھے (ابن حبیب "محبر"، ص 169) بلکہ اس موقع پر انہوں نے مکی ملٹری کونسل میں نمایاں اور فعال کردار ادا کیا تھا۔ ندامت و پشیمانی کا شکار دکھائی دیتے ہیں اور یہ الزبیر ہی تھے جنہوں نے مظلوموں و کمزوروں کی مدد کے صدیوں پرانے قانون "حلف الفضول" کے احیاء کے لیے پیش قدمی کی۔ ("منمق"، ص 219، سہیلی "روض الانف" ا، 91؛ جاحظ، "فضل ھاشم" ص 71-74) مکی نوجوانوں اور بوڑھوں کے ایک ہجوم نے امیر اور قابل تکریم عبداللہ ابن جدعان کے گھر پر ایک تقریب میں شرکت کی اور یہ قسم کھائی کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم! ہم سب ظالموں کے خلاف مظلوموں کا ساتھ دینے کے لیے اس وقت تک یکمشت ہوں گے جب تک کہ مظلوموں کو ان کے سابقہ حقوق نہیں مل جاتے اور یہ ساتھ اس عرصے تک ہوگا جب تک سمندر ایک بھی بال کو گیلا کرنے کے قابل ہوگا اور جب حراء اور ثبیر پہاڑ اپنی جگہوں پر قائم رہیں گے اور معاشی صورت

حال سے مساوی طور پر نبٹا جائے گا۔"

100: ان لوگوں میں جنہوں نے یہ قسم کھائی ان میں قابل ذکر بنو ہاشم (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان) اور ان کے رشتہ دار و اتحادی، بنو المطلب، بنو زہرہ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا خاندان) اور بنو تیم (حضرت ابو بکرؓ اور عبداللہ ابن جدعان کا خاندان) تھے۔ ابن الجوزی (وفا، ص 137، 138) کے مطابق شرکت کنندگان میں نہ صرف بنو اسد (ورقہ ابن نوفل اور حضرت خدیجہؓ کا خاندان) بلکہ مکہ والوں کے اتحادی قبائل کا ایک گروپ احابیش بھی تھا۔ تمام حمایتیوں نے قسم کھائی کہ کسی مظلوم و کمزور شخص کو چاہے وہ مکہ میں ہو یا احابیش میں سے ہو اس وقت تک اس کی مدد کی جائے گی جب تک اسے اس کے حقوق واپس نہیں مل جاتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑا فخر محسوس کرتے تھے۔ حتیٰ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ حاصل کرنے کے بعد بھی۔۔۔ اس حقیقت سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عبداللہ ابن جدعان کے گھر پر حلف الفضول میں شرکت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعزاز و افتخار کو سرخ اونٹوں کے ریوڑ کے بدلے میں بھی دینے کو تیار نہیں اور حتیٰ کہ اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم و کمزور کی مدد کے لیے جانے کو تیار ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے (سہیلی، I، 92، ابن حبیب "محبر" ص 167، ابن ہشام، ص 86) یقینی طور پر مظلوموں کی مدد کے اس قانون کے ممبران ہمیشہ ایک زبردست قوت و طاقت رہے جن پر مکہ میں بھروسہ کیا جاتا تھا۔ آیئے یہاں چند مثالوں کا حوالہ دیں۔

101: قبیلہ خثعم کا ایک یمنی اپنی بیٹی کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں حج کی خاطر گیا۔ ایک انتہائی طاقتور مکی ابن الحجاج نے لڑکی کو قوت و طاقت کے بل بوتے پر زبردستی اٹھا لیا۔ والد کو مشورہ دیا گیا کہ وہ حلف الفضول میں اپیل کرے۔ ابن الحجاج کے گھر کا فوری طور پر محاصرہ کر لیا گیا۔ اپنے دفاع کا کوئی راستہ نہ پاتے ہوئے اس نے درخواست کرنا شروع کر دی کہ اسے اس حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ صرف ایک رات گزارنے کی اجازت دی جائے جس نے اس کا دل چرا لیا ہے۔ کوئی بات بھی حلف الفضول والوں کو اپنے مؤقف سے دستبردار نہ کر سکی اور ابن الحجاج کو اسی وقت اسی لڑکی کے والد کو اس کی بیٹی واپس کرنا پڑی۔ (سہیلی، I، 91، منمق، 48-56)

102: ازد قبیلے کے ایک اور اجنبی نے ابی ابن خلف کے پاس چند چیزیں فروخت کیں جو کہ

مکہ کے بہت بڑے سرداروں میں سے تھا لیکن ابی ابن خلف طے شدہ رقم ادا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مایوسی کے عالم میں ازدی نے حلف الفضول والوں سے اپیل کی جنہوں نے اسے کہا ''ابی ابن خلف کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تم حلف الفضول والوں کی طرف سے آئے ہو اور اگر وہ فوری طور پر تمہاری تسلی وتشفی نہ کرے تو پھر اسے ہمارا انتظار کرنے دو۔'' اس مرتبہ ابی ابن خلف نے رقم کی ادائیگی میں کوئی زیادہ دیر نہ لگائی۔ (''منمق''، ص 47-48)

103: زبید قبیلے کا ایک تاجر چند چیزیں بیچنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ ابوجہل جس کے بارے میں ہم بعد ازاں کئی واقعات بتائیں گے۔۔۔ نے دوسرے تاجروں وخریداروں کو زبیدی سے اشیاء خریدنے سے منع کر دیا جب کہ اس نے خود ان چیزوں کی زبیدی کو بہت کم قیمت کی پیشکش کی۔ ابوجہل کا اثر ورسوخ اس قدر تھا کہ کسی دوسرے شخص نے زیادہ قیمت کی پیشکش کی جرأت ہی نہ کی۔ مغموم اور ستم رسیدہ تاجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا جنہوں نے اس سے تین اونٹ اس قیمت پر خریدے جتنی وہ طلب کر رہا تھا اور ابوجہل سے بات کی جس کی بدمزاجی بڑی مشہور تھی۔ (بلاذری، ''انساب''، ا، 258، 261) ہو سکتا ہے یہ واقعہ دونوں کو جدا کرنے کا آغاز ثابت ہوا ہو کہ پھر وہ کبھی بھی اکٹھے نہ ہو سکے۔

104: آیئے آخر میں وہ واقعہ بیان کریں جو اس وقت ہوا جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رتبہ نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ ابوجہل نے اراش قبیلے کے ایک عربی سے کچھ خریدا مگر طے شدہ رقم دینا نہیں چاہتا تھا۔ پریشانی ومایوسی کے عالم میں وہ شخص کعبہ کے سامنے گیا اور شکایت کرنا شروع کر دی۔ ابوجہل پورے مکہ مکرمہ میں پہلے ہی نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن بن چکا تھا۔ کسی شخص نے برے مذاق کے طور پر اراشی کو تجویز دی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے کیونکہ وہ واحد شخصیت ہیں جو ابوجہل سے مسئلہ حل کرا سکتے ہیں۔ اراشی کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ مذاق ہے چنانچہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور مدد واعانت کی درخواست کی۔ فوری طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اراشی کو ساتھ لیا اور ابوجہل کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی وجہ پوچھنے کے بعد ابوجہل نے وہ قرضہ فوری طور پر ادا کر دیا۔ بعد ازاں اس نے اپنے حیران ومتعجب دوستوں کو بتایا کہ جیسے ہی اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس سے اس کے گھر میں اک زلزلہ پیدا ہوا جس نے اسے خوفزدہ کر دیا۔ اس نے مزید

بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بہت بڑے قوی الجثہ اونٹ تھے جو سب اس قدر پاگل تھے کہ ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ ''اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تسلی وتشفی کرنے میں دیر لگاتا تو وہ دیوہیکل اونٹ مجھے چیر پھاڑ دیتے۔'' (ابن ہشام، ص 257)

105: چاہے کچھ بھی ہو مکہ والے حلف الفضول پر بہت فخر کرتے تھے جس نے طویل عرصے تک بے شمار مواقع پر مداخلت کی۔ اس میں صرف ایک کمی تھی کہ کسی نئے ممبر کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور یوں چند دہائیوں کے بعد اس کے آخری ممبر کی وفات کے بعد یہ ختم ہو گیا۔

ایک اور ضابطہ

106: ''نسب قریش'' میں زید ابن بکار نے مظلوموں کی مدد کے ایک اور ضابطے کا حوالہ دیا ہے (جس کی تاریخ معلوم نہیں ہے) مکہ مکرمہ کے قبیلہ زہرہ اور بنو سعد ابن سہم نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ قریش یا احابیش کے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں کرنے دیں گے اور دو پارٹیوں کے مابین مصالحت کرائے بغیر اور غلط کو صحیح کیے بغیر نہیں رہیں گے اور یہ کہ کسی کو اختلاف کا بیج نہیں بونے دیں گے۔ اسے ''مصالحت کا اتحاد'' (حلف الصلاح) کہا گیا۔ باقی ماندہ قریش نے اس کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے اسے اپنی بے عزتی خیال کیا اور نہ ہی انہوں نے اس میں شمولیت اختیار کی۔

باب 11

آزادی کی زندگی

107: مکہ مکرمہ کی وادی میں پانی کی قلت کی وجہ سے زراعت نہیں ہوتی تھی۔قدیم مؤرخین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں کسی صنعتی یا دستکاری سرگرمی کا حوالہ نہیں دیتے۔ کپڑے، اشیائے خوردنی، خشک میوہ جات، ہتھیار، خوشبویات اور سامان آرائش وزیبائش ہی صرف بڑی اشیاء تھیں جن کی تجارت ہوتی تھی۔ان میں سے پہلی دو اشیاء ہی ایسی تھیں جن کی خرید وفروخت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان روزی کماتا تھا۔

108: مؤرخین کے بیان کے مطابق تجارتی قافلوں کا عام منافع 100 فیصد ہوتا تھا تاہم اس کاروبار میں تھوڑی رقم سے کام نہیں چلتا تھا۔مزید یہ کہ اس میں کچھ خطرات اور تحفظات بھی تھے۔ رہزنوں اور قزاقوں کی لوٹ مار ہوتی تھی۔ایسا بھی اکثر ہوتا تھا کہ طویل اور تھکا دینے والے سفر میں اونٹ مر جاتے تھے۔انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے اخراجات تھے جو گھر کی نسبت سفر کے دوران یقینی طور پر زیادہ ہوتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ حفاظتی دستے کے اخراجات، کسٹم ڈیوٹیاں اور دوسرے غیر متوقع اخراجات بھی برداشت کرنا پڑتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ کئی سوداگر مل کر سفر کرتے تھے اور ہر ایک نے ان تاجروں کا سامان بھی لیا ہوتا تھا جنہوں نے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر دیا ہوتا تھا تاہم اس صورت حال میں نفع تقسیم ہوتا تھا۔

109: جوانی و بلوغت کو پہنچنے پر ظاہر ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجارت شروع کر دی۔ایک مکی قیس ابن السائب بیان کرتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے اس کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا بہترین تجارتی شراکت دار سمجھتا تھا۔یقینی طور پر وہ کہا کرتا تھا "ہر بار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نہ کسی ذمہ

داری کے حوالے سے اعتماد کرتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی میری مکمل تسلی واطمینان کے مطابق حساب کتاب بے باق کیے بغیر گھر واپس نہیں لوٹے۔ اور اگر جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ذمہ داری دے کر مجھے سفر پر روانہ کیا تو میری واپسی پر تمام گاہک اپنے اپنے معاملات کے بارے میں پوچھتے تھے جبکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے صرف میری صحت وخیریت کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔"

(ابن حنبلؒ، III، 425)

110: بالکل صحیح تاریخ دیئے بغیر طبری ("تاریخ" I، 1129) بیان کرتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی ایک امیر خاتون حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک دوسرے شخص کو مکہ مکرمہ کے جنوب میں واقع حباشہ بھیجا جو کہ یمن کی جانب راستے میں اونٹ کے ذریعے تقریباً دس دن کے سفر کے فاصلے پر ہے۔ یہ اہم تجارتی میلہ ہر سال ہوتا تھا اور تین دن تک جاری رہتا تھا۔ ایک اور مورخ ابن سید الناس ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنے کاروبار کے سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبار JRSH بھیجا اور ہر بار اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹ معاوضے میں دیا (اکیلا اونٹ یا سامان سے لدا ہوا اونٹ؟) اگر یہ جورش ہے تو پھر یہ طائف کے جنوب کی طرف یمن میں واقع ایک جگہ ہے۔ اگر اسے جرش سمجھا جائے تو پھر یہ Transjordania میں ہے۔ ابن ہشام (ص954) بیان کرتا ہے کہ جورش جنوبی عرب کا ایک اہم شہر تھا جس کی دیواریں تھیں اور قلعے کے پشتے تھے۔ وہ ایک اہم سالانہ میلے کا مرکز تھا۔ جب کہ Jourdanian شہر بھی بازنطینی دور میں کم مشہور نہیں تھا۔ لوگ حتیٰ کہ آج کل بھی اس کے کھنڈرات پر حیرت وتعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی حوالے سے ان پہلے تجرباتی وآزمائشی سفروں نے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو مائل وقائل کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بہت زیادہ اہم تجارتی مشن پر شام کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیرنگرانی مکمل قافلے کو روانہ کریں۔

111: حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو اپنے شہر میں تاجرہ (تاجر خاتون) اور طاہرہ (پاکیزہ) کے ناموں سے پکارا جاتا تھا (ابن سعد 1/I، ص82-83) آپ بیوہ تھیں۔ آپ کی دو دفعہ شادی ہوئی اور ہر شوہر سے ایک بچہ تھا۔ آپ کی خوبصورتی بھی آپ کی دولت سے کم مشہور نہیں

تھی۔ اگرچہ آپ ابھی تک بالکل نوجوان تھیں لیکن آپ نے مزید شادی کرنے سے انکار کیے رکھا حالانکہ شہر میں کئی افراد خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔

112: چند معلوماتی ذرائع کے مطابق یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اتالیق جناب ابو طالب تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''قحط کے کئی سالوں نے ہمیں بری طرح متاثر کیا ہے۔ آپ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس جائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانتداری سے آگاہ و آشنا ہیں اور اس سے کہیں کہ وہ کوئی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیں جیسا کہ وہ دوسروں کو دے رہی ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تجارتی قافلے کے ساتھ جا سکیں جو شام کی جانب جانے والا ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ روزی کما سکیں گے۔'' اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 25 برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اس قدر بوڑھے تھے کہ بذات خود سفر پر نہیں جا سکتے تھے۔

113: حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی رضامندی اور ذاتی مرضی ومنشاء سے بھاری ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپی اور اپنا غلام میسرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ملازم دیا۔ نیز اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں بھیجا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک آزاد اور بلاشرکت کارواں تھا۔ قدیم مؤرخین کے مطابق یروشلم سے دور واقع بصریٰ اس سفر کی آخری منزل تھی۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یروشلم دیکھنے کا موقع ملا جو کہ معراج (النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا شہر ہے۔ لوگ اس وقت بھی بصریٰ میں نسطورا نامی عیسائی راہب سے ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ (سہیلی، ا، 121) کیا وہ نسطورین تھا؟ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک عجیب و غریب بادل نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ سے بچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سایہ کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس راہب کو تجسس و تفکر پیدا ہوا۔ جب کارواں واپس آیا تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنے کئی منزلہ گھر کی انتہائی بالائی منزل سے مسافروں کو دور سے شہر کی جانب آتے دیکھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور میسرہ قافلہ پہنچنے سے پہلے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ ہر کام بالکل صحیح ہوا ہے اور یہ کہ انہوں نے اس سفر میں معمول سے دوگنا منافع کمایا ہے۔ سپاس وشکریہ کے جذبات سے لبریز حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہ) نے نوجوان حصہ دار کو بھی دہرا معاوضہ دیا حالانکہ پہلے انہوں نے دو اونٹنیاں دینے کا وعدہ

کیا تھا۔ غلام میسرہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی از حد تعریف و توصیف کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت کا سلوک کیا۔

(ابن ہشام، ابن سعد)۔

114: بعد ازاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کام کے سلسلہ میں حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس جاتے رہے اور ان کی ہم آہنگی لازماً قریب سے قریب تر ہو گئی ہو گی۔

(ابن سعد 1/I، ص 84-85)

115: ابوداؤد (سنن، 90:40) ہمیں بتاتے ہیں کہ ایک دن ایک مکی عبداللہ ابن ابی الحساء نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر کی ایک گلی میں اس کا انتظار فرمائیں مگر وہ اس بارے بھول گیا۔ وعدہ کی ملاقات کے کئی روز بعد جب وہ اس مقام پر دوڑا ہوا گیا تو اس نے آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک وہیں موجود پایا۔

116: مدینہ منورہ میں اپنی حیات پاک کے آخری سالوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ے مشرقی عرب کے رہائشی قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد ملاقات کے لیے آیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کاروں سے ان کے ملک کی تفصیلات بارے سوالات کر کے انہیں حیران کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ملک کے متعلق ٹھوس علم رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کرنے پر بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از اسلام وہاں جا چکے ہیں۔ (ابن حنبل "مسند" IV، 206؛ مرزوقی "الازمنہ" II، 163؛ یعقوبی "تاریخ" I، 313-314) اس کا تعلق شاید مشقر اور دبا کے میلوں سے تھا جو اپنی اہمیت کے باعث غیر ملکیوں کے لیے بھی کشش رکھتے تھے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی سے پہلے یا بعد میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت یا پھر کسی اور امیر فرد یا افراد کا سامان لے کر وہاں گئے تھے؟ معلومات کی کمی کی وجہ سے کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔

117: اسلام کے آغاز میں جب مسلمان حبشہ میں پناہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ کے شاہ نجاشی کے نام تعارف و سفارش کا ایک خط دیا اور انہیں کہا کہ "آگے بڑھتے جاؤ کیونکہ اس بادشاہ کی مملکت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔" یہ روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر حبشی زبان کے کئی الفاظ استعمال کیے۔ کیا اس کا

یہ مطلب ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کہ حبشہ بھی گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمندری سفر کا تجربہ بھی رکھتے تھے؟ ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔

باب 12

شادی اور خاندانی زندگی

118: ہم پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے تعارف ہوا اور کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و امانت نے اس امیر تاجر خاتون کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم پیدا کی۔

119: ایک جانب تو ایک بیوہ خاتون تھیں۔ زیادہ تر قدیم مؤرخین کے مطابق وہ اس وقت 40 سال کی تھیں لیکن ابن حبیب اور بلاذری ("انساب" ا، 177) ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ 28 برس کی تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ اسد سے تھا۔ پادری ورقہ ابن نوفل کا تعلق بھی ان قبیلہ سے تھا جنہوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ (ابن ہشام ص 143-144، مصعب "نسب" ص 207-210) کچھ روایات کے مطابق ورقہ ابن نوفل کی بہن بھی بائبل پڑھا کرتی تھیں (بلاذری "انساب" ا، 139) حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پہلے شوہر ابو ہالہ تیمی سے ایک بیٹا تھا جس کا نام ہند تھا۔ پھر آپ بیوہ ہو گئیں تو عتیق ابن عائذ مخزومی سے شادی کی اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بھی ہند تھا۔ خوبصورت اور امیر تھیں۔ اپنے دوسرے شوہر کی وفات کے بعد اپنے آپ کو بچوں اور کاروبار کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ نے شادی کی تمام تجاویز و پیغامات کو مسترد کر دیا تھا۔

120: دوسری جانب ایک نوجوان جن کی عمر بمشکل 25 برس تھی۔ قوت و طاقت سے بھرپور مگر شریف و پاکباز، غریب مگر سخی و مخیر، دنیاوی اساتذہ کا شاگرد نہیں مگر ذہین و فطین اور دیانتدار و امین۔ قدیم مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرخ لائنوں والی بڑی سیاہ آنکھیں تھیں۔ خداداد طاقتور بصارت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوج ثریا پر ستاروں کے

جھرمٹ میں گیارہ ستاروں کو صاف صاف دیکھ لیتے تھے۔("تاج العروس") آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت سفید تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک میں چمکتے ہوئے دانت ایسے لگتے تھے جیسے کہ "یاقوت کے صندوق میں درنایاب" ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ سر مبارک بڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناک مبارک کے اوپر ملتی ہوئیں خمیدہ ابرو کے مالک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کی لائن کے اندر ہی چھوٹا پیٹ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے اوپر والے حصہ اور کندھوں پر چند بالوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام جسم مبارک پر کوئی بال نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ تو بالکل سیدھے اور نہ ہی گھنگھریالے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں دھنسی ہوئی اور پچکی ہوئی نہیں تھیں اور پاؤں مبارک کے تلوے اتنے بھرپور اور ہموار تھے کہ زمین پر پاؤں کے نشانات میں یکسانیت ہوتی تھی۔ کشادہ سینہ اور غیر فربہ ٹانگوں کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی اور خمیدہ ناک کے مالک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بڑی واضح اور شیریں و دل نشیں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر نرمی اور آہستگی سے کلام فرماتے تھے کہ الفاظ کے حروف تک گنے جا سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کے بالوں کی حفاظت کرنا پسند فرماتے تھے جو کہ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورت اور دلکش داڑھی مبارک تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں اور داڑھی دونوں کو خوشبو سے معطر فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا بالائی حصہ لمبا تھا اور جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی محفل میں تشریف فرما ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان سب میں سے اونچے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی کے ساتھ چلتے تھے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسین و جمیل تھے۔ اپنے ایک پیروکار یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے سوتیلے بیٹے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودھویں کے چاند سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔" (ترمذی "شمائل")

121: حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے جلد ہی اپنے تجارتی نمائندے سے پرتپاک الفت پیدا کر لی۔ وہ اکثر انہیں اپنے گھر پر بلاتیں تاکہ تجارتی معاملات کو زیر بحث لایا جا سکے۔ وہ انہیں موسمی فروٹوں اور دوسری چیزوں کے زیادہ سے زیادہ تحائف بھیجتیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم

شرم وحیا سے اکثر اپنی آنکھیں نیچی رکھتے۔ کچھ عرصہ ہچکچاہٹ کے بعد ایک دن حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی سہیلی نفیسہ کو اپنا شریک راز کیا اور اسے موقع شناسی سے مناسب و موزوں انتظامات کرنے کو کہا۔ قدیم مورخین کہتے ہیں کہ نفیسہ ایک غیر ملکی آزاد شدہ لونڈی تھی اور غیر عرب والدین کے ہاں پیدا ہوئی تھی۔ (طبری، I، 129) سہیلی ہمیں یقین دلاتا ہے کہ وہ کاہنہ تھی۔ کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ یہودی النسل تھی؟ شاید اس کے قدرے کم سماجی رتبے کی وجہ سے اس کے والد کا کبھی حوالہ نہیں دیا جاتا بلکہ عام طور پر اسے کسی منیہ کی اولاد بتایا جاتا ہے جو اس کی والدہ یا دادی تھی۔ اس کا اس مشن کے لیے صحیح انتخاب کیا گیا کیونکہ وہ اپنے اصل خاندان کی بناء پر ایک ممتاز اور سربرآوردہ خاتون کی نسبت شہر کی گلیوں میں کسی شخص کے ساتھ زیادہ آسانی کے ساتھ گفتگو کر سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے ہی حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر پر مل چکے ہوں کیونکہ دونوں وہاں جایا کرتے تھے۔

122: نفیسہ نے بالآخر ایک روز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع پا لیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب معقول عمر کو پہنچ چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ خاندان کے فرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہتر و برتر کردار کی بدولت مشہور ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک معزز و محترم شریک حیات کی تلاش لازمی طور پر آسان ہونی چاہیے۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک علیحدہ خاتون کی کفالت کے لیے ذرائع نہیں ہیں۔ اور نفیسہ نے جواباً کہا ''لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا جواب ہوگا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی شخصیت (بطور شریک حیات) مل جائے جو بیک وقت دولتمند بھی ہو، خوبصورت بھی ہو اور اچھے خاندان کی بھی ہو؟'' مکمل طور پر حیران و حیرت زدہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''وہ کون ہو سکتی ہے؟'' نفیسہ نے جواب دیا ''خدیجہ (رضی اللہ عنہا)'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''ناممکن وہ مجھے قبول نہیں کرے گی۔ تمام امیر شہریوں نے اس کا رشتہ طلب کیا ہے لیکن اس نے ان سب کو مسترد کر دیا ہے۔'' نفیسہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ یقین دلاتے ہوئے کہا ''اگر رشتہ کی یہ تجویز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئی ہے تو یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں اپنی سہیلی سے خود بات کروں گی۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ

لگایا کہ اس قدر اعتماد ایک مشن ہی کی غمازی کرتا ہے۔

123: بعدازاں حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ وقت مقررہ پر دلہا اپنے چچا جناب ابو طالب اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ منگیتر و منسوبہ کے گھر پہنچے جہاں ایک بڑی تقریب کے لیے ہر چیز تیار تھی۔ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے والد جنگ فجار میں مارے جا چکے تھے چنانچہ قانونی طور پر ان کے چچا عمرو ابن اسد کو اس شادی کے لیے رضامندی کا اظہار کرنا پڑا۔ کچھ قدیم مؤرخین ہمیں وہ تفصیلات بتاتے ہیں کہ کس طرح شادی کی تقریب جاری رہی۔ اگر یہ تفصیلات مستند ہیں تو پھر یہ مکہ کی اس وقت کی نسوانی اور معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالتی ہیں۔

124: یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنے چچا سے ان کی رضامندی پہلے ہی حاصل کرنے کی جرأت نہ کی مبادا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت کی وجہ سے اعتراض کریں۔ خاندان کے دوسرے افراد کی طرح انہوں نے اپنے چچا کو بھی اجتماع کا اصل مقصد بتائے بغیر ہی مدعو کیا۔ جہاں تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا تعلق ہے تو وہ تقریر کرنے کے لیے رسم و رواج کے مطابق حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے جب کھانا کھلا دیا گیا تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی جو کچھ ان کے چچا نے پیا۔ جب حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے چچا نے پینا شروع کیا تو بھتیجی نے چچا کو خوبصورت چادر سے ڈھانپ دیا، انہیں زعفران سے بنی ہوئی خوشبو خلوق لگائی اور پھر جناب ابو طالب کو اشارہ کیا۔ جناب ابو طالب کھڑے ہوئے اور انہوں نے معمول کے مطابق عورت کے خاندان کے سربراہ سے باضابطہ اجازت طلب کی۔ اپنی تقریر میں جناب ابو طالب نے اپنے بھتیجے کی بے مثل و بے نظیر خوبیاں بیان کیں جو کسی بھی دوسرے مکی نوجوان میں نہیں تھیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کا بھتیجا اگرچہ امیر نہیں ہے مگر دولت ڈھلتے سائے کی طرح ہے تاہم قابل ذکر بات یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں چنانچہ دونوں کے ملن میں اس سے زیادہ مناسب و موزوں بات نہیں ہو سکتی۔ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے چچازاد اور خیر خواہ ورقہ ابن نوفل کو بھی لازمی طور پر اعتماد میں لیا گیا۔ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ کہہ کر تجویز کی تائید کی کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اچھی نسل کے اونٹ کی

مانند ہیں جسے بٹھانے کے لیے اس کے ناک پر چھڑی نہیں مارنا پڑتی۔'' حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے چچا ساکت و جامد رہے اور ان کی خاموشی ہی کو ان کی رضامندی سمجھا گیا۔ معمول کی تالیوں اور مبارکبادیوں کی گونج میں مہمان خشک کھجوروں اور مصری کی ڈلیوں کی طرف لپکے جو روایتاً دولہا کے سر پر پھینکی جاتی تھیں۔ یہ شام کا وقت تھا جب بوڑھے چچا عمرو نیند سے بیدار ہو گئے اور انتہائی حیران و حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ خوشبویات، مہک آمیز دھواں، پر تکلف لباس اور موسیقی کہاں سے آئے؟ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے جواب دیا ''لیکن یہ تو آپ ہی ہیں جنہوں نے حضرت عبداللہ کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے شہر کے معززین کی موجودگی میں آج میری شادی کی ہے۔۔۔۔'' اس پر چچا اور آزاد و خود مختار بھتیجی میں تند و تلخ جملوں کا تبادلہ ہوا۔ (ابن سعد اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شادی شدہ جوڑے کے دونوں طرف کچھ نوجوان رشتہ داروں نے حتیٰ کہ ہتھیار اٹھا لیے لیکن انہیں استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی) جب عمرو نے دیکھا کہ دلہا ایک اعلیٰ خاندان و نسل کا شریف النفس نوجوان ہے اور یہ کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کوئی مصالحت و رعایت نہیں کریں گی تو اس نے بہتر یہی سمجھا کہ خاموشی اختیار کی جائے اور اس نے شوہر کو اپنی دلہن لے جانے کی خوشی و آمادگی کے ساتھ اجازت دے دی۔

(ابن سعد 1/I، ص 84-85)۔

125: اس واقعے سے کچھ مورخین نے اتفاق کیا ہے جب کہ کچھ نے مسترد کیا ہے لیکن یہ غیر متوقع اور ناقابل وقوع نہیں تاہم اگر یہ درست و صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ مکی معاشرے میں غیر معمولی واقعہ ہے۔ کسی بھی صورت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے ایک عورت کو غلط راہ پر نہیں لگایا ہے اور حتیٰ کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی اپنے چچا کے دل میں غربت کے خلاف موجود غیر اہم اندیشوں اور نفرتوں کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے حقوق پر زور دیا۔ ایسا قبل از اسلام ہوا۔

126: ابن ہشام (ص 100) کے مطابق اس موقع پر مہر 120 اونٹنیوں پر مشتمل تھا لیکن ابن حبیب (محبر، ص 79) کے مطابق یہ 12 اونس چاندی (یعنی 480 درہم) اور اسی مورخ کے ایک اور ذریعہ معلومات کے مطابق 500 درہم تھا۔ عربوں کے رسم و رواج کے مطابق دلہا کے گھر دلہن کے پہنچنے پر دلہا ایک دعوت کا اہتمام کرتا تھا۔ روایات کے مطابق دعوت میں دو

اونٹوں کا گوشت استعمال ہوا اور 200 کے قریب لوگوں کو دعوت دی گئی۔

127: چند روز کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے گھر کو خیر باد کہہ کر اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی خوش کن وخوشگوار ترین تھی۔ کم از کم برصغیر ہندو پاک میں حتیٰ کہ آج کل بھی مسلمانوں کی شادی کی تقریبات میں قاضی شادی کے خطبہ میں یہ دعا کرتا ہے کہ ''رب رحمٰن ورحیم اس جوڑے کو محبت کے اسی جذبہ میں متحد ومتفق رکھے جو حضرت آدم علیہ السلام وحضرت حوا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم وخدیجہ (رضی اللہ عنہا) میں تھا۔'' دس سال کے عرصہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چھ بچوں نے جنم لیا۔ پہلا ایک بیٹا قاسم تھا لیکن وہ پنگوڑے ہی میں فوت ہو گیا جب اس نے چلنا شروع ہی کیا تھا۔ یہ شادی 595 (ہجرت مدینہ سے 28 سال قبل اور ظہور اسلام سے 15 سال پہلے) میں ہوئی۔ قاسم شاید ہجرت مدینہ سے 27 سال قبل پیدا ہوا۔ ابن حزم (ص 38) کے مطابق حضرت خدیجہ نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کا نام اپنے آباء واجداد کے نام پر عبد العزیٰ (یعنی دیوی العزیٰ کی پرستش کرنے والا) رکھا مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے ناموں کو قطعی طور پر کبھی بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قاسم میں بدل دیا۔ (یعنی خیرات تقسیم کرنے والا)

128: ہم اس سے پہلے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے سابقہ دو شوہروں سے دو بچوں کا تذکرہ کر چکے ہیں لیکن ان بچوں کا مکہ مکرمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی زندگی میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ شہر کے رسم ورواج پر عمل کرتے ہوئے شاید وہ اپنے والد کے رشتہ داروں کی تحویل میں دے دیئے گئے ہوں اور وقتاً فوقتاً اپنی والدہ محترمہ سے ملاقات کرنے آتے ہوں۔ جس جوش وجذبہ اور عقیدت ومحبت کے ساتھ ہند (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو ہالہ کا بیٹا) اپنے سوتیلے والد کے خدوخال اور چہرہ مہرہ بیان کرتا ہے (ایک پیراگراف میں پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ بچپن میں اپنی والدہ سے ملنے آتا تھا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت مہربانی وشفقت فرماتے تھے۔

129: رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ یہ دیکھ کر لازماً بہت ہی خوش ہوئی ہوں گی کہ ان کے بیٹے کی خوبصورت زوجہ ہے۔ امیر گھر بار ہے اور وہ سب کچھ ہے جو آرام دہ اور پرسکون زندگی کے

لیے ضروری ہوتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ اور بھی خوش ہوئی ہوں گی جب ان کی بہو نے ان کے ساتھ بہت ہی اچھا برتاؤ کیا۔ سہیلی (روض الانف، III,I) ہمیں بتاتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے انہیں کئی اونٹ دیئے۔ بوڑھی خاتون انتہائی سپاس وشکریہ کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئیں۔ ابن سعد (طبقات I/1، ص 71) کے مطابق شاید بعد کی کسی تاریخ کو حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں اور حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے خشک سالی کی شکایت کی اور اس مرتبہ اسے 40 بھیڑیں اور سواری کے لیے ایک اونٹ دیا گیا۔

130: یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ کے لیے محبت وخلوص کے جذبات رکھتے تھے۔ بعدازاں مدینہ منورہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان اور پیاری زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر چکے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات خفا ہو کر رشک سے کہتی تھیں کہ ان کے شوہر ''اس بوڑھی مکی خاتون کی جو کہ عرصہ ہوا وفات پا گئی ہیں'' کی مہربانی و محبت کو یاد کیے رکھتے ہیں۔

131: وہ پندرہ سال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی اور خدائی مشن کے دوران گزرے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا سلوک و برتاؤ رکھا؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اس بارے میں بتاتی ہیں۔ درحقیقت جب خدائی مشن کی پہلی وحی نازل ہوئی تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ ہوئے اور ڈر رہے تھے کہ مبادا کہ یہ کہیں شیطان کی طرف سے ترغیب و لالچ ہو جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت نفرت کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے کہا ''گھبرایئے مت۔ رب کریم ورحیم کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط راستے پر نہیں ڈالیں گے۔ رب تعالیٰ جل شانہ، صرف اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہتری ہی کریں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمسایوں کی مدد کرتے ہیں۔ اپنے اہل خانہ کی معاونت، اعانت کرتے ہیں۔ اپنی روزی ایمانداری سے کماتے ہیں۔ دوسروں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔ یتیموں کو پناہ وسہارا دیتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ دھوکہ بازی سے امانتوں پر قابض نہیں ہوتے۔ ان کی مدد کرتے ہیں جو مفلس ہیں۔ ضرورت مندوا کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں

اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ساتھ اخلاق ومروت سے پیش آتے ہیں۔''

(بخاریؒ I:I، (نمبر 3)؛ بلاذری، I، 190-193)

132: اگر ہم بولنے والی کے لیے کوئی رعایت وگنجائش رکھیں اور موقع ومحل کو بھی مدنظر رکھیں پھر بھی یہ باتیں ہمیں واضح طور پر بتاتی ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ کی دولت کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے بلکہ اپنے خاندان کو چلانے کے لیے کافی کچھ کماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تجارت وذریعہ معاش تھا۔ لیکن یقینی طور پر یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ کے کاروبار کی دیکھ بھال بھی جاری رکھی ہو۔ کیونکہ مکہ والوں کے رسم ورواج کے مطابق بیوی کی جائیداد اس کے شوہر کو نہیں ملتی تھی بلکہ شادی کے بعد بھی مکمل طور پر بیوی ہی کے پاس رہتی تھی۔

133: انہی ایام میں مکہ میں قحط پڑ گیا ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کے دوران حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے سابقہ زیر پرورش بیٹے کے پاس مدد کے حصول کے لیے آئی تھیں۔ طبری ہمیں بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جناب ابو طالب کو قحط کے دوران اپنے بڑے خاندان کی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوسرے چچا جو کہ امیر تھے کے پاس گئے اور ان سے کہا ''ابو طالب ان دنوں کافی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ ایک فیاضانہ عمل ہوگا اگر آپ ان کے ایک بچے کو اپنی کفالت میں لے لیں جیسا کہ میں بذات خود کرنے والا ہوں۔ پس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے متبنّیٰ بنالیا۔

134: ایک عربی نوجوان زید ابن حارثہ کو عرب کے کسی کونے میں لڑی جانے والی جنگ میں جنگی قیدی بنالیا گیا اور اسے بطور غلام کے فروخت کر دیا گیا۔ کئی ہاتھوں سے ہوتے ہوئے یہ غریب لڑکا بالآخر مدینہ منورہ پہنچا جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ سے ایک معاہدے کے تحت اسے خرید لیا۔ وقت نے اپنا سفر جاری رکھا اور جب اس غلام کے والدین کو علم ہوا کہ ان کا بیٹا کہاں ہے تو اس کا والد کافی زرفدیہ لے کر اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا۔ جب حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''مجھے آپ سے بہت زیادہ ہمدردی ہے لیکن یہاں پر آپ کا بیٹا ایسے ہے جیسے میرا اپنا بیٹا ہو۔ اس سے پوچھ لو اگر وہ آپ

کے ساتھ جانے کو تیار ہے تو میں اسے جانے کی اجازت دے دوں گا اور وہ بھی بغیر کسی زرفدیہ کے۔'' جب انہوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا تو اس نے انہیں بتایا ''میں نے اپنے مالک وآقا میں ایسی چیز پائی ہے جس نے مجھے ہمیشہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی دوسرے شخص پر ترجیح دینے پر مجبور کر دیا ہے۔'' زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ سے متاثر ہو کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر گئے اور علی الاعلان کہا کہ ''میں زید کو آزاد کرتا ہوں اور اسے اپنے بیٹے کے طور پر اپنا تا ہوں۔'' حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا اگرچہ اپنے گھر افسردہ واپس گئے لیکن وہ اپنے بچے کے حوالے سے پوری طرح پرامید و پر یقین تھے (سہیلی، I، 164)

باب 13

مذہبی ضمیر کی بیداری

135: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم 35 برس کے تھے جب ایک واقعہ نے مکہ والوں کی روحانی زندگی میں بیداری کی لہر دوڑا دی۔ ایک دن جب کعبہ کو بخورات کی دھونی سے مہکایا جا رہا تھا تو اس مقدس مقام کی بیرونی دیواروں پر لٹکے پردوں میں ہوا کی وجہ سے ایک چنگاری بھڑک اٹھی اور عمارت نے آگ پکڑ لی۔ بعد ازاں جلد ہی بارش نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی اور کعبہ کی عمارت جو کہ آگ کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی سیلاب کی مدافعت نہ کر سکی۔

136: مکی مذہب اس دور میں اپنی شرافت و وقعت بالکل کھو چکا تھا۔ آیئے ابن حبیب کی روایت کردہ ایک مثال لیتے ہیں۔ ("منمق" ص 326-327) مدینہ منورہ سے چند قبائل قریش سے میثاق و معاہدہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ ہر بات طے ہو چکی تھی تب مدنی مہمانوں کو بتایا گیا کہ مکہ مکرمہ کے نوجوانوں میں یہ رسم پائی جاتی ہے کہ کعبہ کے گرد طواف و عبادت کے دوران بھی وہ خوبصورت لڑکیوں سے بوس و کنار اور معاشقہ کرتے ہیں۔ ابن حبیب کے مطابق صرف اسی وجہ سے میثاق و معاہدہ توڑ دیا گیا جو کہ پہلے ہی سے مکمل ہو چکا تھا لیکن مکیوں کا ایسی باتوں کو کسی قسم کی اہمیت نہ دینا واضح طور پر ان کی اخلاقی گراوٹ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اساف اور نائلہ کے مشہور واقعہ کا حوالہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ (ابن ہشام، ص 54)

137: بعد ازاں جلد ہی کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی منصوبہ بندی کے لیے میونسپل کونسل کا اجلاس ہوا۔ اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ مکہ مکرمہ کے رہائشیوں کو خصوصی چندہ دینے کے لیے کہا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ غیر اخلاقی آمدنیوں (مثلاً سود، عصمت فروشی وغیرہ) سے کوئی امداد و اعانت قبول نہیں کی جائے گی۔ (ابن ہشام، ص 123)

138: موسم برسات کے دوران سمندری طوفان آیا۔ایک بازنطینی بحری جہاز جو کہ ایک گرجا گھر کی تعمیر کے لیے عمارتی ساز وسامان لے کر مصر سے یمن کی طرف جا رہا تھا تباہ ہو گیا اور مکہ مکرمہ کی بندرگاہ شعیبہ کے ساحل پر خشکی پر چڑھ آیا۔اس خبر کے ملتے ہی مکہ والے بندرگاہ کی طرف دوڑے اور تباہ شدہ بحری جہاز کے لوگوں کی مہمان نوازی کی۔حتیٰ کہ انہیں معمول کی کسٹم ڈیوٹی ختم کر دی بشرطیکہ وہ بحری جہاز کی تباہ شدہ چیزوں میں سے بچی کھچی اشیاء بیچنے کے لیے تیار ہو جائیں جس میں بحری جہاز کے تختے بھی شامل تھے۔اس طرح انہوں نے کچھ مقدار میں پتھر، لوہا اور لکڑی خریدی۔تباہ شدہ بحری جہاز میں ایک قبطی بڑھئی باقوم بھی تھا جس نے مکہ مکرمہ ہی میں رہائش پذیر ہونے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ یہاں اپنی دستکاری کا کام کر سکے مکہ والے اس تمام صورت حال سے خوش تھے۔(ابن ہشام، ص 122؛ ازرقی، ص 107)

139: اتفاقاً ایک اور غیر متوقع واقعہ ہوا۔کعبہ کے نزدیک ایک کنواں کھودا گیا تھا جس میں تمام نذر نیاز پھینکی جاتی تھیں۔کچھ عرصہ ہوا تھا کہ وہاں ایک اژدہا نے پناہ لے لی تھی اور کبھی کبھار وہ اپنا سر باہر نکالتا تھا۔اس سے وہاں کے باشندوں میں سخت خوف وہراس پایا جاتا تھا۔انہی ایام میں ایک روز جیسے ہی وہ باہر آیا تو اچانک ایک بہت بڑا اژدھا خور پرندہ آ کر اس پر جھپٹا۔اس نے اژدہے کو اپنے پنجوں میں جکڑا اور دور اڑ گیا۔اس سے شہر کے لوگوں نے سکون واطمینان کا سانس لیا۔

140: کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے لیے اس کے کھنڈرات کو مسمار کرنا پڑتا تھا لیکن چند توہمات کی بناء پر ایک عرصہ سے اس میں کچھ ہچکچاہٹ تھی۔آخر کار شہر کا ایک معتبر ومعزز شخص آگے بڑھا۔اس نے کچھ متبرک منتر پڑھتے ہوئے پہلی ضرب لگائی۔دوسروں نے ایک لمحے کے لیے انتظار کیا اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی تو انہوں نے بھی کھنڈرات کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ہمارے ذرائع بتاتے ہیں کہ بنیاد کے پتھروں پر پہنچ کر صفائی کو روک دیا گیا۔ یہ وہ بنیادیں تھیں جنہیں ابتدائی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔بنیاد کے پتھروں کی رنگت سبز تھی اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مقدس عمارت کو قدیم جگہ ہی سے از سر نو تعمیر کیا جائے۔

141: کعبہ مکعب شکل میں چار دیواروں والا ایک کمرہ تھا۔چونکہ جمع شدہ سامان اتنا کافی نہیں تھا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور جیسی عمارت تعمیر کی جا سکتی اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ

اس کا ایک حصہ ڈھانپا جائے جبکہ دوسرا حصہ بغیر چھت کے چھوڑ دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ نئی عمارت سابقہ عمارت سے اونچی ہوگی اور یہ کہ اس کے داخلہ کا دروازہ اس قدر اونچا رکھا جائے کہ اس تک رسائی کے لیے آسانی سے اٹھائی جانے والی سیڑھی استعمال کرنے کی ضرورت پڑے یوں دروازے کی چابی رکھنے والے ملازم کو آمدنی ہوگی۔ بغیر چھت کے حصے سے داخلہ مفت تھا اور اسے قسمیں کھانے اور دوسری مقدس و متبرک تقریبات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب دیواریں بلند کی جانے لگیں اور جب متبرک حجر اسود واپس اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو ایک سنجیدہ لڑائی چھڑ گئی۔ ہر قبیلہ اس اعزاز و افتخار کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کچھ تو اس حد تک چلے گئے کہ خون سے بھرا ہوا تسلا لے آئے اور قسم کھائی کہ کبھی بھی اپنے مطالبے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ انہوں نے خون پی لیا۔ کام رک گیا حتیٰ کہ معزز و محترم بزرگ نے تجویز دی کہ معاملہ قسمت پر چھوڑ دیا جائے۔ اس نے کہا ''اسے رب تعالیٰ جل شانہ' پر چھوڑ دو اور آؤ اس کو اپنا منصف قبول کر لیں جو بھی اگلا شخص یہاں پہنچے۔'' یہ خوش بختی و خوش قسمتی تھی کہ یہ مستقبل کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جو وہاں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانداری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک کپڑے کا ایک ٹکڑا لایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمین پر پھیلایا، اس پر حجر اسود رکھا اور تمام قبائل کے نمائندوں سے کہا کہ وہ اس کپڑے کو مل کر اٹھائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو خود اس کی مطلوبہ جگہ پر رکھ دیا۔ ہر شخص اس طریقے سے خوش ہوا۔

142: ایک آخری قابل حوالہ واقعہ یہ ہے کہ وہ مزدور جو کعبہ کی دیواروں کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھا کر لائے انہوں نے اپنے لنگوٹ اتار لیے۔ انہیں تہہ کیا اور اپنے کندھوں پر ڈال لیا تاکہ پتھروں سے کندھوں پر خراشیں نہ آجائیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مثال پر عمل نہ کیا اور اپنے کندھے زخمی کر لیے۔ اپنے چچا حضرت عباس کے اصرار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالآخر وہی کرنا پڑا جس طرح دوسرے کر رہے تھے اور جو روایت کے مطابق تھا۔ مگر اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اسی لمحے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر کپڑے پہن لیے اور دوبارہ کبھی ایسا نہیں کیا۔ (بخاریؒ، 8:8)

143: تعمیر کی تکمیل کے بعد کعبہ کو اندر باہر سے بتوں اور دیواری نقاشی سے مرصع و مزین کر دیا

گیا۔ کعبہ کے اندر حضرت مریم اور اس کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ (بخاریؒ، 11:60؛ ازرقی "اخبار مکہ" ص112-113؛ مقریزی، "امتاع" I، 385) خدا کے گھر کعبہ کے گرد 360 بتوں کی موجودگی کی روایت کی جاتی ہے۔ (بخاریؒ، 48:64) وہ عمارت جو صرف ایک خدا کے لیے تعمیر کی گئی تھی تمام دیوتاؤں کا مندر بن چکی تھی۔ اس سے ان باشندوں کو غور وفکر کے لیے ضرور مواد ملا ہوگا جو مذہب کے بارے میں اعلیٰ نظریہ اور ارفع رائے رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ مذہبی عبادات بے وقعت ہو کر صرف بت پرستی ہی بن گئی ہیں۔

144: مکہ والے اس بات سے باخبر تھے کہ مشرقی عرب کے قبیلہ بنوحنیفہ نے کس طرح آٹے اور کھجوروں سے بنا ہوا ایک اونچا مجسمہ تعمیر کیا اور کس طرح وہ اس حد تک چلے گئے کہ قحط کے موقع پر انہوں نے اس مجسمہ کو ٹکڑوں سے کاٹا اور کھا گئے۔ (مطہر ابن طاہر، "البدء و التاریخ" IV، 31-32) صحرا میں اگر کوئی پتھر نہیں ہوتا تھا تو بدوی ریت کے ڈھیروں پر اپنی اونٹنیوں کا دودھ دوہتے تھے اور پھر ریت کے ڈھیر کی پرستش کرتے تھے۔ بعض اوقات وہ دودھ سے مصنوعہ اشیاء بتوں کی نذر کرتے تھے (مکھن وغیرہ) اپنی توہمات کے مطابق مردان نذرانوں کو نہیں چھوتے تھے لیکن قبیلے کے کتوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا جو نذرانوں کو کھا پی جاتے تھے اور بعد ازاں حتیٰ کہ ان بے حس و بے جان گھٹیا بتوں پر پیشاب کر دیتے تھے۔ (دارمی "سنن" مقدمہ، I، 3-4؛ سمہودی، ص1225؛ ابن الجوزی "وفا" ص158) کون سا باشعور شخص ہوگا جو ان باتوں پر غور وفکر نہیں کرے گا اور ان بتوں سے منسوب طاقت وقدرت کے بارے میں سوال نہیں کرے گا؟ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ میں ایک روایت کے مطابق ایک شخص نے پرستش کی خاطر خوبصورت بت خریدے۔ وہ ایک بت خریدتا اور جب اسے اس بت سے زیادہ خوبصورت بت مل جاتا تو وہ پرانے کو پھینک دیتا جو کہ اس کی نظروں میں اب بے توقیر و بے وقعت ہو چکا ہوتا تھا۔

(بلاذری "انساب" I، 248)

145: اس قسم کے واقعات سنجیدہ ذہن افراد کو دعوت غور وفکر دیتے ہیں۔ نسلوں سے مکہ والے عیسائی اور زرتشتی غیر ملکی علاقوں میں سفر کر رہے تھے اور غیر ملکی اجنبی بھی مکہ مکرمہ سے گزرتے تھے۔ پھر اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں اگر انتہائی روشن دماغ افراد میں بھی ضمیر کا بحران تھا اور یہ کہ

ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی خاندان کے مختلف افراد مختلف مذاہب پر اعتقاد رکھتے تھے۔ کچھ نے عیسائیت اختیار کر لی تھی جب کہ دوسرے کسی اور مذہب کی تلاش میں تھے۔ زید ابن عمرو ابن نفیل کا معاملہ خاص نوعیت کا ہے۔ وہ بتوں کی نذر کیے گئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا تھا۔ (ابن ہشام، ص 144؛ سہیلی، ا، 146؛ بخاری 16/72) اسے علم نہیں تھا کہ وہ یہودیت یا عیسائیت سے کیا چاہتا ہے۔ وہ کہتا تھا ''یا خدا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کس قسم کی پرستش آپ کو خوش کرتی ہے تو میں اسی کے آگے جھکتا لیکن میں نہیں جانتا۔'' پھر وہ اپنی ہتھیلیوں پر منہ کے بل جھکتا۔ (ابن ہشام، ص 145,144) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ساعدہ الایادی کی توحید و وحدانیت کے موضوع پر تقریر کو کبھی نہیں بھولے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاظ کے میلے پر سنی تھی۔ (مسعودی ''مروج الذہب'' ا، 135-133؛ بغدادی ''خزانہ'' ا، 268-263؛ ابن کثیر ''بدایہ'' II، 237،236) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اسی موضوع پر لبید اور امیہ ابن الصلت کے اشعار کا حوالہ دیتے تھے۔ (بخاری، 78 تا 89، نمبر 3، باب ''ادب'') ہم یہ پہلے جان چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کے خاندان میں عیسائیت کچھ حد تک سرایت کر چکی تھی۔ مکہ مکرمہ میں اگرچہ کوئی پادری یا راہب نہیں تھے تاہم شہر میں کئی عیسائی غلام رہتے تھے۔

146: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے عام طور پر بت پرست تھے جیسا کہ اوسطاً عام مکی تھے اور اس کے ساتھ ہی چند مذہبی عوامی تقریبات بھی ہوتی تھیں مثلاً حاجیوں کو زمزم کا متبرک پانی فراہم کیا جاتا تھا وغیرہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کے وقت سے ہی یہ بات نوٹ کی گئی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں روحانی شعور و آگہی کی بیداری شروع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب رمضان کے مہینے میں غار حرا میں سب سے الگ تھلگ ہو کر خلوت میں وقت گزارتے تھے۔ [بلاذری (''انساب'' ا، 148) کے مطابق زید ابن عمرو ابن نفیل بھی روحانی خلوت نشینی کے لیے اسی پہاڑ پر اپنا خیمہ لگایا کرتے تھے جہاں غار حرا واقع ہے۔ ان کا انتقال کعبہ کی از سر نو تعمیر کے زمانے میں ہوا]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندگی کے اس انداز و طریقہ سے متاثر ہوئے اور وہاں کی خلوت نشینی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متحرک و مضطرب ذہن کی تسکین و تشفی کا ذریعہ پایا۔ سال بہ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم

رمضان المبارک کے مہینے کو مکہ مکرمہ کے مضافات میں واقع اسی غار میں گزارتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مراقبہ وغور وفکر کرتے اور زہد وریاضت میں وقت گزارتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ وقتاً فوقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشیائے خورد ونوش بھجواتیں جب کہ کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود گھر تشریف لے جاتے تاکہ وہ کچھ لے آئیں جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت ہوتی تھی۔ کوئی بھولے بھٹکے مسافر وہاں سے گزرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں چیزیں تقسیم فرماتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خلوت نشینی وگوشۂ تنہائی سے واپس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کعبہ تشریف لے جاتے اور اس کا سات مرتبہ طواف کرتے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر پہنچتے۔ (ابن ہشام، ص 152) یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے (ابن ہشام ص 152، مقریزی ا، 12) کہ اس خلوت نشینی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ شاید راوی کا مفہوم یہ ہے کہ "وہ عام طور پر وقتاً فوقتاً اشیائے خورد ونوش پہنچانے کے لیے آتی تھیں۔" اور یہ ایسا ہی ہے کیونکہ پہلی وحی کی رات وہ وہاں نہیں تھیں بلکہ مکہ میں اپنے گھر پر تھیں۔

147: میں نے غار حرا کو دیکھا ہے جو کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے بمشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر جبل نور پر واقع ہے۔ جبل نور ایک خاص منظر کا حامل ہے۔ یہ بے شمار پہاڑوں میں گھرا ہوا بہت دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ غار حرا گری ہوئی اور ڈھیر لگی چٹانوں سے بنی ہے جو اس کی تین سمتوں اور چھت کو وجود دیتی ہیں۔ یہ اتنی اونچی ہے کہ ایک شخص اس کے اندر اس طرح کھڑا ہو سکتا ہے کہ اس کا سر غار کی چھت کو نہیں چھوتا اور یہ اتنی لمبی ہے کہ اس میں آسانی سے لیٹا جا سکتا ہے۔ یہ ایک انوکھا اتفاق ہے کہ غار حرا کی لمبائی کعبہ سے ہم آہنگ ہے۔ فرش پر چٹان بالکل ہموار ہے اور بستر بنانے کی خاطر چادر و چٹائی بچھائی جا سکتی ہے۔ غار کا دہانہ تنگ اور سطح زمین سے قدرے اونچا ہے جس کی وجہ سے غار کے اندر داخل ہونے سے پہلے پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے بنی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس پہاڑ کو جبل نور کیوں کہتے ہیں۔ یہ اس سڑک کے قریب ہے جو مکہ مکرمہ سے اس میدان منیٰ کی طرف جاتی ہے جہاں حاجی کئی روز تک ٹھہرتے ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ رات کو راستہ کھو جانے والوں کی رہنمائی کے لیے اس پہاڑ پر آگ جلائی گئی ہو۔ یہ عمل اس علاقے میں اس وقت رائج تھا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مزدلفہ کی

پہاڑی پر آگ جلائی گئی تھی اس کی کوئی وجہ نہیں کہ مکہ اور عرفات کے درمیان صرف اسی ایک ہی کو کیوں ہونا چاہیے کیونکہ جزیرہ نمائے عرب کے چاروں سمت سے آنے والے حاجیوں کو وہاں سے گزرنا ہوتا ہے۔

148: ان خلوت نشینیوں کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی سوچ کے ارتقاء کی تفصیلات بارے کوئی علم نہیں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہر سال جاتے تھے اس لیے یہ بات ہمیں یہ یقین دلاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں روحانی سکون و اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ سیرت نگاروں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''صبح کی طرح واضح اور روشن خواب'' دیکھتے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند میں دیکھتے تھے اس کا مفہوم و مطلب اور تعبیر و تکمیل آئندہ دنوں میں ہونے والے واقعات میں پالیتے تھے۔ پھر یہ کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عجیب و غریب آواز سنتے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعجب بھی ہوتے تھے اور خوفزدہ بھی۔ کسی غیر مرئی کی آواز کثیر الوقوع ہوتی گئی اور اس کا مفہوم و مطلب بھی ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹانوں یا درختوں سے آتی ہوئی ایسی آوازیں سنتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر خوش آمدید و خیر مقدم کرتی تھیں۔ (ابن ہشام، ص 151)

149: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذہنی پختگی و بالغ نظری کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس ماہ رمضان کے کہ جس کا ہم ذکر کرنے والے ہیں چھ ماہ پیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہو چکے تھے۔ رمضان کا مہینہ آیا اور ظاہراً پانچویں مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا کے گوشۂ تنہائی میں تشریف لے گئے۔ کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہوئے بغیر کئی ہفتے گزر گئے تھے۔ پھر اسی رمضان المبارک کی 27 ویں کی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انوکھا و عجیب و غریب خواب دیکھا۔ روشنی کے ایک وجود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ اس واقعہ کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ''اس شخصیت نے مجھے بتایا کہ وہ فرشتہ جبرئیل ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہ' نے اسے مجھے یہ بتانے کے لیے بھیجا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اپنا پیغمبر منتخب فرما لیا ہے۔ فرشتے نے وضو و غسل کا طریقہ بتایا اور جب میں اپنے جسم کو پاک صاف کر کے واپس آیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں لی ہوئی ایک تحریر پڑھنے کو کہا۔ میں نے جواب دیا کہ میں تحریر پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر فرشتے نے مجھے اپنے بازوؤں میں لیا اور مجھے زور سے دبا کر چھوڑ دیا۔ اس نے مجھے پڑھنے کو

دوبارہ کہا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں تحریر پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں دوبارہ زیادہ زور سے جکڑ لیا۔ پھر مجھ سے پڑھنے کو کہا۔ میں نے جواب دیا کہ میں تحریر پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے تیسری بار مجھے اپنے بازوؤں میں اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ جکڑ لیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

''اپنے رب تعالیٰ کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔ انسان کو خونِ بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب سب سے بڑھ کر کرم والا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے قلم کے ذریعے سکھایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔'' (القرآن، 96:1 تا 5)

150: پھر فرشتہ دور چلا گیا۔ فرشتے کی آمد کے ان واقعات کی ترتیب کے بارے میں ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ایک اور دن پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور پہلے سے زیادہ عجیب وانوکھا اور پرخوف منظر دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فرشتے کو فضا میں بیٹھے دیکھا۔ حیرت واستعجاب کی کیفیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت ہو گئے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لانے کے لیے لوگوں کو بھیجا۔ یہ روایت بھی ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر اسلام کپکپاتے ہوئے گھر واپس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو کمبل میں لپیٹا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سنبھلی۔ عین ممکن ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو۔ قرآن الحکیم کی آیات میں ''اے چادر اوڑھنے والے'' اے کپڑے میں لپٹنے والے'' کے اظہار میں اس واقعے کا حوالہ ملتا ہے۔ اگرچہ بعد ازاں اور وحی اتریں۔

(القرآن، 73:1، 74:1)

151: جب رب تعالیٰ جل شانہ' کی طرف سے پہلی وحی ایک فرشتے کے ذریعے نازل ہوئی تو اس کا کوئی بھی گواہ نہیں تھا لیکن بعد ازاں یہی عمل تسلسل کے ساتھ دہرایا گیا تو گواہان موجود تھے کیونکہ آنے والے 23 برسوں کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوڑے یا زیادہ پیروکاروں نے بعض اوقات اس عمل کا مشاہدہ کیا۔ جس طریقے سے وحی کا نزول ہوتا تھا اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے جو کہ چشم دید گواہ تھے بیان کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''بعض اوقات مجھے گھنٹیوں کے بجنے کی طرح آواز آتی ہے جو کہ سخت ناقابل برداشت ہوتی ہے پھر وہ رک جاتی ہے۔ اس لمحے مجھے وہ سب کچھ

یاد ہوتا ہے جو کہ مجھ پر اترا ہوتا ہے اور میں اپنی یادداشت سے بہت متاثر ہوتا ہوں۔ دوسرے مواقع پر مخصوص فرشتہ میرے سامنے آدمی کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے اور میں اسے یاد رکھتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے۔'' (بخاری، 2/1) ابن حنبلؒ کا بیان ہے (222/2) کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کچھ ایسی آوازیں سنتے تھے جیسا کہ کسی دھات پر ضرب لگائی جارہی ہو اور اس لمحے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہونے والے پیغام کو پوری توجہ کے ساتھ وصول کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیتے تھے۔ ''جس قسم کے بھی مواقع پر مجھ پر وحی کا نزول ہوا ان میں سے ایک بھی موقع ایسا نہیں ہے جب میں نے یہ محسوس نہ کیا ہو جیسا کہ میری روح میرے جسم کا ساتھ چھوڑ دے گی۔''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اپنے مشاہدات کی روداد یوں بیان کرتے ہیں کہ ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساکت وغیر متحرک ہو جاتے تھے۔'' (ابن حنبلؒ 103/6) یا ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لیے ایسے ہو جاتے تھے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخمور کر دیا گیا ہو یا عمل تنویم کر دیا گیا ہو'' (ابن سعد 1/I، ص 131) یا ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو پسینے سے شرابور دیکھا جا سکتا تھا چاہے سخت سردی کا دن ہی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری، 2/1) یا ''ایک دن جب وحی کا نزول ہوا ہی چاہتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر چھپا لیا (اپنے کوٹ میں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراٹے لیے۔ پھر یہ صورت حال ختم ہو گئی۔'' (بخاری، 17/25، 10/26) ایک دن ایک نو مسلم (سمہودی کے مطابق یہ یعلیٰ بن امیہ تھے) نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت نزول وحی دیکھنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پھر تھوڑا سا وہ کپڑا اٹھایا جس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ سلم نے اس دن اپنے چہرے کو ڈھانپا ہوا تھا اور اس نو مسلم نے دیکھا کہ ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کراہ رہے تھے۔'' (بخاری 56/64) یا ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شہد کی مکھیوں کی طرح کی بھنبھناہٹ سنتے تھے۔'' (ابن حنبل 34/1، ترمذی، باب تفسیر، سورۃ 1/23) یا ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تھکا دینے والی سختی محسوس کرتے تھے جب وحی نازل ہوتی تھی'' (ابن حنبل 464/I) یا ''آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کچھ مشکل سی محسوس فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لبوں کو جنبش دیتے تھے۔ (بخاری، 3/97) یا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کو اس طرح حرکت دیتے تھے جیسا کہ کچھ سمجھنے کی کوشش فرمار ہے ہوں۔'' (ابن حنبل، 318/1) بیانات کا ایک اور سلسلہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سخت بھاری ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک رپورٹ اس طرح ہے کہ ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا مشاہدہ کیا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹنی پر سوار تھے جو نیچے جھکی اور اس نے اپنی ٹانگوں کو اس طور پیچ وخم دیئے کہ مجھے ڈر لگا جیسے اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی۔ کبھی وہ بیٹھ جاتی تھی کبھی وہ کھڑی رہتی تھی جب کہ اس کی ٹانگیں کھمبوں کی طرح بلند رہتی تھیں حتیٰ کہ یہ صورت حال ختم ہوگئی اور یہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وزن کی وجہ سے تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور پھر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکے'' (ابن سعد 1/1، ص 131، 132) یا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی ٹانگوں کو تقریباً توڑ ہی دیتا۔'' (ابن حنبل، 455/6، 458) یا ''اونٹنی اس قدر پریشان و مضطرب تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نیچے اترنے کو ترجیح دی۔'' (ابن حنبل، 176/2، 455/6، 458/6) اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تھے۔ (طبری، تفسیر، 39/26) حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا تجربہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ''ایک روز بہت بڑا ہجوم تھا اور ہر شخص ٹانگیں سمیٹے زمین پر بیٹھا تھا۔ وحی نازل ہونا شروع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھٹنا میری ران پر تھا۔ وہ اس قدر بھاری ہوا کہ مجھے اپنی ران ٹوٹ جانے کا خوف پیدا ہوا۔'' (بخاری، 12/8، 31/56، ابن حنبل، 184/5) ایک اور بیان میں یہ اضافہ ہے۔ ''اگر آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں چیختا اور اپنی ٹانگ کھینچ لیتا۔'' دوسری رپورٹوں کے مطابق ''ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے منبر پر کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے اختتام تک وہاں ساکت رہے۔'' (ابن حنبلؒ، 21/3) یا ''ایک دن کھانے کے دوران جب کہ گوشت کا ایک ٹکڑا (ہڈی والا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا اور جب اس کا اختتام ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ابھی تک گوشت کا ٹکڑا تھا۔'' (ابن حنبلؒ، 56/6) اس قسم کے مواقع

پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کمر کے بل لیٹ جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام حالات کے مطابق تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کپڑے کے ٹکڑے سے ڈھانپ دیتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے حواس برقرار رکھے اور اپنے آپ کو ضبط میں رکھا اور یہ کہ بہت کم ہی مضطرب ہوئے۔ اپنے مشن کے ابتدائی ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ سنتے تھے اسے بلند آواز سے دہراتے تھے حتیٰ کہ وحی کے نزول کے دوران بھی ایسا کرتے تھے لیکن مدینہ کی جانب ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عادت ترک کر دی اور وحی کے نزول کے اختتام تک خاموش رہتے تھے۔ بعد ازاں اپنے مصاحبین کو پیغام ربانی سے آگاہ فرماتے تھے۔ اور اپنے کاتبین کو بھی لکھواتے تھے (جیسا کہ قرآن الحکیم تصدیق کرتا ہے) ''آپ وحی کے ختم ہونے سے پہلے قرآن پر اپنی زبان کو اس لیے حرکت نہ دیا کیجئے تا کہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔'' (القرآن: 16/75) یا مزید یہ کہ ''اور آپ قرآن کے لینے میں جلدی نہ کریں جب تک اس کا اترنا پورا نہ ہو جائے اور کہیے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرمائیے۔'' (القرآن: 20/114) اپنی نارمل حالت میں واپس آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نئی وحی کو لکھوانے کے لیے اپنے کسی پڑھے لکھے پیروکار کو بلواتے اور اسے بتاتے کہ یہ نئی وحی سابقہ تمام نازل شدہ قرآنی آیات میں کس مقام پر آئے گی تا کہ اس کی کئی نقول تیار کر کے مسلم قومیت میں اس کی تشہیر و ترویج کی جائے۔ ''المبعث والمغازی'' میں ابن اسحٰق کہتا ہے کہ ''ہر مرتبہ جب بھی قرآن الحکیم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مردوں کے اجتماع میں اور پھر عورتوں کے اجتماع میں اس کی تلاوت فرماتے۔'' (ہم دیکھتے ہیں کہ عورتوں کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھی) ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآنی متن کی تدوین کی جانب آتے ہیں۔ طبرانی جیسے ذرائع (بحوالہ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' I، 150؛ VIII، 257 بہ تعلق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کے مطابق ہر مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم وحی کو لکھواتے تھے۔ پھر کاتب سے کہتے تھے کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ پڑھ کر سنائے تا کہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصحیح فرما سکیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بیان کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام مواقع کے مطابق مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے تھے۔ بعض اوقات آدمی کی شکل میں جب کہ کسی اور موقع پر پروں

کے ساتھ اڑتے ہوئے وجود کی صورت میں اور کسی وقت انوکھی و عجیب شکل میں حاضر ہوتے تھے۔

152: حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مختلف شکلوں پر بحث کی بجائے ہمیں حقائق کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ ضرور مطالعہ کرنا چاہیے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام پر غور وفکر کرنا چاہیے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا۔ اپنی حیات مبارکہ کے 40 ویں سال میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پہلا حصہ یعنی پرائیویٹ لائف اختتام کو پہنچا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک لائف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا آغاز ہوا۔

باب 14

مشن کا آغاز

153: دین اسلام میں قادر مطلق پر یقین و ایمان بت پرستی کے تمام تصورات کو نہ صرف باطل قرار دیتا ہے بلکہ ان کے مقابل فناء فی اللہ کا نظریہ پیش کرتا ہے جو کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوبصورت حدیث پر بنیاد کرتا ہے۔ جسے دوسروں کے علاوہ بخاریؒ (2/38/81 رقاق / تواضع) اور ابن حنبلؒ (256/6) نے بھی بیان کیا ہے کہ ''رب تعالیٰ جل شانہ' فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اپنی نفلی عبادات کی بدولت میرے قریب تر آتا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔'' القسطلانی (289/9) اس میں اضافہ کرتا ہے کہ ''اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔'' انسان روحانی طور پر چاہے جس قدر اعلیٰ وارفع ہو جائے خدا نہیں بن سکتا۔۔۔ خدا ہمیشہ خدا ہی رہتا ہے جب کہ انسان ہمیشہ انسان ہی رہتا ہے جو خدا سے انتہائی کم ترین ہے۔۔۔ لیکن انسان رضا کارانہ طور پر اپنی مرضی، اپنی خواہشات اور اپنے ذاتی مفادات ترک کر کے رب کائنات کا ایگزیکٹو ایجنٹ یعنی خلیفہ بن سکتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغمبر، آدمی و انسان رہتے ہوئے عام آدمی کو نظر نہ آنے والے وجود فرشتہ کے ذریعے رب تعالیٰ جل شانہ' کی وحی وصول کرتا ہے۔ خدائی مشن ایک وراثتی عمل نہیں ہے کہ جو بچے وراثت میں اپنے والدین سے پاتے ہوں۔ عربوں میں پیغمبر نہیں تھے جیسا کہ اسرائیلیوں میں تھے۔ ایک عرب جو اپنے ہم وطنوں میں صرف اپنی نیکی، سچائی اور ایمانداری کی وجہ سے پہچان رکھتا

تھا حالانکہ وہ کسی دنیاوی استاد سے تعلیم یافتہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ پراسرار علوم سے واقفیت کا دعویٰ کرتا تھا بلکہ وہ ان علوم سے متنفر تھا اس نے اچانک یہ اعلان سنا کہ اسے انسانیت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیغمبر منتخب کیا گیا ہے اور یہ کہ اسے اپنے خالق و مالک کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ ہم کسی مشکل کے بغیر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فوری ردعمل کو سمجھ سکتے ہیں جسے سیرت نگار ابن اسحٰق نے روایت کیا ہے: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ کو راز دار بناتے ہوئے کہا ''جیسے ہی میں اکیلا ہوتا ہوں میں ایک آواز سنتا ہوں جو مجھے پکارتی ہے: اے محمدؐ اے محمدؐ اور ایسا نیند کی حالت میں نہیں ہوتا بلکہ مکمل بیداری کی حالت میں ہوتا ہے کہ میں آسمانی روشنی دیکھتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے بتوں اور کاہنوں (جو غیب اور مستقبل کے علم کا دعویٰ کرتے ہیں) سے زیادہ کبھی بھی کسی سے اتنی نفرت نہیں کی۔ کیا میں بھی ایک کاہن یا ایک ماہر علم نجوم بن گیا ہوں؟ جو مجھے پکارتا ہے کیا وہ کہیں شیطان تو نہیں ہے؟'' یہ خوف کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خدانخواستہ) جادوگر، بھوت پریت کے زیر سایہ یا کاہن سمجھیں گے، فطری تھا۔ کچھ افراد کی ضمیر کے حوالے سے تشویشناک صورت حال کے باوجود ملک میں کوئی بھی شخص اور حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود یہ نہیں جانتے تھے کہ وحی الٰہی اور خدائی مشن کیا ہوتا ہے اور یہ کہ شیطانی القاء اور وحیٔ الٰہی میں واضح اور ٹھوس فرق قائم نہیں کر سکتے تھے کیونکہ دونوں کی ظاہری شکل ایک جیسی ہی تھی۔

154: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفادار زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اطمینان وتسلی دیتے ہوئے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بے لوث و بے غرض ہیں اور اس قدر شفیق و مہربان ہیں کہ رب تعالیٰ جل شانہ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کڑی شیطانی آزمائش میں نہیں ڈالیں گے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (بلاذری (''انساب'' I, 193) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل عیسائی کے پاس بھیجا۔ بصارت سے محروم ورقہ بن نوفل نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنا جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیتا تھا (بخاری 1/91) اس نے کہا ''نہیں۔ یہ شیطانی اور ابلیسانہ عمل نہیں ہے بلکہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ اگر میں اس وقت

تک زندہ رہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن میں مشکلات پیش آئیں گی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کروں گا اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و اعانت کروں گا۔'' پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شاید ورقہ ابن نوفل کی تجویز پر یہ آزمائش و تجربہ کیا۔ (ابن ہشام، ص 154) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے کو دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بلا لیجئے گا۔ اور جب پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''لو وہ آ گیا ہے۔'' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آیئے اور میرے دائیں جانب بیٹھیے اور مجھے بتایئے کہ کیا وہ ابھی تک نظر آ رہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور بتایا: ''جی ہاں میں اسے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بائیں جانب بٹھایا اور پھر اپنے سامنے بٹھایا اور وہی سوال کیا تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہی جواب ملا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازدواجی زندگی کے تعلق کے حوالے سے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور وہی سوال کیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ ''نہیں۔ اب وہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔'' اس پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ درحقیقت ایک فرشتہ تھا کیونکہ اگر شیطان ہوتا تو ہمارے اس طرح قریب ہونے سے وہ چلا نہ جاتا۔''

155: قدیم مؤرخین رب تعالیٰ جل شانہ' کی جانب سے پہلے پیغام یا پیغامات کے نزول کے بعد وقتی رکاوٹ کا حوالہ دیتے ہیں۔ (ابن ہشام، ص 156، سہیلی، I، 161) آنے والے دو یا تین سالوں کے دوران پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ارتقائی عمل کی توقع کی جانی چاہیے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے نزول وحی سے خوف پیدا ہوا۔ پھر سکون واطمینان اور صبر و رضا کا دور آیا۔ پھر نئے وجد و کیف کا انتظار کیا اور آخر کار دل شکستگی اور مایوسی ہوئی۔ اس آخری دور کے حوالے سے قدیم مؤرخین کہتے ہیں کہ شدید ناامیدی وافسردگی کے عالم میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کئی مرتبہ پہاڑیوں پر چڑھ جاتے تھے۔ (بخاری 1:91) لیکن ہر مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوتے تھے اور یقین دلاتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور پیغمبر خدا ہیں۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتی طور پر تسلی ہوتی تھی اور پھر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم اپنی معمول کی گہری روحانی سوچ وفکر اور رب تعالیٰ جل شانہ' کی شدید الفت ومحبت میں کھو جاتے تھے۔ اپنے خاندان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات مکمل طور پر منقطع ہو چکے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے صحن میں سویا کرتے تھے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ اہمیت ووقعت روح کی پاکیزگی اور لوگوں کے ساتھ سخاوت واعانت کی رہی تھی۔

156: اس قسم کے سخت نظم وضبط کو روح کے معمولی سے دھبوں کو بھی دھوڈالنا چاہیے اور سابقہ لادینی مفادات سے چھٹکارا دینا چاہیے اور اس سے ایسی شخصیت تیار ہوگی جو دوسروں کی طرح کا فرد ہوتے ہوئے اپنا ہر عمل، ہر لفظ اور ہر خواہش رب تعالیٰ جل شانہ' کی منشاء ومرضی کے عین مطابق رکھے گا۔ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی ترقی کے ارفع واعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انقطاع پر راضی بہ رضا ہو گئے۔ کیونکہ اس کا تعلق صرف اس مالک وخالق خدائے وحدہ' لاشریک سے تھا جو نزول وحی فرماتے ہیں اور جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا شروع کیا کہ رب تعالیٰ جل شانہ' نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تیاری وتربیت کی آخری دفعہ نوک پلک درست کی گئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نئے پیغام کے ساتھ تشریف لائے۔

(بلاذری، ا، 208، ابن ہشام، ص156)

''قسم ہے دن کی روشنی کی

''اور رات کی جب وہ چھا جائے

''آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ بیزار ہوا ہے

''اور البتہ آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔

''اور آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے

''کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تھا؟

''پھر اس نے جگہ دی

''اور کیا اس نے آپ کو (شریعت کا) متلاشی نہیں پایا؟

''پھر اس نے راستہ بتایا

''اور کیا اس نے آپ کو حاجت مند نہیں پایا؟

''پھر اس نے آپ کو غنی کر دیا

''پس یتیم کو دبایا نہ کرو

''اور سائل کو جھڑکا نہ کرو

''اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کرو'

(القرآن الحکیم،93:1 تا 11)

157: پہلی سورۃ (سورۃ 96، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک میں سورتیں تاریخی ترتیب سے نہیں ہیں) میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ رب قادر وقدیر تنہا ہر شے کے خالق و مالک ہیں جنہوں نے ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق سب کچھ دینے میں فیاضی سے کام لیا ہے خاص طور پر انسان کو قلم کے ذریعے علم سیکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی استطاعت وصلاحیت بخشی۔ یہ واضح طور پر کفر، شرک اور مادہ پرستی کا توڑ تھا۔ دوسرے پیراگراف میں جسے ہم نے ابھی پڑھا ہے (سورۃ 93) رب کائنات کی بلاشرکت غیرے، مخصوص قوت وطاقت کے بیان کے ساتھ ساتھ ہمدردی، انسان دوستی اور ضرورت مندوں کی مدد (ذہنی، روحانی اور مادی) کی تعلیم دی گئی۔ بعد کے پیغامات و آیات میں تمام مومنین کو حکم دیا گیا کہ وہ نسل انسانی کے غلط کار افراد کو خوفناک نتائج سے خبردار کریں۔ صرف ایک خدا کی پرستش وعبادت کریں اور رب تعالیٰ جل شانہ' کی عبادت سے پہلے اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور پر پاک صاف کر لیں ہر اس چیز سے دور رہیں جو خدا کے عذاب کو دعوت دے اور کبھی یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے بدلہ پانے کی غرض سے کسی پر احسان کیا ہے (سورۃ 74) رب تعالیٰ جل شانہٗ کے احکامات کی واضح اور اعلانیہ تبلیغ و اشاعت کریں اور مشرکین کی پروانہ کریں۔ (94:15) اپنے قریبی رشتہ داروں کو نہ صرف ہدایت دیں بلکہ انہیں اس بات کی ضمانت دیں کہ یہ تمام جہانوں کے مالک وخالق کی طرف سے وحی ہے۔ ایک ایسی وحی جو پراسرار علوم کے دعووں، خبطی چیزوں یا شاعرانہ اختراعات سے مبرا ومنزہ ہے۔ مزید یہ بتائیں کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا اعلان پہلے ہی سے سابقہ اقوام کی متبرک

کتابوں میں کیا جا چکا تھا (سورۃ۔26) مفسرین قرآن کا بیان ہے کہ زرتشت، گوتم بدھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب نے اپنے پیغامات میں اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ ایک فرد آئے گا جو ان تمام کاموں کی تکمیل کرے گا جن کو وہ پورا نہیں کر سکے ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان مفسرین نے اس پیشین گوئی کی تعبیر نبی ؑ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پالی ہے جنہوں نے اپنے بعد کسی بھی پیغمبر کی آمد کے امکان کا مطلقاً کوئی حوالہ نہیں دیا بلکہ واضح الفاظ میں کہا ہے کہ وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے آخری پیغمبر ہیں خاتم الانبیاء ہیں، ختم المرسلین ہیں۔

158: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح و فلاح کی سرگرمیوں کو صرف اپنے شہر کے باشندوں کو تبلیغ و ہدایت کر کے ہی شروع کر سکتے تھے جو کہ بت پرست اور کافر تھے۔ پس قرآن کی ابتدائی نازل ہونے والی آیات میں دو احکامات کی خاص طور پر بات کی گئی ہے پہلا یہ کہ ایک اللہ پاک پر یقین جو کہ وحدہٗ لاشریک ہے اور جس کی طاقت وقوت کی کوئی حد نہیں۔ وہ قادر مطلق اور رب حاضر و ناظر ہے۔ دوسرا یہ کہ اچھے کردار و عمل کی زندگی گزارنے کی ضرورت ہے۔ ''ایمان اور اچھے اعمال'' قرآن پاک میں بار بار آنے والا موضوع ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے قرآن سوال کرتا ہے کہ انسان سمیت اس کائنات کو کس نے تخلیق کیا ہے؟ یقینی طور پر انسان نے نہیں بلکہ ازلی وابدی اللہ پاک نے تخلیق کیا ہے جو ہر چیز کا خالق ہے جس نے ہر چیز کو نیست سے ہست میں بدلا ہے جو مالک حیات وممات ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر رب خالق و مالک نیست سے ہر چیز کو ہست میں بدل سکتا ہے تو پھر کیا وہ انہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا اور اس حیات بعد از ممات میں سزا و جزا نہیں دے سکتا؟ پھر قرآن الحکیم ہمیں یقین دلاتا ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ علیم و بصیر ہے اور جو کچھ ہم اپنی زندگی میں زمین پر عمل کرتے ہیں ان کا ریکارڈ رکھتا ہے اور پھر وہ روز جزا باز پرس کرے گا۔

159: دین اسلام اس طرح انسان کو ترغیب دیتا ہے وہ غلط کام کرنے کی صلاحیت و استطاعت رکھنے کے باوجود صحیح اور اچھا عمل کرے۔ یہ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد ہے کہ وہ اپنی خواہشات اپنی آزاد مرضی و منشاء سے پوری کرے اور ترغیب و تحریص، لالچ و کشش کے باوجود برے افعال سے رکا رہے۔ برائی جاہل کی نظروں میں اچھائی دکھائی دیتی ہے جو نتائج کو زیر غور

لائے بغیر صرف اپنے بارے میں سوچتا ہے۔ یہ شیطانیت ہے جیسا کہ قرآن الحکیم اس کی تصدیق کرتا ہے ''اور جب شیطان نے انہیں ان کے اعمال خوبصورت و خوشنما کر کے دکھائے'' (القرآن:48:8) ''ان کے برے اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں۔'' (9-37)

160: ایمان کے ساتھ عمل دوررس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ سخت مزاحمت متوقع تھی۔

باب 15

اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ واشاعت

161: انسانی معاشرے میں چند افراد ہی تصورات وخیالات پر مبنی سوالات میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن اپنے آباء واجداد کے رسم ورواج سے انحراف، نئی بات یا تبدیلی کے خلاف ہر شخص اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کچھ افراد کی ''غیر ملکی'' مذاہب کی قبولیت، کچھ باشندوں کی طرف سے مکی بت پرستی کی تحقیر، چند اشخاص کا مکی ''مذہب'' کے مخالف ذاتی عقیدہ واعتقاد۔ ان سب عوامل نے شہر میں کوئی ہلچل یا ہنگامہ پیدا نہیں کیا تھا۔ ہم خاص طور پر ''دین حنیف'' پر یقین وایمان رکھنے والوں کا حوالہ دیتے ہیں جو کہ عقلیت پسند توحید پرستوں کی ایک قسم تھی (القرآن، 135/2, 67/3 وغیرہ)۔ لیکن پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ تو کسی شخص نے اپنے آپ کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کا پیغمبر کہا تھا جو قوم کے افراد کی اصلاح کا مشن رکھتا ہو اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی فرد نے اپنے نئے مذہب کی خاطر اپنے آپ کو اس قدر تاکید واصرار کے ساتھ وقف کرتے ہوئے اپنے مشن کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنایا تھا۔

162: سب سے پہلی اور اولین تبدیلیاں محض اس عقیدہ کی دلالت کرتی تھیں کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول وپیغمبر ہیں۔ ان اولین تبدیلیوں (پہلا عقیدہ چھوڑ کر نیا مذہب وعقیدہ اختیار کرنے والے) کی صحیح تاریخیں دینا مشکل ہے۔ اس بات کا علم ہے کہ پہلی وحی اور دوسری وحی کا درمیانی وقفہ تقریباً تین سال تھا۔ اس دوران کچھ مکیوں نے یہ تمسخر اڑایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب تعالیٰ جل شانہٗ نے چھوڑ دیا ہے (نعوذ باللہ) البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ فوری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی تھیں۔ آزاد شدہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ تھے وہ بھی اس دور کے اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والدین کے ہمراہ واپس گھر جانے سے انکار کر دیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان چچا زاد حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا جنہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو طالب کا معاشی بوجھ کم کرنے کے لیے متبنیٰ بنایا تھا اور نوجوان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مختصر حلقے و دائرے میں رہائش پذیر افراد کی عادات کو ضرور اپنایا ہوگا (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت عمر کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے) شہر میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین دوست یقینی طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہمراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ ابن نوفل کے پاس نہ بھی لے جاتے تو یہ عین ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس خواب کے بارے میں ان سے گفتگو فرماتے اور یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایمان لا چکے تھے۔ مؤرخین ورقہ ابن نوفل کی خود اپنی قسمت کے بارے میں البتہ ایک رائے نہیں رکھتے۔

163: وحی کے دوبارہ آغاز پر جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلد ہی حکم الٰہی موصول ہوا کہ "اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ہدایت دو" (القرآن **214:26**) بلاذری ("انساب"، **I، 235**) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردعمل کے بارے میں ہمیں بتاتا ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک اپنے گھر ہی میں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیوں نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لیے آئیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رشتہ داروں اور اپنے قبیلے سے واقف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نئے حکم الٰہی کی تعمیل کے حوالے سے غور طلب وجوہات ہوں گی جو کہ خاص طور پر نازک کام تھا۔ بلاذری اس ضمن میں مزید کہتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ نشینی کی اصل وجوہات کا علم ہوا تو انہوں نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت افزائی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ

مجوزہ میٹنگ میں اپنے چچا ابولہب کو مدعو نہ فرمائیں کیونکہ چچا اور بھتیجے کے درمیان بلاشبہ سابقہ غلط فہمی ابھی موجود تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو کھانے پر مدعو کیا۔ معمول کے مطابق ہر شخص نے کھانا کھایا اور ایک کے بعد دوسرا چل دیا۔ انہیں یہ کوئی تصور نہیں تھا کہ ان کے میزبان ان سے کوئی اہم اور ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دعوت کی۔ اس دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتی تدبیر کے طور پر مہمانوں کو پہلے ہی مطلع فرما دیا کہ کھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تک ایک اہم بات پہنچانا چاہتے ہیں۔ بلاذری اس امر کا حوالہ دیتا ہے کہ ابولہب بلائے بغیر دعوت میں شریک ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیوں کا احساسِ خوف صحیح تھا کیونکہ جیسے ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو شروع کی اور مجمع میں اعلان کیا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے انہیں ایک مشن کی ذمہ داری سونپی ہے اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشن کی مکمل تفصیل بتائی تو ابولہب کھڑا ہو گیا اور قبیلے کے افراد کو متکبرانہ الفاظ سے یہ کہہ کر بھڑکایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے آباء واجداد کے مذہب سے دور کرنا چاہتے ہیں جو کہ دیوتاؤں کے غصے کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اجتماع ناخوشگوار ماحول میں منتشر ہو گیا۔

164: بلاذری ("انساب" I، 236) ہمیں مزید بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیوں نے بعد ازاں ابولہب سے بات کی اور اسے اس بات پر قائل و مائل کرنے کی کوشش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح اور سچے رسول و نبی ہیں جن کے ظہور کی پیشین گوئی ہو چکی تھی مگر ان کی یہ کوشش و کاوش بے سود رہی۔

165: اس واقعے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و ارادہ کو محض مضبوط و مستحکم کیا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے بالمقابل صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور قدیم رسم پر عمل کرتے ہوئے وہاں کے رہائشیوں کو پکارا کہ وہ آئیں اور ایک اہم خبر سنیں۔ ہر شخص دوڑ پڑا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان قبائل سے بات کرنا چاہتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے قریب ترین ہیں اور یہ کہ دوسرے قبائل کے افراد وہاں سے چلے جائیں۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رشتے داروں سے بات کرنے سے پہلے اپنے قبیلے والوں کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ پورے شہر میں ان کا کیا اثر و رسوخ ہے یا کوئی اور وجہ بات

تھیں؟ چاہے جو کچھ بھی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولنا شروع کیا اور ان سے کہا ''کیا آپ لوگ میرا یقین کر لیں گے اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک دشمن کی فوج ہے جس نے اپنے کیمپ لگا لیے ہیں اور شہر پر حملہ کرنے والی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور ہم اس سب کچھ پر یقین کر لیں گے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھے آپ لوگوں کو خبردار کرنے اور یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ جب تک آپ لوگ میری بات نہیں سنیں گے تو رب ذوالجلال کا عذاب آپ لوگوں پر نازل ہو سکتا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن ابولہب فوراً بول پڑا ''کیا اس احمقانہ (نعوذ باللہ) اعلان کی خاطر تم نے ہمیں پریشان کیا ہے اور ہمارا وقت ضائع کیا ہے؟'' (بلاذری ''انساب'' I، 238-239)

166: کوئی واضح تاریخ دیئے بغیر طبری (''تاریخ'' I، 1130) ہمیں مطلع کرتا ہے کہ ابولہب اور عدی ابن الحمراء اپنے ہمسائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پتھر پھینکا کرتے تھے۔ مزید یہ کہ ابولہب نے اپنے بھتیجے کے گھر کے دروازے پر ہر قسم کی غلاظت رکھی اور یہ کہ اسے اپنے ایک بھائی نے ایسا کرتے ہوئے ایک دفعہ رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جس نے اسے سزا دینے کی دھمکی بھی دی۔ اس پر ابولہب نے اپنا طریق کار بدل لیا۔ اس نے رقم کے عوض ایسا کرنے کے لیے ایجنٹ تلاش کر لیے (بلاذری ''انساب'' I، 264) ابولہب کی بیوی (ام جمیل جو کہ ابو سفیان کی بہن تھی) اسلام پر حملہ کرنے میں اپنے شوہر سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی چنانچہ اس وحی پر کوئی حیرانی نہیں ہونی چاہیے جو ایک سورۃ کے طور پر نازل ہوئی۔

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا
اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا
وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا
اور اس کی عورت بھی جو ایندھن اٹھائے پھرتی تھی
اس کی گردن میں مونج کی رسی ہے۔'' (القرآن 111:1 تا 5)

167: ام جمیل نے طنزیہ شاعری کے ذریعے انتقام کا طریقہ تلاش کیا اور اپنے دو بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں جو کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں:

(بلاذری، ا، 245) کسی مصالحت کی امید کے بغیر علیحدگی لازمی تھی۔

168: شہر میں ہر شخص نئی ''تحریک'' سے اب واقف تھا اور مزید اسے چھپانے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ پھر یہ وحی آئی کہ:

''پس آپ کھول کر سنا دیجئے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے
اور مشرکوں کی پروانہ کیجئے۔
تمسخر اڑانے والوں کے لیے
بے شک ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں
جو اللہ کے ساتھ دوسرا خدا مقرر کرتے ہیں پس عنقریب معلوم کرلیں گے
اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں
پس آپ اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کیے جائیں
اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں
اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی لمحہ آ پہنچے!''

169: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم وطنوں کے کسی اجتماع سے گفتگو کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔ اس وقت تک نازل شدہ وحی کی آیات میں زیادہ تر ان نکات پر زور دیا گیا تھا۔ خدا صرف ایک ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور تمام تر قوت و طاقت کا مالک۔ اس کا کوئی ہمسر یا شریک نہیں۔ اس کا نہ والد ہے، نہ بیوی ہے اور نہ ہی بچے ہیں۔ وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر انسانوں کو سزا دے گا یا جزا دے گا جو کہ ان کے ان اعمال کے مطابق ہوگی جو انہوں نے زمین پر کیے ہوں گے۔ بت پرستی ایک گھناؤنا فعل ہے اور یہ انسان کے لیے نامناسب اور نازیبا بات ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے جسے اس نے بذات خود بنایا و تراشا ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے احکامات کو لازماً سنا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ اچھائی کی جائے اور برائی سے بچا جائے۔ اکثر اوقات یہ آیات ربانی فصاحت و بلاغت کے ساتھ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی نعمتوں کو بیان کرتی تھیں تاکہ انسان شکر گزار ہو اور اس کی روز حساب کی یاد دہانی کراتی تھیں جو کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد آئے گا۔

170: پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افراد یا اجتماعات کو خطاب کرنے کا طریق کار

یہ تھا کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیریں لحن اور سریلی آواز میں قرآن الحکیم کی چند آیات کی تلاوت فرماتے تھے جس سے وجد و کیف طاری ہو جاتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وضاحت فرماتے تھے اور حاضرین کو دعوت دیتے تھے کہ وہ ان آیات پر ایمان لے آئیں۔ کامیابی کا تناسب سرعت آفریں نہیں تھا۔

اسلام قبول کرنے والے چند نئے افراد

171: حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد (ینبع کے نزدیک) غفار کے قبیلہ کے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پانچویں فرد تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی ہدایت آفریں ہے۔ غفاری راہزن تھے اور بہت مشہور لٹیرے تھے کعبۃ اللہ کے حاجیوں سے بھی چیزیں چھین لیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ حساس تھے۔ صحیح مسلم (3-132:44) کے مطابق ایک دفعہ کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ جنہوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قبیلہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ غفاریوں نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حرمت والے مہینوں کا بھی احترام نہ کیا جب کہ حاجی ان کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ شاید عورتوں اور بچوں کی غم والم بھری چیخیں تھیں جنہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر اثر کیا اور انہیں پچھتانے پر مجبور کیا اور حتیٰ کہ انہوں نے غفاریوں کو چھوڑ دیا جو ان کی نصیحتوں پر عمل کرنے کو تیار نہ تھے۔ اپنی بوڑھی والدہ اور اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر انہوں نے اپنی والدہ کے رشتہ داروں کے ہاں پناہ لی۔ ایک روداد کے مطابق جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی گئی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے اسلام سے پہلے تین سال تک رب تعالیٰ جل شانہٗ کی عبادت و پرستش کی اور وہ اس طریقہ سے کی جو اس وقت رب تعالیٰ جل شانہٗ نے مجھے تجویز کیا۔'' کچھ عرصہ بعد انہوں نے پناہ گاہ چھوڑ دی اور جنوب کی جانب مکہ مکرمہ کے راستہ پر چل پڑے جہاں کے حاجی ان سے کافی تکلیف اٹھا چکے تھے۔ پھر انہوں نے مضافات کے ایک گاؤں میں رہائش اختیار کی۔ ایک دن انہوں نے ایک مسافر کی زبانی سنا کہ ایک فرد نے متبرک شہر میں بت پرستی کے خلاف مذہبی تحریک شروع کر دی

ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو معلومات حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا۔ اس نے وہاں سے واپسی پر بتایا کہ "وہ آپ کی طرح ہیں۔ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ نیک کام کی تلقین فرماتے ہیں اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مکہ والے ان پر شاعر یا کاہن ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ میں بذات خود شاعر ہوں اس لیے کہتا ہوں کہ وہ یقینی طور پر شاعر نہیں ہیں۔ جہاں تک کاہنوں کا تعلق ہے میں کئی کاہنوں سے مل چکا ہوں لیکن وہ ان سے کسی طرح بھی مشابہت نہیں رکھتے۔ کاہن جھوٹے ہوتے ہیں جب کہ وہ صادق مشہور ہیں۔ وہ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔" حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ بالکل وہی ہیں جن کی انہیں ایک عرصہ سے تلاش ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے شہر کی طرف چل پڑے لیکن کسی سے اس شخص کا پتہ دریافت نہ کیا جس سے وہ ملنا چاہتے تھے۔ واضح طور پر اسلام کے خلاف ایذا رسانی پہلے ہی بہت اونچے درجے تک پہنچ چکی تھی۔ وہ وہاں کعبۃ اللہ کے صحن میں ایک ماہ تک دن رات اس شخصیت کی تلاش میں ٹھہرے رہے جن سے وہ ملنے آئے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک فرد کو ناقابل بیان غم زدگی کی حالت میں کعبۃ اللہ کے صحن میں داخل ہوتے دیکھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یہ مسلمان ہے اور اس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ پوچھا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اسے غلطی سے مسلمان سمجھا تھا کیونکہ مخاطب نے شور مچا دیا "اے قریش یہاں ایک مسلمان ہے۔" اور ہر شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑ پڑا اور انہیں بڑی بے رحمی سے پیٹا۔ اپنی روداد جاری رکھتے ہوئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا "جب میں دوبارہ اپنے ہوش و حواس میں آیا تو میں ایسے تھا جیسے کسی بت کو سرخ رنگ سے پینٹ کیا گیا ہو۔" (کیونکہ میرے زخموں سے خون بہہ رہا تھا)

172: ایک اور واقعہ ہوا۔ ایک رات حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دو عورتیں کعبہ کے گرد مذہبی رسم کے طور پر طواف کر رہی تھیں اور جب انہوں نے ان کو اساف اور نائلہ نامی مرد و عورت بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مزید ضبط نہ کر سکے اور زور سے چلائے "ان کی شادی کر دو۔" (روایت کے مطابق اساف اور نائلہ جرہمی تھے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے معبد کی عمارت کے اندر خفیہ طور پر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے

بعد وہ پتھر کے ہو گئے۔ان کے پتھر شدہ اجسام کو عبرت کے طور پر پہاڑیوں پر لٹکایا گیا لیکن آنے والی نسلوں نے اس واقعے کو بھلا کر ان کی پرستش شروع کر دی)۔جو کچھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہنا چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ یہ محبت کرنے والے اساف اور نائلہ اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین نہیں کر سکے تو تمہیں یہ کیسے اطمینان وسکون دے سکتے ہیں؟ ان دو عورتوں نے رات کے وقت اس قسم کی ''گستاخی'' پر ایک مرد سے اکیلے لڑنے کی جرأت نہ کی لیکن وہ بڑبڑاتے ہوئے دھمکیاں دیتی ہوئی دور چلی گئیں اور واپسی کے راستے میں آپس میں بحث کرتی رہیں۔اتفاقاً وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں جنہوں نے ان سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ انہیں نہ پہچانتے ہوئے انہوں نے ان سے تمام واقعہ بیان کر دیا۔پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کعبۃ اللہ کے صحن میں آئے اور کافی دیر تک عبادت میں مصروف ومشغول رہے۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کہہ کر سلام کیا۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جاننا چاہتے تھے کہ یہ کون ہیں اور یہ علم ہونے پر کہ یہ غفار کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا اور سوچنے لگے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''آپ کتنے عرصہ سے یہاں پر ٹھہرے ہوئے ہیں؟ ''تقریباً 30 روز سے'' ''آپ کیا کھاتے ہیں؟'' ''میں زم زم کے کنوئیں سے دن رات پانی پیتا ہوں۔اس کے باوجود میں فربہ ہو گیا ہوں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں مہمان کے طور پر اپنے گھر لے گئے اور انہیں کھانا دیا۔اگلے روز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہیں ہمراہ لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔مکہ مکرمہ میں اجنبی ہوتے ہوئے اور کسی خاندان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہوتے ہوئے ایک لمبا عرصہ وہاں رہنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے لیے خطرناک ہوسکتا تھا۔بحیثیت مومن چند دنوں تک ہدایات وصول کرنے کے بعد پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلے میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے کو کہا (بخاری 3:63) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کا ساتھ دینے والے پہلے لوگوں میں غفاری تھے۔

173: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو چھٹا مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ (الجاحظ، ''رسالہ عثمانیہ'' ص 159 جب کہ دوسرے حوالوں کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ ساتویں مسلمان تھے)۔ ان کے مسلمان ہونے کی تفصیلات معلوم نہیں لیکن اتنا علم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اپنے جسم، روح اور مال کے ساتھ اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا اور یہ کہ نہ صرف ان کا خاندان بلکہ ان کے کئی دوست ان کی کوششوں اور کاوشوں سے بتدریج حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے اور یہی صورت حال حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ ابن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ تمام نوجوان تھے اور مکہ کے اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے تاہم انہیں اپنے قبائل کے اندر کم وبیش مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئیں جب کہ دوسروں نے اپنے والدین اور رشتہ داروں سے مار کھائی۔

174: قدیم مؤرخین (بلاذری، ا، 248-339) نے ان مکیوں کی طویل فہرستیں دی ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے خلاف ایذا رسانی کی قیادت کی۔ تمام بڑے خاندانوں کی نمائندگی ان فہرستوں میں موجود ہے۔ یہ امر سب سے زیادہ غور وفکر کا حامل ہے کہ زیادہ تر ابتدائی مسلمانوں کے قریب ترین رشتہ دار یعنی ان کے بھائی، چچازاد اور حتیٰ کہ بعض اوقات ان کے اپنے بیٹے ان کی ایذا رسانی میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے خواب کے بعد تین سال سے پہلے نئے نظریہ وعقیدہ کی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بلاذری (''انساب''، ا، 548) ہمیں کچھ واضح معلومات فراہم کرتا ہے۔ مکی مسلمانوں کو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے پانچویں سال اپنا آبائی شہر چھوڑ کر حبشہ میں پناہ کی تلاش میں جانا پڑا۔ بلاذری نے مہاجرین کی فہرست بھی دی ہے جس میں 75 مکی مرد، 9 مکی عورتیں (جنہوں نے حبشہ میں 9 بچوں کو جنم دیا) اور مکی مسلمانوں سے تعلق والحاق رکھنے والے 25 غیر ملکی آزاد شدہ غلام شامل ہیں۔ تمام ابتدائی 109 مسلمان آزاد تھے ان میں غلاموں کی تعداد

بہت ہی کم تھی ۔ یہ سب کچھ محض دو سال کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ یہ ہجرت مذہبی ایذا رسانی کی تشویشنا کی کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔

175: غلاموں کی کیفیت وقسمت اور زیادہ بدتر تھی ۔انہیں مارا پیٹا جاتا تھا۔انہیں موسم گرما کی جھلسا دینے والی ریت پر مکمل برہنہ لٹایا جاتا تھا۔ گلے میں رسہ ڈال کرانہیں گلیوں میں گھسیٹا جاتا تھا اوراس زیادتی میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی نہیں بخشا جاتا تھا۔ کچھ مالک اپنے نومسلم غلاموں کوگرم لوہے سے داغتے تھے بعض اوقات غلام اس ظلم وستم کے دوران زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسے غلاموں کو آزاد کرانے میں نمایاں وممتاز فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔ مردوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کوخرید کر آزاد کیا اور عورتوں میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا، حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا، حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت لبینہ رضی اللہ عنہا کو رقم دے کرخریدا اور انہیں آزاد کر دیا۔ (ابن ہشام، ص205-6) کچھ اور بھی تھے جنہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرید کر آزاد کرنا چاہتے تھے مگران کے مالکان نے بہت زیادہ قیمت کی پیشکش کے باوجود فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔

176: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروکاروں کی تکلیف دہ اور اذیت ناک کیفیت وقسمت کو پوری شدت سے کے محسوس فرماتے تھے اوران پیروکاروں میں سے کچھ تو حبشہ ہجرت کر گئے تھے لیکن سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذات خود بھی سب سے زیادہ اذیت، ایذا اور بے توقیری کا سامنا تھا۔ ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوسرعام خاص طور پر صحن کعبہ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا تھا اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہ مانا تو اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کی آنتیں اور اوجھڑی رکھ دی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس رک گیا اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف واذیت سے نجات دلائی۔ (بلاذری ''انساب'' ا، 251) عقبہ ابن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شال سے گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی کوشش کی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں تھے۔ (بخاری 4/29/63) اس قسم کے واقعات روزانہ کا معمول تھے اوران بے عزتیوں، ذلتوں اور آزارانہ گفتگو اور سرعام عبادت پر پابندیوں کا تو ذکر ہی کیا جن

کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑ رہا تھا۔ ایذا رسانی کا شکار ہونے والوں میں حتیٰ کہ مکہ کے اجنبی اور غیر ملکی بھی شامل تھے مثلاً حضرت ابوالاصداء الہشالی اور حضرت علی ابن الحمراء الخزاعی۔

177: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو ان کے یقین و ایمان اور انسانیت کی رفاہ وفلاح کے لیے بے لوث و بے غرض جذبے سے کوئی چیز بھی پیچھے نہ ہٹا سکی۔ ریکارڈ میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ان زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف ردعمل کا اظہار ہوتا ہو لیکن چند سالوں بعد ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے ہمیں کچھ اندازہ و تصور ہوتا ہے۔ 3 ہجری کی جنگ احد میں جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کر دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند پیروکاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمنوں کے خلاف رب ذوالجلال سے التجا کی تجویز دی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا ''اے میرے مالک میرے ان لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا کیونکہ یہ ناواقف ہیں۔'' (کنز العمال، V، 5269، بحوالہ بیہقی، ابن حبان، طبرانی وغیرہ)

178: ابن حجر (''الاصابہ''، 1496) ہمیں بتاتا ہے کہ ان ابتدائی دنوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی عوام کے ساتھ انتہائی کشیدہ تعلقات ہونے کے باوجود ایک روز اپنے پیروکاروں کے ہمراہ صحن کعبہ میں نماز ادا کی۔ اس نماز سے اس قدر ہنگامہ برپا ہوا کہ ایک مسلمان حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ (جو کہ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا بیٹا تھا) قریشیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ پس یہ اسلام پر ایمان لانے والا پہلا شہید تھا۔ باقیوں کے لیے آیئے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روداد کا حوالہ دیتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک سال تک ہم نے اسلام کو خفیہ رکھا اور گھروں میں بند دروازوں کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے یا شہر کے پہاڑی دروں کے گرد رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے رہے۔ ایک دن ہم درہ ابودب گئے۔ ہم نے وضو لیا اور اجتماعی طور پر نماز ادا کی۔ ہم نے تمام تر حفاظتی تدبیر کی کہ کہیں کوئی اجنبی ہمیں دیکھ نہ لے۔ قریش ہماری تلاش میں تھے اور بالآخر ابوسفیان، الخنس ابن شارق اور دوسروں نے ہمیں ڈھونڈ لیا۔ انہوں نے ہماری بے عزتی کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے گھٹیا زبان استعمال کی اور پھر مکے مارنا شروع کر دیئے۔ مجھے قریب ہی اونٹ کی ایک ہڈی مل گئی۔ میں نے اس سے ایک کافر و مشرک کو ضرب لگائی

اور اسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ وہ بھاگ گئے اور میں پہلا مسلمان تھا جس نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے راستے میں کسی کا خون بہایا۔'' (ابن ہشام، ص 166) اس واقعہ میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اس دور میں صرف دو نمازیں ادا کی جاتی تھیں ایک صبح سویرے جبکہ دوسری بعد از دوپہر دیر سے پڑھی جاتی تھی۔

179: کئی مواقع پر ایذا رسانی کے ان واقعات نے اسلام کے لیے ہمدردی کے جذبات کو ابھارا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکاری تھے۔ وہ صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں میں پرندوں اور تمام قسم کے جانوروں کا شکار کرنے میں وقت گزارتے تھے۔ روحانی معاملات وسوالات سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایک دن اپنے معمول کے شکار کے بعد وہ شہر میں واپس آئے اور گھر جانے سے پہلے معمول کے مطابق کعبۃ اللہ کے گرد طواف کیا۔ ان کے شانے پر کمان تھی اور ایک جانب تیر تھے۔ تب ان کی ایک غلام ملازمہ نے آ کر انہیں بتایا کہ ابوجہل نے ''آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کے ساتھ دن کو غیر معمولی بدتمیزی وشر انگیزی کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور فوراً ابوجہل کے سامنے گئے اور اسے اپنی آہنی کمان سے ایک ضرب لگا کر کافی زخمی کر دیا۔ پھر اس سے کہا ''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رشتہ داروں نے چھوڑ دیا ہے؟'' غور سے سنو کہ میں نے بذات خود اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ اگر تم یا کوئی اور کسی قسم کی جرأت کرے تو وہ پہلے مجھ سے آ کر ملے۔'' (ابن ہشام، ص 5-184؛ سیرت ابن اسحٰق، ایڈیشن رباط، 212)

180: قرآن الحکیم شاعری نہیں ہے۔ مسلمان اپنی مذہبی ودینی رسوم میں کسی قسم کی موسیقی استعمال نہیں کرتے لیکن قرآن پاک کی تلاوت میں دونوں کا حسن موجود ہے۔ اور حتیٰ کہ اب اس کی دل کشی میں کشش وجاذبیت کی کمی نہیں۔ قدیم مؤرخین (بخاری 8/45/63، ابن ہشام، ص 246) کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہوئی تھی۔ ان کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا مگر ان کے ہمسایوں کی بیویاں اور بچے شام کے وقت ان کی تلاوت سننے کے لیے ان کے گھر کے دروازے کے سامنے چلے جاتے تھے۔ حضرت عمار ابن یاسر العنسی رضی اللہ عنہ اس سے بھی پہلے اپنے گھر میں مسجد تعمیر کر چکے تھے۔ یہ دنیا کی پہلی مسجد تھی (بلاذری، ''انساب'' I، 364-365؛ ابن کثیر "هدایه" VII، 311) اور یہ کہ حضرت

عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے کعبۃ اللہ کے صحن میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ وہ مکہ کے شہری نہیں تھے بلکہ غیر ملکی اصل کے آزاد شدہ غلام تھے اور خوفناک مخالف و دشمن ابو جہل کے خاندان سے الحاق رکھتے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ پہلی مسجد مکہ مکرمہ میں ہجرت مدینہ سے قبل تعمیر کی گئی جیسا کہ بلاذری کی رپورٹ واضح نشاندہی کرتی ہے۔ مدینہ منورہ کی مسجد قبا اسلام کی پہلی مسجد نہیں تھی جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے۔

181: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تجربات حتیٰ کہ زیادہ عجیب و حیران کن تھے۔ مکہ مکرمہ کے تمام سماجی و معاشرتی طبقوں کے افراد باقاعدگی کے ساتھ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننے کے لیے جاتے تھے۔ ایک رات تین مشہور ترین مکی خفیہ طور پر علیحدہ علیحدہ وہاں پہنچے۔ جب وہ آپس میں ملے تو انہوں نے کہا ''یہ ہمارے لیے مناسب و جائز نہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنے سے لوگوں کو تو منع کریں مگر خود ان کی رات کی تلاوت سننے کے لیے یہاں آئیں۔'' اور انہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ پھر نہیں آئیں گے۔ اگلی رات ان میں سے ہر ایک تاریک رات میں چھپتا چھپاتا خفیہ طور پر وہاں پہنچا۔ واپسی پر وہ پھر ایک دوسرے سے ملے اور ایک مرتبہ پھر وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی بھی نہیں آئیں گے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے سے تین مسلسل راتوں میں ملتے رہے۔ ہر روز نئے سرے سے وعدہ کرتے رہے اور ان وعدوں کو بھولتے رہے۔ یہ ابو جہل، ابو سفیان اور اخنس تھے! (ابن ہشام، ص 203)

182: بڑھتے ہوئے تشدد اور ایذا رسانی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گھر چھوڑ کر اپنے ایک وفادار ساتھی حضرت الارقم رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا تاکہ تبلیغ و اشاعت کے مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کو تبلیغ کرتے تھے۔ سچائی کے سچے متلاشیوں کا استقبال کرتے تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرتے تھے اور اپنے پیروکاروں کی پرستش و عبادت کی قیادت و امامت فرماتے تھے۔ یہ خلوت نشینی اور گوشہ تنہائی کئی برسوں تک قائم رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (خلیفہ دوئم) نے بھی اسی دار ارقم میں اسلام قبول کیا اور روایتاً 40 ویں مسلمان ٹھہرے۔ (ابن حزم ''جوامع السیرۃ''، ص 51) ۔1932ء میں یہ گھر ابھی تک موجود تھا۔ یہ کعبۃ اللہ کے بالمقابل

صفا کی پہاڑی پر واقع تھا۔ دروازے پر ایک کتبے نے 1946ء میں یہ نشاندہی کی کہ دارارقم کو ''دار خیزران'' کہا جاتا تھا اور یہ کہ اسے سلطنت عثمانیہ کے ایک مفتی فضل اللہ ابن محمد حبیب نے خریدا تھا۔ سعودی حکومت نے اسے پہلے بحال کیا تھا اور وہاں ایک مذہبی اسکول قائم کیا تھا لیکن بعدازاں اسے مسجد کو وسیع کرنے کی خاطر گرادیا گیا کیونکہ حاجیوں کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہورہا تھا۔

183: ابن الجوزی (" المجتبیٰ من المجتنیٰ" مخطوطہ قاہرہ، ص 83) ہمیں بتاتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کی گلیوں میں خوفزدہ کیا جاتا تھا، بے عزتی کی جاتی تھی اور برا سلوک کیا جاتا تھا اس دوران اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجاتے تھے تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظت اور پناہ ملتی تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھلایا تھا حالانکہ وہ اس وقت اسلام کا غضبناک دشمن تھا اور بعدازاں جب 8 ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ ''جو کوئی اپنے ہتھیار رکھ دے گا محفوظ رہے گا، جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا امان میں رہے گا۔۔۔'' ابوسفیان کو دراصل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا بہت لحاظ و پاس تھا۔ (ایک دفعہ ابو سفیان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے آئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب اور نیک آدمی سمجھتے تھے۔ بخاری 2/15، 7/15، 65/ سورۃ 30)

184: مزید کئی دوسرے ایسے واقعات ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے تمام باشندے بے انصاف، غیر روادار اور متعصب نہیں تھے۔ حتیٰ کہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے ہم وطنوں کو مہذب وشائستہ اور اعتدال پسند ہونے کی تلقین کی۔ قدیم مؤرخین نے جس غیر جانبداری کے ساتھ دونوں قسم کے واقعات یعنی تشدد وایذارسانی اور شائستگی واعتدال پسندی کو بیان کیا ہے اس سے ان واقعات پر ہمارے یقین واعتماد میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ان تمام تفصیلات کو یہاں بیان کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

185: خود اسلام قبول کیے بغیر جناب ابو طالب نے ہمیشہ اپنے بھتیجے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بہترین صلاحیتوں کے ہمرکاب حفاظت ونگہبانی کی۔ ایک دن قریش نے جناب ابو

طالب کے پاس ایک وفد بھیجا جس نے ان سے کہا کہ وہ دو متبادل میں سے ایک کا انتخاب کریں۔
''یا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کام جاری رکھنے سے روک دیں یا پھر انہیں ہمارے حوالے کر دیں ورنہ ہم ان (یعنی جناب ابو طالب) کی اس بات پر یقین نہیں کریں گے جب وہ یہ کہیں گے کہ وہ ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔'' وفد کے ایک رکن نے جناب ابو طالب سے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دو۔ وہ نا قابل اصلاح ہیں۔ ہم انہیں قتل کر دیں گے (نعوذ باللہ) اور ان کے بدلے ہم میں سے کسی کے بیٹے کو متبنیٰ بنا لیں جو سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ ذہین وفطین ہو۔'' جناب ابو طالب اس تجویز پر مسکرائے اور انہوں نے کہا ''کیا یہ موزوں و مناسب ہے کہ تم میرے بیٹے کو تو قتل کر دو اور تمہارے بیٹے کی میں پرورش کروں'' تھوڑی سی گفتگو کے بعد جناب ابو طالب نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد کی آمد کے مقصد و مطلب سے آگاہ و آشنا کیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حفاظت و امان کی آخری امید بھی ختم ہوتی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا ''چچا جان کیا آپ بھی مجھے چھوڑ دیں گے؟ میں اس خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند تحفتاً یہ کہہ کر رکھ دیں کہ میں اپنا مشن ترک کر دوں تو میں اپنا مشن نہیں چھوڑوں گا چاہے آپ مجھے چھوڑ دیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ جو میرے مالک و خالق ہیں مجھے کافی ہیں۔'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس اجتماع سے چلے گئے۔ جناب ابو طالب نے وفد کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ ''تمہیں مکمل آزادی ہے تم جو چاہو میرے خلاف کرو مگر جب تک میں زندہ ہوں میں اپنے بھتیجے کو کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

(ابن ہشام، ص 168)

186: مکہ مکرمہ کی میونسپل ''پارلیمنٹ'' میں غور و فکر اور سوچ بچار کے لیے اجلاس ہوا۔ ذہین ترین اور اعتدال پسند ترین افراد میں سے عتبہ کو منتخب کیا گیا کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرے اور انہیں دلائل سے قائل کر کے مشن سے واپس لوٹانے کی کوشش کرے۔ عتبہ (ابن ہشام، ص 185-6) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے گیا اور اس نے اس طرح گفتگو شروع کی ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معقول، فیاض

اور مہربان سمجھا ہے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کسی کے ساتھ زیادتی کرتے نہیں دیکھا۔ مجھے یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے عوام میں کیا احتجاجی صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ مجھے کھل کر بتائیے کہ اس سب کا مقصد ومحور کیا ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولت چاہتے ہیں؟ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمانت دیتا ہوں کہ شہر کے لوگ اتنی رقم اکٹھی کریں گے جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں گے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی خواہش رکھتے ہیں؟ شہر کی خوبصورت ترین عورتوں کو اپنی ازواج بنالیجئے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمانت دیتا ہوں کہ ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان وسکون دینے کے لیے متفق ومتحد ہوں گے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکومت کے سردار بننا چاہتے ہیں؟ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار اعظم منتخب کرنے کو تیار ہیں مگر صرف ایک شرط پر، وہ یہ کہ ہمارے مذہبی عقیدہ اور ہمارے سماجی ومعاشرتی حساس جذبات واحساسات کے حوالے سے ہمیں مزید کرب وکوفت میں مبتلا نہ کیجئے۔ آئندہ سے یہ نہ کہیے کہ ہمارے بتوں کے ساتھ ساتھ ان کی پرستش کرنے والے ہمارے آباء واجداد اور ہم سب کے لیے دوزخ کی آگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقدر ہے۔'' پھر اس نے تلخ بات بھی کی اور کہا کہ ''اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہیں تو ہم بہترین جسمانی وروحانی معالجوں سے رابطہ کریں گے لیکن ہم اپنے شہر وراپنے معاشرے میں اختلافات وتنازعات اور ہلچل وبے چینی پسند نہیں کرتے۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً قرآن الحکیم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

''حٰمٓ ۝ یہ کتاب بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

''ایک ایسی کتاب جس کی آیات عربی زبان میں علم والوں کے لیے واضح ہیں۔

''خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی ہے۔ پھر ان میں سے اکثر نے تو منہ ہی پھیر لیا پھر وہ سنتے بھی نہیں۔

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل اس بات سے کہ جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں

پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر آپ اپنا کام کیے جائیں ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔

''آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہی ہوں۔ میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اس کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے۔

''جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

''کہہ دو کہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو۔ وہی سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

''اور اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ رکھے اور اس میں برکت دی اور چار دن میں اس کی غذاؤں کا اندازہ کیا (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لیے پورا ہے۔

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔ پس اس کو اور زمین کو فرمایا کہ خوشی سے آؤ یا جبر سے۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آئے ہیں۔

''پھر انہیں دو دن میں سات آسمان بنا دیا اور اس نے ہر ایک آسمان میں اس کا کام القا کیا اور ہم نے پہلے آسمانوں کو چراغوں سے زینت دی اور حفاظت کے لیے بھی۔ یہ زبردست ہر چیز کے جاننے والے کا اندازہ ہے۔

''پس اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تمہیں کڑک سے ڈراتا ہوں جیسا کہ قوم عاد اور ثمود پر کڑک آئی تھی۔'' (القرآن الحکیم 41:1 تا 13)

187: اس لمحے عتبہ کی نفسیاتی حالت و کیفیت ایسی تھی کہ اسے یقین ہو چلا تھا کہ کسی بھی وقت بجلی کی کڑک اسے ضرب لگائے گی۔ اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض و درخواست کی کہ تلاوت روک دیں۔ پھر وہ بھاگ گیا۔ قریش کے اجتماع میں واپس جا کر اس نے ان سے صرف اتنا کہا کہ ''تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو کیونکہ یہ معاملہ میری قوت و

استطاعت سے باہر ہے۔''

شق القمر

188: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطنوں میں وقتاً فوقتاً لڑائی جھگڑا جاری رہتا تھا۔ ایک دن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پریشان و تنگ کیا اور مطالبہ کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ جل شانہٗ کے سچے پیغمبر ہیں تو چاند کو دو حصوں میں جدا کر کے دکھائیں۔ اسلام میں ایک پر جوش اور ذمہ دار مصلح کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ معجزے دکھائے کیونکہ ہر چیز پر قادر صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک ہے۔ آدمی کسی صورت بھی نہیں، چاہے وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم تمام انسانی تاریخ میں نیک لوگوں کے ہاتھوں معجزات ہوتے رہے ہیں۔ پھر ہمیں اس بات پر قطعاً حیران نہیں ہونا چاہیے اگر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی معجزات پائے جاتے ہیں۔ قدیم مؤرخین کے مطابق پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے دق و تنگ کرنے پر جواباً چاند کی جانب اپنی انگلی کا اشارہ کیا جس سے وہ دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ کچھ دیر بعد دونوں ٹکڑے آپس میں یوں جڑ گئے جیسا کہ چاند پہلے تھا (بخاری 63:36، 65، سورۃ 54، 1:54) کچھ لوگ اسلام لے آئے جب کہ دوسروں نے اسے کالا جادو کہہ کر مزید ثبوت طلب کیے۔

189: معجزات کے حماقت آمیز مطالبات سرعت اختیار کرتے گئے (ابن ہشام، ص 198؛ بلاذری ''انساب'' ا، 288) قرآن الحکیم نے ان باتوں کو محفوظ کیا ہے (القرآن 6:35-7، 13:27-33، 17:90-93، 21:25، 36:44، 25:45 وغیرہ) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کو کھلی آنکھوں سے دکھائیں، مردوں کو زندہ کریں، آسمان تک ایک سیڑھی تعمیر کریں، سونے کے مکانات بنائیں۔ مکہ مکرمہ سے پہاڑوں کو حرکت دے کر دور لے جائیں اور وہاں دریا رواں کریں جیسا کہ ملک شام میں ہے۔ فرشتہ کو نیچے لائیں اور وہ ہر ایک کو نظر آئے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''رب تعالیٰ جل شانہٗ بہت طاقتور اور قادر و قدیر ہیں۔ وہ ہر کام کر سکتے ہیں لیکن میں معجزے دکھانے کے لیے نہیں آیا۔ میرا مشن صرف اور صرف تم لوگوں کی رہبری و رہنمائی کے ساتھ ساتھ انہیں خبردار کرنا ہے جنہوں نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے

احکامات سے انحراف کیا ہے۔اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہم معنی خیز آیات ربانی بھی تلاوت کیں۔''اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں (معجزات) کیوں نہیں اتریں؟ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نشانیاں (معجزے) تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو بس کھول کر سنا دینے والا ہوں۔کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کتاب نازل کی جو ان کے لیے تلاوت کی جاتی ہے؟ بے شک اس میں رحمت ہے اور ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔''(القرآن 29:50-51) مطلب یہ ہوا کہ کسی شخص کو اسلام اس کی تعلیمات کی خاطر قبول کرنا چاہیے نہ کہ معجزات کی خاطر۔

رکانہ،عمر،حمزہ رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام

190: مکہ مکرمہ میں رکانہ ایک مشہور پہلوان تھا۔وہ اس قدر لمبا اور طاقتور تھا کہ اگر وہ کسی گائے یا اونٹ کی زمین پر رکھی کھال پر کھڑا ہو جاتا تھا جسے لوگ کھینچتے تھے تو کھال پھٹ جاتی تھی مگر اسے کوئی جنبش نہیں ہوتی تھی۔ایک دن جب رکانہ اپنی بھیڑوں کو چراگاہ کی طرف لے جا رہا تھا تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے راستے میں ملے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول اسے دعوت اسلام دی اس بارے دو بیانات و روایات ہیں شاید ایک ہی روایت کے دو حصے ہیں۔ رکانہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدائی مشن کے ثبوت کے طور پر درختوں کو اپنے حکم سے حرکت دے کر اور چلا کر دکھائیں۔پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دیکھو وہ سامنے ایک درخت ہے۔اس کے پاس جاؤ اور میرے حوالے سے اسے کہو کہ وہ چلتا ہوا اس درخت سے جا ملے جو اس سے دور کھڑا ہے۔'' رکانہ نے اپنے اس کام کو بہت آسان سمجھا۔وہ درختوں کے حرکت کرنے سے مطمئن نہ ہوا۔اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی کا چیلنج دیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے شکست دے دیں گے تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گا۔پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پشت کے بل تین بار گرایا اور یہ کہ رکانہ نے درختوں کی حرکت والا معجزہ بھی دیکھا مگر وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔(ابن ہشام،ص 258،بلاذری،I،337،ابونعیم،ص 140) بلکہ اس کے برعکس اس نے دوڑ کر مشرکین مکہ سے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ بلکہ دوسرے قبائل کے خلاف مقابلوں میں ان سے

فائدہ اٹھاؤ کیونکہ خدا کی قسم وہ دنیا کے بہت بڑے جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) اور غیر معمولی کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' دوسری روایت کے مطابق جب رکانہ نے کشتی کے لیے کہا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''ٹھیک ہے لیکن اگر میں نے تجھے شکست دے دی تو میں تمہارے ریوڑ کا ایک تہائی لوں گا۔'' تین دفعہ شکست کھانے کے بعد رکانہ نے سسکیاں لینا اور آہ و زاری کرنا شروع کر دی کیونکہ وہ اپنا تمام ریوڑ کھو چکا تھا اور اپنی بیوی کی لعنت ملامت سے ڈر رہا تھا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا ''خوفزدہ نہ ہو۔ میں تمہیں مسلسل تین دفعہ کی شکست چھوڑتا ہوں اور تمہارے مال کا نقصان بھی نہیں ہونے دیتا۔ اپنی تمام بھیڑیں لے لو اور اطمینان وسکون کے ساتھ جاؤ۔'' معجزوں سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن عمل سے متاثر ہو کر رکانہ بے ساختہ چلایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر و رسول ہیں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو قبول کرتا ہوں۔''

(ابن القیم ''الفروسیہ'' ص 32؛ سرخسی ''شرح السیر الکبیر'' III، 179-180)

191: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام زیادہ سنسنی خیز تھا۔

192: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنو عدی کے اہم خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی قبل از اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اپنے قبیلے کے سردار ہونے کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی شہری ریاست میں دس ممبران کی کونسل میں ایک نشست حاصل تھی اور آپ رضی اللہ عنہ خارجہ امور کے اہم کام کو سرانجام دینے کے انچارج تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ دراز قد تھے اور بعد ازاں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ کا سر اس کی چھت کو چھوتا تھا۔ فطرتاً پرجوش و قوی جذبات کے مالک تھے اور اپنی صلاحیتوں پر متفخر تھے۔

193: قریش کی کوششوں کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مشن کی تکمیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے سے انکار پر قریش کی برہمی اور جھلاہٹ بے حد وحساب ہونی چاہیے تھی اور اس بات کا بخوبی تصور کیا جا سکتا ہے کہ عمر (ابن ہشام، ص 225) جیسے قوت ارادی کے مالک نڈر و متفخر شخص نے ایک دن یہ ذہن بنالیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے شہر کو ان سے نجات دلائی جائے (نعوذ باللہ) حالانکہ اس

سے اس کے قبیلے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے میں جنگ چھڑنے کا خطرہ مول لینا تھا۔
وہ جرم پر عمل درآمد کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں اس کی ملاقات اپنے ایک رشتہ دار حضرت نعیم ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اس کے دریافت کرنے پر عمر نے اسے رازداری سے بتایا کہ وہ پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہے (نعوذ باللہ) حضرت نعیم ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے مگر انہوں نے اسے خفیہ رکھا ہوا تھا۔ وہ عمر کے مزاج وطبیعت سے آگاہ وآشنا تھے۔ انہوں نے عمر سے کہا ''اس طرح تم شہر کے اختلافات میں اضافہ کرو گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ کو جنگ کے لیے اشتعال دلاؤ گے۔ شہر کے معاملات کو ٹھیک کرنے کی کوشش وکاوش کرنے سے پہلے اپنے خاندان کو تو ٹھیک کرو۔'' اس نے مزید کہا ''تمہاری اپنی بہن اور اس کا شوہر بھی اسلام قبول کر چکے ہیں۔'' عمر غضبناک ہو گیا اور اپنی بہن کے گھر کی جانب دوڑا۔ دوراز ے پر اس نے تلاوت کی آواز سنی۔ اس نے بہت زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر ایک مسلمان استاد موجود تھے جو خاندان کے مسلمان افراد کو قرآن پاک پڑھانے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جلدی سے اپنے آپ کو چھپالیا۔ عمر کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کے صفحات اپنے لباس میں چھپالیے اور جب عمر کے لیے دروازہ کھولا گیا تو کمرے میں کوئی چیز مشکوک نہیں تھی لیکن اس سے عمر دھوکا نہیں کھا سکتے تھے اور تھوڑے سے زبانی لڑائی جھگڑے کے بعد اس نے اپنے بہنوئی حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ کو دبوچ لیا اور انہیں پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے مداخلت کی لیکن انہیں بھی بدلے میں بھائی کے مکے کھانے پڑے حتیٰ کہ خون بہنا شروع ہو گیا۔ اس لمحے وہ حقارت آمیز مگر متفخرانہ احساس کے ساتھ وہ چلائیں ''تم کیا چاہتے ہو؟ جی ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ہم اس سے پھرنے والے نہیں۔ جو کچھ تم چاہو کر و۔'' یہ منظر دیکھ کر کہ ایک عورت کو اس نے زخمی کیا ہے عمر نے شرم محسوس کی اور اس میں معذرت کے جذبات پیدا ہوئے۔ وہ اپنی بہن کے غصے کو پرسکون کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے محبت وچاہت سے بولا ''مجھے وہ صفحات دکھاؤ جو آپ لوگ لمحہ پہلے پڑھ رہے تھے۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ ابھی تک ناراض تھیں۔ اس لیے انہوں نے چیخ کر کہا ''تم نجس ہو اور تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان متبرک صفحات کو ہاتھ لگاؤ۔'' عمر کی کایا مکمل طور پر پلٹ چکی تھی۔ وہ کمرے سے باہر گئے غسل خانے میں داخل ہوئے اور چند لمحوں کے بعد جسمانی وروحانی دونوں

طرح پاک ہو کر واپس آئے اور یہ جاننے کے لیے متجسس تھے کہ ان کی بہن نے اپنے آباء واجداد کا مذہب کیوں چھوڑا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں چند صفحات دیئے جو انہوں نے وہاں پڑھے۔

''طٰہٰ''

''ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں

''بلکہ یہ اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے

''یہ اس کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا

''رحمٰن جو عرش پر جلوہ گر ہے

''اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے۔

''اور اگر آپ پکار کر بات کریں تو وہ پوشیدہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ کو جانتا ہے۔

''اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سب نام اچھے ہیں۔

''اور کیا آپ تک موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟

''جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں اس سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کوئی رہبر پاؤں۔

''پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ

''میں تمہارا رب ہوں۔ سو تم اپنی جوتیاں اتار دو بے شک تم پاک وادی طویٰ میں ہو۔

''اور میں نے تجھے پسند کیا ہے جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اسے سن لو

''بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی بندگی کرو اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

''بے شک قیامت آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ
ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل جائے۔'' (القرآن 20: 1 تا 15)

عمر کہنے لگے ''کس قدر پر جلال و جمال ہے'' استاد محترم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو مزید اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ عمر کے سامنے آگئے اور انہوں نے کہا ''میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ کل ہی کا روز تھا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رب رحمٰن و رحیم سے دعا کی کہ عمر یا ابو جہل کو مسلمان کر کے اسلام کی مدد کی جائے۔ مجھے امید ہے کہ یہ آپ ہی ہیں جنہیں یہ اعزاز و امتیاز ملنے والا ہے۔ اے عمر! رب تعالیٰ جل شانہٗ سے ڈرو'' عمر نے پوچھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ پھر وہ دارالارقم کی جانب چل پڑے۔ اسی طرح مسلح حالت میں انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ باہر عمر ہیں اور وہ مسلح ہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ڈرو نہیں۔ اسے اندر آنے دو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کی سب کو اطلاع دی جس سے سب کو بہت خوشی ہوئی۔ یہ نماز کا وقت تھا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق اپنے پیروکاروں کے ہمراہ اسے گھر پر ہی ادا کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''ہمیں اس طرح چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آیئے چلئے کعبۃ اللہ کے سامنے نماز ادا کریں۔'' لوگ یہ دیکھ کر حیران اور متعجب ہوئے کہ مسلمانوں کا جلوس بے خوف و خطر کعبۃ اللہ کے سامنے نماز ادا کرنے جا رہا ہے اور اس بات سے مزید حیرت زدہ ہوئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے محافظ کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ (دار قطنی بحوالہ سہیلی، ا، 217، 193 (الف) لوگ عام طور پر شروع میں مذہب کی تبدیلی کو چھپاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مزاج و طبیعت کے باعث ایسا نہ کیا۔ ابن ہشام (ص 229-230) کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے شہر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کا انتخاب کیا جو کہ ان کی اپنی والدہ محترمہ کا چچا زاد ابو جہل تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بذات خود اس کے پاس اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کی اطلاع دینے کے لیے گئے اور فطری طور پر ابو جہل کو بہت دکھ بھی ہوا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اور غیر مصالحت پسند مشرک کا انتخاب کیا تا کہ وہ عوام الناس میں

جگہ اس خبر کو پھیلا دے۔ درحقیقت اس شخص نے جیسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ خبر سنی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کعبۃ اللہ کے سامنے قریش قبائل کے کلبوں کی جانب دوڑا اور بلند آواز میں انہیں یہ خبر دی۔ ان میں سے کچھ احمق افراد نے جان بوجھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چھیڑا۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے رعب و دبدبہ کے ساتھ کافی دیر تک اپنا دفاع کیا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ تھک گئے۔ مگر خوش قسمتی سے گفتگو و مشاورت کی فضا بہتر رہی اور ہجوم نے انہیں مار ڈالنے سے اجتناب کیا اور انہیں جانے دیا۔ (ابن ہشام، ص229)

194: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے جلد بعد ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن ان کی وجہ بالکل مختلف تھی۔ قدرتی طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں اسلام کی صورت حال کو تقویت ملی اور اگرچہ مشرکین اپنی اسلام دشمنی میں قطعی طور پر غیر مسلح نہ ہوئے تاہم انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ اسلام کسی صورت ایک وقتی معاملہ نہیں۔ قبول اسلام کے یہ واقعات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے 5 ویں (ہجرت سے 8 سال قبل) برس وقوع پذیر ہوئے۔ یہ وہ سال تھا جب مکی مسلمان کمزور ترین تھے اور حبشہ میں پناہ حاصل کرنے کے لیے انہیں مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا تھا۔

باب 16

ہجرت حبشہ

195: مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر ظلم وتشدد اور ایذا رسانی جاری وساری رہی۔ ہر خاندان و برادری اور قبیلے میں مسلمان تھے لیکن ان کی زندگیوں کو خطرناک وتشویشناک صورت حال کا سامنا تھا کیونکہ ان کے اپنے ہی خاندان میں دشمن موجود تھے۔ مثلاً سعید ابن العاص نے اپنے ہی بیٹے خالد کا سر پھوڑ دیا۔ (سہیلی، I، 205) مکہ مکرمہ میں اذیت و بربریت سے حفاظت کی کوئی صورت نہ پا کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت کی کہ "اگر آپ چاہتے ہیں اور ایسا کر بھی سکتے ہیں تو یہاں سے چلے جائیں اور حبشہ میں پناہ تلاش کریں کیونکہ وہاں ایک ایسا بادشاہ حکومت کرتا ہے جس کے علاقے میں کسی پر ظلم وتشدد نہیں ہوتا۔ وہ حق اور سچ کی سرزمین ہے۔ آپ لوگ وہاں اس وقت تک رہیں جب تک رب رحمٰن و رحیم آسانیاں پیدا نہیں فرما دیتے۔" (ابن ہشام، ص 209) پہلے گروپ میں ایک درجن مسلمان چند خواتین کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ مزید افراد بھی ان کے بعد وہاں گئے شاید ان کا پرجوش استقبال ہوا ہوگا جو لوگ پہلے گئے تھے۔ پہلے قافلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیا جاتا ہے جبکہ دوسرے قافلے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد حضرت جعفر الطیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سفر میں گدھے کو بطور سواری استعمال کیا جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمرکاب تھیں۔ (ابویعلیٰ، طبرانی بحوالہ ابن حجر "مطالب عالیہ" نمبر 3943) حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ابھی تک محفوظ ہے۔ اس خط میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نے شاہ نجاشی کو سفارش کی ہے کہ حضرت جعفر الطیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مہمان نوازی کی جائے۔ اس حقیقت کے یقین کرنے کی معقول وجہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خط اپنے ہمراہ لے گئے اور یہ کہ ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شاہ نجاشی کو ذاتی طور پر جانتے تھے لیکن ہم اس حوالے سے باب نمبر 27 میں تفصیلی بات کریں گے۔

196: کچھ عرصہ بعد ایک واقعہ ہوا۔ ایک دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھا رہے تھے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن الحکیم کی سورۃ 53 کی قرأت فرمائی۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو آیات بھی تلاوت فرمائیں:

1۔ ''کیا تم نے لات اور عُزیٰ کو دیکھا ہے؟
2۔ اور تیسرے منات کو؟'' (القرآن 20,19:53)
3۔ ''کیا وہ عظیم خدا ہیں؟
4۔ اور کیا ان کی سفارش وشفاعت کام آسکتی ہے؟''

197: مسلمان مفسرین و شارحین عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ آخری دو ''آیات'' اس پیراگراف میں نہیں تھیں جو معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمایا لیکن شیطان نے بدنیتی سے یہ جملے بڑھا دیئے جنہیں صرف کفار ومشرکین نے ہی سنا۔ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ یہ شیطانی و ابلیسانہ متن اس میں موجود تھا جو کچھ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت فرمایا تو پھر بھی اس کی وضاحت میں کوئی مسئلہ نہیں۔

198: ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ 'آیات'' معلوم تھیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ کسی نے ان آخری دو ''آیات'' کو شیطانی لہجے میں مثبت مفہوم کے ساتھ ادا کیا بجائے اس کے کہ انہیں سوالیہ انداز میں ادا کیا جاتا (متن میں خاص طور پر سوالیہ متعلق فعل موجود نہیں تھا) وہاں پر موجود کفار ومشرکین نے یہی سمجھا کہ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے حق میں رعایت برتی ہے چنانچہ ان کی خوشی اس قدر بھرپور اور پر زور تھی کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی ادائیگی کے دوران سجدہ کیا تو انہوں نے بھی کعبۃ اللہ کے سامنے سجدہ کیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم اس امر سے آگاہ و آشنا نہیں تھے کہ کیا کچھ ہو چکا ہے لیکن اس غلط فہمی کی وجہ سے کچھ ڈھیل مل گئی اور افواہ اتنی تیزی کے ساتھ پھیلی کہ حتیٰ کہ حبشہ تک جا پہنچی۔ اس صورت حال نے کچھ مہاجرین کو واپس اپنے گھر آنے پر اکسایا۔ اسی دوران یہ فریب و وہم دور ہو گیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام معلومات حاصل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ و رنج ہوا۔ اور ایک نئی وحی نازل ہوئی جس سے ابہام دور ہو گیا۔

''پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بھی دیکھا ہے

''اور تیسرے منات گھٹیا کو (دیکھا ہے)؟

''کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس (اللہ تعالیٰ) کے لیے بیٹیاں ہیں؟

''تب تو یہ بہت ہی بُری تقسیم ہے!

''یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں جن پر رب تعالیٰ نے کوئی سند بھی نہیں اتاری۔ وہ محض وہم اور اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔'' (القرآن 53:19 تا 23)

199: اس ''رعایت'' کی منسوخی نے صورت حال کو بدتر کر دیا جو کہ پہلے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کے لیے تشویش ناک تھی۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں اگر اس صورت حال میں مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد نے سوچا کہ انہیں لازماً مکہ مکرمہ چھوڑ کر کہیں باہر رہائش اختیار کرنا چاہیے۔ بلاذری کی فہرست کے مطابق جو کہ اس نے کئی ذرائع اور حوالوں سے ترتیب دی ہے۔ مسلمان مہاجرین کی تعداد 130 تک پہنچ گئی۔

200: یہ شاید دوسری ہجرت حبشہ کے بعد ہی ہوا کہ قریش نے شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد یہ کہنے کے لیے بھیجا کہ مسلمان مہاجرین کو نکال دیا جائے (ابن ہشام ص 245-6) مگر وہ وفد ناکام لوٹا۔

201: حتیٰ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بھی بہتر نہیں تھے اس حقیقت کے باوجود کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کی شہری ریاست کی دس ارکان پر مشتمل کونسل

کے وراثتی رکن تھے اور یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عوامی فلاح و رفاہ کے کارناموں نے شہر کی سرحدوں سے بھی بہت دور تک کے افراد کو متاثر کیا تھا۔ اپنی باری پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مکہ مکرمہ چھوڑ دیا۔ ایک روز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بندرگاہ پر بحری جہاز میں سوار ہونے کی خاطر یمن کا راستہ اختیار کیا۔ کئی دنوں کے زمینی سفر کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قارہ کے علاقے میں پہنچے اس علاقے کا سردار یہ سن کر از حد حیران ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مادر وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اس حقیقت سے بہت زیادہ متاثر ہو کر اس نے اپنے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کی خود ذمہ داری لی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ واپس لایا جہاں اس نے قریش کا ملٹری اتحادی ہونے کی حیثیت سے اپنا مضبوط و مستحکم اثر و رسوخ استعمال کیا۔ وہاں اس نے علی الاعلان کہا کہ اب سے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محافظ اور پناہ دہندہ ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ والوں نے قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے کہا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن الحکیم کی بہ آواز بلند اپنے گھر میں تلاوت کرنے سے روکے کیونکہ اس طرح عورتیں، بچے اور اس کے ہمسایوں کے غلام قرآن الحکیم کی کشش سے اس کے دروازے پر جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن الدغنہ کو صاف جواب دیا کہ انہیں اس کی پناہ و حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی پناہ و حفاظت اس کے لیے کافی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ ہی میں ٹھہرے رہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ نہ جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ تشویشناک واقعات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔

202: حقائق کو تاریخی ترتیب میں بیان کرنے سے قاصر ہونے کے باوجود آیئے اس بات کا حوالہ دیں کہ مکہ والوں نے غیر ملکیوں کو دین اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لیے انتہائی غیر منصفانہ و غیر ذمہ دارانہ ہتھکنڈے استعمال کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔ چنانچہ العاص ابن وائل نے حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ (ابن سعد I/III، ص 116؛ ابن ہشام، ص 234-5) یہاں ابن ہشام ہمیں ابوجہل کے بارے میں بتاتا ہے (ابن ہشام، ص 207) جب کبھی ابوجہل یہ سنتا تھا کہ کسی شریف اور صاحب حیثیت نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ اسے لعن طعن، ملامت اور بے عزتی کرتا تھا اور کہتا تھا کہ "تم اپنے

والد کا مذہب چھوڑ رہے ہو جو تم سے بہتر تھا۔'' اگر نو مسلم کوئی تاجر ہوتا تھا تو وہ اسے کہتا تھا ''خدا کی قسم ہم یہ دیکھ لیں گے کہ تمہیں کوئی گاہک نہیں ملے گا اور تمہاری اشیاء گل سڑ جائیں گی۔'' اور اگر نو مسلم کمزور ہوتا تھا اور اپنا دفاع نہیں کر سکتا تھا تو ابوجہل اسے مارتا پیٹتا تھا اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے پر اکساتا تھا۔

203: آیئے حضرت ابن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کردہ واقعے سے اس کا اختتام کریں۔ مکہ میں عوام الناس کے بہت زیادہ تعداد میں بت تھے۔ وقتاً فوقتاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان چچازاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان میں سے ایک بت کو توڑ دیتے تھے۔ (مسند حنبلؒ نمبر 1301,644) الحاکم (المستدرک، III-5) کے مطابق آپ دونوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر بھی ایسا ہی کیا۔ روایت کے مطابق کعبتہ اللہ کی چھت میں لوہے کے پیچوں کے ساتھ لگایا گیا تانبے کا بنا ہوا (ہبل؟) کا ''عظیم ترین بت'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ نے نیچے گرایا اور اسے توڑا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے۔ (ابن حجر ''مطالب'' نمبر 4275) کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟) کپڑے کے ٹکڑوں میں بول و براز کو لایا کرتے تھے اور بتوں پر پھینکا کرتے تھے۔ اگلے دن بت پرست غصے سے چلاتے تھے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ پھر وہ دودھ اور پانی سے بتوں کو دھوتے تھے۔

باب 17

معاشرتی بائیکاٹ

204: شاہ نجاشی کی طرف سے حبشہ کے مسلمان پناہ گزینوں کو نکالنے یا سزا دینے سے انکار پر قریش نے غصہ واشتعال میں آ کر مذہبی اصلاح (اسلام) کے خلاف جنگ کے دوسرے ذرائع تلاش واستعمال کیے۔ (بلاذری I، 556) انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان و برادری کے معاشی مقاطعہ کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ایک قرارداد پاس کی جس کی رو سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ، برادری وخاندان بنو ہاشم اور اتحادی ورشتہ دار بنو المطلب سے بول چال، ان کی صحبت میں بیٹھنا، شادی بیاہ کرنا یا معاشی تعلقات رکھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ مزید یہ کہ ان سے اس وقت تک امن نتیجہ خیز نہیں ہوگا جب تک وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے حوالے نہیں کریں گے تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کریں (نعوذ باللہ) قریش اپنے ارادوں میں اس حد تک پختہ تھے کہ انہوں نے اس دستاویز کو کعبہ میں لٹکا دیا۔ قریش کے روایتی حلیف و اتحادی احابیش نے بھی اس بائیکاٹ میں قریش کا مکمل ساتھ دیا۔ (بخاریؒ 25 : 45، 179:56، ابوداؤد II:86، ابن حنبل نمبر 7293) یہ بائیکاٹ کئی سال تک جاری رہا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب اور دوسرے مسلم وغیر مسلم رشتہ داروں کو مکہ کے مضافات میں شعب ابی طالب میں پناہ لینا پڑی۔ اس میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابو لہب شامل نہیں تھا جس نے ظالموں اور تشدد پسندوں کا ساتھ دیا اور شہر ہی میں ٹھہرا رہا۔ اس بائیکاٹ کے بعد ان کے غم والم اور رنج وتکلیف کی داستان بڑی دردناک ودل گداز ہے کیونکہ اس بائیکاٹ پر انتہائی سخت گیری کے ساتھ عمل درآمد کیا گیا تھا۔ اس ظلم وستم کا شکار ایک فرد ہمیں بتاتا

ہے کہ ایک رات وہ اس وقت بہت خوش ہوا جب اسے بہت پہلے ذبح کیے گئے جانور کی کھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا مل گیا جسے اس نے کھولتے پانی میں پکایا اور پھر اسے کھایا۔ ایک دن حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ایک قریبی رشتہ دار نے جو کہ کافر تھا اور شہر میں ٹھہرا ہوا تھا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چند اشیاء کا ایک پارسل بھیجا تو اس سے شہر میں خونی لڑائی ہوئی۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حرمت والے مہینوں میں شاید ان کے لیے ممکن ہوتا تھا کہ غیر ملکی حاجیوں سے اشیاء خرید لیں لیکن چونکہ پناہ گزینوں کی شہر میں کوئی معاشی سرگرمی نہیں تھی اس لیے اس میں شک نہیں کہ مہاجرین کے پاس جلد ہی رقم کی کمی ہوگئی۔ تاہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر پناہ گاہ کو چھوڑ کر منیٰ، مجنہ، عکاظ وغیرہ میں غیر ملکی سیاحوں کو تبلیغ اسلام فرماتے تھے۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کا بھی جائزہ لیتے تھے کہ کون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علاقے میں پناہ دے اور معاونت واعانت کرے۔ (ابن الجوزی ''وفا'' ص 216) جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس بات کی یقین دہانی کراتے تھے کہ جلد ہی ایرانی اور بازنطینی شہنشاہوں کے خزانے مال غنیمت کے طور پر ان کے ہاتھوں میں ہوں گے۔

205: عجیب وغریب اتفاقات نے اس بائیکاٹ کا خاتمہ کر دیا۔ ایک طرف تو شہر کے کئی انسان دوست افراد نے خفیہ طور پر اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس مقاطعہ کو کم از کم ایک حد تک ختم کر دیا جائے۔ ان میں سے ایک فرد بتدریج نصف درجن ساتھیوں کو جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا جنہوں نے اپنے اپنے خاندان وبرادری کی طرف سے مقاطعہ کے خاتمہ کا اعلان کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ ہوسکتا ہے کہ شہر کے چند تاجروں نے جو کہ دوسروں کی نسبت زیادہ متاثر ہوئے تھے اس میں حصہ لیا ہو۔ دوسری طرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ کعبہ میں لٹکائی گئی مقاطعہ کی دستاویز کو دیمک نے چاٹ لیا ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کو باقی رہنے دیا ہے۔ شک اور تجسس کی کیفیت میں قریش لعنۃ اللہ نے جنہوں کسی نے بھی دستاویز کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا اور انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ بالکل درست ہے۔ انہوں نے تاہم اسے معجزہ قرار نہ دیا جو کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدائی مشن کی تصدیق وتوثیق کرتا ہو لیکن انہوں نے مسلمانوں کا معاشی بائیکاٹ ختم کر دیا۔ (ابن ہشام ص 230-232، بلاذری 232.I، بخاری 45:25)

باب 18

جائے پناہ کی تلاش

206: مکہ مکرمہ میں خاندان و برادری کے سربراہ کے انتخاب کا طریق کار واضح نہیں۔ حضرت عبدالمطلب کے بعد ان کے بیٹے جناب ابوطالب خاندان بنو ہاشم کے سردار بنے جب کہ جناب ابوطالب کی وفات کے بعد ان کے بھائی ابولہب نے یہ فرض سنبھالا۔ اس معاملے میں عمر کوئی فیصلہ کن کردار ادا کرتی نظر نہیں آتی۔ ہمارے ذرائع خاندان کے ممبران کے اجتماع میں ووٹ کے طریق کار کے بارے میں بھی نہیں بتاتے لیکن یہ سوال یہاں خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

207: نفرت کا خاتمہ موت کر دیتی ہے۔ یہ شاید اسی وجہ سے ہے کہ جناب ابوطالب کی وفات کے فوراً بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابولہب کا رویہ ہمیں ضرور واضح کرنا چاہیے۔ قدیم مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ ابولہب نے مکیوں اور دوسرے قبائل کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سرگرمیوں میں اپنی بہترین استطاعت کے ساتھ مقدور بھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کی۔ (ابن سعد 1/1، 141) اور اس کی وضاحت اس نے خود بھی کی کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ کی وکالت نہیں کر رہا بلکہ اپنے قبیلے کی سلامتی و محافظت محض اس کا فرض ہے۔ ابوجہل نے ابولہب سے کہا کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاندان (اور شاید ابولہب کی اپنی ذات کے حوالے سے) کے آباء واجداد کے مقدر و انجام کے بارے میں دریافت کرے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بغیر کسی ابہام کے یہی تھا کہ بت پرست اور مشرکین دوزخ میں جائیں گے۔ ہمارے ذرائع کے مطابق ابولہب کو اس کا ازحد صدمہ و رنج ہوا اور اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاطعہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کر دیا۔ وہ اپنے تنگ نظر نظریات اور کم ظرف اختلافات میں یہ بھول گیا کہ ابولہب کے آباء

واجداد تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد بھی تھے اور ان کی بے عزتی و بے وقعتی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ تو تمام تر غیر جانبداری کے ساتھ محض اصول و ضابطہ کا نفاذ تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ انتہائی قابل تحسین ولائق توصیف تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان و برادری کے افراد کے ساتھ روایتی تعلق اور وابستگی کے باوجود اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو بھی اصول و ضابطہ سے مبرا نہیں سمجھا۔

208: مکہ مکرمہ میں صورت حال بدتر وابتر ہوگئی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روزانہ واقعات ہونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال میں کسی جگہ پناہ تلاش کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے خاندان و برادری والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔

209: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جانے کا سوچا۔ وہاں کے حکمران خاندان بنو عبد یالیل کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بھائیوں (ماموں) کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی روابط تھے۔ مکہ اور طائف والوں کے آپس میں ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے تھے۔ مزید یہ کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست بھی تھے انہوں نے اپنے بھائی ابولہب کے برعکس طائف میں اپنا مضبوط و مستحکم اثر و رسوخ استعمال کیا کیونکہ وہ بینکار تھے اور طائف والوں کو رقم ادھار پر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ مکہ سے صرف دو دن کے سفر کے فاصلے پر طائف کا شہر تھا۔

210: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید مکہ مکرمہ کو خفیہ طور پر چھوڑا اور طائف پیدل تشریف لے گئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اکیلے گئے جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ عوام الناس سے گفتگو کرنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ کسی مقامی سردار کی محافظت و اجازت حاصل کی جائے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین رشتہ دار سرداروں سے بات کی ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درشتی و بدخلقی سے پیش آیا جبکہ دوسرے دو کا رویہ طنز آمیز تھا البتہ تینوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ فوری طور پر شہر

سے چلے جائیں۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ وہ اس امر کا اظہار و انکشاف نہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس مشن کی خاطر آئے ہیں مگر اس کے برعکس انہوں نے گلیوں کے آوارہ لڑکوں اور غلاموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے میں خوشی محسوس کی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور بڑی مشکل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باغ میں پناہ لی جو کہ طائف کے مضافات میں مکیوں کا تھا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ بھی ملی اور حتیٰ کہ مہمان نوازی بھی۔ وہاں کا باغبان ایک عیسائی غلام تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرک ہم وطنوں کی بہ نسبت بہتر طور پر سمجھتا تھا۔

(ابن ہشام، ص279-281)

211: طائف کی گلیوں کے تشدد و اذیت سے بچنے اور باغ میں پناہ حاصل کرنے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور رب رحمٰن و رحیم سے مخاطب ہو کر دعا و التجا کی جو کہ مشہور بھی ہے اور متبرک بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اللہ جل شانہٗ میں اپنی طاقت کی ناتوانی، اپنی قوت عمل کی کمی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا ذکر آپ کی بارگاہ میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین آپ کمزوروں و مجبوروں کے رب ہیں۔ آپ میرے بھی رب ہیں۔ آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں؟ ایسے اجنبی کے حوالے جو ترشی و بدخلقی سے میرے ساتھ پیش آئے گا یا کیا کسی دشمن کو میری قسمت کا مالک بنا دیں گے؟ اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے ان تکالیف کی کوئی پروا نہیں اور آپ کی طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لیے زیادہ دل کشا ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی ذات کے نور کے ساتھ کہ جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں۔ میں آپ کی رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں آپ کی ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قوت۔''

(ابن ہشام، ص280)

212: کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی جانب واپسی کا سفر شروع کیا۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ رات گزارنے کے لیے رکے اور نماز و دعا کے لیے بیدار رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افسردہ و مغموم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوئے بغیر

کچھ جنات وہاں سے گزرے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن الحکیم کی تلاوت سنی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (القرآن 46:29-32) قرآن الحکیم کے الفاظ میں ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہئے کہ مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے سنا۔۔۔'' یہ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اس بات کا نوٹس نہیں لیا۔ رب کائنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انکشاف کیا کہ جنات کے ایک گروہ نے اسلام قبول کیا ہے کیونکہ جنات میں بھی مذاہب ہوتے ہیں یعنی مشرک اور توحید پرست۔ قرآن الحکیم میں کئی مرتبہ کہا گیا ہے کہ مخلوق کی دو اقسام میں جنات بھی انسانوں کے ساتھ ایک قسم ہے جو کہ اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔

213: اس تکلیف دہ اور اذیت ناک سفر کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر کے نواح میں پہنچے۔ ابولہب پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلا وطن کر چکا تھا چنانچہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل نہ ہوئے۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ایک معتدل مزاج سردار کے پاس پناہ کے حصول کی خاطر پیغام بھیجا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاصد کو ایک اور سردار کے پاس بھیجا لیکن بے سود۔ پھر تیسرے سردار مطعم ابن عدی جو کہ معاشرتی بائیکاٹ کے خاتمہ کے لیے پہلے ہی کوشش کر چکا تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لینا قبول کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ لے گیا تاکہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات چکر لگا سکیں۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر لے گیا اور شہر والوں کو اطلاع دی کہ اس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے۔

باب 19

معراج اور معجزات

214: رب ذوالجلال کی طرف سے ہمیشہ آزمائش و امتحانات کے بعد خدائی اعزازات عطا ہوتے ہیں۔ ایسا تمام پیغمبروں کے ساتھ ہوا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام (القرآن 57:19) حضرت ابراہیم علیہ السلام (القرآن 75:6) حضرت یوسف علیہ السلام (القرآن 24:12) حضرت موسیٰ علیہ السلام (القرآن، 143:7)، حضرت عیسیٰ علیہ السلام (القرآن 58:4) اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں، خاتم الانبیاء کو بھی اس اصول سے مُبرا نہیں ہونا چاہیے۔

215: اپنے مشن کے آغاز سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ترین آزمائشوں سے گزرے اور ہر لحہ بڑھتی ہوئی مشکلات کے ختم نہ ہونے والے سلسلے کا سامنا کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رب رحمٰن ورحیم پر ایمان کامل رکھا اور مضبوط و مستحکم اور غیر متزلزل عزم صمیم کے ساتھ بے لوث و بے غرض جدو جہد اور کوشش و کاوش جاری و ساری رکھی تا کہ صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کا حکم رائج و مروج و غالب رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ تر پیرو کار حبشہ کی جانب ہجرت کر چکے تھے۔ آزمائشوں میں معاشرتی بائیکاٹ اذیت ناک آزمائش تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آزمائش سے گزر رہے ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفادار زوجہ اور بااثر چچا دونوں اس جہان فانی سے یوں رخصت ہوئے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پر کاٹ دیئے گئے ہوں۔ نتیجتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری کوشش و کاوش یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دور کے مقام طائف میں رہائش پذیر رشتہ داروں کے ہاں پناہ تلاش کریں لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن مادی وسائل کی ناکامی کے اندھیرے جس قدر گہرے ہوتے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب

تعالیٰ جل شانہٗ پر ایمان و یقین اسی قدر مضبوط و مستحکم ہوتا گیا۔

216: اس قسم کے حالات تھے جس میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدائی اعزاز حاصل کیا۔ تمام معجزات کا عظیم ترین معجزہ وقوع پذیر ہوا۔ رب ذوالجلال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بالا پر آنے کی دعوت دی اور اپنے حضور شرف باریابی کا اعزاز وافتخار بخشا۔

217: اس واقعہ کو تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کرنے سے پہلے یہ بے جا نہ ہوگا کہ پہلے ''معجزات'' پر عمومی بات چیت کی جائے۔

معجزات

218: قرآن مجید مختلف پیغمبروں کے حوالے سے معجزات بیان کرتا ہے۔ طوفان نوح علیہ السلام، کشتیٔ نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کے لیے آگ گلزار بن گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کا عصا، سانپ بن گیا، حضرت یعقوب علیہ السلام جنہیں الہام کے ذریعے علم ہوگیا کہ ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام مل گئے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بیماروں کو صحت یاب کرتے تھے وغیرہ۔ اگر عام پیغمبروں کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے یہ اعزازات حاصل تھے تو پھر پیغمبروں کے پیغمبر، سردار الانبیاء، ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم انفرادیت و مخصوص خصوصیت کے حامل کیوں نہ ہوتے اور ان کو اس قسم کے حیرت انگیز مظاہروں کی قدرت کیوں نہ حاصل ہونی چاہیے تھی؟ تاریخ اسلام نے یقینی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے معقول تعداد میں اس قسم کے واقعات ریکارڈ کیے ہیں۔

219: پیغمبروں کے معجزات کے بارے میں بات کرتے ہوئے قرآن حکیم یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ معجزات پیغمبروں کے افعال نہیں ہوتے بلکہ یہ خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے ہوتے ہیں تاکہ پیغمبروں کو اعزاز بخشا جائے اور ان کے مشکل کام میں انہیں مضبوط و مستحکم کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ معجزات اس وقت ظاہر فرماتے ہیں جب ان کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ معجزہ بذات خود ایک غیر فطری عمل نہیں ہوتا مگر بعض اوقات ہم اس کی وجہ و مقصد سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات اس کے وقوع پذیر ہونے کے حالات اسے عجیب و غریب بنادیتے ہیں۔ چاند میں کوئی اندرونی زلزلہ یا کسی اور آسمانی جسم سے اس کا ٹکراؤ چاند کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی وجہ بن سکتا ہے

لیکن ایسا عین اس لمحے ہونا جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت ہو تو پھر ہم اسے معجزہ کہیں گے۔ اگر زمین کے اندر پانی کا بہاؤ مٹی کی پتلی سی تہہ سے ڈھکا ہوا ہو اور ہم زمین کھو دیں تو ہم نئے چشمے کے ابلنے کی وجہ بنیں گے۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہو گی لیکن جب یہ عین اس لمحے ہو جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی پیاسے ہوں پھر یہ ہماری آنکھوں کے لیے ایک معجزہ ہو گا۔ وجوہات و اثرات کے خالق، رب کائنات کے لیے کوئی بات معجزاتی نہیں۔ یہ صرف ہم ہیں جو ان وجوہات و اثرات کو بعض سیاق وسباق میں معجزے کہتے ہیں اور بعض میں نہیں کہتے۔

220: اس قسم کے غیر معمولی واقعات نہ صرف رب تعالیٰ جل شانہٗ کے سچے پیغمبروں کے لیے وقوع پذیر ہوتے ہیں بلکہ اولیاء اللہؒ کے لیے بھی ہوتے ہیں اور حتیٰ کہ رب کائنات جل جلالہٗ کے دشمنوں کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان ''معجزات'' کو مومنین کے ایمان کی آزمائش کے لیے وقوع فرماتے ہیں۔ یہ اکثر ممکن یا آسان نہیں ہوتا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر کے معجزے، فنافی اللہ ولی کی کرامت اور شیطانی و ابلیسانہ استدراج میں فرق قائم کیا جا سکے چنانچہ اس سے معجزات کی اہمیت کم ہوتی ہے۔

221: غلط کار افراد بھی معجزاتی آزمائشیں روبہ عمل لاتے ہیں (یقینی طور پر انسانی ذرائع استعمال کرتے ہوئے) میں ایک اعلیٰ و ارفع صحیح العقیدہ کتاب ''شرح المواقف فی العقائد'' کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا جس میں یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی گئی کہ کسی پیغمبر کے وہ معجزات جو محض کسی وجہ واثر کے بغیر دوسرے حالات میں وقوع ہوتے ہیں وہ مومنین کے لیے ہوتے ہیں تاکہ وہ تکنیکی ذرائع استعمال کرتے ہوئے ویسا کرنے کی سعی کریں۔

222: لوگوں کے مزاج ومیلان اور افتاد طبع بہت حد تک مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے معجزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وضاحت کی کہ اسلام کیا ہے اور وہ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ انہوں نے نہ کسی ہچکچاہٹ کا اظہار کیا اور نہ کسی قسم کا کوئی سوال کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال سے بھی کم عمر کے نوجوان تھے۔ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی زوجہ محترمہ کو نماز پڑھتے دیکھا تو تجسس سے پوچھا کہ وہ ان

''جمناسٹکس'' کی مشق کیوں کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے اس سے وجوہات کی وضاحت کی تو وہ اسلام لے آئے۔ یہ عظیم اذہان تھے۔ دوسروں نے مختلف رویے کا مظاہرہ کیا۔ ایک مکی مشرک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچا (نعوذ باللہ) تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ راز بتا دیا کہ اس نے کیوں اور کیسے ان کے خلاف منصوبہ تیار کیا۔ طاقتور اور قوی قاتل نے اسے معجزہ سمجھا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ اسلامی تعلیمات اس کے لیے کافی نہ تھیں۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے تنگ ذہنوں پر جہالت کی مہر لگی رہی حتیٰ کہ عظیم ترین معجزے بھی اسے نہ کھول سکے اور وہ ضد وہٹ دھرمی اور منہ زوری کے ساتھ منظم و مستحکم مخالفت کی کوشش کرتے رہے، ایک دفعہ ایک واقعہ ہوا جو آج کل ہمیں ہنسنے پر مجبور کرے گا لیکن وہ بند ذہن اور تنگ نظری کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ ایک کافر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور معجزات کا مطالبہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ اس نے آخرکار بالضرور ان معجزات کا مشاہدہ کر لیا لیکن بجائے اس کے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوتا وہ دوڑا ہوا دوسرے مشرکین کے پاس گیا اور ان سے کہا ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے وقت کے عظیم ترین جادوگر ہیں (نعوذ باللہ) اگر کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ تمہارا ناموری یا میرٹ کے حوالے سے کوئی مقابلہ ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور فائدہ اٹھائیے گا۔ وہ عظیم تر معجزات کا مظاہرہ کریں گے۔''

223: المختصر کچھ لوگ ہوتے ہیں جنہیں معجزات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ کو ضرورت نہیں ہوتی اور حتیٰ کہ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں معجزات بھی قائل و مائل نہیں کر سکتے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ صرف متوسط درجہ کے لوگوں اور ناپختہ ذہنوں کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر پر ایمان لانے کے لیے معجزات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح معجزات کی افادیت بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔

224: ذاتی طور پر معجزات پر یقین کرتے ہوئے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ انہیں اپنے منتخب افراد کے لیے واقع کرتے ہیں میں بعض اوقات یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک شخص کو رب تعالیٰ جل شانہٗ پر ایمان لانا چاہیے (کیونکہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کا وجود ایک ضرورت ہے) اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے احکامات اور پیغمبروں پر بھی ایمان لانا چاہیے (کیونکہ ان کی سچائی واضح ہے) معجزات ہمیں اس چیز کا اقرار کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو ہماری مرضی و منشاء کے خلاف ہوتی ہے۔

وہ زبردستی اور دباؤ کی ایک قسم ہیں اور قرآن الحکیم اس بارے میں مثبت انداز میں کہتا ہے کہ کسی دباؤ کے تحت رب تعالیٰ جل شانہٗ کے آگے جھکنا کوئی اعزاز نہیں۔

225: ایک اور وجہ بھی ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار کی حوصلہ شکنی کرتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر بھرپور توجہ دے۔ قرآن الحکیم کہتا ہے ''البتہ تمہارے لیے رسول اللہ عمدہ نمونہ ہیں کسی کے لیے بھی جو رب تعالیٰ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اکثر یاد کرتا ہے۔'' (القرآن 21/33) قرآن الحکیم کی رو سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کسی بھی صاحب عقل وفہم کے لیے ماڈل (نمونہ) ہے جب کہ عام لوگوں کے لیے معجزات ممکن نہیں ہوتے۔ فلاسفر ایمرسن کس قدر عظیم تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''خدا پر بھروسہ (توکل) کا بہترین طریقہ جو کہ میں نے سنا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اونٹ کے گھٹنے کو رسی سے پہلے باندھو پھر خدا پر بھروسہ کرو۔'' اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ چاہتے تو ہر شخص فرشتوں کی طرح فرمانبردار ہوتا۔ پیغمبروں کی آمد کی پھر کوئی ضرورت نہ ہوتی لیکن رب تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی ومنشاء ایسی نہیں تھی۔ اس کے برعکس رب تعالیٰ جل شانہٗ نے کائنات کو وجوہات اور اثرات کے ایک سلسلہ کے طور پر وجود دیا۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ نے فیصلہ کیا کہ اس کے پیغمبر بھی دوسرے انسانوں کی طرح کوشش وکاوش اور جدوجہد کریں گے۔ ہر شخص کا فیصلہ اس کی کوششوں، ارادوں اور حالات کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ برآمدہ نتائج کے مطابق ہوگا۔ جنگ تبوک کی تیاری کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے کے 30 ہزار سکے دیئے اس میں شک نہیں کہ ان کی وقعت وعزت تھی لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چاندی کے 500 سکے اس سے زیادہ قدر وقیمت رکھتے تھے کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے پوچھا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''صرف اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت'' ایک غریب آدمی ہوتے ہوئے انہوں نے اپنی پوری دولت وقسمت وقف کردی تھی۔ اسی طرح اگر کوئی پیغمبر استطاعت بھر اور مقدور بھر کوشش وکاوش کے باوجود ایک شخص کو بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کے دین کی طرف مائل وقائل کرنے میں کامیابی وکامرانی حاصل کیے بغیر جہان فانی کو خیرباد کہہ جاتا ہے تو اس صورت حال میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا اعزاز وافتخار اس پیغمبر سے کم تر ہے جسے ہو سکتا ہے معقول تعداد میں ایسے افراد ملے

ہوں جنہوں نے اپنی زندگیاں رب تعالیٰ جل شانہٗ کے بھیجے گئے دین کے مطابق ڈھال لی ہوں۔ کوشش وکاوش کرنا ہمارا کام ہے جب کہ نتیجہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی پوری حیات مبارکہ کے دوران یقینی طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے آپ کو محتاط انداز میں وجوہات واثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار و مستعد رکھا۔ جنگ بدر سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکاؤٹس کو آگے بھیجا اور دشمن کے بارے میں، اس کی فوج کی تعداد، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کے کمانڈروں کے ناموں وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے کئی طریقے استعمال کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقے کی جغرافیائی اعانت خاص طور پر پینے کے پانی کے ذرائع کے بارے میں پوچھا تا کہ ان پر کنٹرول حاصل کر کے دشمن کو ان سے محروم کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صحیح احکامات دے کر اپنی فوج کو ذمہ داریاں سونپیں (بہترین جدید کمانڈر اس سے بہتر نہیں کر سکتا) حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیز دوڑنے والے یک کوہانی اونٹوں کو محفوظ مقام پر کھڑا رکھنے کا انتظام فرمایا اور مدینہ منورہ کی جانب ایک راستہ کھلا رکھا تا کہ ہنگامی صورت حال میں اسے استعمال کیا جا سکے کیونکہ لڑائی غیر مساویانہ تھی یعنی دشمن کی فوج تعداد میں تین گنا زیادہ اور بہتر ساز وسامان سے لیس تھی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطابت کے ذریعے اپنے سپاہیوں کو پرجوش و پرعزم کر دیا اور اعلیٰ ترین درجے کی حد تک ان کے حوصلے بلند کیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں چلے گئے اور تمام تر قوتوں اور طاقتوں کے مالک، قادر مطلق کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے اور دعا والتجا کی، اور دعا والتجا کی اور دعا والتجا کی اور اسے کہتے ہیں کہ اسلام رد عمل ہے۔

226: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور حسن عمل کا ایک اور پہلو ہمارے لیے عملی نمونہ اور عمل پیرا ہونے کی مثال ہے۔ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبے مطلوبہ نتائج حاصل نہ رہے جن کی وجوہات ہم جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی کر دیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج بکھر گئی اور منتشر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیروکار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجویز دی ''رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دعا کیجئے کہ وہ ان نامعقول، بدذات اور بدکار افراد کی نسل کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی جانب اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا ''میرے مالک میرے لوگوں کی سیدھے راستے کی جانب رہنمائی فرما کیونکہ وہ نہیں

جانتے (کہ وہ کیا کر رہے ہیں)'' اسلام میں یہی ہے کہ پیغمبر ایسی مثال قائم کرتا ہے کہ جس پر عمل کیا جائے۔

227: قرآن الحکیم بذات خود اصرار کرتا ہے کہ ترقی یافتہ بنی نوع انسان کو معجزات کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے جو کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے بہت آسان عمل ہیں بلکہ بلاواسطہ طور پر قرآن اور پیغمبر کی لائی ہوئی باتوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ایک مکی سورت میں پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے کہ ''اور کہتے ہیں کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں (معجزات) کیوں نہ اتریں؟ کہہ دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نشانیاں (معجزات) تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو بس کھول کر سنا دینے والا ہوں۔ کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ بے شک اس میں رحمت ہے اور ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' (القرآن 29:50،51)

228: انہی نکات اور دوسری وجوہات کی بناء پر میں نے سیرت کے اس عاجزانہ کام میں بمشکل ہی معجزات کا حوالہ دیا ہے حتیٰ کہ میں ضروری نہیں سمجھتا کہ معجزات کی فلاسفی اور امکان کے سوال کا مطالعہ اور بحث کی جائے۔ جو کچھ مصدقہ حدیث بیان کرتی ہے وہ تاریخی حقائق ہیں جن کی صداقت وثقاہت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن میرے خیال میں تعلیم کے اندر ہی دلیل و براہان اور ذہانت وفطانت دیکھی جاسکتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ ''کسی کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا چاہیے'' اور اس سے اگلی بات یہ کہ ''اگر میں درخت کو بلاتا ہوں تو وہ حرکت کرتا ہے۔'' درخت کی حرکت یقینی طور پر معجزہ ہے لیکن ایک ساکت وجامد چیز کی حرکت اور رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حکم پر مخلوق کی نماز وروزہ جیسے فرائض کی ادائیگی میں کسی طرح بھی کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

229: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران وقوع پذیر بے شمار معجزات روایت کیے گئے ہیں جن پر مکمل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ میں مثال کے طور پر ان میں سے صرف چند کا حوالہ دوں گا۔ معتبر ترین سیرت نگاروں نے انہیں بیان کیا ہے۔ ان میں سے کچھ کا حوالہ قرآن پاک میں ہے اور کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں اور ان غیر معمولی حقیقی واقعات کے عینی شاہدین کی روایات کی بنیاد پر حدیث میں موجود ہیں۔

230: ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کافر نے کہا ''میں اس وقت لازماً اسلام لے آؤں گا اگر میری مردہ بیٹی کو زندہ کر دیں گے۔'' اس کافر کی لڑکی کی قبر پر جا کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آواز دی تو وہ باہر آ گئی اور کہنے لگی ''میں یہاں ہوں اے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا ''کیا تم زمین پر اپنے والدین کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟'' اس نے جواب دیا ''نہیں۔ کیونکہ میں نے اس جہان میں اپنے والدین سے کچھ بہتر پایا ہے۔'' وہ پھر اپنی قبر میں چلی گئی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کم از کم ایسے دو واقعات وقوع پذیر ہونے کی روایت ہے۔

231: ایک بچہ گونگا پیدا ہوا۔ اس کے افسردہ و غم زدہ والدین اسے کئی سالوں بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے پوچھا ''میں کون ہوں؟'' بچے نے جواب دیا ''میں گواہی و شہادت دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر ہیں۔'' اور بچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بیماری سے شفایاب ہو گیا۔

232: ایک روز مکہ کے ایک کرائے کے پہلوان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے زمین پر گرانے میں کامیاب ہو گئے تو میں مشرف بہ اسلام ہو جاؤں گا۔'' کہا جاتا ہے کہ یہ پہلوان اتنا طاقتور اور مضبوط تھا کہ اگر وہ کسی جانور کی کھال کے ٹکڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا اور لوگ کھال کو کھینچتے تھے تو وہ پھٹ جاتی تھی لیکن پہلوان کو جنبش نہیں ہوتی تھی۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسلسل تین مرتبہ زمین پر گرایا۔

233: ایک اور شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اگر وہاں والا درخت حرکت کرتا ہوا یہاں آ جائے تو میں دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤں گا'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ٹھیک ہے۔ اس درخت کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں بلا رہا ہے۔'' درخت واقعتاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹنے پر واپس اپنی اصلی جگہ پر چلا گیا۔

234: ایک دن کچھ احمق مکیوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے دکھائیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ جل شانہٗ کے پیغمبر ہیں'' پیغمبر اسلام

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل چاند کو اشارہ کیا تو وہ فوری طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا جسے ہر شخص نے دیکھا۔ وہ کچھ دیر ایسے رہا اور پھر دوبارہ جڑ گیا۔ اپنی تحقیق و جستجو اور غور و خوض کی خاطر کیے گئے سفروں کے دوران امریکیوں نے قریبی فاصلے سے چاند کی جو تصاویر لی ہیں وہ کچھ ایسے نشانات ظاہر کرتی ہیں جن سے اس قسم کے واقعے کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے موضوع پر کوئی بھی شخص یہ یاد کر سکتا ہے کہ سپوٹنکس کے علاوہ زمین کی سطح سے مختلف ممکنہ فاصلوں سے چاند کے قرص کی لی گئی تصاویر چاند کی سطح پر ایک بڑے شگاف کے لمبے نشان کو ظاہر کرتی ہیں جو چاند کے درمیان سے چلتا ہوا ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتا ہے۔ یہ شگاف تقریباً ایک میل (تقریباً ایک کلو میٹر اور 600 میٹر) لمبا ہے۔ امریکی اسے "Radley Rill" کہتے ہیں۔ اس شگاف کے عمیق اور قریبی جائزے کے لیے اپالو 15 (Appolo 15) کے مشن کے نتائج سے عوام الناس کو کبھی بھی آگاہ و آشنا نہیں کیا جائے گا کیونکہ انگلینڈ کے روزنامہ گارڈین (Guardian) نے 29 جولائی 1971ء کی اپنی اشاعت میں مغربی عوام کو اس خطرے سے خبردار کیا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو تقویت ملے گی اور وہ یہ اعلان کریں گے کہ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے معجزے کی سچائی اور صداقت کا ایک اور ثبوت ہے شاید کوئی مسلمان فلک پیما کسی روز سائنسی تحقیق کے اس کام کی ذمہ داری لے اور اس شگاف کی اصلیت پر روشنی ڈالے اور ہمیں بتائے کہ کیا یہ شگاف اس لائن کا حصہ ہے جس سے شق القمر کا معجزہ وقوع ہوا تھا؟

235: ایک دفعہ دوران جنگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی کی آنکھ میں ضرب لگی جس سے آنکھ کا ڈھیلا (دیدہ) اپنی اصلی جگہ سے باہر آ گیا۔ وہ اس ڈھیلے (دیدہ) کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا اور وہ اس کی دو آنکھوں میں سے زیادہ بہتر ہو گیا۔

236: مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے ابتدائی مہینوں کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مسجد میں خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے ایک درخت کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے۔ بعد ازاں ایک بڑھئی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک منبر تیار کیا۔ پہلی مرتبہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہاں پر موجود لوگوں نے اس کھجور کے

درخت سے سسکیوں اور آہ وزاری کی آواز سنی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے۔ درخت کے تنے کو محبت وشفقت کے ساتھ تھپتھپایا تو اس کی آہ وزاری بتدریج اس طرح بند ہوگئی جیسے کسی بچے کو تھپکی دے کر خاموش کرادیا جائے۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا ''اگر تم چاہو تو میں اپنے خطبہ کے دوران تمہارے ساتھ ٹیک لگالوں گا لیکن کیا تم اس بات کو ترجیح دوگے کہ تمہیں جنت میں اُگا دیا جائے؟'' تنے نے جنت میں جانے کا انتخاب کیا۔

237: ایک بارش والی تاریک رات کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی کو ایک چھڑی دی جس نے اپنے گھر تک پہنچنے کے لیے ایک لمبا سفر طے کرنا تھا اور اس مشکل راستے میں چھڑی ایک لیمپ کی طرح روشنی دیتی رہی۔

238: ایسا کئی دفعہ ہوا کہ خوراک کی تھوڑی سی مقدار افراد کی بہت زیادہ تعداد کے لیے کافی رہی۔ پانی کی تھوڑی سی مقدار کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ کئی دفعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آمدہ واقعات کی پیش گوئی کی جب کہ کچھ کے بارے میں بتایا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور کے مقام پر وقوع ہوئے۔ ہر دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سچی نکلی۔

239: موضوع کے اختتام سے پہلے میں قرآن الحکیم کا حوالہ بھی دوں گا۔ اس کا معجزہ یا اس کے معجزات میں سے ایک معجزہ اس حقیقت میں مضمر ہے کہ اس نے عربی بولنے والے افراد کو چیلنج کیا ہے کہ ''حتیٰ کہ چند لائنوں کی ایک چھوٹی سی سورت ہی بنالاؤ اور اپنی مدد کے لیے آدمیوں اور جنوں ہر ایک کو بلالو۔'' چودہ صدیوں سے زیادہ عرصہ کے بعد بھی کوئی اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔

240: بہت سارے اور معجزات ہیں لیکن ان تمام کا یہاں حوالہ نہیں دیا جاسکتا۔ میری عاجزانہ رائے میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''بشری'' کوشش وکاوش رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ظاہر کیے گئے ''فوق البشر'' معجزات کی نسبت ہمارے سیکھنے کے لیے زیادہ ہدایت آمیز اور مفید ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام ہمارے اس مطالعہ کے لیے زیادہ مطابقت رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام کی صداقت پر قائل و مائل کرنے کے لیے اپنے ہم عصر افراد کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا۔ میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ حیات مبارکہ کے چند پہلوؤں پر بات

کرنے کی کوشش کی ہے جولوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا فلسفیانہ نقطہ نظر سے مطالعہ کرنا چاہتے ہوں اور ان کی تاریخی تفصیلات بھی جاننا چاہتے ہوں تو میں انہیں سید سلیمان ندوی کا ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے عظیم وضخیم کام کی طرف توجہ دلاؤں گا جس میں انہوں نے معجزات کے حوالے سے پوری جلد وقف کی ہے۔

معراج

241: رب ذوالجلال کی طرف سے اپنے محبوب نبی، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے معجزے کا عطائے اعزاز مسلمان قومیت کے لیے فخر و امتیاز اور شان وشوکت کا ایک بنیادی اور عظیم حوالہ ہے۔ خطیبوں و واعظوں کی زبانوں اور قلمکاروں کے قلموں کو اس نے فطری وقدرتی طور پر جوش و جذبہ عطا کیا ہے۔ مکمل طور پر مصدقہ اصل حقائق کو بعد ازاں ادبی شاہکاروں کا ایسا روپ ملا ہے کہ انہوں نے بین الاقوامی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ چنانچہ اندلس کے عیسائیوں نے معراج کی مشہور و مقبول تفصیلات کو لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو کہ بالکل اسی طرح تمام یورپ میں پہنچا ہے جس طرح بعد ازاں عریبین نائٹس (Arabian Nights) کی کہانیاں پہنچی تھیں۔ جنت و دوزخ کے دورے (سیر) کے بیان نے بعض اوقات شعراء کے خیالات و تصورات کو غلط رنگ میں ابھارا ہے۔ مثلاً دانتے (Dante) اسے اپنی کتاب Divine Comedy میں شامل کرتا ہے جہاں اس کا تنگ اور بدمعاش ذہن اسے اتنی نچلی سطح پر لے جاتا ہے کہ اچھے مزاج کا مالک اس کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ جس قدر عظیم تر اور شریف تر انسان ہوتا ہے اس قدر زیادہ زہریلے، حاسد اور بے وقوف دشمن ہوتے ہیں۔ ہر کوئی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں انفرادی طور پر جوابدہ اور ذمہ دار ہے۔

242: معراج کی معتبر و مصدقہ تفصیلات کو لازمی طور پر روحانی حقیقت کی سربلندی کے طور پر پڑھنا چاہیے اور کسی صورت بھی کسی سیاح کی مضحکہ خیز سفری روداد کے طور پر نہیں پڑھنا چاہیے۔ انفرادی فہم وادراک لامحدود طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک اور قابل اعتماد احادیث میں بیان کردہ تفصیلات کی بنیاد پر معراج کے بارے میں مختلف کتب لکھی گئی ہیں جن میں کچھ اچھی ہیں اور درجہ بندی کے حوالے سے کچھ کو مزید اچھا ہونا چاہیے۔

243: ان دونوں اقسام میں فرق وتمیز کی اہلیت وصلاحیت پیدا کرنے کے لیے ہمیں پہلے تو بذات خود لازمی طور پر بردبار وروادار ہونا چاہیے پھر غیر جانبدارانہ ومنصفانہ ذاتی تحقیق کرنی چاہیے تاکہ رب رحمٰن ورحیم ہم پر سچ واضح کرے۔

244: معمولی سی بناوٹ وتصنع کے بغیر اس معاملے میں یہ میری ذاتی تحقیق ہے۔ میں نے اس بارے میں اس عمر سے سوچنا شروع کیا جب میں پرائمری اسکول میں تھا۔ جغرافیہ کی کلاسز کے دوران ہمیں پڑھایا جاتا تھا کہ زمین ایسے گول ہے جیسے کہ سنگترا یا یہ کہ (جیسا کہ بعدازاں میں نے کلاسیکل دور کے مسلمان جغرافیہ دانوں کی کتب میں پڑھا) زمین انڈے کی زردی کی طرح ہے۔ اس کے اردگرد کی سفیدی ہمارا ماحول ہے جب کہ اس کا چھلکا یا خول ہمارا آسمان ہے۔ انہی شاگردوں کو دینیات کی کلاسز میں پڑھایا جاتا تھا کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ واحد ولاشریک ہیں، خالق ومالک ہیں اور اس کائنات کے مقتدر اعلیٰ وقادر وقدیر ہیں جن کا عرش عالم بالا میں ہے۔ عالم بالا ہمیشہ ہمارے اوپر ہوتا ہے۔ جہانوں اور دنیاؤں کے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات کی تعظیم وتکریم واضح طور پر اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ عالم بالا کا عرش ہمارے سروں سے اوپر ہونا چاہیے نہ کہ ہمارے پاؤں کے نیچے لیکن یہ عالم بالا کہاں ہوسکتا ہے کہ جس میں عرش الٰہی ہے؟

ایک چیز جو قطب شمالی میں ہمارے اوپر ہوتی ہے وہ عین سیدھ میں قطب جنوبی کے باشندوں کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے۔ نوجوان لڑکا ہوتے ہوئے میرے اس سوال پر جواب یہ تھا کہ ایسے مسائل پر سوچنا تک بھی گستاخی وبے ادبی ہے! کیا ہماری دوہری شخصیت ہونی چاہیے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے چند باتوں پر یقین کرلیں جب کہ چند اور باتوں کو دوسرے سیاق وسباق سے نافذ ولاگو کرنے کی کوشش کیے بغیر سمجھ لیں؟ میں بظاہر خاموش رہا لیکن میرا ذہن پرسکون و پر اطمینان نہیں تھا میں مزید سے مزید پریشان ہوتا گیا جیسے جیسے میں بڑا ہوا اور مزید علم حاصل کیا۔

245: دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ ذاتی تجربے نے مجھے بڑے اثر کا چھوٹا سبق سکھایا جس سے مجھے سکون واطمینان ملا۔ ایک ہی سوال دو طلباء کے ذہن میں آیا لیکن ان کے استاد محترم کے جواب سے ایک طالب علم کی تسلی ہوئی جب کہ دوسرا مطمئن نہ ہوا۔ حتیٰ کہ ایسا میرے ساتھ بھی ہوا جب میں فیکلٹی آف لاء میں لیکچر دے رہا تھا اور دوسرا میرے رفیق کار کے ساتھ ہوا جو کہ فلسفہ کا لیکچرر ہے۔ ہم دینیات کے ایک سینئر پروفیسر کے پاس گئے جس کے ہم دونوں شاگرد ہوا کرتے

تھے۔ہم میں سے ایک تو دینیات کے پروفیسر کے جواب میں مطمئن ہو کر واپس آیا جب کہ دوسرا غیر مطمئن رہا۔ بجائے اس کے کہ میں اپنے رفیق کار کو یہ الزام دیتا کہ اس میں سمجھنے کی صلاحیت کی کمی ہے میں نے تجویز دی کہ ہمیں ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرنا چاہیے اگر ہم اچھے ذاتی تعلقات کو برقرار اور قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

246: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا مطالعہ کرتے ہوئے میں نے قرآن میں خدا کے نظریہ کا مطالعہ کیا۔ مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ قرآن کریم انسان کو بندہ، غلام (عبد) اور خدا کو بادشاہ (مَلِک) بیان کرتا ہے۔ظاہر ہے کہ ہماری زبانیں جو کہ انسانی معاشروں کی پیداوار ہیں اس قابل نہیں کہ اس سے زیادہ موازنہ ومحاکمہ کرسکیں بجز اس کے کہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہیں اور انسانوں میں تمام تر کمزوریاں اور خامیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ذات ہیں جو ضروری ہے (ذات واجب الوجود) اللہ تبارک وتعالیٰ تمام کائنات میں موجود ہیں۔ حاضروناظر ہیں۔ ہر شخص کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔تصور وتخیل اور عقل وادراک سے بالاتر اور تمام ذہنی وجسمانی فہم سے برتر وبلندتر (ماوراء الادراک) ہیں۔ہم اپنی زبان کے تمام ممکنات کو استعمال کر کے بھی رب تعالیٰ کو کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ قرآن الحکیم بذات خود لفظی منظر کشی میں بہت آگے تک گیا ہے۔ رب تعالیٰ بادشاہ ہیں (مَلِک) اس حیثیت سے وہ خزانوں کے مالک ہیں (خزائن) ان کے پاس فوجیں ہیں (جنود) سلطنت اور بادشاہی ہے (ملک ،ملکوت) ایک تخت ہے (عرش) تخت کی پاؤں رکھنے کی جگہ ہے (کرسی) عروس البلاد ہے (ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ) محل ہے (بیت اللہ) اور اپنے اطاعت گزاروں وفرمانبرداروں کی اطاعت وصول کرنے کے لیے (وہ کچھ کرنے کے لیے بھی جو رب تعالیٰ کی مرضی ومنشاء ہو) ہاتھ ہیں (ید اللہ) حدیث پاک نے انگلیوں کا اضافہ بھی کیا ہے مثلاً یہ کہہ کر کہ انسانی دل کو رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنی دو انگلیوں سے تھام کر اس کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ (بیت اللہ) کے حجر اسود کو زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ''دایاں ہاتھ'' (یمین اللہ) کہا ہے جس کی قسمت میں (استلام یعنی حجر اسود کو بوسہ دینا) اطاعت کا معاہدہ (بیعہ) اور حاجی سے تابع داری وصول کرنا ہے۔ مزید براں بادشاہ متبرک ومقدس موقع پر عوام الناس میں پیدل نہیں چلا کرتے۔ وہ تخت پر متمکن رہتے ہیں جو کہ طاقتور غلاموں نے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔قرآن الحکیم نے بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کے بیان

میں یہ استعارہ برقرار رکھا ہے۔قرآن پاک (17/69) کہتا ہے کہ عرش الٰہی کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔

247: یہ سب کچھ جائز ہے کیونکہ قرآن الحکیم اسے بیان کرتا ہے۔ یہ سب نارمل ہے اور حتیٰ کہ ضروری بھی۔ جو جائز نہیں اور جو گستاخانہ و بے ادبانہ ہوگا وہ اس منظر کشی یا حسن بیان کی مبالغہ آرائی ہوگی۔مثال کے طور پر اگر یہ پوچھا جائے کہ کیا رب تعالیٰ جل شانہٗ کے ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہیں؟ کیا ہر انگلی کا ایک ناخن ہے جو کہ جلد سے لگا ہوا ہے؟ کیا جلد کے اندر گوشت ہے اور یہ کہ شریانیں، خون، ہڈیاں وغیرہ ہیں؟ رب تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں ایسی باتوں سے محفوظ و مامون رکھیں۔

248: ناقابل بیان عظیم ذات کو تعظیم و تکریم کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ضرورت سے زیادہ حدود مطلقاً پار نہیں کرنا چاہیں۔ چنانچہ ہمیں ضرور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ بادشاہ کی حیثیت سے رب تعالیٰ جل شانہٗ کا ایک تخت (عرش) ہے لیکن یہ فرض کرنا مضحکہ خیز ہوگا کہ تخت محض مقدس مواقع کے لیے ہے اور یہ کہ وہاں نجی آراستہ کمرے بھی ہیں جہاں بادشاہ باقی ماندہ وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارتا ہے اور جہاں وہ سوتا ہے وغیرہ۔ کسی شخص کو یہ سوال کرنے سے احتراز کرنا چاہیے کہ عرش الٰہی کی شکل وصورت اور اتا پتہ کیا ہے! یہ لفظ محض مخلوق کے اوپر رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حاضر ناظر ہونے کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔انسان چونکہ صرف مادی ذرائع سے واقف ہے اس لیے یہ بیان غیر مادی اور ماوراء الادراک خدا کی منظر کشی سے قاصر ہے۔ جب تک ہم ان خطوط پر عمل نہیں کریں گے ہم وہ غلطیاں کریں گے جو کچھ معتزلی اور دوسرے مسلمان مفکرین کرتے رہے جو یقینی طور پر اپنی سائنسی تحقیق میں اگرچہ مخلص تھے لیکن بعض اوقات انسانی منطق کی زیادتی کی وجہ سے غلطی کرتے تھے۔

249: میری عاجزانہ و منکسرانہ رائے میں معراج کے بیان کو بھی اسی طرح زیرغور لانا چاہیے جس طرح ہم رب تعالیٰ جل شانہٗ کو بیان کرتے ہیں۔اس پر یقین کیجئے جو قرآن و حدیث کہتے ہیں اور یہ مت بھولیے کہ موضوع کا مواد ہمارے حسی ادراک سے دور کی دنیاؤں کا ہے اور ان چیزوں کے بارے میں ہے جن کا انسانی تخیل محض احساس ہی کر سکتا ہے لیکن اسے بیان نہیں کر سکتا۔ جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ جوہر اور روح ہے۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی جانب اوپر جانا یعنی معراج انسانی ہے۔ ظاہری شکل وصورت اور ''کیسے'' اور ''کہاں'' کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ خالصتاً

روحانی واقعہ ہے۔ جس کا لازمی طور پر عارفانہ وصوفیانہ زاویے سے مطالعہ کرنا چاہیے اسے جغرافیائی یا سیاحی معنوں میں قطعاً نہیں لینا چاہیے۔

250: انسانی مزاج وطبائع یقینی طور پر بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ معراج کے اگلے روز (اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابھی تک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں سنا تھا) کچھ کفار ومشرکین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوست نے اپنی نئی مہم کے بارے میں بتایا ہے کہ انہیں عالم بالا لے جایا گیا اور رب تعالیٰ جل شانہٗ نے خیر مقدم کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ویقین رکھتا ہوں جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے۔'' حتیٰ کہ اس بات کی بھی روایت کی گئی ہے کہ کچھ تعداد میں نو مسلم مرتد وبرگشتہ ہو گئے کیونکہ وہ اس ''صدمہ آمیز'' حقیقت کی حمایت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے اسے اعزاز وافتخار سمجھا تفصیلات دریافت کرنے کے لیے سوال در سوال پوچھنے سے نہ رہ سکے۔ مثلاً رب تعالیٰ کیسے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیسے دیکھا؟ وغیرہ۔۔۔ کئی قسم کے مزاج ہوتے ہیں۔

251: آیئے اس تعارف کا اختتام اس حقیقت کے حوالے سے کریں جس کی طرف عظیم سیرت نگار ابن ہشام نے ہماری توجہ دلائی ہے۔ پیغمبر پر وحی تمام مواقع اور مختلف اشکال میں نازل ہوتی ہے لیکن سب سے پہلی وحی غار حرا میں عالم خواب میں اتری جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے حیران کن نہیں ہونی چاہیے کہ انسانی دل کے لیے ایسا جھٹکا بہت بڑا ہوتا ہے جب انوکھی اور عجیب وغریب بات پہلی دفعہ وقوع ہو۔ کسی فرد کے لیے آسمانی مخلوق سے بلاواسطہ رابطہ جب کہ وہ اس سے مکمل طور پر ناواقف ہو آسان نہیں ہوتا کسی فرد کو بتدریج ہی اس کا عادی ہونا چاہیے۔

معراج کی تفصیلی حقیقت حال

252: الزرقانی کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم 45 ساتھیوں نے کم یا زیادہ تفصیلات کے ساتھ واقعہ معراج بیان کیا ہے۔ (ان افراد کے بیان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے

جنہیں اس واقعہ کا فوری علم نہ ہوا کیونکہ وہ اس وقت کم سن تھے۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت بہت کم سن تھیں لیکن چونکہ بعدازاں وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بنیں اس لیے وہ کسی اور فرد سے زیادہ بہتر پوزیشن میں تھیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تفصیلات حاصل کر سکیں۔ اور کون ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذہانت و فطانت، دانش ورانہ اشتیاق و تجسس اور علم کی پیاس و لگن کو نہیں جانتا؟) واقعہ کے روایت کنندگان کی زیادہ تعداد کے باعث لازمی طور پر کچھ اختلافات ہیں خاص طور پر یہ کہ معراج کے دوران واقعات کس ترتیب سے وقوع ہوئے۔ ابن کثیر نے ان اختلافات کو بیان کرتے ہوئے اپنی منصفانہ و غیر جانبدارانہ رائے بھی دی ہے کہ انہوں نے ایک روایت کو دوسری پر کیوں ترجیح دی ہے۔ ہم اسے کافی وقت دیں گے۔ آیئے پہلے البخاریؒ کے بیان کردہ حقائق کو جمع کر لیں۔

253: ایک رات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اور اپنے آپ کو نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں محسوس کر رہے تھے۔ تب حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھویا۔ انہوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام دہ اور تیز ترین سواری براق پیش کی اور کعبۃ اللہ سے وہ سیدھے پہلے آسمان پر پہنچے۔ محافظین کے دروازہ کھولنے کے بعد پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ دوسرے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا جب کہ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا۔ وہ ایک مسجد کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے جس کا نام ''البیت المعمور'' تھا۔ (یہ بظاہر وہی مسجد ہے جسے قرآن الحکیم ''دور ترین مسجد'' کہتا ہے۔) اس سے آگے سدرہ درخت کی حد شروع ہوئی (القرآن 14/53) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا ''اگر میں اس حد سے آگے گیا تو میں نور الٰہی (تجلی) کے مظاہرے سے جل جاؤں گا لیکن چونکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی گئی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے جائیے۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی موجودگی کی دہلیز تک جانے کے باقی ماندہ راستے کے بارے میں بتایا۔ جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان قلموں کی آواز سنی جو خدائی فیصلوں اور ارادوں کو لکھ رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقدس احاطے میں داخل ہوئے (حظیرۃ القدس) جہاں القرآن الحکیم کے مطابق (9/53) رب تعالیٰ جل شانہٗ اور مہمان کے درمیان دو کمانوں یا حتیٰ کہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور سلاموں کا اس طرح تبادلہ ہوا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''رب تعالیٰ جل شانہٗ کے لیے مقدس ومتبرک، خالص و سچے اور پر خلوص تسلیمات!''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوازش وکرم سے جواب دیا:

''سلام ہو تم پر اے پیغمبر اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔''

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا:

''سلام ہو ہم (موجودہ مسلمانوں) پر اور اللہ کے نیک بندوں پر

پھر القرآن الحکیم (10:53) کے مطابق ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (محمدؐ) کی طرف وحی کی (القا کیا) جو کچھ کہ وحی کی (القا کیا)'' اس میں بارہ احکامات کا اضافہ کیا (القرآن 29-23/17) اسی طرح کے حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس احکامات وصول کیے تھے۔ ہم اس موضوع کی طرف پھر لوٹیں گے۔ احادیث کے مطابق رب رحمٰن ورحیم نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کریمانہ ورحیمانہ وعدہ کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعزاز وافتخار بخشا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والا ہر فرد جو رب وحدہٗ لاشریک پر یقین وایمان رکھتا ہے اسے بخش دیا جائے گا اور اگر ضرورت پڑی تو اسے پہلے دوزخ میں گناہوں کی کچھ سزا دے کر پاک کیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش الٰہی کے خزانے سے القرآن الحکیم کی دوسری سورت کی آخری دو آیات لے کر رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ اور

یادگار و نشانی کے طور پر عطا کیں۔ آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے روزانہ کی پانچ نمازیں فرض فرمائیں (بنیادی طور پر 50 نمازیں تھیں لیکن بعدازاں واپسی کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی کی دہلیز پر کئی مرتبہ جا کر بتدریج کم کراتے ہوئے بالآخر پانچ کرائیں جس میں ہر ایک کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے۔ (القرآن 160:6) راستے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت، اس کی نعمتیں و مسرتیں دکھانے کے ساتھ ساتھ وہ افراد دکھائے جو اس کے مستحق ہیں۔ اسی طرح دوزخ، اس کا عذاب و ہولناکیاں اور وہ لوگ جو اس کے حقدار ہیں دکھائے گئے۔ عالم بالا سے نیچے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یروشلم پہنچے جہاں تمام سابقہ پیغمبروںؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا اور درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شکرانہ کی امامت فرمائیں۔ کیا انہوں نے اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری مکمل نہیں کر لی تھی اور کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ذمہ داری شروع نہیں ہو چکی تھی؟ پھر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ پہنچے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نیند سے بیدار ہوئے۔ البخاریؒ یہاں اختتام کرتا ہے۔

254: اس واقعہ کے حوالے سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ذہنوں میں کئی سوالات پیدا ہوئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

255: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ جل شانہٗ کو دیکھا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا؟'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس معاملے کے حوالے سے اپنے شاگردوں کو یہ جواب دیا کرتی تھیں کہ القرآن الحکیم (103:6) کے مطابق انسانی نظر رب تعالیٰ جل شانہٗ کا احاطہ نہیں کر سکتی اور (القرآن 51:42) رب تعالیٰ جل شانہٗ کسی فرد سے بات نہیں کرتے سوائے اس کے کہ وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے پیغام پہنچاتے ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توجہ القرآن الحکیم کی آیات 53:13-14 اور 23:81 کی طرف دلائی گئی جن میں کہا گیا ہے کہ ''اور اس نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔'' ''اور اس نے اس کو کھلے افق پر یقیناً دیکھا ہے۔'' تو حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ کے (اصلی) روپ میں دیکھا۔ اور وہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات پاک نہیں تھی۔

256: معراج میں رب تعالیٰ جل شانہٗ سے ملاقات اور یروشلم میں انبیاء کرام علیہ السلام کی امامت دو ایسے واقعات ہیں کہ جن کے وقوع ہونے کی ترتیب پر رائے کا اختلاف ہے۔ ابن کثیر کی طرح وہ افراد جو یروشلم کے واقعہ کو معراج سے واپسی کا واقعہ قرار دینے کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں وہ کئی دلائل بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ فطری امر ہے کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی مبارکباد دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز شکرانہ کی امامت کی درخواست کی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے ہی رب تعالیٰ جل شانہٗ کی کرم نوازی کے مرکز تھے جب کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پیغمبرانہ ذمہ داریاں ختم ہو چکی تھیں۔ جب ان سکالرز سے قرآن الحکیم کی آیت 1:17 کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رب تعالیٰ جل شانہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام (کعبہ) سے دور ترین مسجد (المسجد الاقصیٰ یروشلم) لے گئے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ القرآن الحکیم (3:30) کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فلسطین ''قریب ترین سرزمین'' ہمسایہ ملک یعنی عرب سے اگلا ملک تھا۔ چنانچہ دور ترین مسجد قریب ترین ملک میں نہیں ہو سکتی بلکہ ان سکالرز کے خیال میں دور ترین مسجد کہ جس کا حوالہ آیت 1:17 میں دیا گیا ہے اس کا تعلق آسمانی مسجد سے ہے جہاں فرشتے نماز کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں۔ (سہیلی ''روض الانف'') کعبہ (نئے یروشلم) اور آسمانی مسجد کے محور کا تعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کعبہ اس آسمانی مسجد کے بالکل عین اس طرح نیچے ہے کہ اگر وہاں سے ایک پتھر نیچے پھینکا جائے تو وہ سیدھا کعبہ کی چھت پر گرے گا۔

257: آسمانوں کے اس سفر کو قرآن الحکیم (60:17) نے ''وہ خواب جو ہم نے آپ کو لوگوں کی آزمائش کے لیے دکھایا۔۔۔'' ہم حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ معراج سے واپسی پر سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور اپنے آپ کو کعبہ کے صحن میں پایا۔ طبری اور رازی دوسرے دلائل دیتے ہیں۔ ان کے

مطابق ''اگر یہ خواب ہی کا سوال ہوتا تو مکی کفار و مشرکین کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی کوئی وجہ نہیں تھی سوائے اس الزام کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے ہیں (نعوذ باللہ)'' تاہم میری عاجزانہ گزارش ہے کہ مشرکین نے خواب کے نظریہ کے خلاف بغاوت نہیں کی بلکہ اس واقعہ کے خلاف بغاوت کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دشمن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عزت و مروت کے ساتھ خیر مقدم کیا کہ اس سے بڑی عظمت وفضیلت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات لازماً ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ پیغمبروں کے خواب ان کی بیداری کے معاملات کی نسبت کم اہمیت نہیں رکھتے۔ قرآن الحکیم (105-102/37) کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا گیا۔ بائبل کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا۔ (12/18,I) رب کریم ورحیم خواب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی نظر آئے۔ ہمیں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ان الفاظ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھے۔

258: معراج کے وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند یا بیداری کی حالت اور یہ کہ جسم کے ساتھ یا صرف روح کے ساتھ کا سوال بہت پہلے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس نکتے کے حوالے سے خود کوئی واضح بیان دیتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ابن اسحٰق رپورٹ کرتا ہے کہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق معراج خواب میں ہوئی۔ اور انہوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک غائب نہیں ہوا۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک لے جائی گئی۔'' یہی بات حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ ابن القیم (زاد المعاد) کے مطابق الحسن البصری بالکل یہی رائے رکھتے تھے۔ خود ابن القیم یہ بات نبھاو ترجیح دیتے ہیں کہ عالم بالا کا یہ سفر ان ساعتوں میں ہوا جب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صرف روحانی طور پر بیدار تھے۔ بعد کے سکالرز میں ولی اللہ دہلوی عقلی سائنس و روحانی سائنس دونوں کے ملاپ میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق معراج اگرچہ جسمانی تھی

لیکن جسم اس وقت روحانی صفات کی تحویل میں تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے دوسرے ساتھیوں کے بیان کے مطابق معراج درحقیقت جسمانی تھی اور حقیقی نقل مکانی بھی ہوئی۔ جب شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز ساتھی بذات خود مختلف آراء رکھتے ہیں تو ہم مسلمانوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم اس بے سود بحث میں کسی کی طرف داری نہ کریں۔ اس کی بجائے آیئے رب عظیم وکریم کی عنایت ونوازش سے روحانی فائدہ اٹھائیں کہ اس نے انسانیت کو معراج عطا کی۔ خاص طور پر جب کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود یقین دہانی کرائی ہے (ابن حنبلؒ، III، 399,321) کہ ''نماز مومن کی معراج ہے۔'' اور ایک اور بیان میں ''نماز رب تعالیٰ جل شانہٗ کا قرب ہے۔'' دوسروں کی طرح ہفتہ میں محض ایک بار نہیں بلکہ روزانہ پانچ یا اس سے زائد دفعہ مسلمان کو رب تعالیٰ جل شانہٗ اپنی بارگاہ میں شرف باریابی بخشتے ہیں اور اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

259: ان تمام سابقہ سکالرز سے انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ کہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج میں نقل مکانی جسمانی تھی میں حیرانی وحیرت سے یہ کہوں گا کہ کیا یہ نقل مکانی کا نظریہ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ کے خلاف تو نہیں جاتا؟ القرآن الحکیم (16:50) رب تعالیٰ جل شانہٗ کے الفاظ بیان کرتا ہے کہ ''۔۔۔اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔'' مزید (القرآن 56:84-85) یہ کہ ''(قریب المرگ) اور تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں۔'' پھر مزید (القرآن 58:7) یہ کہ ''کوئی خفیہ مشورہ تین آدمیوں کے مابین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چوتھا ہوتا ہے اور جو مشورہ پانچ آدمیوں میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔'' یا یہ کہ (القرآن 57:4) ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔'' اسی معنی ومفہوم کی اور آیات بھی ہیں۔ اگر رب تعالیٰ جل شانہٗ ہمارے ساتھ نہیں ہیں اور ہمارے بہت قریب نہیں ہیں اور یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو لازماً عالم بالا میں ان کے عرش پر ہی تلاش کیا جانا چاہیے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا۔۔۔نعوذ باللہ۔۔۔کہ وہ ذات پاک عرش سے چھوٹی ہے۔ عرش عالم بالا سے چھوٹا ہے اور عالم بالا کائنات سے چھوٹا ہے۔

260: سب سے بہترین بات یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھا جائے۔ چونکہ ان میں

سے کسی بھی تشریح وتوضیح اور استخراج واستنباط کا منبع و ماخذ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان نہیں اس لیے آراء کے اختلافات کسی بدعت اور غیر مستند ہونے کے الزام کی بنیاد نہیں بنتے ۔ ہر شخص اس امر میں آزاد ہے کہ وہ اس روشنی کی پیروی کرے جو اسے رب تعالیٰ جل شانہٗ نے عطا فرمائی ہے اور اس سکالر کے دلائل کو قبول کرے جو اسے قائل کرے اور آیئے ہم بردبار وروادار بنیں۔

261: پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی معراج جس کے دوران انہوں نے رب تعالیٰ جل شانہٗ سے دس احکامات وصول کیے (عہد نامہ قدیم، II، 3/20-17؛ تورات، V، 6/5-21) اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہ احکامات عطا ہوئے (القرآن 39-23/17) یہ ممکن ہے کہ ان احکامات کا موازنہ کیا جائے۔

	☆قرآن☆		☆بائبل☆
1	صرف ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔	1	میرے سوا تمہارے کوئی دیوتا قطعاً نہیں ہوں گے۔
2	والدین سے مہربانی سے پیش آؤ۔	2	تم اپنے لیے قطعاً کوئی تراشیدہ بت نہیں بناؤ گے اور نہ ان کے آگے جھکو گے۔
3	رشتہ دار، مسکین اور راہ گیر کو اس کا حق دو	3	تم اپنے مالک خدا تعالیٰ کے نام کا غلط استعمال بالکل نہیں کرو گے۔
4	نہ ہی کنجوس بنو اور نہ ہی فضول خرچ	4	یوم سبت کو یاد رکھو
5	غربت کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔	5	اپنے ماں باپ کی عزت کرو۔
6	زناء اور بدکاری کے قریب مت جاؤ	6	تم بدکاری قطعاً نہیں کرو گے
7	کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔	7	تم قتل بالکل نہیں کرو گے۔
8	سوائے اس کی بھلائی کے کسی یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ۔	8	تم چوری قطعاً نہیں کرو گے۔

9 عہد کو پورا کرو۔
10 پورا تول تولو

9 تم غلط گواہی بالکل نہیں دو گے۔
10 تم اپنے ہمسائے کے مکان، بیوی، ملازم، بیل، گدھا اور کوئی اور چیز جو کہ تمہارے ہمسائے کی ملکیت ہو اس کی قطعاً لالچ اور خواہش نہیں کرو گے۔

11 جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔
12 فخر و اکڑ سے زمین پر مت چلو۔

262: ان بارہ احکامات کو بیان کرنے کے بعد قرآن الحکیم اضافہ کرتا ہے کہ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اس حکمت میں سے ہے کہ جسے آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور سوائے اللہ کے کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔۔۔۔''
263: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم سیرت نگار جناب سلیمان ندوی کے مطابق قرآن الحکیم کی مکمل سورت 17 معمول کے انحراف و تجاوز کے ساتھ صرف معراج کے بارے میں ہی ہے۔ وہ اس کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں۔
264: معراج کو رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طاقت و قدرت کا اظہار اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی عنایت و رحمت کے طور پر سمجھنا چاہیے کہ جس ذریعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا میں بارگاہ الٰہی کی دہلیز تک پہنچائے گئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا گیا۔ بارہ احکامات کا نفاذ کیا گیا۔ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سے انکار کیا انہیں جواب دیا گیا۔ اور قرآن الحکیم رب تعالیٰ جل شانہٗ کی جانب سے نازل کیا گیا۔ حیات بعد از ممات اور معجزات کی صداقت کا دعویٰ کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کا اشارہ دیا گیا۔
265: اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ بائبل نے دس احکامات کا ذکر کیا ہے جب کہ قرآن الحکیم (101/17) کہتا ہے کہ ''ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دیں۔۔۔۔'' یقینی طور

پر حوالہ دس احکامات کا دیا گیا ہے سوائے چوتھے حکم کے جو کہ یوم سبت کے بارے میں ہے جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کے مطابق صرف یہودیوں سے متعلق تھا۔ اس کی روایت ترمذی، ابن حنبل، نسائی، ابن ماجہ، طبری وغیرہ نے کی ہے۔ القرآن الحکیم (124/16) بھی اس کی وضاحت کرتا ہے کہ یوم سبت عام قانون الٰہی نہیں تھا بلکہ صرف یہودیوں کے لیے ان کے جھگڑے کی وجہ سے لاگو کیا گیا تھا (عبادت و پرستش کے لیے ہفتہ وار یوم کا جھگڑا)۔

266: آخر میں آیئے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے عرش کے خزانے سے دیئے گئے خدائی تحفے کے سوال کی جانب رجوع کرتے ہیں جو کہ قرآن الحکیم کی دوسری سورت کی آخری دو آیات تھیں۔ وہ یہ ہیں:۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا ہے۔ اور مسلمانوں نے بھی مان لیا۔ سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''ہم اللہ کے رسولوں کے مابین امتیاز و فرق نہیں کرتے'' اور وہ کہتے ہیں کہ ''ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب! ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

''اللہ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتے۔ نیکی کا فائدہ بھی اسی کو (عمل کرنے والے کو) ہوگا اور برائی کی زد بھی اسی پر پڑے گی۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑیئے۔ اے ہمارے رب! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوایئے جس کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کر دیجئے اور ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم کیجئے آپ ہی ہمارے کارساز ہیں۔ کافروں کے مقابلہ میں آپ ہماری مدد فرمایئے۔''

267: یہ سب کچھ حقیقی طور پر بہت شاندار ہے یہ کس قدر عظیم اور بہتر اعلان ہے کہ ''رب تعالیٰ جل شانہٗ کسی شخص کی اس کی استطاعت کے مطابق ہی آزمائش فرماتے ہیں۔'' کیا اس سے عظیم تر مہربانی اور عنایت ہو سکتی ہے؟ کیا کوئی شخص اپنے اعمال و افعال میں بالکل مکمل تھا تو پھر بنی نوع انسان کے ساتھ کیا ہوتا؟ جب کہ کسی کی استطاعت کے مطابق اس کے عمل کی رعایت نے ہر شخص کو امید دلا دی ہے حتیٰ کہ جو بہت زیادہ عاجز و افی ہیں۔ اور ''جو نیکی ہم کرتے ہیں'' اور

"جو غلطی ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں۔" ان دونوں باتوں میں گہرے فرق نے بھی رب تعالیٰ جل شانہٗ کا کرم ظاہر کیا ہے۔ مزید یہ کہ پہلی دو آیات بین الاقوامی اور بین المذاہبی تعلقات کے لیے انسانیت پر عظیم ترین رحمت و کرم ہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کو حکم دیتی ہیں کہ تمام پیغمبروں پر ایمان لے آؤ اور تمام نازل شدہ کتابوں پر ایمان لے آؤ بجائے اس کے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم پر ایمان لے آؤ۔ اس قسم کی رواداری دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ صرف اس سے ہی لوگوں میں مذاہب اور نسلوں کے فرق کے باوجود زمین پر امن قائم ہو سکتا ہے۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے بھی امن اور انصاف ہوتا ہے۔

آخری کلمات

268: معراج کے سفر سے واپسی پر جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے "شبانہ سفر" کے دوران اپنے روحانی تجربے کو بیان کیا تو ردعمل مختلف تھے۔ کچھ مکیوں نے اس کا تمسخر اڑایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "یروشلم کے شہر کے بارے میں بیان کرو جسے ہم نے دیکھا ہوا ہے۔" دوسرے لوگ جو کہ فلسطین سے آنے والے قافلے کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس لمحے ہمارا وہ قافلہ کہاں تھا۔ کوئی شخص تازہ ترین "سکینڈل" کے بارے میں بتانے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دوڑا ہوا گیا لیکن اس وفادار انسان اور مخلص مسلمان نے یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کی کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔" اس دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "صدیق" کا قابل رشک خطاب جیتا۔ (صدیق یعنی نہایت سچا)

269: ماہ رمضان کے دوران غار حرا میں پہلی وحی کی نزول کی رات کے دس سال بعد یہ معراج کی رات تھی جب ماہ رجب کی 27 ویں تھی۔ اسے مسلمان انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ مناتے ہیں۔

آزمائشوں کی رات کی آخری ساعتیں

270: معراج کے بعد پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کو جاری و ساری

رکھنے میں زیادہ مستعد و مصمم ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہم وطنوں سے کوئی زیادہ توقع نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بھرپور مخالفت و مخاصمت کر رہے تھے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے گزرتے ہوئے اجنبیوں کو نظر انداز نہ کیا۔ صحیح طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ واقعات کس تاریخی ترتیب سے ہوئے تاہم یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے آخری سال کے دوران وقوع ہوئے۔

271: ابن حجر (''الاصابہ'' نمبر 961) ہمیں بتاتا ہے کہ وسطی عرب کے قبیلے بنوحنیفہ کا سردار ثمامہ ابن اثال جب مکہ آیا تو اس نے ایک دفعہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''اگر آپ مزید بولے تو میں آپ کو قتل کر دوں گا (نعوذ باللہ)'' ابن حجر دوسری تفصیلات بیان نہیں کرتا۔

272: یمن کے دوس قبیلہ سے تعلق رکھنے والا طفیل ابن عمرو ایک شاعر تھا اور اپنے خاندان و برادری کا سردار تھا۔ اسے بتایا گیا اور وہ یقین رکھتا تھا کہ جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سنتے ہیں ان کے خاندانوں میں بدامنی و انتشار پھیل جاتا ہے اور بیویوں، شوہروں، بچوں اور والدین میں جدائی ہو جاتی ہے۔ طفیل نے اس بات کو اس قدر سنجیدگی سے لیا کہ جب بھی وہ کعبہ کے سامنے پہنچتا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں پاتا تو وہ اپنے کانوں میں احتیاطاً روئی ٹھونس لیتا تا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جادو سے بچ سکے۔ ایک دن اس نے اپنے آپ سے کہا ''میں بھی کتنا وہمی اور توہم پرست ہوں! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سننے سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ میں کافی کامن سینس رکھتا ہوں کہ بذات خود یہ پرکھ سکوں کہ ان کے الفاظ کیا قدر و قیمت رکھتے ہیں۔'' انہوں نے القرآن الحکیم سنا اور فوری طور پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس سے مشرکین مکہ کو سخت افسوس ہوا۔ (ابن ہشام، ص 252-4)

273: یمن کے قبیلہ ازد سے تعلق رکھنے والا ضماد بہت بڑا جادوگر مانا جاتا تھا۔ مکہ آمد پر اسے قریش سے اپنے ''حریف'' کی موجودگی کا علم ہوا۔ ضماد نے ضمانت دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرنے جا رہا ہے (نعوذ باللہ) پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جادو کے الفاظ'' سننے کا تقاضا کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی تعریف و توصیف، خصوصیات اور

طاقت وقدرت کے بارے میں حمد سنائی۔ ضماد اس سے اس قدر مسحور ومتاثر ہوئے کہ انہوں نے مطالبہ کر کے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے تین بار سنا۔ پھر وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مسلم، ا، 237؛ ابن حنبل نمبر 2749؛ بخاری ''تاریخ کبیر'')

باب 20

مدینہ میں اشاعت اسلام

274: نبی ٔ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی مکہ آنے والے غیر ملکیوں میں اشاعت اسلام کی کوششوں میں اضافہ فرمایا تو مکہ والے اور زیادہ پریشان و پرتشویش ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں سالانہ حج کا عرصہ و موقع خاص اہمیت کا حامل ہوتا تھا۔ کفار و مشرکین مکہ خصوصاً سنگدل جانی دشمن ابولہب اسلام کے خلاف ضرر رساں مخالفانہ و مخاصمانہ نظریات و خیالات پھیلانے کے لیے سخت محنت و مشقت کرتا تھا۔ سمہودی (دوسرا ایڈیشن صفحہ 221-222) کے ذرائع کے مطابق ہجرت مدینہ سے پانچ یا چھ سال پیشتر ہی مکہ مکرمہ میں حج کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اوس قبیلہ کے چند افراد سے ملاقات کر چکے تھے جو خزرج قبیلہ کے خلاف مکیوں کو اپنا اتحادی بنانے کے لیے مکہ آئے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام قبول نہ کی تاہم وہ مشرکین مکہ سے فوجی اتحاد قائم کرنے میں بھی ناکام رہے۔ اس کے جلد بعد ہی مشہور جنگ بعاث لڑی گئی۔ جس میں اوس نے خزرج کو شکست دی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ یہ اس دوران ہوئی جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معاشرتی بائیکاٹ جاری تھا۔ قدیم مؤرخین (ابن ہشام، ص 281) نے معاشرتی بائیکاٹ کے خاتمے اور طائف کے دورہ کے اگلے سال پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں و کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مضافات میں منیٰ کے مقام پر غیر ملکی حاجیوں کے کوئی 15 قبائلی وفود سے ملے۔ ابن ہشام (ص 282، 283) واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کی کوششوں میں تھے تاکہ بوقت ضرورت شہر سے باہر جانے کی ضمانت مل سکے اور حفاظت و دفاع بھی حاصل کیا جا سکے۔ ان ملاقاتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہی

فرماتے تھے کہ ''مجھے تحفظ دو اور میری تعلیمات پر عمل کرو اور یہ کہ آپ جلد ہی ایرانی اور بازنطینی سلطنتوں کے مالک و فرمانروا ہو جائیں گے۔'' بے شمار واقعات (ابن ہشام ص 278، 326؛ سہیلی، II، 6؛ بلاذری، I، 268؛ ابن سعد 1/I، ص 134؛ طبری، I، 1162) سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن کے ابتدائی سالوں ہی سے اس بارے میں پر یقین و پر اعتماد تھے۔

275: ان پندرہ قبائل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات میں رویہ اگرچہ مختلف مگر منفی تھا۔ کوئی ترشی و تلخی سے پیش آیا تو کسی نے شائستگی سے انکار کیا۔ کسی نے حیلے بہانے سے کام لیا تو کسی نے طنز کی۔ مزید یہ کہ ابولہب ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کرتا تھا۔ کس قدر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کوششیں اور کاوشیں جاری و ساری رکھیں! حالانکہ مسلسل ناکامیاں ہوئیں۔ آخر کار اپنی 16 ویں کوشش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھ رکنی مدنی وفد سے عقبہ کے مقام پر ملے (یہ مقام مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب ایک تنگ درہ سے بالکل قریب چند قدم کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ درہ میدان منیٰ کی طرف جاتا ہے۔ شروع میں اس مقام کا کوئی خاص نام نہیں تھا۔ قدیم لوگ اسے بطور حوالہ ''عند العقبہ'' (یعنی ''تنگ درے کے نزدیک) کہتے تھے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوت اسلام دی اور آپس میں مختصر صلاح مشورے کے بعد یہ مدنی افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (ابن ہشام، ص 278؛ بلاذری، I، 566) اس میں کسی ایک فرد کا سوال نہیں تھا بلکہ پوری پارٹی تھی۔ سوال یہ ہے کہ مدنیوں کے اس گروپ نے اپنے ہم عصر عربیوں سے مختلف رد عمل کا مظاہرہ کیوں کیا؟

276: عربوں کے بعد مدینہ شہر میں معقول تعداد میں یہودی رہتے تھے۔ آبادی کے یہ دونوں حصے اندرونی طور پر انتشار کا شکار تھے۔ مزید یہ کہ عربوں کے ایک گروہ نے عربوں اور یہودیوں کے دوسرے گروپوں کے مابین حریفانہ کنفیڈریشن کے خلاف اپنے دفاع کی خاطر یہودیوں کے دوسرے گروہ سے اتحاد قائم کر لیا تھا۔ سمہودی (I، 215) کے مطابق 120 سال سے جاری ان خانہ جنگیوں نے فریقین کو تھکا دیا تھا۔ نتیجتاً بعاث کی جنگ میں تازہ شکست خوردہ عرب گروپ کے نمائندے مکیوں سے باہمی امداد و تعاون کے معاہدے کی کوشش کرنے کے لیے مکہ آئے ہوئے

تھے۔(ابن ہشام،ص285؛بلاذری،I،562)یقینی طور پر چھ نومسلم مدنی سابقہ فتح منداور تازہ شکست خوردہ گروہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ یادرکھنا چاہیے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مادری آباءواجداد کے ذریعے خزرج سے روابط ورشتہ داری رکھتے تھےاور یہ کہ دونوں قبیلوں یعنی مکی اور مدنی کے درمیان ہمیشہ قریبی تعلقات رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مدنیوں کا ایک گھڑسوار دستہ جناب عبدالمطلب کی مدد کے لیے آیا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد مدینہ منورہ میں اسی قبیلہ کی زمین میں دفن کیے گئے تھے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ اپنے مدنی رشتہ داروں سے ملنے گئے تھےاور آخری بات یہ کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تجارت کے حوالے سے ان سے ملنے اکثر وہاں جاتے تھے۔ (ابن ہشام،ص 294) اس کے علاوہ دوسرے عربوں کے مقابلے میں پیغمبرانہ معاملات کے حوالے سے مدنی زیادہ علم ومعلومات رکھتے تھے۔ یہودیوں کی ہمسائیگی اوران سے اتحاد کی وجہ سے کئی افراد نے اگرچہ یہودیت بھی قبول کرلی تاہم عرب مؤرخین (ابن ہشام،ص 276) بتاتے ہیں کہ یہودی اکثر وبیشتر مدنی کفار ومشرکین کوان کے پیغمبرانہ معاملات میں جہالت کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھےاور اکثر جھگڑے عام طور پر یہودیوں کے اس دعویٰ پر ختم ہوتے تھے کہ جیسے ہی ''پیغمبر منتظر'' آئے گا یہودی اس کی پیروی کریں گےاور مشرکین کوشکست دے دیں گے۔اس قسم کے دعوی کا یقینی طور پراہم نفسیاتی اثر ہوتا تھا۔

277: سچا، خالص اورصحت مند ذہن رکھنے والے چھ مدنی افراد کو درج بالا حقائق نے بھی مدد دی اورانہوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام میں کشش محسوس کی۔دراصل وہ اس طرح یہودیوں پر فوقیت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ابن ہشام (ص 285) کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مدنیوں سے بھی برابر رابطہ کیا۔اس دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے حریف قبیلہ اوس سے گفت وشنید کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بہر حال ان چھ نومسلم مدنیوں نے مدینہ واپسی پر ''پیغمبر منتظر'' پرایمان کی تبلیغ واشاعت میں زیادہ دیر نہ لگائی اور فطری وقدرتی طور پرسارا شہراس بارے میں گفتگو کرنے لگا۔اگرچہ نئے دین کے بارے میں ان کا علم سطحی تھا تاہم سابقہ عقیدہ ونظریہ ترک کرکے نیا دین اختیار کرنے کی کوششیں سود مند ثابت

ہوئیں۔ قبیلہ اوس والے تب سے قریش سے مایوس ہو چکے تھے جب انہوں نے قریش کے ساتھ فوجی اتحاد کی کوشش کی تھی (السمہودی "وفاء الوفاء" بیروت 1955 ایڈیشن، I، 6/215) چنانچہ یہ امر تعجب خیز نہیں تھا کہ مدینہ میں نئے دین اسلام کی قبولیت نے اوس کو بھی برابر کا متاثر کیا تھا۔ نتیجتاً 10 خزرج اور 2 اوس نومسلم افراد کے ایک وفد نے ایک سال بعد حج کے موقع پر اسی پہلی جگہ عقبہ پر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی قسم کھائی یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ بنیادی چھ افراد نے اپنی پہلی ملاقات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا "ہمارے لوگ طرفین کی تباہی و بربادی کا موجب بننے والی جنگوں سے بہت زیادہ بکھر اور منتشر ہو چکے ہیں۔ ہوسکتا ہے رب تعالیٰ جل شانہٗ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداخلت کے باعث اس تباہی سے محفوظ و مامون فرمائیں۔ ہم اس مقصد کے تحت تبلیغ کرنے جا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو اس بات کی دعوت دیں گے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعوت دی ہے اور جسے ہم نے قبول کیا ہے۔" (ابن ہشام، ص 287) قبیلہ خزرج کی طرح اوس قبیلہ کے افراد بھی کم آرزو مند نہیں تھے کہ وہ "پیغمبر منتظر" کے گرد جمع ہوں لیکن انسانی کمزوری کو مدنظر رکھا جانا چاہیے۔ ابن ہشام (ص 290؛ سمہودی ص 224، 249-250) کی رپورٹ کے مطابق عقبہ میں دوسری ملاقات کے جلد ہی بعد جب مدنی مسلمان ایک جماعت کی شکل میں نماز ادا کرنا چاہتے تھے تو خزرج اور اوس دونوں نے ایک دوسرے کا امام قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن دونوں قبائل نے اس مرضی و منشاء کا متفقہ اظہار کیا کہ کسی مکی کو مقرر کیا جائے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکی کو بھیجا تا کہ وہ ان کو تعلیم بھی دیں اور نماز کے لیے جماعت کی امامت بھی کریں۔ حتیٰ کہ بعد میں بھی صورت حال بہتر نہیں تھی۔ خزرج اور اوس دونوں قبائل ایک دوسرے کے گاؤں میں جانے کی جرأت و جسارت نہیں کرتے تھے۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم قبا پہنچے تو حضرت بنوعمرو ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا۔ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "اسعد ابن زرارہ (خزرجی) کہاں ہے؟" جواب ملا کہ "اس نے جنگ بعاث کے دوران ہمارے قبیلے کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس لیے وہ یہاں آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔" لیکن وہ بعد ازاں رات کے وقت دیر سے اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر آیا اور ضرور آیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرانی کو

دیکھتے ہوئے اس نے کہا ''جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہوں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہنے کے لیے کیسے نہیں آ سکتا چاہے مجھے اپنی جان بھی داؤ پر لگانی پڑے؟'' اس نے رات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری۔ اگلی صبح رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس قبیلہ کے چند سرکردہ معزز افراد کو ہدایت کی کہ اسے پناہ وحفاظت دی جائے۔ اس کے لئے حضرت سعد ابن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت زیادہ اصرار و تاکید کی ضرورت پڑی۔ جو حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ یہ غیر متوقع منظر دیکھ کر سب بول اٹھے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ہر کوئی اسے پناہ وحفاظت دیتا ہے۔'' اس کے بعد حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر صبح اور ہر شام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے امن وامان کے ساتھ ملنے آتے تھے۔ (سمہودی، I، 249-250) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اتنا آسان نہیں تھا۔

278: عقبہ کے مقام پر 12 مدنیوں نے جو قسم کھائی اس کا متن ہم تک پہنچا ہے۔ وہ یہ ہے:

''سکون ہو یا بے سکونی، خوشی ہو یا غمی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر فوقیت وترجیح حاصل ہے۔ ہم رب تعالیٰ جل شانہ' کی خاطر کسی حقیر سمجھنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ اس امر پر اتفاق ہے کہ ہم رب تعالیٰ جل شانہ' کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ ہم اپنے بچوں کو کبھی بھی قتل نہیں کریں گے۔ ہم ایک دوسرے پر بہتان نہیں باندھیں گے اور یہ کہ کسی اچھے عمل میں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔''

وہ اس قسم کے پر جوش اور مخلص لوگ تھے۔ انہوں نے مزید کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت دیں تو ہم کل صبح ہی یہاں منیٰ میں مشرکین کے اجتماعات پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رب ذوالجلال نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔''

(ابن حنبل، III، 462؛ ابن الجوزی ''وفا'' ص 226)

279: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا ''اگر تم اپنی قسم پر قائم رہو گے تو اس کا بدلہ جنت

ہے اور اگر تم اسے کسی طرح توڑو گے تو پھر یہ رب تعالیٰ جل شانہ پر منحصر ہے کہ وہ تمہیں سزا دیں یا معاف فرمادیں۔'' (ابن ہشام، ص 289)

279: الف: سمہودی (ص 857؛ ابن قدامہ ''الاستبصار فی نسب الصحابہ من الانصار'' ص 174) کی یہ روایت بھی شاید اسی دور سے منسلک ہے کہ ''جب حضرت رفیع ابن مالک الزرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ کے مقام پر ملاقات کی تو انہوں نے اس وقت تک کے نازل شدہ تمام قرآن الحکیم کی ایک کاپی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ حضرت رفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی اپنے قبیلے کی مسجد میں قرأت کیا کرتے تھے۔ دنیا کی پہلی مسجد جہاں ایسا مقدس ومطہر عمل ہوتا تھا۔''

280: ایک اور واقعہ دو مختلف طریقوں سے رپورٹ کیا گیا ہے۔ ایک بیان کے مطابق کہ مدنی مسلمانوں جنہیں اب انصار (مددگار کہا جاتا تھا) نے عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مدینہ منورہ میں اسلامی قوانین وضوابط کا ماہر ایک شخص بھیجا جائے جو مسلمانوں کو ان کے مذہب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تبلیغ بھی کرے۔ دوسرے بیان کے مطابق یہ کچھ عرصہ بعد کی بات ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ ان کے پاس مکہ معظمہ سے ایک دینی استاد بھیجا جائے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے لیے منتخب فرمایا۔

(پہلا بیان: ابن ہشام، ص 289، دوسرا بیان: بلاذری، ا، پیرا 566)

281: استاد محترم کا کام آسان نہیں تھا۔ استاد محترم ایک نومسلم سردار حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ٹھہرے۔ ایک دن حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر لے گئے۔ استاد اور مبلغ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باغ میں کنوئیں کے نزدیک ڈیرہ ڈال لیا اور جلد ہی وہاں ڈھیروں ملاقاتی پہنچ گئے۔ باغ کے مالک حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نئی ''بدعت'' کو پسند نہ کیا اور اس نے وہاں پر موجود حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''ازراہ لطف وکرم جایئے اور ان دو اشخاص (استاد محترم اور اس کے میزبان حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یہاں سے رخصت

کیجئے۔ اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرا قریبی رشتہ دار ہے۔ اگر وہ یہاں نہ ہوتا تو میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ انہیں بتا دیجئے کہ وہ ہمارے گھر کا آرام وسکون برباد نہ کریں۔'' حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نیزہ لیا اور ان کے پاس جا کر اشتعال انگیز زبان میں کہا'' تم یہاں کمزور ذہن لوگوں کو گمراہ کرنے کیوں آئے ہو؟ اپنی حفاظت کی خاطر جتنا جلد ممکن ہو سکے یہ جگہ چھوڑ دو'' استاد محترم اور مبلغ نے انتہائی شرافت و متانت سے کہا'' کیا آپ یہاں تھوڑی دیر بیٹھنا پسند فرمائیں گے اور سنیں گے کہ میں کیا کہنے کو لایا ہوں؟ اگر یہ آپ کو خوشگوار محسوس ہو تو۔۔۔۔ ورنہ میں فوری طور پر دور چلا جاؤں گا۔'' حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' یہ بالکل صحیح بات ہے۔'' اور حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے وضاحت سے بتایا کہ اسلام کیا ہے اور قرآن الحکیم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت قرآن ختم کرنے سے پیشتر ہی حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر ظاہر ہوتی مسحوری کو ملاحظہ کیا جا سکتا تھا۔ بعد ازاں حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا'' کس قدر شاندار ہے! کوئی شخص یہ مذہب اختیار کرنے کے لیے کیا کرتا ہے؟'' اس نے مزید کہا ''میں کسی شخص کو آپ کے پاس بھیجوں گا جو کہ اس قبیلے کی ممتاز و نمایاں شخصیت ہے۔ اگر آپ اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمام قبیلہ نیا دین قبول کر لے گا۔'' حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے دوستوں کے پاس واپس آ کر اس نے کہا'' یہ شخص کوئی غلط بات نہیں کر رہے۔ میں نے انہیں ان کے ساتھیوں کو یہ جگہ چھوڑنے کے لیے کہا ہے لیکن وہ ضد کی حد تک ڈٹے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ہم وہی کچھ کریں گے جو چاہیں گے۔'' اس کے علاوہ مجھے پتہ ہے کہ تمہارے حریف قبیلہ بنو حارثہ کے افراد تمہارے رشتہ دار حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے ہوئے ہیں۔ جس نے نئی ''بدعت'' کو قبول کر لیا ہے اور وہ تمہاری بے عزتی کرنا چاہتے ہیں۔ (جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہیں چنانچہ آپ اپنے ہم مذہب مشرکین کے خلاف اس کا دفاع نہیں کریں گے لیکن وہ تمہارا قریبی رشتہ دار بھی ہے اور اس کا ناحق خون بہانا تمہاری بے عزتی ہوگی) حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ ایجاد کر لیا یعنی گھڑ لیا تا کہ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استاد محترم اور مبلغ کے پاس جا کر خود بات کریں جن کی ساحرانہ طاقتوں کے

حوالے سے حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔ حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا "تم معاملے کو سلجھانے کے قابل نہیں ہو۔" انہوں نے نیزہ لیا اور استاد و مبلغ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے جن کی انہوں نے شدید سرزنش کی۔ چند لمحات کے بعد وہ واپس گھر آتے دکھائی دیئے وہ کہہ رہے تھے "میں کون ہوں؟" قبیلے والوں نے جواب دیا "آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ ذہین ہیں۔" سخت مزاج سردار حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چلا کر کہا "غور اور احتیاط سے سنو! میں تم سب مردوں اور عورتوں سے دستبردار ہو جاؤں گا اگر تم نے فوراً اسلام قبول نہ کیا۔" سورج ڈوبنے سے پہلے ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (ابن ہشام، ص 290-293)

282: دینی مبلغ واستاد حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ واپس آنے سے پیشتر ایک سال تک مدینہ منورہ میں تبلیغ کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔ پھر مکہ آ کر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تین خاندانوں کے سوا تمام مدنی قبائل کے افراد کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

283: مکہ میں سالانہ حج کے لیے مدینہ والوں نے **500** افراد کا ایک دستہ بھیجا جس میں **71** مسلمان مرد اور **2** مسلمان عورتیں تھیں۔ ان مسلمانوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں ملاقات کے لیے رات کا وقت طے کیا اور وہ اپنے خیموں سے چھوٹے چھوٹے گروپوں کی شکل میں باہر نکلے تاکہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو سکے۔ یہ مکمل چاند کی تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا جناب عباس کی رفاقت میں پہنچے جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ہم عمر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و ہمدردی رکھتے تھے۔ اس قسم کے معاملات میں ان کی مہارت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت تھی کیونکہ کچھ اہم فیصلے کرنے تھے۔ جناب عباس مدینہ منورہ کے کئی دورے کر چکے تھے اس لیے مدنی انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ فوجی معاہدہ کے ابتدائی نکات پہلے سے ہی تیار کیے جا چکے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ دینی مبلغ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایسا ہوا ہو کیونکہ جناب عباس جو کہ سب سے پہلے بولے انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا "آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنی سر

زمین اور اپنے خاندان میں ہیں جوان کا محافظ ہے۔ وہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر آپ لوگوں کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ اپنے وعدے پورے کرنا چاہتے ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیے۔ اس کے برعکس اگر آپ لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جب کہ وہ اپنے لوگوں کو بھی چھوڑ چکے ہوں گے تو پھر بہتر یہی ہے کہ آپ انہیں مطلقاً دعوت ہی نہ دیں۔'' انہوں نے جواب دیا ''ہم نے وہ سمجھ لیا ہے جو آپ نے ہمیں بتایا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خود ہم سے گفتگو فرمائیں۔'' پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن الحکیم کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ یہ وضاحت کی کہ اسلام کیا ہے اور پھر کہا ''میں آپ لوگوں سے یہ معاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ میری محافظت اسی طرح کریں جس طرح آپ اپنی بیویوں اور بچوں کی کرتے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا ''جی ہاں یقیناً ہم اس رب تعالیٰ جل شانہٗ کی قسم کھاتے ہیں۔ جس نے سچائی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت بالکل اسی انداز میں کریں گے جس طرح ہم اپنے زیر کفالت وزیر حمایت افراد کی کرتے ہیں۔'' جب انہیں بتایا گیا کہ اس کا مفہوم و مطلب تمام دنیا سے جنگ مول لینا ہوگا تو ان کا مصمم و مستحکم ارادہ متزلزل نہیں ہوا۔ جیسا کہ طبری (''تفسیر''، IX، 163) ہمیں بتاتا ہے کہ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا ہر مخالف کے خلاف دفاع کریں گے اگر وہ مدینہ منورہ آئے۔ کسی نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے علاقے کے یہودیوں اور ہمارے مابین ایک معاہدہ ہے اور ہم اس معاہدے کے اختتام کا اعلان کرنے والے ہیں لیکن اگر ہم ایسا کرتے ہیں اور بعد ازاں رب قادر و قدیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح یاب و فتح مند فرماتے ہیں تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر اپنے لوگوں کی طرف واپس تو نہیں جائیں گے؟'' پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''تمہارا خون میرا خون ہے اور تمہاری بخشش میری بخشش ہے۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ شامل ہوں اور آپ میرے ساتھ شامل ہیں۔ میں اس سے لڑوں گا جس سے آپ لڑیں گے اور میں اس کے ساتھ امن سے رہوں گا جس کے ساتھ آپ امن سے رہیں گے۔'' (ابن ہشام، ص 297)

284: پھر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں میں سے سرداروں کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے 9 قبیلوں سے 9 اور اوس کے تین قبیلوں سے 3 سردار (نقیب) نامزد فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''سرداروں کا سردار'' (نقیب النقباء) بھی مقرر فرمایا جو ایک قسم کا وائسرائے تھا۔ یہ امر ہمارے لیے حیران کن نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے لیے حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا (بلاذری، I، 584) یہ وہی خزرجی سردار تھے جن کی رہائش گاہ پر دینی مبلغ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں مفید و با مقصد قیام کیا تھا۔

ابن ہشام (ص 346) اور سمہودی (ص 230) کے مطابق حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے جبکہ مسجد ابھی زیر تعمیر تھی۔ اس کا قبیلہ چاہتا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک نیا نقیب (یا حتیٰ کہ نقیب النقباء) مقرر فرمائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہارا رشتہ دار ہوں۔ اب سے میں تمہارا نقیب ہوں گا۔'' (ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے وائسرائے (نقیب النقباء) کا عہدہ ختم کرنا چاہتے ہوں یا یہ کہ ان کو ناراض کئے بغیر خزرج میں سے دو نمایاں امیدواروں کو اس منصب سے دور رکھنا چاہتے ہوں جن میں منافق ابن ابی اور بہت زیادہ مغرور و متکبر سعد ابن عبادہ (جس نے بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو کبھی بھی قبول نہیں کیا) شامل تھے۔

285: قریش کو ان واقعات کی قدرے خبر ہوئی تو اگلے ہی روز ان کا ایک وفد مدنیوں کے پاس گیا اور انہیں ان کے فوجی معاہدے کے تشویشناک نتائج سے خبردار کیا اور بتایا کہ یہ قریش مکہ کے خلاف ہے۔ مدنی مسلمان خاموش رہے جبکہ غیر مسلم نے جنہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ راتوں رات کیا ہو چکا ہے قسم کھائی کہ فوجی معاہدے کی خبر جھوٹی ہے عبداللہ ابن ابی نے اسمیں اضافہ کیا ''وہ ایسا میرے بغیر کیسے کر سکتے ہیں؟'' (سمہودی، دوسرا ایڈیشن، ص 233) مشرکین مکہ مطمئن ہو کر چلے گئے لیکن جلد انہیں معاہدے کی تمام تفصیلات کا علم ہو گیا اور انہوں نے واپسی کے سفر پر رواں دواں مدنی قافلے کا تعاقب کیا۔ قافلے میں سے ایک مدنی بدقسمتی سے پیچھے رہ گیا تو انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کے لمبے بالوں سے اسے گھسیٹا۔ اسے مکوں سے مارا پیٹا اور اسے مکہ

لے آئے۔ خوش قسمتی سے اس مدنی کے مکہ مکرمہ میں دوست تھے جن کے قافلوں کو مدنی علاقوں سے گزرتے ہوئے وہ حفاظت فراہم کیا کرتا تھا۔ جلد ہی وہ اس کی مدد کو آئے اور اسے آزاد کرایا۔(ابن ہشام،ص 301، بلاذری I،585)

286: مکی مسلمانوں نے اس طرح مدینہ میں ایک محفوظ جائے پناہ حاصل کر لی جو کہ ان کے شہر سے چند سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھی اور حبشہ کی نسبت قریب تر تھی کیونکہ حبشہ سمندر پار تھا۔ مدینہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں انہیں یہ یقین تھا کہ ان کا استقبال کیا جائے گا اور ان کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک ہوگا اور جہاں وہ آزاد ہوں گے۔ ایسا ذوالحج کے تقریباً وسط میں ہوا تھا۔ اس تاریخ سے مہینے کے اختتام تک کے درمیانی عرصے میں انہوں نے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ پناہ لینا شروع کر دی۔ جلد ہی مکہ مکرمہ میں مزید کوئی مسلمان باقی نہ رہا تاہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کا خاندان اور وہ لوگ جو کسی تیسری پارٹی کی سرپرستی اور تسلط میں تھے یعنی عورتیں، بچے، غلام وغیرہ مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔

287: ہجرت آسان نہیں تھی۔ مثال کے طور پر حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ لیجیے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ہشام ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک مخصوص مقام پر ملاقات کا وعدہ کیا۔ تینوں نے ایک دوسرے کا انتظار کیے بغیر ایک مقررہ وقت پر روانہ ہونے کا منصوبہ بنایا تاہم حضرت ہشام ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ آئے۔ ان کے اہل خانہ نے ان کی تیاریوں کو بھانپ لیا اور انہیں جانے سے روکنے کے لیے ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ ابوجہل ان کے رشتہ دار کے ہمراہ خود مدینہ منورہ گیا۔ انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذہن بدل سکیں گے اس لیے وہ حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور اس سے کہا ''تمہاری والدہ تم سے جدا ہو کر سخت رنجیدہ و سنجیدہ ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس وقت تک اپنے آپ کو سورج کی چلچلاتی دھوپ میں جلاتی رہے گی اور اپنے بالوں میں کنگھی نہیں کرے گی جب تک تم واپس نہیں آجاتے۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ یہ ایک چال ہے۔ انہوں نے حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت کی کہ وہ گھر واپس نہ جائیں لیکن حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ

اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے انہوں نے کوئی بات نہ سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات صحیح تھی کیونکہ جیسے ہی وہ مدینہ منورہ کی حدود سے باہر نکلے دونوں مکیوں نے حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کیا۔ انہیں زنجیروں میں جکڑا اور انہیں قیدی بنا کر مکہ مکرمہ لے آئے۔ انہوں نے حضرت عیاش ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بغیر چھت کے ایک مکان میں قید کر دیا جب کہ ان کے دوست حضرت ہشام ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ شروع ہی سے مدینہ منورہ جانے سے رک گئے تھے انہیں بھی اسی طرح قید کر دیا گیا۔ ان دونوں نے قید میں ایک لمبا عرصہ گزارا حتیٰ کہ نبی ؑ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خفیہ مشن ان کی رہائی کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا اور یوں انہیں مدینہ منورہ لایا گیا۔ (ابن ہشام، ص 320، 321)

288: یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مہاجرین کو اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو چھوڑنا پڑا۔ مکہ والوں نے اسے مال غنیمت سمجھا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ (القرآن 59:8، بخاری 64: 48 نمبر 3؛ سرخسی، ''مبسوط''، X، 52؛ ابن ہشام، ص 339؛ ابن حبیب ''المنمق'' ص 287؛ مقریزی ''الامتاع'' I، 38) سینکڑوں مسلمان مہاجرین نے جو نقصان برداشت کیا وہ قابل ذکر و قابل غور ہے۔

289: حضرت صہیب الرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ مختلف نوعیت کا ہے۔ مکہ مکرمہ میں ایک غیر ملکی رہتا تھا۔ تجارت شاید اس کا ذریعہ معاش تھا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور مدینہ منورہ جانا چاہتے تھے۔ مکہ والوں نے اس سے کہا ''تم ہمارے پاس ایک فقیر کی حیثیت سے آئے تھے پھر تم ہمارے مال سے امیر ہو گئے اور اب تم اس کے ساتھ جانا چاہتے ہو؟ نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' حضرت صہیب الرومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقلمندی کے ساتھ فوراً جواب دیا ''اگر میں اپنی تمام دولت یہاں چھوڑ جاؤں اور اکیلا چلا جاؤں تو پھر کیا ہوگا؟'' اور یقینی طور پر وہ مدینہ منورہ اکیلے ہی گئے۔ جہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان کے جوش و ولولے کی توصیف و تحسین کی۔ مفسرین کے مطابق القرآن الحکیم کی اس آیت کا حوالہ انہیں کی طرف ہے ''اور انسانوں میں سے ایک ایسا ہے جس نے رب تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے آپ کو بیچ دیا ہے۔'' (القرآن، 2:207)

290: جلد ہی پندرہ رکنی کونسل یا ایک صد سینئر شہریوں کا ایک اجلاس مکہ مکرمہ میں ہوا تا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے جونئی صورتحال پیدا ہوئی ہے اس پر غور کیا جاسکے اور فیصلہ کیا جاسکے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔(مقریزی ''الامتاع'' I، 38؛ابن ہشام،ص 323-6) ہر شخص اس بات پر متفق تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراج کا مطلب خطرات کو دعوت دینا ہوگا مثال کے طور پر مدنیوں کی طرف سے مکہ مکرمہ پر حملہ ہو سکتا ہے۔چنانچہ محض اخراج کو مسترد کر دیا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنا بھی بہت زیادہ قابل اعتماد و اعتبار طریقہ نہیں تھا۔آخر کار انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا (نعوذ باللہ) مقتول کے قبیلہ سے جنگ سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک عملی مگر قدیم طریقہ تلاش کیا۔ انہوں نے شہر کے تمام قبائل میں سے منتخب نوجوانوں کا ایک گینگ تیار کر کے ان کے ذمہ یہ کام لگایا۔یہ سمجھا گیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کا تمام دوسرے قبائل کے خلاف جنگ کرنا ممکن نہین ہوگا اور یہ بھی سوچا گیا کہ مکہ مکرمہ میں بمشکل ہی مزید کوئی اور مسلمان موجود ہوگا۔یہ یقین کرلیا گیا کہ بنو ہاشم اپنے سردار ابولہب کی مشاورت قبول کرتے ہوئے خون بہا پر قناعت کرلیں گے جب کہ مشرکین اسے ادا کرنے کے لیے تیار تھے (ابن ہشام،ص 325) لیکن ایسا ہوا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قریبی رشتہ دار رقیقہ بنت ابی سیفی ابن ہاشم جس کی شادی قبیلہ زہرہ میں ہوئی تھی اس نے اس سازش کی خبر پالی۔شاید راز افشاء کرنے والے ہمسایوں سے یا کہیں اور سے (ابن سعد، VIII، 75) اس نے اس بارے ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معمول سے ہٹ کر دوپہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تشویش ہوئی تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سازش کے بارے بتایا اور شہر چھوڑنے کے اپنے فیصلہ کا راز دار بنایا۔مہینوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع کے انتظار میں تھے۔انہوں نے پہلے ہی سے اس شدنی سفر کے لیے اچھی نسل کی دو اونٹنیاں خرید لی تھیں۔دونوں نے شہر کے مضافات میں واقع جبل ثور کے غار میں اکٹھے جانے کے لیے رات کو دیر سے ایک طے شدہ مقام پر ملاقات سے اتفاق کیا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اونٹ بردار گائیڈ کی با معاوضہ خدمات حاصل کرنے اور

اشیائے ضرورت تیار رکھنے کی ذمہ داری لی۔ منتخب گائیڈ عبداللہ ابن اریقط اگرچہ کافر تھا لیکن وہ اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے دونوں مہاجرین کو ایک الگ تھلگ سڑک کے ذریعے لے گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ روانگی سے قبل چند روز غار میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔

291: مکہ اب اسلام کے ساتھ مکمل طور پر حالت جنگ میں تھا۔ یہ ضروری ہے کہ تھوڑی دیر رک کر اس تکلیف دہ دور کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے رویہ پر غور کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ بیٹے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد تمام امانتیں ان کو واپس کر دیں جو مکیوں، مشرکوں اور دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کرائی تھیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ آ کر ملیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی کہا کہ وہ اس رات کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئیں تا کہ دشمن کی نگرانی کو ہوشیاری و عقلمندی کے ساتھ مات دی جا سکے۔

(ابن ہشام، ص 325-6، 328؛ بلاذری، I، 606)

292: ہادیٔ کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کعبۃ اللہ کے صحن میں عبادت وریاضت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس مخصوص رات کو مکہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے دروازے کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت قرآن الحکیم کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھر سے رخصت ہوئے۔ معجزاتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن دیکھ ہی نہ پائے۔ توہمات، رسومات یا محض تحفظات نے قاتلین کو گھر میں داخل ہونے سے روکے رکھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس وقت قتل کرنا چاہتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئیں (نعوذ باللہ) انہوں نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ابھی تک خالی نہیں تھا اور صرف صبح ہی کو انہیں معلوم ہوا کہ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا لیکن بچ کر نکل جانے والے کو تلاش کرنا پڑا۔ ایسا انہوں نے فوری کیا۔

293: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر باہر آ گئے

شاید اس کھڑکی پر بھی دشمن کی نگرانی ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور دونوں نے قمری مہینے کے اختتامی دنوں کی مکمل تاریکی میں جبل ثور کی جانب سفر شروع کیا۔ راستے میں کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان لیا۔ جھوٹ بولے یا راز افشاء کیے بغیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غیر متوقع ملاقات سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔ چند کلومیٹر کی چڑھائی کے دوران نبی ءآخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک زخمی ہوگئے۔

294: جیسے ہی وہ دونوں غار کے پاس پہنچے تو وفادار و مخلص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غار کے اندر پہلے گئے۔ اس کے فرش کو صاف کیا اور پھر اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے سوراخ بند کیے تاکہ سانپوں سے بچا جا سکے۔ پھر انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلایا۔ یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر سوراخوں کے لیے پوری نہ ہوئی تو انہوں نے آخری سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کیا اور بعدازاں اسی سوراخ سے ایک سانپ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاٹا۔ چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تھک چکے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھٹنے پر سر مبارک رکھ کر سو رہے تھے۔ درد کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوشش کی کہ حرکت نہ کریں لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر گرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر صرف لعاب دہن لگایا۔ یہ علاج بہت مؤثر ثابت ہوا۔ اگلا واقعہ اور زیادہ خوش بختی کا حامل تھا۔ جب مہاجرین غار میں داخل ہو چکے تو ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا بن دیا۔ غار کے دہانے پر موجود ایک پودے پر دو کبوتروں نے اپنا گھونسلہ تعمیر کیا اور تعاقب کرنے والوں کے آنے سے پہلے وہاں انڈہ دے دیا۔ (اگلے دن یا بعدازاں) اس طرح یہ خفیہ چھپا ہوا مقام محفوظ ہو گیا جہاں مہاجرین نے پریشان لمحات گزارے۔ بعدازاں انہوں نے حتیٰ کہ تعاقب کرنے والوں کی آواز سنی جن کی پاؤں کے نشانات کے ایک ماہر نے غار تک رہنمائی کی تھی۔ اور جیسے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تشویش ہوئی تو رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ ''غم نہ کرو۔ یقیناً رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔'' جیسا کہ قرآن

الحکیم ہمارے لیے تفصیلات محفوظ کرتا ہے۔ (القرآن، 40:9) ظاہراً جبل ثور کی یہ غار مکہ مکرمہ میں ایک مشہور جگہ تھی جیسا کہ گزشتہ کے ساتھ ساتھ آنے والے واقعات بھی اس امر کا یقین دلائیں گے۔

295: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ریوڑ کا چرواہا روزانہ رات کو دودھ لاتا تھا جب کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندار جمند شہر کی خبریں پہنچاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اہل خانہ حتیٰ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹیوں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے مکہ والوں نے خوف و ہراس میں مبتلا کیا کیونکہ مکیوں نے اسے ایک سو اونٹ دینے کی پیش کش کی تھی جو غائب ہو جانے والے افراد کی خبر لائے۔

296: تین روز کے بعد جب کہ شہر میں قدرے سکون ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چراوہا اور گائیڈ دو سفری اونٹنیوں کے ہمراہ غار پر گئے اور چار افراد کا چھوٹا سا قافلہ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔

297: جب وہ بنو مدلج کے علاقہ سے گزر رہے تھے ایک پر تشویش واقعہ پیش آیا۔ اس کے سردار کو شک ہوا کہ یہ قافلہ ان افراد کا ہے جن کے سروں کی قیمت مکہ والوں نے رکھی ہے۔ (ابن حنبل، IV،175) اس نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ ان کے قریب دو مرتبہ آیا اور دونوں مرتبہ ہی اس کے گھوڑے کی ٹانگیں ریت میں دھنس گئیں اور وہ زمین پر گر گیا۔ ان عجیب واقعات و شگون سے خوفزدہ ہو کر اس نے ان سے معافی طلب کی اور حتیٰ کہ درخواست کی کہ اسے تحریر شدہ تحفظ نامہ دیا جائے۔ اس نے پھر انہیں ضرورت کی ہر چیز دینے کی پیش کش کی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس پیش کش کا شکریہ ادا کیا اور اس سے کہا کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں تاہم وہ اس خبر کو خفیہ رکھے۔ مدلجی جس کا نام سراقہ تھا اس نے کہا ''میں آپ کا تعاقب کرنے والے تمام افراد کو آپ سے دور رکھوں گا۔'' وہ اپنی تمام عمر وفادار رہا۔ (ابن ہشام، ص 331-332) ہم بعد ازاں اس کے بارے میں مزید جاننے کا موقع پائیں گے۔

298: انہوں نے بارہ یا اس سے زائد روز سفر کیا۔ ایک دن یہ چھوٹا سا قافلہ ایک بوڑھی خاتون کے خیمے کے قریب سے گزرا۔ اس خاتون کا نام ام معبد تھا۔ اس کا شوہر اپنے ریوڑ کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا اور گھر میں قابل فروخت کوئی چیز موجود نہ تھی۔ خیمے کے اندر ایک بیمار بوڑھی

بکری موجود تھی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے وہ بکری اپنے پاس منگوائی اور رب کریم ورحیم کا بابرکت نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دودھ نکالنا شروع کر دیا۔ اس سے ہر شخص حیران وحیرت زدہ ہوا۔ اپنے ساتھیوں کو اور بذات خود دودھ پینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی دودھ اس خاندان کے لیے بھی چھوڑا۔ پھر ان سے اجازت لی (بلاذری، ا، پیرا 608) اور مدینہ منورہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔

299: مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں اپنے ایک رشتہ دار سے ملے جو سامان کے ہمراہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو چند نئے کپڑے پیش کیے اور اس بات کی بھی اطلاع دی کہ مدینہ والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی بے چینی و بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔ (ابن سعد، 1/III، ص 153؛ بخاری 63:42 نمبر 9)

300: ایک آخری واقعہ جو راستے میں وقوع ہوا وہ یہ کہ اسلم قبیلے کے سردار بریدہ نے اس قافلے کا اس وقت تعاقب کیا جب وہ اس کے علاقے سے گزرا۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت وہدایت پر بریدہ اور اس کے ساتھی موقع پر ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے اور وہ جھنڈے لہراتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کی خاطر ساتھ چلے۔ ان کی تعداد کئی درجن تھی (مقریزی ''الامتاع'' ا، 42-43؛ ابن کثیر کے مطابق ان کی تعداد 80 تھی (''البدایہ'' VIII، 216-7) وہ شاید اپنے علاقے کی حد سے آگے نہ گئے کیونکہ اس حفاظتی دستے کا تذکرہ نہیں ملتا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے۔ ایک اور بیان کے مطابق اوس ابن حجر اسلمی بھی اس قافلے سے ملا۔ اس نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اونٹ پیش کیا اور اپنے غلام سے کہا کہ اس اونٹ کو مدینہ منورہ تک چھوڑ آئے (مقریزی ''الامتاع'' ا، 43؛ ابن ہشام، ص 333؛ سہیلی II، 9-10) ظاہری طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسعود نامی غلام کو کچھ فاصلے کے بعد اونٹ سمیت واپس بھیج دیا۔ کیونکہ جو قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اس میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔

301: مدینہ والوں کو پہلے ہی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے پوشیدگی کی خبر مل چکی تھی اور ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شہر کی جانب راستے ہی میں ہوں گے۔ نتیجتاً وہ روزانہ اپنے گھروں سے نکل آتے اور ایک بلند و بالا پہاڑی پر چڑھ کر مکہ مکرمہ کی

طرف سے آنے والی سڑک پر نظر رکھتے۔ وہ پہاڑی سے اس وقت رخصت ہوتے جب سورج آگ برسانے لگتا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو غار ثور میں زیادہ قیام کی وجہ سے دیر ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ کے نواح میں پہنچنے کے بعد شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوستوں کے پاس ایک قاصد بھیجا تا کہ وہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی باضابطہ اطلاع دے اور ان سے شہر میں داخلے کی اجازت طلب کرے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ انصار اس مقام پر نہیں گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت پہنچے بلکہ اس کی بجائے انہوں نے ثنیات الوداع کی نمایاں بلندی پر جمع ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے میں ابھی دیر تھی اور سورج گرم تر ہوتا جا رہا تھا تو وہ منتشر ہو گئے شاید ان کا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یا اگلی صبح کو زیادہ اچھے موسم میں پہنچیں گے۔ لیکن اچانک ایک یہودی نے بلند آواز میں چلا کر اعلان کیا کہ جس قافلے کا انتظار تھا وہ آ رہا ہے۔ وہ اسے اپنے قلعہ کے مینار کی چوٹی سے دیکھ رہا تھا۔ ہر شخص ثنیات الوداع (پہاڑی) کی جانب دوڑا۔ مسلمانوں نے بہترین لباس زیب تن کیا اور ہتھیار سجائے تا کہ اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گارڈ آف آنر پیش کریں۔ نوجوان بھی جوش و جذبے میں کم نہیں تھے۔ خوشی بے حد و حساب تھی اور اپنے جوبن پر تھی کسی نے ایک مختصر سا فی البدیہہ گیت ترتیب دیا:

''ثنیات الوداع سے

چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا ہے

جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی پرستش ہوتی رہے گی

ہم پر لازم ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں

اے ہمارے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بن کر تشریف لانے والے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسطرح تشریف لے آئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اطاعت کی جائے گی۔''

(حلبی، II، 71؛ ابن حنبل، 122/3، 222، 287؛ بخاری 44/63؛ سمہودی ص 255؛ ابن الجوزی ''الوفا'' ص 246)

302: لڑکے اور لڑکیوں نے طنبورہ کی تھاپ پر یہ گیت گایا۔ شہر کے نوجوان سیاہ فام پیشہ ور

کھلاڑی بے ساختہ آ گئے اور انہوں نے نیزے کے کرتب دکھا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا (ابن الجوزی ''الوفا'' ص 252) جب کہ بڑوں میں سے ہر ایک کا پر شور و پر زور اصرار تھا کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر ٹھہریں جب سے یہ چھوٹا سا قافلہ مدینہ منورہ کے جنوب میں قبا کے نزدیک ثنیات الوداع میں آیا تھا۔

303: تاریخ نے نیا صفحہ پلٹا۔ تشدد و ایذا کے شکار اسلام کو جائے پناہ ملی اور مدینہ منورہ اس تحریک کا مرکز و محور بنا جس نے دنیا کی تاریخ کو متاثر کیا۔ یہ ہجرت تھی! سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نے اسلامی دور کو ایک نام و مقام دیا۔ اگرچہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود 12 ربیع الاول کو مدینہ منورہ پہنچے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تین ماہ قبل ہی عقبہ کے معاہدہ کے چند یوم بعد ہی ہجرت شروع کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یکم محرم کو اس دور کے کیلنڈر کا یوم آغاز قرار دیا گیا ہے۔ (عیسائی کیلنڈر کے مطابق تب سن 622 تھا)۔

باب 21

اسلام میں خواتین کا کردار قبل از ہجرت

304: خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے'' (سیوطی، ''جامع الجوامع'') آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان سے خواتین کی عزت وتوقیر میں اضافہ اور مقام ومرتبہ کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس خاتون کی تعظیم وتکریم کرو جس نے تمہیں اپنے رحم میں رکھنے کے بعد تمہیں جنم دیا اور تعلیم دی۔ معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک فرمان مومنین کو ایمان العجائز کی سفارش کرتا ہے۔ قرآن الحکیم بھی اسی قسم کے احکامات سے پُر ہے اور خواتین کو آزاد اور لائق احترام شخصیت قرار دیتا ہے۔

305: قبل از اسلام عرب میں بیٹیوں کو بعض اوقات زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ ان حالات میں بھی عرب خواتین نے اس قسم کے کفر والحاد کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا۔ آغاز اسلام میں خواتین کے کردار کے بارے میں چند حقائق کا یہاں حوالہ مناسب ومتعلقہ ہو گا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

306: ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کن حالات میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے پہلے واقفیت وشناسائی ہوئی۔ اسلام میں ہادیٔ کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو ''امہات المومنین'' کہا جاتا ہے۔ وہ اور خاص طور پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس خطاب کا لازمی طور پر

استحقاق رکھتی ہیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف اپنے شوہر محترم کی مہربان شریک حیات تھیں بلکہ انہوں نے دین اسلام کے لیے بہت اہم خدمات سرانجام دیں۔ان کے بغیر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے پیغمبروں کی طرح شاید اس قدر عظیم کامیابی کے بغیر ہی دنیا کو خیر باد کہہ جاتے۔

307: حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دولت مند خاتون تھیں۔اپنے شوہر کے زیر اثر بھی اور فطرتاً بھی وہ حتیٰ کہ قبل از اسلام غرباء کی امداد کے لیے اپنی دولت خرچ کیا کرتی تھیں۔اس طرح انہوں نے جو عزت وشہرت حاصل کی وہ دین اسلام کے لیے سود مند تھی جسے انہوں نے دل وجان سے قائم رکھا۔اس میں شک نہیں کہ وہ پہلی شخصیت تھیں جس نے اپنے شوہر کے اس دعویٰ کی سچائی کا اقرار کیا کہ انہوں نے ایک فرشتہ دیکھا ہے اور یہ کہ انہیں رب کائنات جل شانہٗ کی طرف سے لوگوں کا رہبر ورہنما مقرر کیا گیا ہے۔یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں جو پہلی وحی کے نزول کے بعد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو تشفی وتسکین دیا کرتی تھیں۔ ان کے عیسائی چچازاد ورقہ ابن نوفل کا دین اسلام کی جانب رجحان ومیلان بھی ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔سیرت نگار (سہیلی،I،156) رپورٹ کرتے ہیں کہ مکی عیسائی عداس بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ترغیب وتحریک سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر کے مرد وخواتین غلاموں کو بھی تبلیغ اسلام فرماتی تھیں۔ جب شہر مکہ نے معاشی ومعاشرتی بائیکاٹ کیا تو یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہی قریبی رشتہ دار تھے جو اپنی زندگیوں کو سخت خطرے میں ڈال کر محصورین کو وقتاً فوقتاً اشیائے ضرورت پہنچاتے تھے۔

حضرت لبانہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا

308: ابن الکلبی کے مطابق وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد مکہ مکرمہ میں پہلی خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔(''مختصر الجمھرہ لا بن الکلبی'' ابن حبیب، مخطوطہ استنبول) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام الفضل کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی دوست اور محافظ ہونے کے باوجود حضرت

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت عرصہ بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شاید اپنی زوجہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے مہربان تھے کیونکہ وہ اپنی زوجہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے حتیٰ کہ اپنے کم سن بیٹے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے ہمراہ مشرف بہ اسلام کیا (بخاری 3/80/23) وہ بڑے بااثر خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور بعد ازاں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہن حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی۔

حضرت غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

309: ابن حبیب ہمیں بتاتا ہے کہ اس خاتون نے مکہ مکرمہ میں کافی خواتین کو مشرف بہ اسلام کیا۔ یہ بدوی النسل تھیں اور مکہ مکرمہ میں مقیم تھیں۔ ان کی انتھک کوششوں کو دیکھ کر مکہ والوں نے خطرہ محسوس کیا مگر وہ ایک خاتون سے بدسلوکی نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے ان کو دور بھیج دیا۔ انہیں ایک قافلے کے ہمراہ کر دیا گیا جو ان کے قبیلے کی جانب جا رہا تھا۔ قافلہ والوں نے ان کے ساتھ انتہائی سخت اور تکلیف دہ سلوک کیا۔ انہوں نے حضرت غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اونٹ کی ننگی پیٹھ پر باندھ دیا اور کھانے کو کچھ نہ دیا۔ انہوں نے ان کو ایک مقام پر پہنچ کر بندھی ہوئی حالت میں دھوپ میں زمین پر پھینک دیا۔ وہ اپنی کہانی خود بیان کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ ''تین دن اور تین راتوں کے بعد تھکاوٹ اور فاقوں کی وجہ سے میں نیم مردہ اور بے ہوش ہوگئی۔ انہیں مجھ پر کوئی رحم وترس نہ آیا۔ پھر رات ہوئی اور ہم ایک مقام پر تھے۔ اچانک میں نے اپنے چہرے پر کچھ محسوس کیا۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو مجھے پانی ملا۔ میں نے سیر ہو کر پیا اور حتیٰ کہ اس میں سے کچھ اپنے چہرے اور جسم پر بھی پھینکا۔ صبح کو جب قافلے والوں نے یہ دیکھا کہ میں صحت مند ہوں تو وہ پریشان ہوئے۔ میں ابھی تک رسے کے ساتھ بندھی ہوئی تھی اور قافلہ کے پانی سے بھرے ہوئے چمڑے کے اچھی طرح بند تھیلوں سے کافی دور تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اور میں نے انہیں سچ سچ بتا دیا۔ اس میں کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ میری کہانی پر شک کرتے۔ وہ فوراً اپنے کیے پر پچھتائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔'' (ابن حبیب ''المحبر'' ص 81-82) وہ سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر شدید محبت کرتی تھیں کہ بعد ازاں وہ مدینہ منورہ گئیں اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے غلام زوجہ کے طور پر قبول کر کے اعزاز بخشیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شکریہ ادا کیا مگر اس کی تجویز کو منظور نہ کیا۔

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا

310: اس خاتون کے بارے میں ابن الاثیر (''اسد الغابہ''، V، 549) نے روایت کی ہے۔ حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا خفیہ طور پر مکی خواتین کی بہت بڑی تعداد میں اسلام کی اشاعت میں کامیاب رہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یمنی قبیلہ دوس سے تعلق رکھتی تھیں لیکن کیا حضرت غزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ہی شخصیت ہیں؟

حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

311: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انجام کار حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرف بہ اسلام کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ وہ قبل از اسلام کی مکہ کی ان نایاب خواتین میں سے دکھائی دیتی ہیں جو پڑھنا جانتی تھیں۔

حضرت شفا بنت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

312: یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ داروں میں سے تھیں۔ ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ بعد ازاں معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابو داؤد، 27:28؛ ابن حنبل VI، 372؛ الحاکم IV، 56-57) کو لکھائی کا فن سکھانے کے لیے مقرر فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے بھی دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا۔

حضرت سعدیٰ بنت کریز رضی اللہ تعالیٰ عنہا

313: ابن حجر روایت کرتا ہے کہ اس خاتون نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرف بہ اسلام کیا (ابن حجر، ''الاصابہ'') وہ شاید ان کی آنٹی تھیں۔ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دولت، دین اسلام کے لیے بہت فائدہ مند و سود مند ثابت ہوئی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

314: ان دونوں مکی خواتین نے اپنے شوہروں کے ہمراہ مادر وطن کو چھوڑا تاکہ غیر ملک میں پناہ حاصل کر سکیں۔ حبشہ میں ان کے شوہروں نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ان خواتین نے اپنے شوہروں کے دباؤ اور لالچ کے باوجود مزاحمت کی۔ جلد بعد ہی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ مکرمہ واپس آ گئیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رویہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی زوجیت میں لینے کا اعزاز بخشا (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ سے واپس آئیں لیکن مکہ میں اپنے والد ابوسفیان کے گھر جانے کی بجائے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کا اعزاز پایا (ابن ہشام ص 144، 783-4؛ ابن سعد، 2/I ص 15؛ ابن الاثیر ''اسد الغابہ'' III، 131 اور V، 573؛ ''النہایہ'' II، 248؛ طبری ''تاریخ'' I، 1767)

تشدد اور ایذا یافتہ خواتین

315: ابوجہل کے تشدد اور ایذا رسانی کا شکار ہونے والوں میں حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ ایک دن تند و تلخ الفاظ کے تبادلے کے بعد ابوجہل نے انہیں اپنے نیزے کے ساتھ شہید کر دیا۔ انہیں اسلام میں پہلی شہید خاتون بیان کیا جاتا ہے۔ (ابن ہشام، ص 206؛ سہیلی، I، 203؛ بلاذری، I، 345) حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت لبینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابن ہشام، ص 206؛ ابن حبیب ''المحبر'' ص 184) دونوں عمر کے خاندان میں غلام خواتین تھیں۔ وہ خود حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پہلے انہیں مسلسل مارا پیٹا کرتا تھا۔ ایک دن جب اس نے معمول کے مطابق انہیں پیٹا تو وہ رک گیا اور صرف یہ کہا ''یہ مت سمجھو کہ میں تم پر رحم کھا رہا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں میں تمہیں پیٹتے پیٹتے تھک گیا ہوں اور

آرام کے بعد میں تمہیں دوبارہ سزا دوں گا کیونکہ تم نے اس نئے دین کو ترک کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' ان تمام مصائب و تکالیف کے باوجود وہ اپنے عقائد میں مضبوط و مستحکم رہیں۔

مدینہ میں اسلام

316: ان 73 مدنیوں میں جنہوں نے ہجرت پر عقبہ کے معاہدہ میں حصہ لیا دو خواتین تھیں۔ ایک قبیلہ مازن کی حضرت نسیبہ ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسری قبیلہ سلم کی حضرت اسماء ام منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا (ابن ہشام، ص296)

316:الف: حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ ابن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبول اسلام کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔ تاہم پہلے ہی سن 2 ہجری میں وہ جنگ بدر میں بطور نرس حصہ لینا چاہتی تھیں۔ وہ کس قدر اعلیٰ وارفع ذہانت و فطانت کی حامل تھیں کہ وہ قرآن الحکیم کی حافظہ ہوئیں! پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس قدر زیادہ عزت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غیر معمولی طور پر اپنے علاقے کی مسجد کا امام مقرر فرمایا جہاں وہ حتیٰ کہ مردوں کی بھی امامت فرماتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ اس سے ملنے جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور شہید مرنے کی پیش گوئی کی تھی (ابن الجوزی ''وفا'' ص 317؛ ابن راہویہ بحوالہ ابن حجر ''مطالب'' نمبر 4159؛ ابن حنبل VI، 405 نمبر 2؛ ابو داؤد، II، 62 ''باب امامۃ النساء''؛ ابن عبد البر ''استیعاب'')

317: ہم ابھی تک ایسے مؤرخین کے منتظر ہیں جو آغاز اسلام میں مسلمان خواتین کے بارے میں مطالعہ کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

باب 22

مدینہ میں ابتدائی اقدامات

318: پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا پہنچنے کے بعد مقامی سردار کلثوم ابن ہدم کی مہمان نوازی و میزبانی کو قبول کیا (سمہودی ص 244 کے مطابق اس سردار نے اگرچہ اسلامی قبائلی افراد سے اتحاد کا اظہار کیا تھا لیکن اس نے ابھی تک قبول اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا) یہ ایک اور سردار حضرت سعد ابن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ابھی غیر شادی شدہ تھے ان کے مکان پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ملاقاتیوں کو شرف ملاقات بخشا کرتے تھے۔ پہلے ہی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ اکثر ملاقاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چہرہ اقدس سے نہیں پہچانتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے کچھ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سمجھا اور جب سورج کی شعاعیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنے کی خاطر ایک درخت کے اوپر اپنی چادر پھیلانے کے لیے دوڑے تو پھر ان لوگوں کو علم ہوا کہ منکسر المزاج محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں کون ہیں (ابن ہشام، ص 334)

319: ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کام قبا میں ایک مسجد کی تعمیر تھی جو آج تک قائم ہے۔ ہر فرد نے اس کام میں حصہ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھائے۔ (ابن ہشام، ص 337)

320: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکہ مکرمہ میں اس لیے ٹھہر گئے تھے تاکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود امانتوں کو ان کے صحیح مالکان کو لوٹا سکیں۔ بعدازاں وہ

بھی سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبا میں آ ملے۔ (ابن ہشام، ص 334-5)

321: ہمارے پاس سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا متن موجود ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ارسال کیا تھا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو حکم دیا تھا کہ وہ جمعۃ المبارک کے روز معمول کی پانچ نمازوں میں سے خاص طور پر دوسری نماز یعنی ظہر کے وقت شاندار اور عظیم اجتماعی نماز کا اہتمام کریں۔ جس میں چار رکعت کی جگہ ایک خطبہ اور اس کے بعد صرف دو رکعت نماز ادا کی جائے۔ (ابن سعد، i/III، ص 83؛ عبدالرزاق "المصنف" نمبر 5146، 5149، سمہودی ص 224؛ سہیلی، i، 270) قبا میں اپنی آمد کے چند دنوں بعد سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو قبا ہی میں یا بنو سالم کے گاؤں میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مدینہ منورہ کی جانب محوِ سفر تھے نماز جمعۃ المبارک کی امامت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلے خطبہ کے چند پیراگراف محفوظ ہیں۔

322: (رب العزت کی حمد و ثنا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) "اے لوگو سب سے پہلے اپنا خیال رکھو۔ جان لو کہ جب تم میں سے کوئی اس دنیائے فانی سے چلا جاتا ہے تو وہ اپنا ریوڑ کسی چرواہے کے بغیر چھوڑ جاتا ہے اور اپنے اس مالک و خالق سے جا ملتا ہے جسے کسی ترجمان یا درمیانی ایجنٹ کی ضرورت نہیں۔ رب ذوالجلال اس سے پوچھیں گے "کیا میرا پیغمبر تیرے پاس نہیں آیا تھا؟ کیا میں نے تمہیں دولت نہیں دی تھی اور حتیٰ کہ بہت زیادہ دی تھی؟ پھر تم اپنے ساتھ کیا لائے ہو؟ وہ شخص اپنے دائیں بائیں دیکھے گا لیکن کسی کو مدد کے لیے نہیں پائے گا جب کہ دوزخ کو اپنے سامنے دیکھے گا۔ جو شخص دوزخ سے بچنا چاہتا ہے وہ اس سے بچے، چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی بچ جائے۔ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کے نام پر دینے کو کچھ نہ ہو اسے چاہیے کہ کسی کے ساتھ اچھا کلمہ ہی بول لے کیونکہ رب رحیم و کریم نیک عمل کا اجر اس کی قدر و قیمت سے 10 سے 700 گنا زیادہ تک عطا فرماتے ہیں۔ تم پر رب تعالیٰ کی سلامتی ہو (ابن ہشام، ص 340)

322: (الف) اگر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت و ترویج کا محنت و مشقت طلب کام سنبھالا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان ساتھی بھی اس معاملے میں سست نہیں تھے۔ بوڑھا عمرو ابن الجموح اپنے بت سے اس قدر لگاؤ اور

وابستگی رکھتا تھا کہ اس کے بچے اور اس کے قریبی رشتہ دار اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ہر صبح وہ اپنے بت کو کسی نہ کسی مضحکہ خیز صورت میں پاتا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا کرے۔ ایک دن اس نے اپنے بت کے ہاتھ میں تلوار رکھ دی تا کہ وہ انہیں سزا دے سکے جو اس کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اگلے روز اس نے اپنے بت کو دیکھا کہ وہ الٹا پڑا ہوا ہے جب کہ اس کا سر قبیلے کے بول و براز کے ڈھیر میں دبا ہوا ہے۔ اس دن وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا (سمہودی، دوسرا ایڈیشن، ص 5-234) نوجوان حضرت سہیل ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات کو شہر میں لکڑی کے کچھ بتوں کو کاٹتے تھے اور انہیں ایک مسلم خاتون کو ''آگ جلانے والی لکڑی'' کے طور پر استعمال کرنے کے لیے دیتے تھے (سمہودی، ص 249)

323: قبا میں چند روزہ قیام کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید آگے مدینہ منورہ کے شمال میں وادی جوف جانے کا فیصلہ کیا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اپنے خاندان (حضرت عبدالمطلب کی والدہ کی نسل و اولاد) میں جا کر قیام کرنے کا تھا؟ حضرت امام بخاریؒ (9/46/63, 30/2) کہتے ہیں کہ ''سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے بھائیوں (ماموں) کے ہاں قیام کیا۔ قبا میں حضرت بنو عمرو ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں 14 راتوں کے قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بنو نجار کے پاس بھیجا جنہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر مسلح پیش کیا۔'' لیکن اونٹنی کا واقعہ جو ہم بیان کرنے والے ہیں وہ رشتہ داری کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمداً یا بالارادہ انتخاب کی مخالفت کرتا ہے جب تک ہم یہ فرض نہ کر لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خواہش اور تقدیر الٰہی دونوں کی موافقت تھی۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں غیر مسلموں (یہودیوں) کی قریبی قربت کو ناپسند فرماتے تھے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی کھلی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھر بنا کر آزادی سے رہ سکیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرتی و عسکری وجوہات کی بناء پر یہ ارادہ رکھتے تھے کہ آبادی کے گروپوں کے درمیان میں جا کر قیام کیا جائے؟ (مذہبی بنیادوں پر مرکزی مسجد کو لازماً شہری سرگرمیوں کے مرکز میں ہونا چاہیے) ایک اور امکان بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام سے قبل جب شہر خانہ جنگی کے نتیجے میں بکھر و منتشر ہو گیا تھا اور اس صورت حال سے ہر شخص رنجیدہ و سنجیدہ ہو چکا تھا۔ تو خزرجی عبداللہ ابن ابی کو اوس اور خزرج کی باہمی رضامندی

سے مدینہ منورہ کا بادشاہ بنانے کے لیے منتخب کیا گیا اور اس کے لیے زرگر کو سونے کا ایک تاج بنانے کا آرڈر دیا جا چکا تھا۔لیکن مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کے بعد جب پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے وہاں قیام پذیر ہوئے تو بادشاہت کا وہ منصوبہ ترک کر دیا گیا۔سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نامزد بادشاہ (عبداللہ بن ابی) کی افسردگی و پژمردگی سے باخبر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طریقے سے اس کی دلجوئی کرنے اور اس کے مجروح جذبات و احساسات کی قدر کرنے کی کوشش کی اور اپنی تمام حیات مبارکہ میں اس کے ساتھ کئی بار لحاظ و مروت سے کام لیا۔آیئے سمہودی (دوسرا ایڈیشن، ص 258) کے اس بیان کو نوٹ کریں کہ ''جب سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چند مسلح انصار اور تمام مکی مہاجرین کے ہمراہ قبا سے رخصت ہو کر خزرج کے بنوالحبلیٰ کے علاقے سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی کے گھر پر قیام کر کے اسے عزت دینا چاہی لیکن عبداللہ ابن ابی نے جو کہ اپنے قلعہ بند مینار کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، ٹانگیں سمیٹی ہوئی تھیں اور کمر و گھٹنوں پر شال لپیٹی ہوئی تھی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا اور) کہا ''ان کے پاس جایئے جنہوں نے آپ کو مدعو کیا ہے اور ان کے گھروں پر قیام کیجئے۔۔۔'' کیا ان وجوہات کی بناء پر وہ اوس کے حضرت بنوعمرو ابن عوف سے رخصت ہو کر خزرج کی طرف گئے؟ ہمارے ذرائع کوئی اشارہ نہیں دیتے۔بخاریؒ (30/2) کے لیے ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اپنے انصاری رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرے۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کی والدہ خزرج سے تھیں) ابن زبالہ (بحوالہ سمہودی، ص 262) کے مطابق ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انصاریوں کے اکٹھ کے مرکز میں رہنا چاہتے تھے۔'' صورت حال چاہے کچھ بھی ہو حضرت امام بخاریؒ (5/46/63,2/48/8) اور حضرت امام مسلمؒ (9/5) دونوں کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو (اپنے رشتہ داروں) بنوالنجار کی طرف بھیجا جو مکمل طور پر مسلح ہو کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ چلے گئے۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔اس کی ناک کی رسی اس کی گردن میں ڈالی اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلے کے علاقے میں سے گزرے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ساتھ قیام کے لیے اصرار کیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل یہ کہتے رہے کہ ''اونٹنی کو چلنے دو۔یہ ہمیں وہیں لے جائے گی جہاں رب

تعالیٰ جل شانہٗ کی مرضی وخوشی ہوگی۔'' کچھ وقت چلنے کے بعد اونٹنی بیٹھ گئی۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھانے کے لیے ٹھوکر لگائی لیکن چند قدم مزید چلنے کے بعد وہ پھر دوبارہ بیٹھ گئی۔ یہ ایک کھلا میدان تھا۔ غیر رہائش یافتہ جگہ تھی جو بنوالنجار کی زمین میں واقع تھی۔ بنوالنجار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی طرف سے جدامجد تھے۔ سب سے قریب ترین گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ خوش قسمت وخوش بخت حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوری طور پر سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال وخیر مقدم کر کے ازحد خوش وخرم ہوئے۔ وہ جگہ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی دو یتیموں کی ملکیت تھی اور کھجوروں کی فصل کے دوران انہیں خشک کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو دس دینار میں خرید لیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کیے (سمہودی، ص 324-6) وہاں فوری طور پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی جو کہ مدینہ منورہ کی موجودہ عظیم مسجد ہے (سمہودی، ص 324-6) رضا کار معماروں اور کارکنوں میں صرف انصار اور مہاجرین ہی نہیں تھے بلکہ دوسرے غیر مدنی غیر ملکی بھی تھے۔ ان میں سے ایک طلق نام کا تھا جس کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی کیونکہ وہ چونا گارا تیار کرنے میں دوسروں سے زیادہ ماہر تھا۔ (سمہودی، ص 333-4) معلم انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ کام کی نگرانی کی اور قبلہ کے مطابق دیواروں کی بنیادیں رکھوائیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کی طرح یعنی عام کارکن ومزدور کی طرح پتھر اور اینٹیں بھی اٹھائیں۔ مسجد میں نماز کی ادائیگی کی جگہ سے متصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا چبوترا ''صفہ'' بنوایا جو دن کو کلاس روم کا کام دیتا تھا اور رات کو اقامت گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ (یہ پہلی اسلامی ''یونیورسٹی'' حتیٰ کہ ''اقامتی یونیورسٹی'' تھی) مسجد کے ایک جانب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لیے چند کمرے تعمیر کیے گئے۔ (ابن ہشام، ص 337-8؛ سہیلی، II، 13) کچھ عرصہ بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خاندان (اہل خانہ) کو لانے کے لیے مکہ مکرمہ بھیجے۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو اونٹنیاں لیں جب کہ تین اونٹنیاں قدید کی مارکیٹ سے خریدیں۔ (مقریزی ''امتاع''، I،

49) قافلہ صرف خواتین پر مشتمل تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ)، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں) جب کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ اور دو بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ عمومی طور پر مکہ والے عورتوں کی عزت کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ابھی تک جنگ بھی نہیں چھڑی تھی چنانچہ اس قافلے کو ہراساں نہ کیا گیا۔ جہاں تک حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق ہے مقریزی کے مطابق وہ قافلے میں شامل تھیں جب کہ سہیلی (246,II) کا بیان ہے کہ وہ اکیلی اور پیادہ پا مکہ مکرمہ سے چلیں اور کئی تکالیف برداشت کیں۔ بہر حال حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں سات ماہ کے قیام کے بعد محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروں میں رہائش پذیر ہوئے۔

324: دوسرے کم خوش قسمت تھے۔ مسلمان خواتین کو مکہ مکرمہ میں یا تو ان کے مشرک شوہروں نے یا ان کے والدین نے روک لیا۔ مثلاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کو ان کے شوہر ابوالعاص نے مکہ مکرمہ میں روک لیا کیونکہ وہ ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ (ابن ہشام، ص 465) اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے شوہر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر گئے مگر وہ اپنے والدین کی ضد و ہٹ دھرمی کی وجہ سے مکہ مکرمہ نہ چھوڑ سکیں۔ (مقریزی، I، 38)

مہاجرین کی آبادکاری

325: کچھ مہاجرین کی مدینہ منورہ میں ان کے واقف کاروں کی جانب سے فوری مہمان نوازی ہوئی لیکن ظاہر ہے سب کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔ غیر شادی شدہ حضرت سعد ابن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے اور وہاں کافی تعداد میں ایسے مہاجرین آباد ہو گئے جن کے اہل خانہ ان کے ہمراہ نہیں تھے۔ کچھ مہاجر خاندانوں کو ان کے جاننے والوں نے اپنا مہمان بنا لیا جب کہ کچھ مدنیوں نے مہاجرین کو مکانوں کی تعمیر کے لیے زمینیں فراہم کیں تاہم اتنے بڑے پیمانے پر مکی مہاجرین کا ادغام و انضمام آسان نہیں تھا۔

326: مزید یہ کہ مدینہ منورہ کے نخلستان کی آب و ہوا مکہ مکرمہ یا کسی اور علاقے کے صحرا نشینوں کو راس نہ آئی۔ جب انہوں نے مدینہ والوں سے ملیر یا بخار سے ان کی نجات کا راز پوچھا تو انہیں

بتایا گیا کہ ''جب تم شہر میں داخل ہو تو تمہیں لازماً دس دفعہ گدھے کی طرح کی آواز نکالنی چاہیے۔'' (سمہودی، ص59، 1167) مدینہ منورہ میں اپنی آمد کے فوراً بعد سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکی ہم وطنوں کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار میں مبتلا تھے۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے کے لیے ایک شعر تخلیق کیا جس میں انہوں نے کہا کہ وہ اپنی جوتیوں سے زیادہ اپنی موت کے قریب تر ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فی البدیہہ شعر میں جواب دیا وہ یہ کہ ''میں نے اپنی موت سے پہلے موت کا مزہ چکھا'' حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ انہیں گھر کی یاد ستا رہی ہے۔ (ابن ہشام، ص 313-4) محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا حلیف ایک خزاعی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آیا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے اس وقت کے مکی علاقے کی خوبصورتیاں بیان کیں جس سے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی افسردہ ہوئے۔ (سہیلی، II، 52؛ مقریزی ''ازمنہ'' II، 137-8) کچھ نہ کچھ کیا جانا تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔

327: مدینہ منورہ میں اپنی آمد سے تقریباً پانچ ماہ بعد (سمہودی، ص 267) رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی اور مدنی خاندانوں کے سربراہوں کا ایک بڑا اجلاس طلب کیا اور انہیں تاکید و نصیحت کی کہ وہ مخلصانہ تعاون کے ذریعے مہاجرین کے ادغام و انضمام کو آسان بنائیں۔ اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹھوس اور مؤثر منصوبہ بھی تجویز کیا۔ ہر مدنی خاندان کے سربراہ نے جو کہ صاحب حیثیت ہو ایک مکی خاندان کو اپنے ہمراہ لے جانا تھا۔ دونوں مؤاخاتی بھائی اکٹھے کام کریں گے اور منافع میں وراثت کی حد تک حصہ دار ہوں گے ہر شخص نے اس سے اتفاق کیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر کافی تعداد میں مکیوں کی اتنی ہی تعداد کے مدنیوں سے مؤاخات قائم کر دی۔ مقریزی نے ان کی تعداد 186 بتائی ہے۔ (I، 50، بحوالہ ابن الجوزی ''تلقیح'') بعض مؤاخاتی بھائیوں کو قرعہ ڈال کر منتخب کیا گیا (بخاریؒ، 2/3/23، 9/46/63، 21/91 حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے معاملے میں) انصار کی سنجیدگی اور خلوص کو اس حقیقت سے پرکھا جا سکتا ہے (بخاری 3/3/63) کہ انہوں نے

محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان سے ان کی نصف زمینیں لے کر مہاجرین میں تقسیم کردی جائیں۔ مکی مہاجرین میں عزت نفس کا احساس بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے واضح طور پر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''آپ لوگ اپنی زمینیں ایک طے شدہ شرح پر ہمیں کرایہ پر دیں'' اسی طرح جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے صوبے کی آمدنی کو صرف انصار کے لیے مختص کرنا چاہا تو انہوں نے کہا ''جب تک مہاجرین برابر کا حصہ نہیں لیں گے ہم بھی نہیں لیں گے۔'' مؤاخاتی خاندانوں کے باہمی اندرونی تعلقات عام طور پر بہت دوستانہ تھے۔ مثال کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اور ان کے مؤاخاتی بھائی نے وقت کو اس طرح منظم کیا تھا کہ ایک دن وہ کھجوروں کے فارم میں کام کرتے تھے اور ان کا مؤاخاتی بھائی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے جاتا تھا۔ دوسرے دن ہم اپنی ڈیوٹیاں بدل لیتے تھے۔ رات کو ایک بھائی دوسرے کو بتاتا تھا کہ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا کام کیا یا کیا سیکھا۔ (بخاری 3:27) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ مزید دلچسپی کا حامل ہے۔ ان کے مؤاخاتی بھائی نے ان سے کہا ''یہ ہے میری پراپرٹی، میں آدھی تمہیں دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک منتخب کر لیجئے۔ میں اسے طلاق دے دوں گا تاکہ تم اس سے شادی کر سکو۔'' حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''رب تعالیٰ جل شانہٗ تمہیں تمہاری پراپرٹی اور خاندان کی نعمت سے نوازے رکھیں۔ مجھے صرف شہر کی مارکیٹ کا راستہ بتا دیجئے۔'' وہ وہاں مارکیٹ میں گئے۔ انہوں نے کوئی چیز ادھار پر خریدی اور اسے فوراً معمولی منافع پر فروخت کر دیا۔ دن میں کئی مرتبہ انہوں نے یہی عمل دہرایا۔ شام تک انہوں نے اتنا کچھ نفع کما لیا تھا کہ اپنے لیے کھانے کو کچھ خرید سکیں۔ کچھ عرصہ بعد وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ انہوں نے ایک نوجوان مدنی لڑکی سے شادی کر لی ہے اور یہ کہ اسے نہ صرف مہر دیا ہے بلکہ انہوں نے شادی کی پارٹی کے تمام اخراجات بھی پورے کیے ہیں۔ (بخاری، 69:67) اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امیر ترین ساتھیوں میں شمار ہونے لگے۔

328: مکی مہاجرین اپنے مؤاخاتی بھائیوں کے از حد شکر گزار تھے۔ جب ان سے ممکن ہو سکا انہوں نے اپنے مؤاخاتی بھائیوں کو وہ پراپرٹی واپس کر دی جو انہوں نے مؤاخات کے ذریعے

حاصل کی تھی۔انہوں نے اس پراپرٹی کو قرض حسنہ سمجھا۔جب نو وارد مکمل طور پر مدنی معیشت میں مدغم ہو گئے تو معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤاخاتی بھائی سے وراثت کو ختم کر دیا سوائے اس کے کہ مؤاخاتی بھائی کا کوئی خونی رشتہ ہو۔ہر کوئی اپنے گھر اور اپنے خاندان کا مالک ومختار ہو گیا۔(مقریزی،ا،50)

329: یہ رشتہ اخوت (مؤاخات) غیر متوقع طور پر بہت جلد ہی سودمند اور مفید ثابت ہوا۔فوجی مہمات کے دوران سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو میں سے ایک مؤاخاتی بھائی کو شامل کیا جب کہ دوسرا دونوں خاندانوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر ہی رہا۔

330: آخر میں ایک چھوٹی سی بات کا حوالہ دیتے ہیں۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں ایک رعایت حاصل تھی۔کوئی بھی شخص اسے چارا یا پانی سے انکار نہیں کرتا تھا کیونکہ ''عضباء'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی تھی۔(لسان العرب)

باب 23

قومی شیرازہ بندی

مدینہ کی آبادی

331: ہم نے ابھی دیکھا کہ مہاجرین مکہ کے **186** خاندانوں کو باضابطہ طریقے سے اتنے ہی مدنی (انصار مدینہ) خاندانوں کا حصہ بنادیا گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سن ہجری کے آغاز کے موقع پر مدینہ میں کم وبیش **400** خاندانوں کے سربراہ پہلے ہی مسلمان تھے اور یقیناً مسلمانوں کی تعداداس سے کافی زیادہ تھی۔ بخاری کی یہ حدیث بھی اسی دور کی نشاندہی کرتی ہے۔حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے مسلمان لوگوں کی ایک فہرست بنا کر دو۔ ہم نے ان کے لیے **1500** ناموں پر مشتمل فہرست بنا کر دی۔

332: ان **1500** مسلمانوں کے علاوہ جو اسلام کی پہلی مردم شماری تھی مدینہ میں قابل ذکر تعداد میں عرب قبائل بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہودیوں کی آبادی بھی عربوں سے کسی طور کم نہ تھی۔اس طرح مدینہ میں ان تمام افراد کی آبادی کیم ہجری میں دس ہزار افراد کے لگ بھگ تھی۔

اندرونی معاملات

333: اوس اور خزرج دراصل دو بھائی تھے مگر بتدریج ان کی نسلیں دو حریفوں کی شکل اختیار کر گئیں۔دونوں کی مشہور جنگ بعاث سے چھ سات سال قبل دونوں قبائل میں خونریز جنگ ہوئی جس میں خزرج کو فتح ہوئی اس جنگ میں خزرج کو یہودیوں کی مدد بھی حاصل تھی۔(ابن ہشام صفحہ **387,286**)۔اس کے جواب میں اوس مجبوراً قریش مکہ کے حلیف بن گئے جس کا ذکر پہلے آچکا

ہے۔ برسہا برس کی مخاصمت سے دونوں قبائل کے صاحب فہم لوگ پہلے ہی تنگ آئے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلیل القدر ہستی کو جو ''غیر ملکی'' بھی تھے اپنا لیڈر تسلیم کرنے میں دونوں قبائل کو زیادہ تردد نہیں ہوا۔ ہجرت سے قبل خزرج کے لوگ اپنا ایک بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے ارر یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل ہی عبداللہ بن اُبی کے سر پر رکھے جانے والے تاج شاہی کی تیاری کا آرڈر دیا جا چکا تھا (ابن ہشام صفحہ **413**، **727**، طبری، تاریخ، **I**، **1511**، سہیلی، **II**، **51**، بخاری **20/79**)۔ جبکہ ایک خزرجی بادشاہ اوس والوں کے لیے قابل قبول نہ تھا اور شائد اہل یہود بھی اس انتخاب پر مطمئن نہیں تھے۔ اہل اسلام کی آمد سے خزرجیوں کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور خود عبد اللہ بن اُبی کی بادشاہت کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہونے سے رہ گیا۔ اس پس منظر میں عبداللہ بن اُبی کی منافقت کے بارے میں بہت سے سوالوں کے جواب اور مسلمانوں کو آئندہ ایام میں پیش آنے والی بہت سی مشکلات کے جواز موجود ہیں۔

334: جہاں تک یہودیوں کا تعلق ہے وہ تین بڑے قبائل میں تقسیم تھے۔ بنوقینقاع، بنو النضیر اور بنوقریظہ۔ ان میں سے قینقاع خزرجیوں کے حلیف تھے اور بنوقریظہ کا اتحاد اوس سے تھا (ابن ہشام صفحہ **546**، **554**، **688**)۔ یہودیوں میں بھی باہمی لڑائیاں ہوتی تھیں اس لیے انہوں نے مدینہ کے دو حریف قبائل سے سمجھوتے کیے ہوئے تھے۔ لفظی طور پر قینقاع کا مطلب ہے سنار، نضیر سے مراد ''تازہ پتے'' ہیں اور (اس طرح اس سے زراعت کا تصور پیدا ہوتا ہے)۔ قریظہ ایک درخت کا نام ہے جسے چمڑا رنگنے والے استعمال کرتے تھے۔ غالباً مدینہ میں ان کی آمد کے وقت یہی ان کے پیشے تھے جس پر ان کے نام پڑ گئے تھے۔ تاجروں کی حیثیت سے وہ مال باہر سے منگواتے اور اشیاء خوردنی فروخت کرتے تھے۔ وہ بنکاری کا کام بھی کرتے تھے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے قرض پر کوئی چیز خریدی تھی)۔ (بخاری **1/43,14/34**)

335: مدینہ میں مسیحیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ اوس کے ایک شخص ابو عامر نے عیسائیت قبول کر لی تھی اور راہب بن گیا تھا (ابن ہشام **2-561**) اس کے بیٹے

حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعدازاں اسلام قبول کرلیا تھا اور جنگ احد میں شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسیل الملائک کا لقب حاصل کیا (جسے فرشتوں نے غسل دیا ہو)۔

اسلام دشمنی کی بنا پر ابو عامر نے اپنے پچاس ساتھیوں کے ہمراہ جنگ احد میں کفار مکہ کی طرف سے حصہ لیا۔ بعدازاں دل شکستہ ہوکر اس نے رومی علاقے میں پناہ حاصل کرلی اور وہیں آباد ہوگیا۔ ابو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک کی مہم پر روانگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منافقین مدینہ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ رومی فوج سے مدینہ پر حملہ کروا دے گا (واحدی اسباب النزول صفحہ 195) اور ان پر زور دیا کہ وہ قبا کے نزدیک اپنی ایک مسجد تعمیر کرلیں جہاں تمام منافقین جمع ہوکر اپنا اجلاس منعقد کیا کریں۔ (مقریزی ا، 481، تفسیر طبری، XI، 18، آیت 107/9، سمہودی، دوسرا ایڈیشن صفحہ 814 بحوالہ بیہقی) تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی شرانگیزی کا اندازہ ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو جلانے اور منہدم کردینے کا حکم دیا۔ دو سال بعد ابو عامر ہرقل کی قلمرو میں مرگیا۔ اس کے علاوہ مدینہ میں عیسائیت کے وجود کا کوئی اور ثبوت نہیں ملتا۔

336: قبل از اسلام کے مدینہ میں کسی اور مذہب کے پیروکاروں کا بھی وجود نہیں ملتا۔

337: سیاسی حوالے سے مدینہ قبائلی نظام سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ کسی شہری ریاست کا وجود نہ تھا۔ ہر قبیلہ چاہے عرب تھا یا یہودی خود مختار حیثیت کا حامل تھا جو اپنے سردار کے سوا کسی اور کا حکم ماننے کے روادار نہ تھے۔ یہ سردار کس طرح منصب پر فائز ہوتے تھے پوری طرح معلوم نہیں ہے ہر قبیلہ کا ایک ''اسمبلی ہال'' یا اجتماع گاہ ہوتی تھی جہاں کسی ہنگامی صورتحال میں صلاح مشورے کے لیے اہل قبیلہ کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ خصوصاً گرمیوں میں تفریح اور رائے رنگ کے پروگرام بھی یہیں منعقد ہوتے تھے۔ شام کے اوقات میں یہاں غیر رسمی بیٹھک بھی ہوتی تھی (غالباً جیسے پنجاب کے دیہات میں چوپال لگتی تھی۔ مترجم) نضیری یہودیوں کی مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ اپنا ایک سرکاری خزانہ بھی رکھتا تھا جس میں اہل قبیلہ چندہ دیتے تھے اور یہ جنگ وغیرہ کی صورت میں ہنگامی اخراجات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

(سیرت از شامی جلد 4، باب غزوات السوائق)۔

عربوں میں ایک اجتماعی سماجی بہبود قسم کا نظام بھی قائم تھا کہ ان میں سے اگر کسی شخص

سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تھا یا کوئی مالی معاوضہ کی ادائیگی کی صورت درپیش ہوتی مثلاً دیت وغیرہ کی صورت میں تو اس کی ادائیگی انفرادی کی بجائے تمام قبیلہ کی ذمہ داری تصور ہوتی ۔ (First written constitution in the World از ڈاکٹر حمید اللہؒ) مختلف قبائل کو باہم منضبط کرنے والی کوئی مرکزی اتھارٹی موجود نہ تھی ۔ اگر ظالم اور مظلوم کا تعلق مختلف قبائل سے تھا تو انصاف کا حصول اگرچہ بذریعہ مذاکرات ہی ہوتا مگر اس میں دونوں قبائل کی فوجی قوت بھی اثر انداز ہوتی تھی ۔ ان معاملات میں مساوی حقوق کا بھی کوئی تصور نہ تھا کہا جاتا ہے کہ بعض قبائل (یقیناً کمزور) کا خون بہا بعض دوسرے قبائل (یقیناً طاقتور) کی نسبت نصف ہوتا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 802-3 (عرب قبائل کے لیے ابن حنبل ، نمبر 2212/ (یہودی قبائل کے لیے)، 3434) کوئی باقاعدہ قانون نہیں تھا ثالث یا منصف وقتی طور پر منتخب کر لیے جاتے تھے جو اپنی صوابدید پر فیصلے کرتے تھے یا پھر اپنی فرسودہ روایات کو مثال بناتے تھے۔

338: شہر کی حدود حتمی طور پر متعین نہیں تھیں حملہ آوروں کے خلاف دفاع کے لیے ہر قبیلے کے حفاظتی برج اور چھوٹے چھوٹے قلعے اور سنگی حصار ہوتے تھے جن میں جنگ کی صورت میں عورتوں اور بچوں کو اور ان کے ساتھ بعض اوقات بکریوں کے ریوڑ بھی محفوظ رکھے جاتے اور بالغ مرد لڑائی پر جاتے ۔ اُحیحہ بن الجلاح کے ضحیان برج کے کھنڈرات جو کئی منزلہ پتھروں سے بنی ''چاندی کی طرح سفید'' عمارت کے پرشکوہ ماضی کی یادگار تھے مدینہ کے جنوبی حصے میں اب تک مرورِ زمانہ کے سامنے سینہ سپر تھے۔ یاد رہے کہ اُحیحہ بن جلاح کی بیوہ (سلمیٰ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے شادی کی تھی جس سے عبدالمطلب تولد ہوئے تھے ۔ (سمہودی دوسرا ایڈیشن صفحہ 194)۔

339: مدینہ میں خواندگی کی حالت بہت پتلی تھی اور صرف محدود تعداد میں مرد پڑھ اور لکھ سکتے تھے ۔ اہل یہود بولتے تو عربی ہی تھے لیکن اندازہ ہے کہ لکھنے میں وہ عبرانی زبان استعمال کرتے تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بیت المدارس (یا بیت المدراس؟) قائم کیا تھا (ابن ہشام صفحہ 383، 388 / مسیحیوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ 401، بخاری کتاب 65، سورۃ 3، حدیث نمبر 9) اس ادارہ نے جو بیک وقت تعلیمی اور عدالتی معاملات کا ذمہ دار تھا اہل یہود کو اپنے غیر تعلیم یافتہ مشرک ہمسایوں پر ایک نفسیاتی برتری عطا کی ہوئی تھی اور خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ وہ اہل کتاب

(توریت) بھی تھے۔

340: مدینہ کا علاقہ ایک وسیع وادی پر مشتمل تھا جنوب سے شمال تک اونٹ سوار کو ایک روز لگ جاتا تھا اور اسی قدر فاصلہ مشرق سے جنوب تک تھا۔ علاقہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جو آتش فشانی لاوے سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ آب و ہوا معتدل اور زمین زرخیز ہے۔ کنوؤں کا پانی خصوصاً عین زرقاء کا پانی میٹھا اور وافر ہے۔ میں نے کبھی اس سے زیادہ لذیذ پانی نہیں پیا۔ اس کے کھجوروں کے درخت اپنے معیار، قسم اور پیداوار کے اعتبار سے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلی صدی ہجری میں یہاں سے گندم ملک شام بھیجی جاتی تھی۔ مدینہ میں مکہ کی نسبت بارش بھی بکثرت برستی ہے اور مکہ سے جنوب مشرق میں واقع وادی وج (طائف) کا پانی بحیرہ احمر میں گرنے سے قبل مدینہ میں سے بہہ کر جاتا ہے۔ اسی پانی کے مدینہ پہنچنے سے قبل (شمالی مضافات میں) ایک جھیل عقول وجود میں آ گئی ہے جو سال بھر میں کبھی خشک نہیں ہوتی جب میں نے 1946ء میں یہ جگہ دیکھی تھی تو علاقے میں کچھ خانہ بدوش قیام پذیر تھے اور مجھے بتایا گیا کہ جنگ عظیم اول سے قبل ترک گورنر اس جھیل میں تفریحی کشتیاں چلایا کرتے تھے۔ اب شہر کو پینے کے پانی کی فراہمی کے لیے عین زرقاء کو جھیل سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ جس سے اب اس کنویں کا پانی اپنی روایتی مٹھاس سے محروم ہو چکا ہے۔

پہلی اسلامی ریاست کا آئین

340:الف: اس آئینی دستاویز کے مندرجات کا تجزیہ کرنے سے قبل اس عمل میں خدائی مدد کی کارفرمائی کی نشاندہی بھی کی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی تردد کے مدینہ کا حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا اور یہ اس لیے ممکن ہو گیا کہ وہاں پہلے سے کوئی بادشاہ یا سریر آرائے تخت نہ تھا اور ایک سیاسی خلا موجود تھا۔ اگر وہاں کوئی بادشاہ ہوتا تو وہ خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دستبردار نہ ہوتا (کانسٹینٹائن کے 323ء عیسائیت قبول کرنے کے بعد اس کے اس وقت کے پوپ سے تعلقات کا معاملہ ملاحظہ ہو)۔ ایسا موقع زرتشت (آتش پرستی کا بانی) کو ملا نہ کنفیوشس کو نہ ہی کرشن کو نہ موسیٰ، اور نہ عیسیٰ کو، گوتم بدھ نے خود ہی تخت و تاج چھوڑ دیا۔

خدائی مدد کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہ تھا کہ اپنے پیروؤں کے لیے ''اسوہ حسنہ کی عمدہ مثال'' بن جاتے۔ ایک ایسے شخص کی مثال جو جس چیز کی تعلیم دیتا ہے اس پر عمل کا نمونہ بھی پیش کرتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو روحانی کے ساتھ ساتھ زندگی کے اخلاقی اور مادی پہلوؤں کے حوالے سے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے لیے کتنی عظیم رحمت ہے۔ کیا کسی بادشاہ کی ایسی مثال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حکمت اور انصاف سے حکومت کر سکے؟

341: اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی مسلم آبادی کو متحد کرنے کی کوشش پہلے بھی کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل بیعت عقبہ کے موقع پر ہر قبیلے کا ایک سربراہ (نقیب) اور ایک ''نقیب النقبا'' مقرر فرمایا تھا مگر ابھی تک یہ نظام مستحکم بنیاد پر استوار نہیں ہو سکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے حقوق اور فرائض کا تعین ابھی کیا جانا باقی تھا۔ ابھی مدینہ کے غیر مسلم عربوں اور اہل یہود سے بھی تعلقات کو باضابطہ شکل دی جانا تھی تاکہ آبادی کو باقاعدہ ایک نظام کے تحت لایا جائے اور عدالتی، تعلیمی، مالیاتی، فوجی، مذہبی اور دوسرے اداروں کی داغ بیل ڈالی جا سکے۔ اسلام کے مستقبل کے لائحہ عمل کو بھی رخ دیا جانا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا حقیقی مطلوب ومقصود تھا۔ پہلے روز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صدقات کے عمل پر تھی۔ مکہ سے ہی اس کا آغاز ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے لیے دن میں پانچ نمازیں اور اپنے مال سے صدقات دینا لازمی تھا لیکن وہ کافی نہ تھا بلکہ اس کے لیے زیادہ مستحکم نظام کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ سیکولر (سیاسی) فرائض بھی اپنے ذمہ لینے کے پس پردہ بہت سی وجوہات کارفرما تھیں۔ سب سے پہلے یہ کہ تجربے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوا کہ معاشرے میں نظم وضبط اور امن وامان کے قیام کے لیے دنیوی فرائض بھی ضروری ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ایسا شخص موجود نہ تھا جو اسلامی قوانین اور اصولوں کے مطابق قوم کے دنیاوی لیڈر کے فرائض بجا لائے کیونکہ اسلام ابھی اپنی تشکیل کے مرحلے میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ تھا جو اسلام کی حقیقت کو پہچانتا ہو۔ اس کے علاوہ تاریخ گواہ ہے کہ سربراہان ریاست اور فوجی کمانڈروں کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح معاملات چلانے

کے لیے نمونوں اور مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلام سے قبل سماجی و مذہبی اصلاحات کے حوالے سے (کسی انقلاب کی) کم از کم کوئی مثال موجود نہ تھی اگر حکمرانوں کو من مانی کی اجازت دے دی جائے تو انسانیت ظلم و جبر کا شکار ہو جائے گی جو طوائف الملوکی کے فتنہ سے بھی بدتر چیز ہے۔ مزید برآں یہ کہ سابق پیغمبروں مثلاً موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے روحانی کے ساتھ ساتھ دنیوی ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔

342: درپیش صورتحال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ساتھ ساتھ اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے بھی مشورہ کیا۔ سب لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہوئے (بخاری 16/96 نمبر 18) اور مدینہ کو ایک شہری ریاست بنانے کا فیصلہ کیا۔ ایک آئینی دستاویز تیار کی گئی جو خوش قسمتی سے آج تک مکمل حالت میں محفوظ ہے (عربی متن کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، ابوعبید اور ابن ابی خیثمہ جن کا حوالہ میری کتاب الوثائق السیاسیۃ میں بھی دیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا انگریزی ترجمہ میری کتاب FIRST WRITTEN CONSTITUTION IN THE WORLD میں اور فرانسیسی ترجمہ اور تشریح میری کتاب *DOCUMENTS & CORPUS* میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کی پہلی مسلمان شہری ریاست کا آئین ہونے کے ساتھ ساتھ یہ عالمی تاریخ میں کسی بھی ملک کا پہلا تحریری آئین بھی ہے۔ بائبل کی کتاب سیموئل I، VIII، 11-18 اور X، 25 (11 ویں صدی قبل مسیح) میں مطلق العنان بادشاہوں کے دائرہ اختیار کی جو فہرست دی گئی ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ اسی طرح (یونانی ماہر آئین) سولون (640-558 قبل از مسیح) نے ایتھنز کی شہری ریاست کی حکمران کونسل کے رکن کی حیثیت سے جو تجاویز دی ہیں وہ پہلے سے موجود آئین میں تبدیلیوں سے متعلق ہیں۔ یہ تجاویز بعد ازاں منظور کر کے نافذ کر دی گئیں۔ یہ معلوم نہیں کہ آیا یہ تحریری تھیں تاہم وہ آئین کے تمام شعبوں کا احاطہ نہیں کرتیں۔ کنفیوشس (551-419 قبل مسیح)، ارسطو (384-322 قبل مسیح) اور ان کے ہندوستانی ہم عصر کوتلیا کی تحریریں ایسے آئین پر مبنی نہیں تھیں جو باقاعدہ بادشاہوں یا مملکتوں نے نافذ کیے ہوں۔ ان کی نوعیت شہزادوں (کی تربیت) کے لیے درسی کتب جیسی تھی یا حکمرانوں کے لیے تجاویز کی طرح تھیں جو چاہیں تو انہیں قبول کر لیں چاہیں تو مسترد کر دیں۔ حتیٰ کہ ''ایتھنز کا آئین'' بھی جسے ارسطو سے منسوب کیا

جاتا ہے ایک مورخ کی نگارشات سے زیادہ کوئی چیز نہیں جو اس وقت تیار کی گئیں جب ایتھنز کا شہری ریاست کی حیثیت سے کوئی وجود نہ تھا اور ارسطو کی حیثیت بھی ایک وزیر کی تھی حکمران کی نہیں۔

343: ہماری زیر بحث دستاویز کا کسی یورپی زبان میں پہلا ترجمہ ویل ہاسن نے کیا جس نے اسے 47 حصوں (دفعات) میں تقسیم کیا اور بعد میں آنے والے مترجموں نے بھی بدقسمتی سے اسی کی پیروی کی لیکن میری رائے میں درحقیقت اس کے 52 حصے ہیں۔ دستاویز کے دو واضح حصے ہیں آرٹیکل ایک سے 23 تک (25 دفعات) کا تعلق مسلمانوں کے معاملات سے ہے جبکہ آرٹیکل 24 سے 47 تک (27 دفعات) کا تعلق یہود سے ہے۔ ہمارے راوی کے مطابق (ابوعبید پیرا 518) اس آئین کا نفاذ پہلی صدی ہجری سے ہوا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد بہت جلد اسے نافذ کر دیا)۔ ہمارے راویوں نے آئین کے مندرجہ بالا دونوں حصوں کے نفاذ کی کوئی الگ الگ تاریخ نہیں دی اور اس نکتہ پر مورخ کی خاموشی ہمیں یہ باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ ان دونوں حصوں کا نفاذ ایک ہی وقت میں ہوا تھا۔ تاہم یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہود (کیوں) ایک اجنبی کے لیے جو غیر یہودی بھی تھا اور ان سے کم طاقت کا مالک بھی تھا اپنی خودمختاری اور آزادی رضا کارانہ طور پر ترک کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس حوالے سے دلائل کا تذکرہ ہم بعد میں کریں گے تاہم اس کا ثبوت ایک نہیں بلکہ دو دستاویزات سے ملتا ہے جو دو مختلف اوقات میں تیار کی گئیں مگر تاریخ میں ایک ہی حیثیت سے محفوظ ہے جبکہ ان کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کیا گیا ہے۔

344: یہ امر قابل ذکر ہے کہ آئین کو ''کتاب'' کہا گیا ہے۔ اس شکل میں نہ صرف یہ ایک موثر حکم نامہ ہے جو ایک بالادست کی طرف سے اپنے عوام کے معاملات کو نظم وضبط کے دائرے میں لانے کے لیے جاری کیا گیا بلکہ ایک تحریری دستاویز بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن سے پہلی وحی کے الفاظ محو نہیں ہوئے تھے جن میں انسانی زندگی میں قلم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بعد میں آٹھ مقامات پر آئین (چارٹر) کو صحیفہ (کاغذ کا ورق، دستاویز، تحریری ضابطہ) بھی کہا گیا ہے قرآن اس لفظ کو سابقہ آسمانی یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتابوں کے لیے استعمال کرتا ہے (قرآن 19/87) شاید یہ لفظ اس آئینی دستاویز کی ان لوگوں

کی نظروں میں اہمیت اجاگر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا جن پر ان قوانین کا اطلاق ہونا تھا۔

345: پہلی شق میں سیاسی اور مذہبی بنیاد پر ایک جماعت کے قیام کی بات کی گئی جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل مسلم آبادی اور اس غیر مسلم آبادی پر مشتمل ہونا تھی جو سول حکومت کی مرکزیت کے نظام کو قبول کرنے کے لیے تیار تھی اور جنگ کی صورت میں مسلم آبادی کے شانہ بشانہ جنگ پر بھی آمادہ تھی۔ اس جماعت (مسلم اور غیر مسلم) کا ذکر جسم واحدہ کی صورت میں کیا گیا ہے جو باقی دنیا سے منفرد تھی اور جس کے ہر ممبر کے حقوق مساوی تھے خصوصاً جنگ کے ایام میں (شق 19,18,15)۔ ایک خصوصی شق میں (16) یہود کے لیے دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ باہمی مدد اور ہر ایک کے لیے انصاف پر مبنی اس سیاسی نظام میں شامل ہو جائیں۔ اس آئین میں نظام انصاف کے حوالے سے ایک حقیقی انقلاب کی آمد کے آثار موجود تھے کیونکہ اس میں سب کے لیے یکساں سلوک کی ضمانت تھی۔ ہر شہری اس میں اپنا حصہ ڈالنے کا پابند تھا چاہے اس کا استعمال اس کے قبیلے کے خلاف ہو یا اس کے خاندان یا رشتہ داروں کے خلاف (شق 13)۔ کوئی شخص کسی مجرم کو پناہ نہیں دے گا۔ (22) جھگڑے یا تنازعہ کی صورت میں قانون اور انصاف کا ذریعہ خدا ہو گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم منصف اعلیٰ کے فرائض انجام دے گا (23)۔ آئین میں کچھ مروج روایات جیسا کہ "پہلے سے رائج ہے" کے بیان سے ظاہر ہے) اور کچھ ان میں بہتری لا کر جنگی قیدیوں کی آزادی کے تاوان کی ادائیگی کے لیے سماجی تحفظ کا ایک نظام بھی قائم کیا گیا تا کہ قتل یا زخمی ہونے کی صورت میں انتقام کا پرانا قانون تبدیل کیا جا سکے کیونکہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ قرض وغیرہ اور دوسری بھاری مالی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے دوسرے مسلمانوں کی مدد کریں (12)۔ ہر قبیلہ یہ نظام چلانے میں خود مختار تھا (شق 4-11) لیکن ایک نئے نظریے کے ساتھ کہ قبیلہ کوئی پتھر کا بنا ہوا ڈھانچہ نہ ہو جس کے باہمی رشتے محض پیدائش کے تعلق اور معاہدوں سے ہیں بلکہ یہ ایک رضا کارانہ فلاحی اور فعال تنظیم میں ڈھل جائے۔ اس کا مشاہدہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ مہاجرین مکہ جو نہ صرف بے شمار قبائل سے آئے تھے بلکہ ان میں سے بعض قبائل غیر عرب مثلاً حبشہ سے بھی تھے مگر انہوں نے (مدینہ آمد کے بعد) اپنے آپ کو ایک قبیلہ میں ڈھال لیا۔ یہ بات درست ہے کہ عربوں کے ہاں غیر ملکیوں کو اپنے اندر سمونے کی روائت پہلے سے موجود تھی جو عام طور پر تعداد میں کم ہوتے تھے اور انہیں قبیلے کے اصل ارکان سے قدرے کم حقوق

کا ملنا روائت کا حصہ تھا تاہم ایک بالکل نئے قبیلے کی تشکیل ایک بالکل نئی چیز تھی۔ شاید یہ ہی وہ جڑ تھی جسے پھوٹ کر ''ملت اسلامیہ'' کے تناور درخت میں تبدیل ہونا تھا اور دوسری قوموں کے برعکس جن کی پہچان کی بنیاد نسل، رنگ، زبان اور جائے ولادت تھی، اسلام نے اس کے برعکس قومیت کی بنیاد کے لیے ایک منظم تصور حیات، باہمی روابط اور طرز زندگی کے انفرادی (اور بلا جبر و اکراہ) چناؤ کا انقلاب آفریں نظریہ پیش کیا۔ جہاں تک دفاع اور سلامتی کا تعلق ہے اس آئین میں امن (کی ذمہ داری) کو ایک نا قابل تقسیم چیز کہا گیا ہے (17)۔ اور ہر ایک کے لیے بغیر کسی تخصیص کے فوجی خدمات کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس میں غیر مسلم شہریوں (بلکہ اب مسلم مملکت کے شہریوں) کو قریش (قریش مکہ) یا ان کی جائیدادوں کو کسی طرح بھی تحفظ دینے کی ممانعت کر دی گئی تھی (20)۔ (جو اس وقت تک واحد دشمن تھے) اور اپنی قوم کے لیے لازمی قرار دیا کہ وہ اسلام کی راہ میں پہنچنے والے انفرادی نقصانات کی تلافی کے لیے اجتماعی طور پر آگے بڑھیں (19)۔ آخری اور سب سے ضروری بات یہ تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ ترین جج تسلیم کیا جائے چاہے آئین میں مذکور افراد کے مابین جھگڑے کی نوعیت کوئی بھی ہو (23)۔

346: آئین کے اس حصے میں ریاستی حدود کی حد بندی کی عدم موجودگی کھٹکتی ہے تاہم یہود والے حصے میں اس کی اصلاح کر دی گئی ہے (39)۔ مگر اسلامی (عرب) حصے میں اس معاملے پر خاموشی باعث حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ دراصل قبائل کی آبادیاں ملی جلی تھیں۔ یہودی کالونیوں کے بیچوں بیچ عرب بھی آباد تھے اور اسی طرح عرب آبادیوں میں یہودی بھی قیام پذیر تھے ایک بار جب یہودیوں کو مرکزی سیاسی انتظام کے تحت لے آیا گیا تو حد بندی ممکن اور قابل عمل ہو گئی۔ حد بندی کے حوالے سے آئین میں زیادہ تفصیل نہیں ہے اس میں صرف ''جوف مدینہ'' کا ذکر آیا ہے جس سے مراد میدانی علاقے اور وادی کا وہ حصہ ہے جہاں قبائل آباد تھے۔ تاہم بعض دوسرے حوالوں سے زیادہ واضح تفصیلات ملتی ہیں۔ مثلاً ابن حنبل (ابن حنبل IV، 141 نمبر 10، مسلم 457/15) رافع بن خدیج کے حوالے سے جن کا تعلق جشم بن حارثہ کے قبیلہ سے تھا بیان کرتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ایک مقدس علاقہ (حرم) میں تبدیل کر دیا اور یہ بات کھال کے ایک ٹکڑے پر تحریر ہے جو ہمارے پاس موجود ہے''۔ بخاریؒ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ ریاست کی حدود پر

ستون تعمیر کروائیں۔ جبکہ المطاری کی ''تاریخ مدینہ'' میں کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب یہ الفاظ موجود ہیں ''رسول اللہ نے مجھے مدینہ کے علاقے کے گرد پہاڑیوں پر نشانات کے طور پر ستون تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے میں نے ذات الجیش ،مشیرب ، ماحید کی چوٹیوں ، حفیا، ذوالعشیر ہ اور تیم کے مقامات پر یہ ستون تعمیر کر دیئے۔ اس تفصیل میں ان مقامات کی مکمل نشاندہی بھی کی گئی جس سے ظاہر ہو گیا کہ مدینہ کے چار کلیدی مقامات پر یہ ستون تعمیر کیے گئے۔ یہ مقامات اس علاقے کے چھوٹے پہاڑوں اور پہاڑیوں پر ہیں مثلاً۔ تیم کا مقام مشرق میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار اس حد بندی کو دو جملوں میں سمیٹتے ہیں۔ ''ثور اور عیر کے پہاڑوں کے درمیان'' علی الترتیب (انتہائی شمال اور انتہائی جنوب میں) اور ''لاوا کے دو میدانوں کے درمیان'' (یہ مقامات آباد علاقے کے مشرق اور مغرب میں پائے گئے)۔

347: جہاں تک یہودی قبائل کا تعلق ہے، اس معاملے پر راویوں کی خاموشی کے باوجود ہمیں یہ نہیں سوچ لینا چاہیے کہ یہودیوں نے عرب قبائل کی طرح فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبے پر لبیک کہہ دیا تھا۔ (گو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ان کی نسل سے تھا نہ ہی وہ یہودیت کے علمبردار تھے (تاہم) اسلام اس وقت تک یہودیوں کی سلامتی اور آزادی کے لیے کوئی ناپسندیدہ طاقت نہیں بنا تھا مگر جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، آئین کی بعض دفعات کے تحت یہودیوں کی سیاسی اور معاشی خودمختاری کا ایک قابل ذکر حصہ سلب ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہودی قبائل کا آئین کے متن میں کہیں بھی آزادانہ حیثیت (بحیثیت قوم) سے کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا جب کہ اس کے برعکس اسلام قبول کرنے والے دس قبائل کا ذکر التزام کے ساتھ موجود ہے مگر یہودیوں کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ فلاں فلاں عرب قبیلے کے حلیف (46-24-35) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودیوں کو مدینہ کی وفاقی شہری ریاست میں مساوی حقوق حاصل نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت عرب مسلمان سرپرستوں کے زیردست کی تھی اندازہ ہے کہ یہ صورتحال ان حالات کا منطقی نتیجہ تھی جب مسلمانوں نے بدر کی فیصلہ کن جنگ میں کامیابی حاصل کر کے مدینہ میں اپنی پوزیشن مستحکم کی۔ اس کے علاوہ میثاق مدینہ کے عربوں سے متعلق حصہ کی دفعہ 16 کے تحت یہودیوں کے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ معاہدے میں شامل ہو جائیں اگر وہ شروع ہی سے شامل ہو گئے ہوتے تو پھر اس دفعہ کے شامل کرنے کا کوئی جواز نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ اس

تاثر کو تقویت دینے والے اور عوامل بھی ہیں۔ ابن منظور کی رائے میں (لسان العرب) مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ ہونے والا معاہدہ اور مدنی مسلمانوں (انصار) اور مہاجرین کے باہم معاہدے دو الگ الگ نوعیت کے معاہدے تھے۔ دراصل ایک ہی پیرے میں وہ ''مدنی مسلمانوں اور مہاجرین کے مابین معاہدہ اور یہودیوں کا معاہدہ'' کو دو مختلف چیزیں قرار دیتے ہیں۔ ابو داؤد کی زیادہ واضح الفاظ میں یہ رائے ہے ''یہ معاہدہ (یہودیوں کے ساتھ) جنگ بدر کے بعد ہوا (2 ہجری میں) جب کہ مشہور یہودی ہزل گو شاعر کعب بن اشرف سے بھی نجات مل چکی تھی'' جس کے تعلقات مسلمانوں سے چنداں خوشگوار نہ تھے۔ (ابوداؤد۔23/19)

348: جو چیز ہمیں حیرت میں مبتلا کرتی ہے کہ ہمیں یہودیوں سے ہونے والے معاہدہ کے آغاز کا کوئی سراہاتھ نہیں آتا اس کا اچانک آغاز اس طرح ہو جاتا ہے کہ ''اور اہل یہود جب مسلمانوں سے مل کر (کسی دشمن کے خلاف) لڑیں گے تو اس جنگ کے اخراجات میں بھی مسلمانوں کے ساتھ حصہ ڈالیں گے۔'' (دفعہ 24 جو یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کی پہلی شق ہے)۔ اس صورتحال کی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہودیوں کے ساتھ معاہدے کی کوئی علیحدہ حیثیت نہ تھی بلکہ اصل آئین کی محض توسیع تھی اور اس طرح مسلم شہری ریاست کے نئے یونٹوں (شہریوں) کے حقوق وفرائض سے متعلق شقیں شامل کرنے کے تقاضے کی تکمیل تھی۔ ورنہ ہم یہ باور کرنے پر مجبور ہوتے کہ راویوں نے نئے معاہدے کی ابتدائی شقوں کو (دانستہ) دبا دیا ہے اور (یہ کہ) چونکہ نئے معاہدے کا مقصد اہل یہود کو مسلمانوں ہی کی سیاسی اور آئینی زندگی میں شریک کرنا تھا اس لیے ہمارے ذرائع نے دو دستاویزات کو اکٹھا کر کے ہمیں پیش کر دیا ہے۔

349: چونکہ آئین کا یہودیوں کے متعلق حصہ دفاعی جنگ کی صورت میں ان کی (یہودیوں کی) ذمہ داریوں کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اس لیے یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ یہ ایسا وقت تھا جس میں مسلمان بیرونی حملے کا خطرہ محسوس کر رہے تھے اور خدشہ تھا کہ یہودیوں کی ہمدردیاں حملہ آور کے ساتھ ہوں گی۔ اس حوالے سے ابوداؤد کی مندرجہ بالا روایت بھی اس تاثر کی تصدیق کرتی ہے۔ قریش مکہ کو بدر میں جس عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا وہ اس کے بعد سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور اس کے لیے تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ یہودی شاعر کعب بن اشرف قریش مکہ کو شکست پر پُرسہ دینے مکہ گیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمانوں سے

جنگ کی صورت میں یہودیوں کی حمائت قریش مکہ کے ساتھ ہوگی۔کعب بن اشرف مدینہ واپس آیا تو اس کی سازش کی اطلاع مسلمانوں کو ہو چکی تھی چنانچہ اس کی پاداش میں وہ چند مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا (ابن ہشام 548)۔اپنے سردار کی موت نے یہودیوں کو خوفزدہ کر دیا اور وہ اپنے مسلمان ہمسایوں سے معاہدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے جس کے تحت جنگ کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کے پابند ہو گئے۔اس طرح معاہدہ کی شق 47,42 میں ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ دوبارہ استعمال کئے جانے پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہ ہوا۔صورتحال کی نزاکت نے انہیں اس کو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا تھا گو کہ اس کے سوا کوئی اور چیز ان پر ٹھونسی نہ گئی جو ان کے مذہبی عقیدے کے خلاف تھی۔معاہدے میں انہیں ہر قسم کی مذہبی آزادی دی گئی تھی (شق 25)۔اسی طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنازعات کی صورت میں ثالث تسلیم کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کر دی (شق 42)۔ایک اور نکتہ جس پر معاہدہ تو خاموش ہے تاہم اس کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے کہ مختلف مذاہب کے پیروکار (یہودیوں اور مسیحی) اپنے اپنے معاملات اپنے مذہبی عقائد کے مطابق نمٹائیں (5/42-50) ایسے بہت سے واقعات ہوئے جن میں مدینہ کے یہودی اپنے سرداروں کے فیصلوں سے مطمئن نہ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فیصلے قرآن نہیں بلکہ توریت کے مطابق کیے۔

350: معاہدے کے تحت یہودی اس بات کے پابند تھے کہ قریش مکہ یا ان کے حلیفوں کو کسی قسم کی امداد یا پناہ نہ دی جائے۔اس شق کا مقصد نہ صرف قریش مکہ کو یہودیوں کی مدد اور حمایت سے محروم کرنا تھا بلکہ یہ بھی تھا کہ بیرونی دشمن کے خلاف مسلمانوں اور یہودیوں کا ایک اتحاد بنایا جائے۔اس طرح کسی حملہ آور سے امن معاہدہ کرنے کے لیے دونوں اتحادیوں کی رضامندی ضروری تھی اور مرکزی حکومت کوئی بھی فیصلہ کرتی اسے ریاست کے وفاقی یونٹوں کو شامل کرنا ضروری تھا (شق 45,44,37)۔بیرونی حملہ کی صورت میں مسلمانوں اور یہود کو اپنے اپنے جنگی اخراجات خود برداشت کرنا تھے (شق 38,37,24) تاہم اپنے مذہب کے لیے کسی جارحانہ کارروائی کی صورت میں کوئی فریق بھی دوسرے کی مدد کا پابند نہیں تھا (شق 45)۔مسلمانوں کی مہمات میں یہودیوں کی شرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مشروط تھی (شق 36)

غیر ملکیوں کو پناہ دینے کی دیرینہ روائت، قیدیوں کو چھڑوانے کے لیے زرتاوان کی ادائیگی اور خون بہا دینے کی شقیں یہودیوں کے لیے برقرار رکھی گئیں (شق 36,31,25 ب، 40) تاہم یہودیوں کو سختی سے ممانعت کی گئی کہ وہ قریش مکہ کو پناہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ مسلمانوں کے دشمن ہیں (43) اس بات کی سختی سے ممانعت کی گئی کہ کوئی شخص انصاف کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے خواہ ان کا رشتہ دار ہی ملوث کیوں نہ ہو۔ (شق 36 ب وغیرہ)۔ تمام یہودی قبائل، یہودیت قبول کرنے والے عرب، ان کے زیر کفالت افراد اور ان کے متعلقین سب کے حقوق اور ذمہ داریاں برابر ہوں گی (شق 25 وغیرہ)۔ ایک اور معنی خیز حقیقت اس معاہدے کی شق 25 ہے جو اپنی اہمیت کے حوالے سے قابل ذکر ہے اس میں کہا گیا ہے ''اور بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک کمیونٹی (امہ) شمار ہوں گے۔ (تاہم اس کے ساتھ ساتھ) یہودی اپنے مذہب اور مسلمان اپنے مذہب پر عمل پیرا رہیں گے۔ قبیلے کے متعلقین اور قبیلے کے بنیادی ارکان تمام پر معاہدے کا اطلاق ہوگا''۔ ابن ہشام کی مندرجہ بالا روایت کے علاوہ ابو عبید کے حوالے سے جو متن دیا گیا ہے اس کے مطابق اہل یہود کو مسلمانوں کی قوم کا حصہ قرار دیا گیا ''امہ مع المو منین'' ایک جگہ اور ''امہ من المو منین'' دوسری جگہ مذکور ہے۔ اس طرح مع اور من کا فرق موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہود جو توحید پرست ہیں انہیں بت پرست قریش کا ساتھ نہیں دینا چاہیے؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ریاست میں فیڈریشن کے قیام کے ذریعہ اس سے بھی آگے جانا چاہتے تھے جو سیاست اور مذہب کے امتزاج کی بنیاد پر قائم ہونے والی پہلی ریاست تھی۔ اس سوال کا کوئی حقیقی جواب ملنا مشکل ہے۔ اپنے پہلے مفروضہ کو ذہن میں رکھ کر قرآن پاک کی یہ آیت ملاحظہ ہو ''کیا آپ نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راست پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کردے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا'' (52-51/4)

351: مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے نضیری یہودی مراد ہیں جو قریش مکہ کی حمائت حاصل کرنے کے لیے یہ تک کہنے لگے کہ اہل مکہ کی بت پرستی اسلامی توحید سے بہتر ہے۔ دوسرے امکان یا مفروضہ کا جہاں تک تعلق ہے اس حوالے سے بھی قرآن پاک کی آیات موجود ہیں'' کہہ

دیجئے (اے پیغمبر) کہ اے اہل کتاب !ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں 64/3)

352: رسول اللہ نے شہنشاہ ہرقل اور دوسرے مسیحی حاکموں اور بادشاہوں کو جو خطوط لکھے ان میں بھی یہی اپیل کرتے ہوئے اسلام کی دعوت دی گئی۔ قرآن پاک کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو ''(بے شک) مسلمان ہوں یہودی ہوں، نصاریٰ ہوں یا صابی ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غم (2/62-5/69)۔

353: یہ اسلام کے مطابق مذہب کا نچوڑ ہے اور سچا عقیدہ۔ بعض دوسری آیات میں (مثلاً 2:135) اہل کتاب کو دین ابراہیم کو زندہ کرنے اور ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

354: آیئے اب ان یہودی گروپوں کی تخصیص کریں جن کا ذکر زیر بحث معاہدے یا میثاق میں آیا ہے۔ مورخوں کے مطابق اس وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبائل تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ تاہم معاہدے کی دستاویز میں یہ نام مذکور نہیں ہیں۔ اس میں صرف فلاں ''عرب قبیلے کے یہود'' کا ذکر ہے۔ راویوں کا کہنا ہے کہ مدینہ میں بنو قیلہ کے سوا کوئی عرب نہ تھے جو اوس اور خزرج قبائل میں منقسم تھے۔ اوس اور خزرج دو بھائیوں کی اولاد تھے جن کی ماں کا نام قیلہ تھا آئینی دستاویز میں بھی ان کا ذکر اس طرح نہیں بلکہ ان کی ذیلی تقسیم کے حوالے سے آیا ہے تاہم اوس اور خزرج کی حیثیت سے ان کی شناخت مشکل نہیں۔ مشہور مورخ ابن اسحاق (ابن ہشام نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے صفحہ 372، صفحات 546-554) اس کی کچھ تفصیلات دیتے ہیں ''بنی قینقاع کی اکثریت خزرج کی حلیف تھی اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ چونکہ آئینی دستاویز میں اوس اور خزرج نہیں بلکہ ان کی ذیلی تقسیم (نجار، سعیدہ وغیرہ) اور ان کے یہودی حلیفوں کا ذکر آیا ہے اس لیے باور کیا جا سکتا ہے کہ تین یہودی قبیلے بھی (اپنے ہمسایہ) عربوں کی طرح تقسیم در تقسیم ہو چکے تھے۔ آئینی دستاویز میں مذکور شق 4 تا 11)۔

355: ذیل میں اس آئین (میثاق مدینہ) کا مختصراً تجزیہ دیا جا رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی وادی میں نافذ فرمایا اور اسے ایک ریاست کی شکل دی جسے آنے والے وقتوں میں وسیع اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ بننا تھا۔ یہ آئین شروع ہی سے تحریری دستاویز کی شکل میں تھا۔ اس میں اس وقت کی حکومت کے تمام شعبوں اور ایک ابھرتی ہوئی سیاسی قوت کی مخصوص ضروریات اور تقاضوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جن میں دفاع، قانون سازی، نظام انصاف وغیرہ شامل ہیں۔ گو بعد ازاں اس میں وقتاً فوقتاً حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں جو سیاسی حالات کا بدیہی تقاضا تھا مگر مورخوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ یہاں اس حوالے سے ایک دلچسپ حقیقت کا اظہار بے جا نہ ہوگا۔ اس آئینی دستاویز کے مسلمانوں سے متعلق حصہ میں (شق 20 ب) قریش مکہ کو جان و مال کا تحفظ دینے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے جب کہ بخاریؒ جیسے وقیع راوی رقم طراز ہیں کہ جنگ بدر تک (2ھ) کم از کم دو واقعات ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی ممتاز شخصیات نے مکہ والوں کے مال کو تحفظ دیا (بخاری، 2:40، 2:64)۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت (شق) آئین کی بنیادی دستاویز کا حصہ نہ تھی اور یہ کہ اسے جنگ بدر کے بعد شامل کیا گیا یا (کیا) اس کا مطلب ہے کہ یہ پورا آئین ہی جنگ بدر کے بعد تیار اور نافذ ہوا؟

356: یہ صورتحال جیسی بھی تھی (حقیقت یہ ہے کہ) اسلام کے اس آئین کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اور روحانی اور دنیاوی عناصر کے امتزاج نے اسے جو جہت اور رنگ عطا کیا وہی اس کی خصوصیت اور پہچان بن گیا۔ روحانیت (اور درحقیقت اخلاقیات) سے عاری سیاست مادیت کی طرف لے جاتی ہے۔ جو وحشی حیوانوں سے بھی بدتر زندگی ہے اور مادی اور دنیاوی آلائشوں سے پاک روحانیت ہمیں فرشتوں سے بھی بالا مقام عطا کر سکتی ہے لیکن اس معیار پر چند افراد ہی پورے اتر سکیں گے اور لوگوں کی عظیم اکثریت روحانی کمال کے اس دائرے سے باہر ہی رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام آدمی کی فلاح و بہبود سب سے عزیز تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں میں توازن پیدا کرنے کی تعلیم دی اور اس راستے پر چلنے کی تلقین کی جس میں روحانی اور دنیاوی دونوں پہلو ساتھ ساتھ چلیں۔ مذہب نے ہر شخص کے لیے کم از کم ضروری فرائض کا تعین کر دیا تاہم جو لوگ روحانی زندگی کو زیادہ وقت دینا چاہتے ہوں

ان کے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ حکمران قوم کے فرد بن گئے جس میں ہر شعبے کے سربراہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سابقہ زندگی کو تبدیل کیا جانا تھا۔ بادشاہی کی لذتیں اٹھانے کے لیے نہیں بلکہ اس کے برعکس ایک زیادہ تقویٰ سے بھرپور زندگی کے لیے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت پر چاہے جوان ہو یا بوڑھا ہجرت سے پانچ وقت روزانہ کی نمازیں فرض ہوگئیں۔ نمازوں کی طوالت بھی دوگنا کردی گئی۔ پہلے روزے فرض نہ تھے تاہم پھر سال میں پورے ایک ماہ کے روزے فرض ہوگئے۔ یہ تمام اقدامات مدنی زندگی کے آغاز میں ہی کرلیے گئے۔ کچھ معاملات بعد میں آئے دنیاوی زندگی کی مسرتوں سے حظ اٹھانے کے مواقع بھی دیئے گئے اور ایک روز میں پانچ نمازیں فرض کر کے روحانی زندگی کے تقاضوں کا ایک توازن قائم کردیا گیا۔ اس کے علاوہ اگرچہ باجماعت نماز کی زیادہ تلقین کی گئی تاہم لوگوں کو گھر میں، کھیتوں میں یا جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز ادا کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ مذہب ہر شخص کی زندگی کا حصہ بن گیا اور عام آدمی کو مذہبی پیشواؤں کی مداخلت اور سفارش کے بغیر خدا تک براہ راست رسائی حاصل ہوگئی۔

357: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مدنی دور اس قدر بھرپور اور مختلف النوع واقعات سے عبارت ہے کہ مورخ کا قلم ان کا کماحقہ احاطہ کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے تمام پہلوؤں پر اظہار خیال ہمیشہ تشنہ رہتا ہے۔ اس لیے شاید یہ مناسب ہوگا کہ ان تمام واقعات کا موضوع کے اعتبار سے ہی مطالعہ کیا جائے تاکہ معاملات کی پرپیچ گرہیں کھلتی چلی جائیں اور وہ صحیح معنویت کے ساتھ ہمارے سامنے آسکیں۔ اس میں ممکن ہے کہ کچھ واقعات کی تکرار کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ جائے لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات کے ہر قسم کے تحفظات سے آزاد مطالعہ کے لیے ضروری ہے اور یہی اس کتاب کا مطلوب ومقصود بھی ہے۔

باب 24

آئین ریاست

358: مدینہ منورہ کی شہری ریاست کے آئین کے مکمل متن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

رحم والے اور مہربان خدا کے نام سے

1۔ یہ ایک حکمنامہ ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کا قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

2۔ تمام (دنیا کے) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت (امت) ہوگی۔

3۔ قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے کے (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خوں بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

4۔ اور بنی عوف اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

5۔ اور بنی الحارث بن خزرج اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

6۔ اور بنی ساعدہ اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی

برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

7۔ اور بنی جشم اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

8۔ اور بن النجار اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

9۔ بنی عمرو بن عوف اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

10۔ اور بنی النبیت اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

11۔ اور بنی الاوس اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

(12۔الف) اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیے بغیر چھوڑ نہ دیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

(12۔ب) اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے خود معاہدہ برداری نہیں پیدا کرے گا۔

13۔ اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

14۔ اور کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ کسی کافر کی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔

15۔ اور خدا کا ذمہ ایک ہی ہے۔ ان (مسلمانوں میں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا اور ایمان والے باہم بھائی بھائی ہیں (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل۔

16۔ اور یہ کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

17۔ اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔

18۔ اور ان تمام ٹکڑیوں کو جو ہمارے ہمراہ جنگ کریں باہم نوبت بہ نوبت چھٹی دلائی جائے گی۔

19۔ اور ایمان والے باہم اس چیز کا انتقام لیں گے جو خدائی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔

(20۔الف) اور بے شبہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

(20۔ب) اور یہ کہ کوئی مشرک (غیر مسلم رعیت) قریش کی جان اور مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

21۔ اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوائے انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی۔

22۔ اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہو گی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے۔ اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہو گا۔

23۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اسے خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سے رجوع کیا جائے گا۔

24۔ اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

25۔ اور بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ، ایک سیاسی وحدت (یا امت) تسلیم کیے جاتے ہیں یہودیوں کو ان کا دین اور مسلمانوں کو ان کا دین۔ موالی ہوں کہ اصل۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

26۔ اور بنی النجار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

27۔ اور بنی الحارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

28۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

29۔ اور بنی جُشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

30۔ اور بنی الاوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

31۔ اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود (اس کی ذات) یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

32۔ اور جفنہ جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، اسے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

33۔ اور بنی الشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ اور وفا شعاری ہو، نہ کہ عہد شکنی۔

34۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

35۔ اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

(36۔الف) اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لیے) نہیں نکلے گا۔

(36۔ب) اور کسی مار، زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور جو خونریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا ورنہ ظلم ہوگا۔ اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس (دستورالعمل) کی زیادہ سے زیادہ وفاشعارانہ تعمیل کرے۔

(37۔الف) اور یہودیوں پر ان کے خرچ کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے خرچ کا۔

(37۔ب) اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں باہم امداد عمل میں آئے گی۔ اور ان میں باہم حسن مشورہ اور وفاشعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

38۔ اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

39۔ اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اس دستور والوں کے لیے ایک حرم (اور مقدس مقام) ہوگا۔

40۔ پناہ گزیں سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ۔ نہ اس کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ خود وہ عہد شکنی کرے گا۔

41۔ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی (یعنی پناہ دینے کا حق پناہ گزیں کو نہیں)

42۔ اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو کوئی قتل یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اسے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے (جن پر خدا کی توجہ اور سلامتی ہو) رجوع کیا جائے گا اور خدا اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

43۔ اور قریش کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی اور نہ اس کو جو انہیں مدد دے۔

44۔ اور ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں باہمی مدد دہی ہوگی اگر کوئی یثرب پر ٹوٹ پڑے۔

(45۔الف) اور اگر ان کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی امر کے لیے لائیں تو مومنین کا بھی فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں، بجز اسکے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

(45۔ب) ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

46۔ اور (قبیلہ) الاوس کے یہودیوں کو جو موالی ہوں کہ اصل، یہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔اور وفا شعاری ہوگی نہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔اور خدا کے ساتھ ہے جو اس دستور کی مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

47۔ اور یہ کہ حکمنامہ کسی ظالم یا عہد شکنی کے آڑے نہ آئے گا۔اور جو جنگ کو نکلے تو بھی امن کا مستحق ہوگا اور جو مدینے میں بیٹھ رہے تو بھی امن کا مستحق ہوگا ورنہ ظلم اور عہد شکنی ہوگی۔اور خدا اس کا نگہبان ہے جو وفا شعاری اور احتیاط (سے تعمیل عہد) کرے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی جن پر خدا کی توجہ اور سلامتی ہو۔

اس دستاویز کا مکمل عربی متن ان کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ابن ہشام، ''سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ایڈیشن یورپ ص 341-344؛ ابن اسحٰق ''سیرۃ'' فارسی ترجمہ، ایڈیشن تہران، 1360 ہجری، ص 480-484؛ ابو عبید ''کتاب الاموال'' 517؛ ابن سید الناس ''عیون الاثر'' I، 198؛ ابن کثیر ''البدایہ والنہایہ'' III، 224-226۔

358: (الف) یہ امر قابل ذکر و قابل غور ہے کہ اس آئین میں جن عربی قبائل کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں عمرو ابن عوف اور النبیت میں کوئی یہودی نہیں ہیں جب کہ یہودی قبائل ثعلبہ، جفنہ اور بنو الشطیبہ میں کوئی مسلمان نہیں ہیں۔ دستاویز میں حوالہ دیئے گئے قبائل نسباً یک دوسرے سے درج ذیل طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ یہ شہری ریاست کے بانی اراکین ہیں اور معاشرتی انشورنس

کی اکائیاں ہیں۔
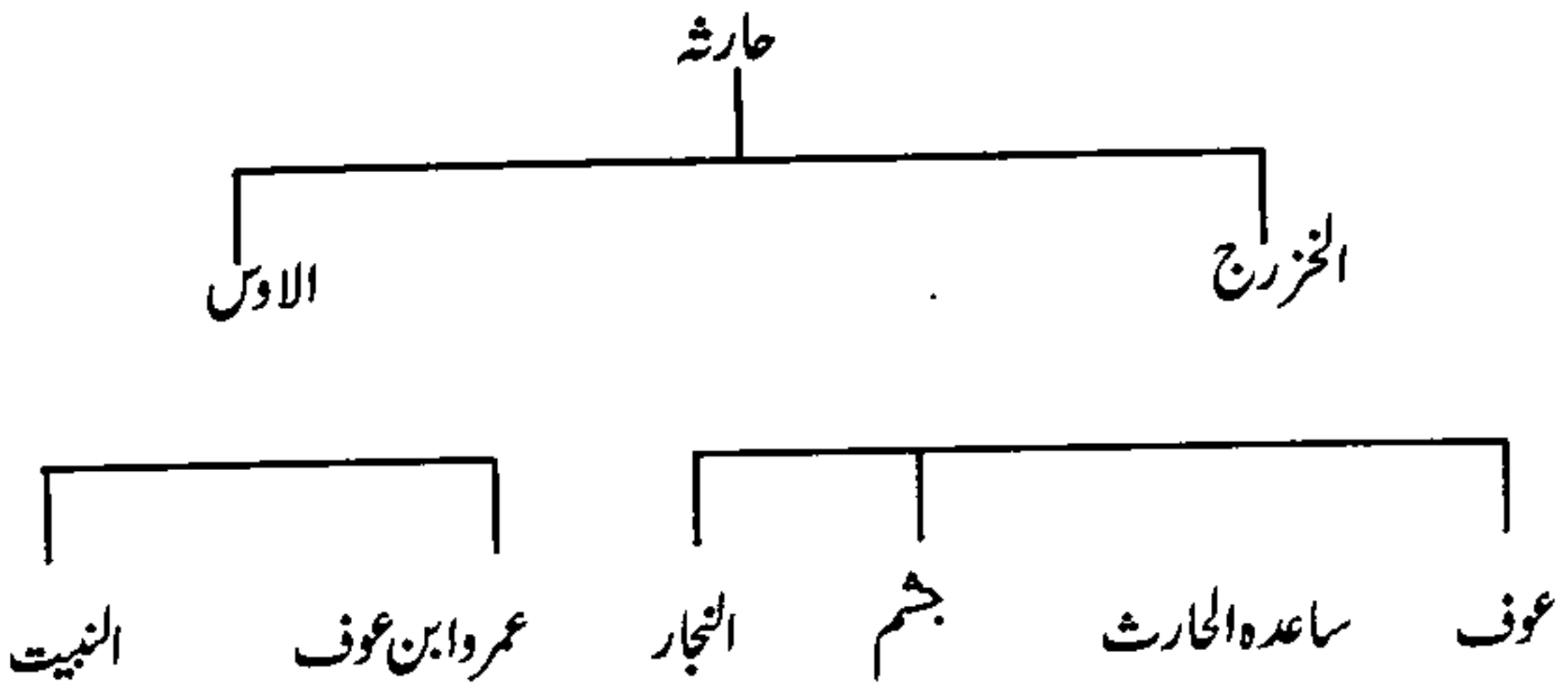
یہودی قبائل ثعلبہ، جفنہ اور الشطیبہ مطلقاً عربی النسل دکھائی نہیں دیتے کیونکہ ان کا ذکر قدامہ المقدسی کی کتاب ''نسب الانصار'' اور دوسری کتب میں قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اس نسبی درخت کی شاخیں نہیں بن سکتیں جسے ابھی اوپر بنایا گیا ہے۔ سمہودی کے مطابق مدینہ منورہ میں 20 سے زائد یہودی قبائل تھے۔ (ص165) ۔

مدینہ میں نئی مسلم کالونیاں

358:(ب)(i) اسلام کے لیے اپنی احمقانہ و بے وقوفانہ نفرت میں مکی مشرکین نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سمیت اپنے مسلمان ہم وطنوں کو اپنا آبائی شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مکہ والے مسلمانوں کو ہنگامہ خیز، شورش پسند اور تکلیف دہ عنصر سمجھتے ہوئے ان سے ''نجات'' حاصل کرنے پر ہی مطمئن نہ ہوئے بلکہ انہوں نے مہاجرین کی چھوڑی ہوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادوں پر بھی آگے بڑھ کر قبضہ کر لیا۔ شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مکی مسلمانوں نے اپنا ماضی بھلا دیا ہو اور اپنی قسمت و مقدر سے مصالحت کر لی ہو لیکن مکی مشرکین نے ان کو مدینہ منورہ میں جلاوطنی کے دوران بھی امن وسکون سے نہ رہنے دیا۔ اس کے برعکس انہوں نے مدنی عربوں کو دھمکی دی اور ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں (نعوذ باللہ) یا کم از کم انہیں اپنے درمیان سے نکال دیں ورنہ وہ ضروری اقدامات کریں گے (یعنی مدینہ منورہ پر حملہ) جب انصار نے اس پر عمل درآمد سے انکار کر دیا تو مکہ والوں

نے مدنی یہودیوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی جو کہ ایک معقول تعداد میں تھے لیکن آپس میں بٹے ہوئے اور منتشر تھے۔ اندرونی و بیرونی سیکیورٹی کی خاطر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی سی کمیونٹی کو منظم کیا اور نہ صرف مقامی غیر مسلموں سے عملی مصالحت کے انتظامات کیے بلکہ مسلم و غیر مسلم آبادی کے تمام عناصر کو منظم کر کے خاص طور پر مشترکہ دفاع کے لیے ایک شہری ریاست بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ خود مختاری کے ساتھ اکائیوں کی ایک کنفیڈریشن تھی۔

(ii) ظاہر ہے یہ کافی نہیں تھا کیونکہ مسلمان علاقے میں ابھی تک ایک مختصر اقلیت میں تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام پھیل رہا تھا لیکن یہ ضروری تھا کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے دوسرے ذرائع تلاش کیے جائیں چاہے وہ چھوٹے اور معمولی ہی ہوں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی جانب مائل کرنا شروع کر دیا جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار درج ذیل تھا۔

(iii) یہ قدرتی اور فطری تھا کہ مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے مہاجرین اپنی ہجرت پر فخر محسوس کرتے تھے اور اسے ایک شاندار عمل قرار دیتے تھے کیونکہ انہوں نے محض اپنا ایمان بچانے کے لیے رب تعالیٰ جل شانہٗ کے راستے میں اپنی ہر چیز قربان کر دی تھی۔ اب ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعزاز کو مزید وسعت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ہجرت محض مکی مسلمانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ مزید احکامات تک غیر ملکی مسلمان بھی ہجرت کر سکتے ہیں۔ یہ حتیٰ کہ مشرف بہ اسلام ہونے والے غیر ملکیوں پر لازم و واجب ہو گیا کہ وہ اپنی سرزمین کو خیر باد کہیں اور مدینہ میں رہائش پذیر ہونے کے لیے پہنچیں۔ (درحقیقت یہ رعایت 8 ہجری میں فتح مکہ تک برقرار رہی) لچک اور جوش و خروش کے ساتھ عمل درآمد ہونے پر اس پالیسی نے قابل تعریف نتائج دیئے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے صرف 9 ماہ بعد ہی اس کے ٹھوس ثبوت لائق مشاہدہ تھے۔

(iv) 10 محرم 2 ہجری کو حضرت اسماء ابن حارثہ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے

پوچھا ''کیا آپ نے آج روزہ رکھا ہے؟'' اس نے کہا ''نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزہ رکھو'' اس نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! لیکن میں پہلے ہی ناشتہ کر چکا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باقی ماندہ دن کا روزہ رکھ لو اور اپنے خاندان والوں سے بھی کہو کہ وہ بھی ایسا کریں۔'' جوتے پہننے میں وقت ضائع کیے بغیر حضرت اسماء ابن حارثہ الاسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوتے ہاتھ میں لیے اس قدر تیز دوڑے کہ مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع اپنی قبائلی کالونی میں پہنچے اور وہاں کے رہائشیوں کو حکم دیا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔ (سمہودی ''وفا'' ص 1335؛ بخاری 30/69/8، 2/4/95؛ ابن حنبل IV، 78) یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف 2 ہجری کے عاشورہ کے لیے روزہ رکھنے کو لازم قرار دیا کیونکہ اس کے چند ماہ بعد اسی سال ہی رمضان المبارک کے روزے شروع کیے گئے۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلمی مدینہ منورہ کے مضافات میں پہلے ہی محرم 2 ہجری میں مقیم ہو گئے تھے۔ غیر مدنی مسلمان مہاجرین کی تعداد میں مدینہ منورہ کے علاقے میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور قدرتی طور پر وہ مادرانہ و پدرانہ قرابت داریوں کے مطابق قیام پذیر ہوئے۔ ایک مخصوص منصوبہ وانتظام کے تحت آبادکاری ہوئی۔ ہر آبادی میں ایک مسجد تھی، مارکیٹ تھی اور بعض اوقات حتیٰ کہ قبرستان بھی تھا۔

(v) جس ریاست کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد رکھی اس کی سیکیورٹی اور آزادی میں اضافہ کے لیے سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے اطراف میں رہائش پذیر قبائل سے فوجی اتحاد کی خاطر بنیادی اقدامات کیے کیونکہ مدنی ریاست کی آبادی بتدریج مسلمان ہو رہی تھی اور روز بروز اس کی علاقائی حدود میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ مدینہ کے شمال میں جہینہ جبکہ جنوب میں ضمرہ، غفار اور مدلج رہتے تھے۔ ان قبائل سے دوستی پیدا کرنے اور مکہ جیسے طاقتور دشمن کے خطرہ کو کم کرنے کے لیے فوجی اتحاد ضروری تھا۔ (سمہودی، ص 268)

اب ہم مختلف وجود اور ذاتوں کا ایک ایک کر کے مطالعہ کریں گے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلمانوں کے مابین بھی مشکلات کم نہیں تھیں۔ اوس اور خزرج مسلمان ہونے کے باوجود وقتاً فوقتاً اپنا خونی ماضی یاد کر کے جارحیت پسند ہو جاتے تھے۔ یہودی بھی پوری توانائی کے ساتھ ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانے میں مکمل دلچسپی لیتے تھے۔

باب 25

قریش مکہ کے ساتھ تعلقات

359: اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ہم وطنوں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ ہجرت کرنا پڑی مگر مکہ اور اس کے مکینوں کے لیے ایک نرم گوشہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رہا۔ (بخاری۔ 3:61:2:61 ابن ہشام صفحہ 824، ابن الطقطقی "الفخری" صفحہ 81، ہمام ابن منبہ، صحیفہ نمبر 127-128) قریش مکہ نے ہجرت کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اس حوالے سے دو انتہائی اہم دستاویزات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

360: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مکہ کے دو بڑے سرداروں ابو سفیان اور ابی بن خلف نے انصار مدینہ کو ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا تھا: جب کہ عربوں میں کوئی اور قبیلہ نہیں جس کے ساتھ جلنا (مراد ہے جنگ لڑنا) ہمارے لیے آپ سے جنگ لڑنے سے زیادہ تکلیف دہ ہو لیکن آپ لوگوں نے ہم میں سے ایک شخص کی مدد کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شخص جو اعلیٰ ترین نسب اور مرتبہ کا مالک تھا آپ نے اسے پناہ دی ہے اور آپ نے اسے تحفظ دیا ہے اور (حقیقتاً) یہ بات شرمناک اور آپ کے حوالے سے غلطی پر مبنی ہے۔ اس لیے آپ ہمارے اور اس کے درمیان مداخلت نہ کریں۔ اگر اس نے بہتر مقام بنا لیا تو ہمیں ہی اس کا فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور اگر دوسری صورت ہوئی تو ہم اس کو سزا دینے کا حق دوسروں سے زیادہ رکھتے ہیں۔ (ابن حبیب، محبر صفحہ 271-4) کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں اس کے جواب میں ایک نظم لکھی (ابن حبیب، محبر 271-4) اس خط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قریش سے جو توصیفی کلمات منسوب کیے گئے ہیں ممکن ہے بعد کی تحریفات کا نتیجہ ہوں

مگر خط سے یہ بات تو واضح ہے کہ ہجرت کے بعد بھی قریش مکہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں کوئی کمی نہ آئی۔

361: انصار مدینہ کے انکار سے بھی اہل مکہ کے حوصلے پست نہ ہوئے اور انہوں نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں، عبداللہ بن اُبی اور اس کے غیر مسلم دوستوں کو ایک الٹی میٹم بھیجا جس میں انہیں متنبہ کیا گیا کہ "تم نے ہمارے ایک (مفرور) ساتھی کو پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا آپ لوگ اس سے لڑائی کیجئے یا اسے نکال دیجئے ورنہ پھر ہم اپنی جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کر کے آپ کے سارے مردان جنگی کو تہ تیغ کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے" (ابوداؤد 23/19) راویوں کے مطابق اس خط سے مدینہ میں تھوڑی سی ہلچل مچی مگر چونکہ انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اس لیے اس خدشہ کے پیش نظر کہ خط پر عملدرآمد کی کوشش سے خود اہل مدینہ میں جنگ شروع نہ ہو جائے شر پسند عناصر کو کوئی حمایت حاصل نہ ہوئی۔ تاہم جب قریش مکہ کو مدینہ کے عربوں نے گھاس نہ ڈالی تو انہوں نے یہود کے ساتھ مل کر سازشیں شروع کر دیں جو بنونضیر کے ساتھ جنگ پر منتج ہوئیں جسے ہم بعد میں زیر بحث لائیں گے۔

362: ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ کے خلاف معاشی اقدامات کیے تھے۔ ابو نائلہ نے بالواسطہ طور پر ایسے اقدامات کا ذکر کیا جب وہ اپنے دودھ شریک بھائی کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابو نائلہ کے الفاظ اس طرح تھے "یہ شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سے یہاں آیا ہے بدقسمتی نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ پورا عرب ہمارا دشمن بن چکا ہے ہر شخص ہمارے خلاف ہے۔ ہمارے تمام راستے کاٹ دیئے گئے ہیں۔ ہمارے خاندان (بھوک سے) مر رہے ہیں ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور خوراک کے لیے ہمیں جان جوکھوں میں ڈالنا پڑ رہی ہے" (ابن ہشام 551) یقیناً ابو نائلہ مبالغہ سے بھی کام لے رہا تھا مگر اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ کا معاشی دباؤ بھی کام دکھا رہا تھا کیونکہ اس وقت عالمی تجارت پر اہل مکہ کے اثر ورسوخ کو سب مانتے تھے۔

363: کئی ماہ کی سوچ بچار اور صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی اقدامات کا فیصلہ کیا۔ اپنی مدینہ تشریف آوری کے کم وبیش ایک سال کے بعد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ جو اس حوالے سے پہلی عسکری مہم تھی روانہ فرمایا۔ اس کا مقصد قریش کے ایک تجارتی قافلہ کا سامنا کرنا اور انہیں باور کرانا تھا کہ (اگر وہ اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے تو) ان کے تجارتی قافلے اس شاہراہ پر بحفاظت نہیں گزر سکیں گے۔ تیس مہاجرین مکہ پر مشتمل اس دستے کی کمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھی۔ دستہ مدینہ کے مغرب میں (بحیرہ احمر کی) بندرگاہ تک گیا تو قافلہ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ قافلہ تین سو افراد پر مشتمل تھا ابوجہل بھی اس قافلے میں شامل تھا۔ قافلہ قبیلہ جہینہ کے علاقے میں خیمہ زن تھا اور قریب تھا کہ تصادم ہو جاتا مگر قبیلے کے سردار مجدی بن عمرو نے (جو دونوں کا حلیف تھا) بڑی دانشمندی سے جنگ ٹال دی۔ اس طرح دونوں فریق بغیر لڑے بھڑے واپس چلے گئے (ابن ہشام صفحہ 419) یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ عسکری مہمات صرف قریش مکہ کے قافلوں کے خلاف روانہ کی گئیں چونکہ مسلمان صرف قریش مکہ کے خلاف حالت جنگ میں تھے مگر عرب کے دوسرے غیر مسلموں کے قافلوں سے مسلمانوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کی عسکری حکمت عملی کا حصہ تھا اور اس کا مقصد محض لوٹ مار نہ تھا۔

364: چند ہفتے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مہم عبیدہؓ بن حارث (بن المطلب) کی کمان میں روانہ کی جو 60 مہاجرین مکہ پر مشتمل تھی اس مہم کا مقصد عکرمہ بن ابوجہل کی سرداری میں آنے والے ایک بہت بڑے قافلے کا راستہ روکنا تھا۔ دستہ کا سامنا ثنیۃ المرہ کے مقام پر قافلہ سے ہوا اور اس دفعہ بھی بوجوہ ہتھیاروں کے استعمال سے گریز کیا گیا تاہم اس موقع پر ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہوا کہ قافلے میں شامل دو مسلمان مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا تعلق یمن سے تھا) اور عتبہ بن غزوان المازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو دونوں عرصہ دراز سے مکہ میں مقیم تھے مسلمانوں سے آملے (ابن ہشام 416)۔ دونوں قافلے میں شامل ہی اسی نیت سے ہوئے تھے کہ اس طرح بحفاظت مدینہ پہنچ جائیں گے۔ انہی دنوں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی ایک مہم لیکر گئے جو صرف آٹھ مہاجرین پر مشتمل تھی۔ یہ مہم اس علاقے کے ایک معروف مقام رابغ کے نزدیک واقع جگہ خرار تک گئی (ابن ہشام 422)۔ اس مہم بھیجنے کا مقصد غالباً دشمن کے حالات کا جائزہ لینا اور اردگرد کے قبائل کے ارادوں کا پتہ چلانا بھی تھا کہ آیا وہ مسلمانوں کے حلیف بننے پر تیار ہو جائیں گے۔ ہمارے راویوں نے صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں لکھا ہے کہ قبیلہ جہینہ

جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور خطے کے دوسرے قبائل اور مکینوں کے قریبی تعاون کے بغیر قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کا راستہ روکنا ناممکن تھا۔ قافلوں کی آمد و رفت گزرگاہ پر واقع قبائلی آبادیوں کے لیے آمدنی کا ایک قابل ذکر وسیلہ تھی خصوصاً ان جگہوں کے لوگ تو خوب فیض یاب ہوتے جہاں قافلے آرام کے لئے پڑاؤ ڈالتے۔ انہیں پانی، اپنی خوراک اور اپنے جانوروں کے لئے چارے کی ضرورت ہوتی اور سینکڑوں افراد کی خوراک اور چارہ کے لئے یہ مقامی قبائل کے مرہون منت ہوتے اس طرح ان قافلوں کی آمد مکینوں کے لئے امید اور مسرت کا پیغام بن کر آتی۔ ان حالات میں اگر ان قافلوں کو کوئی نقصان پہنچتا تو وہ خطیر آمدنی کے ایک مستقل وسیلہ سے بھی محروم ہو جاتے اور طاقتور قریش مکہ کے انتقام کا نشانہ بھی الگ سے بننا پڑتا۔ اس لیے ان قبائل کو مسلمانوں سے تعاون پر آمادہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ انہیں قریش مکہ کی انتقامی کارروائیوں سے تحفظ کی یقین دہانی کروائی جاتی جس کے لئے رسول اللہ کی بہ نفس نفیس موجودگی ضروری تھی۔

365: یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک دستہ کی کمان کرتے ہوئے ودان تشریف لے گئے جو مدینہ کے جنوب میں بدر کے نزدیک بنو ضمرہ کا علاقہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہم کے دوران دو ہفتے کے لئے دار الخلافہ سے دور رہے (ابن ہشام 6-415) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کم و بیش ایک ہفتہ تک ارد گرد کے قبائل سے معاہدوں کے لئے گفت و شنید فرماتے رہے۔ اس حوالے سے دو معاہدوں کے متن ہم تک پہنچے ہیں جو بنو ضمرہ سے ہوئے۔ ان میں سے ایک کی تاریخ مورخوں نے صفر 2 ہجری بتائی ہے۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ضمرہ پر حملہ نہیں کریں گے اور نہ ہی بنو ضمرہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔ نہ بنو ضمرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوج جمع کریں گے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دشمن کی مدد کریں گے“ (میری کتاب الوثائق، نمبر 160)۔ دوسرا معاہدہ جس کا متن بھی آگے آ رہا ہے پہلے سے ایک ماہ بعد ہوا۔ اس تاخیر کی وجہ شاید یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے معاہدے سے کم و بیش ایک ماہ بعد ایک اور مہم لے کر مدینہ کے شمال مغرب میں بواط کے مقام تک گئے جو کوہ رضوا کے قریب واقع ہے۔ اس مقام پر کسی جنگی کارروائی کا ذکر نہیں ملتا (کہا جاتا ہے کہ امیہ بن خلف کی سرداری میں اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل قریش کا تجارتی قافلہ

وہاں سے گزرا) (ابن ہشام 421) شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علاقے کے لوگوں سے سردست معاہدوں کو زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔ تاہم انہی دنوں ایک واقعہ یہ ہوا کہ قریش مکہ کے ایک چھوٹے سے دستے نے کرز بن جابر فہری کی کمان میں مدینہ کے مضافات میں ایک چراگاہ پر حملہ کیا اور چراگاہ برباد کرنے کے علاوہ کچھ مویشی بھی لوٹ لے گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ابن ہشام 423)۔ اس واقعہ پر برافروختہ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کچھ اقدامات ناگزیر ہو گئے تھے۔ یہ موقع جلد ہی آ گیا۔ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام کے لئے روانہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مہاجرین کا ایک نسبتاً بڑا دستہ لے کر مدینہ کے جنوب مغرب میں ساحلی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے جو بنوضمرہ کا علاقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہم قریش کے اُس تجارتی قافلے کے لئے تھی جو خاصا مال لے کر شام جا رہا تھا (ابن ہشام 121) ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس سے قبل جو مہمات روانہ کی گئی تھیں وہ قریش مکہ کو مدینہ کی حدود میں سے گزرنے سے روکنے کے لئے تھیں مگر یہ مہم کرز کے حملے کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔ لیکن سوئے اتفاق کہ قافلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے قبل ہی گزر چکا تھا۔ تاہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف علاقے میں قبیلہ بنومُدلج سے معاہدہ کیا بلکہ اپنے پرانے حلیف بنوضمرہ سے بھی ایک اور معاہدہ کر لیا۔

بنوضمرہ کے معاہدہ میں کہا گیا تھا کہ "یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنوضمرہ کے لئے ہے ان کے جان و مال کو تحفظ حاصل ہوگا اور اگر کوئی ان پر ظلم سے حملہ کرے گا تو اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ بنی ضمرہ خود خدا کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک ہے جب تک دریا میں بالوں کو تر کرنے جتنا پانی موجود ہے (یعنی ہمیشہ کے لئے) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو مدد کے لئے بلائیں تو حاضر ہوں۔ ان پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ہے کہ جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار ہے اس کی مدد کی جائے گی" (میری کتاب الوثائق نمبر 159)

366: ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر تقریباً انہی شرائط کے ساتھ ہی بنومدلج کے ساتھ بھی معاہدہ کیا (ابن ہشام۔ 421)

367: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔ یہ واقعہ جمادی

الثانی 2 ہجری کا ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو افراد کو فلسطین روانہ فرمایا کہ اس قریشی قافلہ کی واپسی کے پروگرام کا پتہ چلائیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ کر نکل گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ضمرہ اور بنو مدلج سے حلیفانہ معاہدے کر کے جو عظیم سفارتی کامیابی حاصل کی تھی اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جرات مندانہ اور حکیمانہ قدم اُٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ (بعض روایات میں تعداد گیارہ ہے) جری جوانوں کے ایک دستے کا انتخاب فرمایا اور ان پر ایک انتہائی قابل اعتماد شخص (عبداللہؓ بن جحش) کو امیر مقرر کیا۔ رازداری کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستے کے امیر کو ایک سربمہر لفافہ دیا اور ہدایت کی کہ دو دن تک چھوٹے کنویں (رکائیہ) کی جانب پہاڑی علاقہ (نجدیہ) میں سفر کے بعد لفافہ کھولنا اور اس میں دی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ مقررہ وقت کے بعد جب لفافہ کھولا گیا تو دستے کے امیر عبداللہؓ بن جحش نے ہدایت پڑھ کر سنائی۔ ''خط پڑھتے ہی تم نخلہ تک جاؤ جو مکہ اور طائف کے درمیان جگہ ہے اور وہاں قیام کرو۔ وہاں ایک قریش کا قافلہ آئیگا اسکی نقل وحرکت سے ہمیں مطلع کرو''۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس سکاؤٹ دستے کو مہم کے دوران مکہ سے گزر کر آگے جانا تھا۔ عین دشمن کے قلب میں۔ اور یہ جگہ دشمن کی آمد و رفت کا علاقہ تھا اور اتنے مختصر دستہ کی روانگی کا مقصد سوائے کچھ اطلاعات حاصل کرنے کے کچھ نہ تھا لیکن یہ مہم بعد ازاں دور رس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ ماہ رجب کے آخر میں قریش مکہ کا ایک قافلہ کشمش، چمڑا اور شراب وغیرہ لے کر وہاں سے گزرا۔ کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد سکاؤٹ دستے نے اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تیر مار کر ایک کا خاتمہ کر دیا دو کو قیدی بنا لیا اور سامان پر قبضہ کر لیا جب کہ باقی اہل قافلہ فرار ہو گئے۔ مال غنیمت سمیت جب یہ لوگ واپس مدینہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مہم جوئی پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اپنی حکم عدولی پر ان کی سرزنش کی دراصل یہ خدشہ بھی تھا کہ انہوں نے حرام مہینے میں حملہ کر کے اللہ کی ممانعت کو نظر انداز کیا تھا مگر ایسا نہیں تھا کیونکہ رجب کے آخری دن کا سورج غروب ہونے کے بعد رجب کا مہینہ ختم ہو چکا تھا جب یہ جھڑپ ہوئی۔ اس واقعہ کے فوراً بعد مکہ سے ایک وفد مدینہ آیا اور تاوان ادا کر کے رواج کے مطابق اپنے قیدی چھڑا لیے اور یہ معاملہ ختم ہو گیا (ابن ہشام صفحات 423-7)

368: اس واقعہ کے بعد قریش مکہ نے جنگ کو ناگزیر سمجھنا شروع کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد سالہا سال تک حملہ اور جوابی حملہ کی کارروایاں جاری رہیں۔ اسلامی ریاست کی سیکرٹ سروس ابھی زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو ایجنٹ قریش کے تجارتی قافلہ کی واپسی کے پروگرام کا پتہ چلانے کیلئے بھیجے تھے وہ جس وقت واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانے کیلئے ان کے پاس کوئی نئی اطلاعات نہیں تھیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلوبہ اطلاعات دوسرے ذرائع سے حاصل کر لی تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم 312 (یا 313؟) رضا کاروں کے ساتھ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے روانہ ہو چکے تھے۔ بدر کے مقام پر قریش کے تجارتی قافلہ کو مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہوا تو انہوں نے رستہ بدل لیا اور اس طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اسی دوران اہل مکہ کو خطرہ سے باخبر کرتے ہوئے ایک ''ایس او ایس'' پیغام بھجوا دیا۔ یہ پیغام ملتے ہی ایک ہزار لڑا کا رضا کاروں کا لشکر اکٹھا ہو کر اپنے قافلے کو بحفاظت واپس لانے کیلئے روانہ ہو گیا اور اگر چہ انہیں راستے میں معلوم ہو گیا کہ قافلہ دوسرے راستے سے بحفاظت مکہ پہنچ گیا ہے مگر لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا (ابن ہشام 427) ضمنی طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قافلے نے شام کے لئے اپنا سفر ربیع الاول میں شروع کیا تھا اور رمضان میں واپس آیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شام تک آنے جانے میں چھ سات ماہ لگ جاتے تھے۔

جنگ بدر

369: مال سے لدا ہو کم و بیش ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل قافلہ اگر چہ بچ کر مکہ نکل گیا تھا لیکن (اسکے تعاقب میں نکلے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً واپس نہ آئے۔ دراصل وہ علاقے کے قبائل کے ساتھ معاہدے کرنا چاہتے تھے۔ دس روز گزرے تھے کہ قریش مکہ کی فوج کی آمد کی اطلاع مل گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوج کی آمد کا انتظار اور سامنا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر چہ دشمن کی فوج ان کے ساتھیوں سے تین گنا زیادہ تھی (میری کتاب BATTLEFIELDS OF THE PROPHET MUHAMMAD 1983 صفحات 35-74) یہاں جنگ کی تفصیلات میں جائے بغیر کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جنگی فراست اور حکمت عملی کا شاندار مظاہرہ کیا بس یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس میں کافروں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے تقریباً 70 افراد مارے گئے اور کم وبیش اتنے ہی قیدی بنا لیے گئے۔ جبکہ 14 مسلمان شہید ہوئے۔ چند حقائق قابل ذکر ہیں۔ جنگ سے قبل جب امن پسندوں کی مشرکین مکہ کے پر جوش نوجوانوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوششیں ناکام ہوئیں تو بنو زہرہ قبیلے کے تمام افراد مکی فوج سے الگ ہو گئے اور انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا (سُہیلی II، 39) یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا تعلق بنو زہرہ سے تھا بلکہ تاریخ دان اس کا کریڈٹ الاخنس بن شریق کو دیتے ہیں۔ بنو عدی کا بھی کوئی شخص مکی فوج میں شامل نہ تھا۔ اس معاملے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر و رسوخ نے کام دکھایا۔ تیسری قابل ذکر بات یہ تھی کہ مسلم فوج کے پرچم بردار مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جن کا تعلق عبدالدار قبیلے سے تھا (ابن ہشام 432، بلاذری I 688) یہی قبیلہ مکہ میں روایتی طور پر پرچم برداری کے فرائض ادا کرتا تھا۔ جنگ کے لئے آپ کا انتخاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور فرمایا تھا ''ہمیں اس خاندان کے حق کا خیال اس سے زیادہ کرنا چاہیے جتنا مشرکین مکہ کرتے ہیں''۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مکہ کے سرداری نظام میں سفارتی ذمہ داریوں کے انچارج خاندان سے تعلق رکھتے تھے قریش کے پاس بھجوایا کہ وہ جنگ سے باز آجائیں اور واپس چلے جائیں (مگر وہ جنگ پر تلے ہوئے تھے)۔ قریش نے بھی پیغام دے کر ایک ایلچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا (بلاذری I, 657)۔ اسکے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی کفار سے مذاکرات کی ذمہ داری اُٹھانے کو کہا اور بعض ذاتی وجوہ کی بناء پر انکی معذرت کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو یہ ذمہ داری سونپی (ابن ہشام 745)۔ اس قسم کے واقعات ہمیں باور کراتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی اپنی ریاست کو دراصل مکہ کی ریاست کی جائز جلاوطن حکومت تصور فرماتے تھے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ قرآن پاک بھی اس تاثر کی تائید کرتا ہے "اور ان میں کیا بات ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ لوگ اس مسجد (بیت اللہ) کے متولی نہیں اسکے متولی تو سوائے متقیوں کے اور لوگ نہیں (ہو سکتے) لیکن ان

میں سے اکثر علم نہیں رکھتے"۔ (قرآن 34/8)

370: جہاں تک اس جنگ کا تعلق ہے متعدد جگہوں پر (9/33, 26/9, 9/8, 124/3-125-126) قرآن نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ان میں سے پہلی آیت میں واضح طور پر بدر اور فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے۔

"جب آپ مومنوں کو تسلی دے رہے تھے کہ کیا آسمان سے 3 ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تمہیں کافی نہ ہوگا" (124/3)

"کیوں نہیں اگر صبر و پرہیز گاری اختیار کرو اور یہ لوگ اسی دم تمہارے پاس آجائیں تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا" (125/3)

"اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے ورنہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے" (126/3)

371: بدر میں دشمن کی تعداد تو 950 تھی جب کہ تین سے پانچ ہزار فرشتوں کی موجودگی بھی بیان کی جارہی ہے اگر چہ ایک فرشتہ پوری دنیا کو فنا کرنے کیلئے کافی تھا۔ شاید فرشتوں کی موجودگی کا مطلب یہ ہو کہ یہ اللہ کی راہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذاتی خواہشات سے مبرا جنگیں اور ذاتی قربانیاں اللہ کی رضا کی خاطر تھیں (فرشتوں کی امداد اس لیے تھی کہ اللہ کی راہ میں اپنے کو اکیلا نہ سمجھیں) اور اللہ کا یہ فرمان "اور اللہ نے یہ خوشخبری تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان کے لئے دی ورنہ مدد تو اللہ کی طرف سے ہی ہے" سے بھی یہی مراد معلوم ہوتا ہے۔

372: اپنی معمول کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کے بارے میں اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا۔ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور قیدیوں کے خاندان کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی سے بچنے کے لئے ہر قیدی کو اس کا قریب ترین رشتہ دار موت کے گھاٹ اتارے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز قبول کرنے کی بجائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے سے اتفاق کیا کہ ان قیدیوں کو مقررہ فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے (ابن ھشام 462-471، سہیلی II 91-92)۔ رقم کی بجائے نیزوں کی صورت میں فدیہ کی تجویز کی

روایت ابن حجر نے کی ہے اصابہ ،نمبر 8336، غلاموں کا فدیہ نصف تھا بحوالہ کنز العمال 5367 ۔ابن ابی شیبہ کی کتاب مصنف کے مطابق فدیہ آزاد عرب کیلئے 40 اونس چاندی، غلاموں اور متعلقین کے لئے 20 اونس تھی (ایک اونس 40 درھم کے برابر تھا)۔

پڑھے لکھے قیدیوں کی آزادی کی قیمت 10 مسلمان لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا مقرر کی گئی۔(ابن سعد II/1 صفحہ 17,14۔ سُہیلی II, 92۔ابن حنبل I,247 نمبر 2216) ایک قیدی استاد نے شکست کا بدلہ لینے کے لئے اپنے شاگرد کو مارا پیٹا۔(مقریزی I، 101) تاہم ایسے قیدی جو زر فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے انہیں بغیر معاوضہ کے بھی رہائی دی گئی (ابن ہشام صفحہ 471-470،طبری I,1342-54)مشہور شاعر ابوعزہ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا تاہم اس نے مفت رہائی کے بدلے یہ شرط پوری نہ کی کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگی کارروائی میں شریک نہ ہوگا۔وہ جنگ احد میں بھی شریک ہوا اور قیدی بنا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی گردن مارنے کا حکم دیا (ابن ہشام صفحہ 591,556,471)

373: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مرنے والوں کی لاشیں مسخ نہ کی جائیں (ابن ہشام 454) اور نہ صرف مسلمان شہدا بلکہ کافروں کی لاشیں بھی دفن کر دی گئیں تاہم دونوں کو الگ الگ مقامات پر دفن کیا گیا۔میدان جنگ سے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی مسلمانوں میں تقسیم فرمادیے تاکہ ان کی بہتر خبر گیری ہو سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں سے حسن سلوک کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔(ابن ہشام 459،طبری 1337-8) جن کو کپڑوں کی ضرورت تھی انہیں کپڑے دیے گئے (بخاری 56: 140،ابن سعد II/1 صفحہ 111)۔ قیدی مسلمانوں کے ساتھ ہی کھانا کھاتے اور بعض مسلمانوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اس خلوص سے عمل کیا کہ وہ اپنے حصے کی روٹی بھی اپنے قیدی کو دے دیتے تھے۔اور خود چند کھجوروں پر گزارا کر لیتے (ابن ہشام 459،طبری I,1337-8)۔قرآن پاک میں حکم ہے کہ قیدیوں کو خوراک بہم پہنچانا مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے۔(76/8-9)

374: دو قیدیوں انضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو سزائے موت دیدی گئی غالباً اس وجہ سے کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو مکہ میں اذیتیں دے کر قتل کر دیا تھا۔(ابن ہشام 458)

375: ابوجہل اور کچھ دوسرے سردار جنگ میں مارے گئے ابولہب نے خودکشی وجہ سے جنگ

میں حصہ نہ لیا تھا تاہم اپنی جگہ اس نے معاوضہ دے کر ایک شخص لڑنے کیلئے بھیج دیا جو کہ اس زمانے کا دستور تھا(ابن ہشام 460)

376: قدرتی طور پر مسلمانوں کو اس عظیم فتح پر بہت خوشی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ فتح نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری لیاقت کا نتیجہ تھی نہ مسلمانوں کی بہادری کا بلکہ اللہ کی رحمت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی،''اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پھینکتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے جو پتھر پھینکتے تھے بلکہ اللہ ان پر پتھر پھینکتا تھا''(17/8)

377: پہلے فوجی تصادم کے موقع پر دشمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو رویہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت للعالمین ہونے کے شایان شان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی رویہ جو جنگ کے موقع پر بھی تبدیل نہیں ہوا اور وہی جنگ کا اسلامی قانون بن گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں دشمن سے، زخمی دشمن سے، قیدی دشمن سے، مرے ہوئے دشمن سے، دشمن عورت سے، بچوں سے، بوڑھوں سے، ملازم سے، اور غیر لڑاکا لوگوں سے کیسا برتاؤ کیا۔ (اور یہ کہ) مال غنیمت کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات میں انسانی خون کم سے کم بہانے پر زور دیا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش ہوتی تھی کہ جائیداد کا نقصان بھی کم سے کم ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ کی بیماری کے سبب نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہلیہ کی تیمارداری کے لئے بدر میں حصہ لینے سے مستثنیٰ قرار دیا بلکہ اہل بدر کے مال غنیمت سے بھی حصہ دیا گویا کہ انہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ (ابن کثیر۔ سیرۃ 545,II قاہرہ 66-1964 ایڈیشن) اسی طرح ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیمار والدہ کو چھوڑ کر جنگ میں حصہ لینے کے شوق میں چلے گئے مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوامامہ کو واپس جانے اور بیمار والدہ کی خبر گیری کرنے کا حکم دیا۔ مگر جب وہ پہنچے تو بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ (ابن حجر، تہذیب التہذیب نمبر 69) ایک خاتون ام ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنگ میں زخمیوں کی تیمارداری کے لئے شریک ہونا چاہتی تھیں اور ان کی خواہش تھی کہ میدان جنگ میں جام شہادت نوش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہونگی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود انہیں جنگ بدر میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دی اس۔لئے کہ غیر یقینی

صورتحال کے باعث خطرات زیادہ تھے۔ (ابن الجوزی۔ وفا صفحہ 317) اسی طرح ام کبشہ العذریہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی۔ ابن حجر، اصابہ، باب خواتین، 1463)

378: بدر میں مکہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے کے بعد ابوسفیان کو عملاً مکہ کے سردار کے حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کا بیٹا، سسر اور برادر نسبتی بھی جنگ کے مقتولین میں شامل تھے۔ ان کے سوگ میں ابوسفیان نے قسم کھائی کہ نہ تو وہ اپنی بیوی کے قریب جائیگا اور نہ ہی بستر پر سوئے گا یہاں تک کہ اپنے مقتولین کا انتقام لے لے۔ اسکی بیوی نے قسم کھائی کہ وہ اپنے پیاروں کو قتل کرنے والوں کا کلیجہ چبائے گی۔

379: بدر کی فتح نے مسلمانوں کی پوزیشن مزید مستحکم کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر کے موقع پر سجدے میں گر کر دعائیں کر رہے تھے کہ "اے اللہ تعالیٰ اگر یہ مختصر سی جماعت آج ختم ہوگئی تو (قیامت تک) تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کے مبالغے سے کام نہیں لے رہے تھے (اسی جنگ کی فتح وشکست پر مسلمانوں کی بقا کا انحصار تھا)۔ (ابن ہشام 444)

380: قریش مکہ انتقام کی آگ میں اس طرح جل رہے تھے کہ مکہ میں مقتولین کی موت پر بین کرنے اور رونے کی ممانعت کرادی گئی تھی (ابن ہشام 461) اور اگلی جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ قریش کا تو یہ حال تھا کہ جوش غضب میں وہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے تیار نہ تھے کہ اس طرح ان کا مال مسلمانوں کے پاس جائے گا تاہم آسودہ حال لوگوں کے دباؤ پر جو اپنے قیدی چھڑوانا چاہتے تھے یہ پابندی ختم کر دی گئی اس طرح (قیدی چھڑوا کر) اس فوج کی تعداد بڑھانا بھی مقصود تھا جو نئی جنگ کے لیے تیار کی جا رہی تھی۔ ابوسفیان کی تجویز پر قریش اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ اس کے پاس محفوظ حالیہ تجارتی قافلے میں لگایا ہوا صرف اپنا اصل سرمایہ واپس لے کر منافع تمام کا تمام جنگی تیاریوں پر صرف کر دیا جائے۔ اس طرح اس مد میں دو لاکھ پچاس ہزار درہم جمع ہوگئے (ابن ہشام صفحہ 555، سیرۃ شامی، اُحد IV - 271) قیدیوں کی رہائی کے لئے انہیں تقریباً 4000 درہم فی کس دینے پڑے (قیدیوں کی تعداد ستر تھی) قریش مکہ نے کرائے کے جنگجو بھرتی کرنے کے لیے بھی اردگرد کے قبائل میں وفود روانہ کیے۔

381: انہی دنوں ابوسفیان چند دوستوں کے ہمراہ ایام حج کے دوران حرام مہینوں میں (جن میں قریش ہر قسم کی خونریزی سے پرہیز کرتے تھے) مدینہ کے لئے روانہ ہو گیا اس کا یہ خفیہ دورہ اپنی قسم پوری کرنے کے سلسلے میں تھا۔ اپنے ساتھیوں کو مدینہ سے ایک دن کے فاصلے پر چھوڑ کر وہ اکیلا رات کے وقت مدینہ روانہ ہوا۔ اس کا رخ نضیری یہودیوں کے سردار سلام بن مشکم کے گھر کی جانب تھا جس نے بڑی گرم جوشی سے ابوسفیان کا استقبال کیا۔ کھانے پر ابوسفیان نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور ضروری صلاح مشورے کیے۔ واپسی پر ابوسفیان نے ساتھیوں کو مدینہ کے شمال مشرقی مضافات میں واقع مقام العرید بھیج دیا جس کے اردگرد یہودیوں کی آبادی تھی اور یہ جگہ مسلمان آبادی کے مرکز سے دور تھی۔ وہاں انہوں نے کھجوروں کے باغ میں دو مسلمان دیکھے تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا اور باغ کو آگ لگا کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے اطلاع ملتے ہی ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ تیز رفتاری کے لئے حملہ آوروں نے اپنے پاس موجود کھانے کی اشیاء بھی پھینک دیں۔ (ابن ہشام 543) اس واقعہ کے بعد قریش نے شام اور مصر جانے کیلئے مدینہ کے پاس سے گزرنے والا رستہ استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور براستہ نجد عراق اور پھر وہاں سے شام جانے لگے۔

382: ابوسفیان کے مدینہ کے نواح میں لوٹ مار کے واقعہ کے چند ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک مہم قریش کے ایک قافلہ پر حملہ کے لئے بھیجی جو مدینہ کے معروف راستہ سے ہٹ کر ایک نئے راستہ پر سفر کر رہا تھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قافلے کو القردہ نامی چشمے کے قریب جالیا جب وہ پڑاؤ ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ جگہ نجد میں ربذہ اور الغمرہ کے درمیان واقع ہے قافلے میں شامل ابوسفیان اور صفوان بن امیہ نے بھاگ کر جان بچائی لیکن قافلے کے تمام سامان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اس میں ایک لاکھ درہم کی تو صرف چاندی تھی (بلاذری، انساب I, 775) یہ پہلا اور شاید آخری کارواں تھا جس کا پورا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا اور اس سے مسلمانوں کے خلاف قریش کی جنگی تیاریوں کو شدید دھچکا پہنچا۔

383: دریں اثناء ایک عجیب واقعہ ہو گیا۔ عمیر بن وہب جو "قریش کا شیطان" کے لقب سے مشہور تھا اور اس نے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے ایک روز صفوان بن امیہ سے کہنے لگا اگر وہ اس کا قرضہ ادا کردے اور اسکے اہل خانہ کی کفالت کا ذمہ لے لے تو وہ مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر سکتا ہے۔ صفوان فوراً آمادہ ہو گیا اور عمیر مدینہ روانہ ہو گیا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے بہانہ بنایا کہ وہ اپنے بیٹے کو جو بدر کا قیدی تھا چھڑوانے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کہ "بیٹے کو چھڑانے کا تو محض بہانہ ہے تم نے اور صفوان نے مل کر جو منصوبہ بنایا ہے وہ سب مجھے معلوم ہو گیا ہے۔" عمیر یہ سن کر حیران ہو گیا اور کہنے لگا میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کے دعوے کا مذاق اڑایا کرتا تھا مگر اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کا یقین ہو گیا ہے کیونکہ جس وقت میں اور صفوان مشورہ کر رہے تھے ہم اکیلے تھے۔ خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں اور اب میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے اسلام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اب اسے پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا"۔ بدر کی شکست کے بعد مکہ میں تبلیغ اسلام کا خطرہ مول لینا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھا لیکن عمیر نے یہ خطرہ بھی مول لیا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ عمیرؓ نے بڑی کامیابی سے کئی گھروں میں نقب لگائی اور بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ (ابن ہشام 471-74)

384: اب ابواُزیہر کی مہم کا کچھ احوال۔ اس یمنی کا تعلق دوس قبیلے سے تھا اور مکہ کے ایک رئیس کا آزاد کردہ غلام تھا جس نے اس سے اسکی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ پھر کچھ وجوہات کی بنا پر جو ہمارے لئے باعث دلچسپی نہیں ابواُزیہر کو اسکے سرپرست کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سرکاری شاعر حسانؓ بن ثابت سے کہا کہ وہ اپنے اشعار میں اس فعل قبیح پر قریش کی مذمت کریں۔ مقتول ابوسفیان کا حلیف تھا اور قاتل ولید کا تعلق قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ حسان کے اشعار بہت پر اثر تھے (جن سے متاثر ہو کر) ابوسفیان کے اہل خاندان نے مخزومیوں سے انتقام لینے کی تیاری شروع کر دی مگر ابوسفیان نے انہیں بصد مشکل رضامند کیا کہ اس مرحلے پر باہمی تنازعات کھڑے کرنے سے دشمن کو فائدہ ہوگا اور بدر کے انتقام کی تیاریاں شروع کیں۔

مکہ میں قدرے سکون ہو گیا لیکن بیرون مکہ معاملات پر کسی کا کنٹرول نہ تھا۔ ابواُزیہر کے ایک رشتہ دار سعد بن سفیہ نے قبیلہ دوس کی حدود میں جو قریشی اسکے ہاتھ لگتا قتل کرنا شروع کر

دیا۔اسی طرح یمامہ اور سرات میں اس کے حلیف بھی یہی کارروائی کرنے لگے۔

(ابن حبیب، منمق، صفحہ 234-253، بلاذری ا، 277، ابن ہشام صفحہ 273)

385: اس حوالے سے ابوالعاص کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بدر میں دشمن کے ساتھ تھے اور قیدی بنالئے گئے تھے۔ان کی اہلیہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے زرفدیہ کے طور پر وہ ہار بھیج دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنی صاحبزادی کو شادی پر دیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہار پہچان کر آبدیدہ ہو گئے اور مسلمانوں سے پوچھا کہ اگر وہ اجازت دیں تو وہ ہار واپس کر دیں اور ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیں۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فوراً راضی ہو گئے۔اس کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ واپس جاتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے افراد کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دیں گے۔

چند قریش نوجوانوں نے زینب رضی اللہ عنہا کے قافلے کا تعاقب کیا اور ہتھیاروں سے خوفزدہ کر کے انہیں مدینہ جانے سے روکا۔(ھبار نامی ایک بدبخت نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نیزہ تان لیا) کشمکش میں زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو امید سے تھیں اپنے ہودے سے گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔وہ اگرچہ اس واقعہ کے کئی سال بعد تک زندہ رہیں لیکن اس حادثہ سے انہیں جو جسمانی اور طبی نقصان پہنچا اس سے وہ کبھی صحت یاب نہ ہو سکیں۔اطلاع ملتے ہی ابوالعاص کے گھر والے ان کی مدد کو پہنچے۔ابوسفیان ان لوگوں کو واپس مکہ لے آیا اور بعد میں کسی وقت رات کی تاریکی میں قافلے کو خفیہ طور پر روانہ کر دیا۔زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مدینہ پہنچنے پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کا علم ہوا تو آپ بہت دلگرفتہ ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ معتمدین کو مامور فرمایا کہ وہ مکہ جائیں اور ھبار کو اس ظلم کی سزا دیں پہلے آپ نے حکم دیا کہ ھبار کو زندہ جلا دیا جائے مگر فوراً ہی اپنے حکم کی تصحیح کی اور فرمایا کہ آگ کا عذاب صرف اور صرف باری تعالیٰ کو ہی زیبا ہے جو آگ کا مالک ہے۔تم صرف اسے قتل کر دینا۔تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ٹیم روانہ کی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی اور بعد میں ھبار نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔

زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے شوہر ابوالعاص سے بے پناہ محبت تھی مگر ابوالعاص کے مسلمان نہ ہونے کے باعث انہوں نے مجبوری کے تحت جدائی قبول کی تھی کیونکہ کوئی مسلمان عورت غیر مسلم شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر کا قصہ ہے کہ ابوالعاص ایک قافلہ لے کر مدینہ کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مسلمانوں کے ایک گشتی دستے نے رستے میں انہیں آلیا۔ سب اہل قافلہ سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑا تو رات کو ابوالعاص چپکے سے مدینہ میں داخل ہو گئے اور اپنی اہلیہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں پناہ لے لی۔ اگلی صبح نماز فجر کے وقت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مسجد نبوی میں اعلان کر دیا کہ انہوں نے ابوالعاص کو پناہ دیدی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کمزور ترین مسلمان بھی پناہ دینے کا حق رکھتا ہے جس کی پابندی تمام قوم پر لازم ہے۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی کے پاس گئے اور فرمایا کہ "بیٹی اپنے شوہر کی پوری طرح خدمت کرو تاہم ایک غیر مسلم شوہر اور مسلمان عورت میں ازدواجی تعلقات کی ممانعت ہے"۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کے قافلے پر حملہ کرنے والے دستے کو پیغام بھیجا کہ اپنے مال غنیمت پر تم لوگوں کا پورا حق ہے تاہم اگر ممکن ہو تو ابوالعاص کو اس کا سامان واپس کر دو۔ ابوالعاص کو اسلام کی دعوت دی گئی مگر انہوں نے قبول نہ کی اس کے باوجود سامان واپس دے دیا گیا تو مکہ واپسی پر انہوں نے قافلے کے سامان کے حصہ داروں کو ان کا حصہ پہنچایا اور خود مدینہ آ گئے جہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس وقت اسلام قبول کر لیتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ میں نے مال کے لالچ میں نیا دین اختیار کر لیا ہے اور اب میں صمیم قلب کے ساتھ مسلمان ہوں۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے نکاح میں ہی اپنی صاحبزادی کو ابوالعاص کے ساتھ رخصت کر دیا۔ (ابن ہشام 464-70، یہ واقعہ 6 ہجری کا ہے، بلاذری 1، 662)

جنگ احد

386: جنگ بدر کو ختم ہوئے تیرہ ماہ ہو چکے تھے مگر مکہ اور مدینہ میں کشیدگی ختم ہونے کے ابھی کوئی آثار نہ تھے۔ اسی اثناء میں مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور یہودیوں نے قریش مکہ کو انتقام پر ابھارنے کیلئے ایک وفد مکہ بھیج دیا جس نے حملہ کی صورت

میں قریش مکہ کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ گو مسلمانوں کے خلاف انتقام کی تیاریاں تو پہلے بھی مکہ میں جاری تھیں مگر یہودی وفد کی آمد کے بعد ان تیاریوں میں نئی جان پیدا ہو گئی اور آخر کار شوال 3 ہجری میں تین ہزار کا لشکر جس میں قریش اور ان کے حلیفوں کے جنگجو جوان شامل تھے مدینہ روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے مگر پر جوش نوجوانوں کا اصرار تھا کہ دشمن سے دو دو ہاتھ شہر سے باہر نکل کر کئے جائیں (ابن ہشام 558)۔ چونکہ حملہ آور مدینہ سے شمال مغرب میں خیمہ زن تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شمال کا قصد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات شیخین (مدینہ اور احد کے درمیان ایک جگہ۔ وہاں اب ایک مسجد شیخین تعمیر کی گئی ہے) کے مقام پر گزاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کا کھانا دیا (سمہودی دوسرا ایڈیشن صفحہ 865)۔ اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی طرف کوچ کیا اور پہاڑ کی گھاٹی میں پڑاؤ ڈالا جو پشت سے پہاڑوں کی اوٹ میں تھی۔

387: معاہدے کے تحت مدینہ کے یہودی بیرونی حملہ کے خلاف دفاع کیلئے مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے پابند تھے لیکن ان کی اکثریت نے یوم سبت (ہفتے کے دن) کا بہانہ بنا کر لڑنے سے انکار کر دیا اس کے باوجود بعض یہودیوں نے اپنے آپ کو فوجی خدمات کیلئے پیش کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مذموم عزائم کے شبہ میں انہیں مسلمانوں کے فوجی کیمپ میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی۔ مسلم فوج 700 افراد پر مشتمل تھی جن کا مقابلہ مکمل طور پر مسلح تین ہزار جنگجوؤں سے تھا جس میں 200 گھڑ سوار بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت عملی اختیار کی اس سے نمٹنے کے لئے دشمن کو اپنا گھڑ سوار دستہ دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ جن میں ایک پیدل فوج کے ساتھ منسلک ہو کر غیر فعال ہو گیا جبکہ دوسرے کو ایک طویل چکر کاٹ کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرنا پڑا۔ تاہم اہم پہاڑی درے پر متعین مسلمان تیر اندازوں نے ان کا راستہ روکا۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ اس قدر زوردار تھا کہ دشمن اس کے سامنے بھاگتا نظر آیا۔ مسلمان تیر انداز جنہوں نے دشمن گھڑ سواروں کا حملہ روک دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بھول گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان تیر اندازوں کو حکم دیا تھا کہ ''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کر اُڑ رہے ہیں تو بھی تم نے اپنی جگہ نہیں چھوڑنی'' ان کے کمانڈر نے انہیں جگہ

چھوڑنے پر خبردار بھی کیا اور خود اپنی جگہ قائم رہا مگر ان کی اکثریت تیر اندازی چھوڑ کر دشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئی۔ اس صورتحال نے پورا منظر بدل دیا۔ دشمن کے گھڑ سوار دستے نے موقع دیکھ کر ایک اور زوردار حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی عقبی صفوں کو روندنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمانوں نے پلٹ کر جوابی کارروائی کرنا چاہی مگر اسی اثناء میں بھاگتا ہوا دشمن جسے دیکھ کر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑی تھی پلٹ کر دوبارہ حملہ آور ہو گیا۔ مسلمان دونوں اطراف سے گھر گئے اور صورتحال انتہائی نازک ہو گئی۔ اس بھگدڑ میں اچانک دشمن کا ایک سپاہی چلا اُٹھا کہ اس نے (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی مسلمان حوصلہ ہار بیٹھے اور بہت سے شکستہ دل ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے اور متعدد بھاگ اُٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے اور دشمن کے کھودے ہوئے ایک گڑھے میں گر گئے۔ اس دوران بعض جانثار مسلمان جن میں عورتیں بھی شامل تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پروانہ وار لڑتے اور دشمن کے تیروں اور تیغوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر کہ اب میدان جنگ میں کچھ نہیں رہ گیا دشمن آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ اس جنگ میں **70** مسلمان شہید ہوئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے (ابن ہشام **555-607-638**)

388: جنگ میں بہت سی عورتوں نے دادِ شجاعت حاصل کی تھی ابتدا میں دشمن ایک کے بعد دوسرا مر رہا تھا۔ اس کے کئی پرچم بردار ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے اور بڑی دیر جھنڈا پڑا رہا اور اسے کوئی اٹھانے والا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ایک خاتون عمرہ نے جھنڈا اٹھا لیا اور پھر جنگ کے خاتمے تک جھنڈا اسی کے ہاتھ میں رہا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کیفیت پر شعروں میں طنز کیا ہے اور احابیش قبیلے کے کرائے کے جنگجوؤں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "اگر حارث (خاندان) کی وہ عورت (جھنڈا اُٹھانے والی) نہ ہوتی تو تم بازاروں میں غلام فروخت ہوتے"
(ابن ہشام صفحہ **571**، مقریزی صفحہ **6-125**)

389: ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنی قسم فراموش نہ کی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد خاکی کے پاس گئی جن کے ہاتھ سے جنگ بدر میں اس کا باپ اور بیٹا قتل ہوئے تھے۔ اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چاک کیا اور جگر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر منہ میں چبانے لگی۔ اس کے بعد اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناک اور کان کاٹ دیے اور ان کا ہار بنا کر گلے میں

ڈالا (ابن ہشام صفحہ 581، بلاذری، ا، پیرا 696) ایک اور قریشی عورت صلافہ بنت سعد نے جس کے دو بیٹے احد میں مارے گئے تھے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیٹے کے قاتلوں کی کھوپڑیوں کے کاسے بنا کر ان میں شراب نوشی کرے گی (ابن ہشام 567-639)

390: جہاں تک مسلمان عورتوں کا تعلق ہے ان میں ایک ام عمارہ نے بالکل مردوں کے انداز میں لڑائی لڑی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے داد و تحسین بھی حاصل کی۔ ایک اور عورت ھند بنت عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عجیب شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ، شوہر اور بیٹا جنگ میں شہید ہو گئے ہیں مگر اس نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ جب اسے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے ہیں تو اس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اس نے اپنے جذبات کا اظہار شعر کی زبان میں کیا۔ اس نے کہا ''چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں کوئی اور مصیبت، مصیبت معلوم نہیں ہوتی''۔

(مقریزی ا, 147، محبر صفحہ 404)

391: جنگ احد میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چند جانثار ساتھیوں کی مدد سے گڑھے سے باہر آئے، احد پہاڑ پر چڑھے اور پہاڑ کی مشرقی جانب ایک غار میں لیٹ گئے جس کی ابھی تک حجاج کرام عزت و احترام کے ساتھ زیارت کرتے ہیں۔ دشمنوں کے ایک گروہ نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اندر ہیں اس لیے انہوں نے وہاں پر موجود مٹھی بھر مسلمانوں کی جانب زیادہ توجہ نہ دی جو کہ ان پر اوپر سے پتھر پھینک رہے تھے۔ ابوسفیان میدان جنگ میں آخری نگاہ ڈالنے کے لیے دوبارہ گیا۔ زیادہ دور جانے سے قبل وہ بھی اس غار کے قریب آیا اور زور سے پکارا ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں؟ کیا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) زندہ ہیں؟ وغیرہ'' کوئی جواب نہ پا کر وہ خوش ہو کر کہنے لگا ''یقینی طور پر وہ سب مارے جا چکے ہیں (نعوذ باللہ)۔ ہمارے بت ہبل کی تعریف و توصیف'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید خاموش نہ رہ سکے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بلند آواز میں جواب دیا۔ ابوسفیان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز کو پہچان لیا اور اسے علم ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ سلامت ہیں۔ حیرانی کے ساتھ اس نے محض اتنا کہا ''ہر ایک دن کے بدلے ایک انتقام کا دن ہوتا ہے۔ بدر کے بدلے احد، حظلہ (ابن ابی عامر) کے بدلے حظلہ

(میرا بیٹا)؛ اگر تم چاہتے ہو تو اگلے سال انہی دنوں بدر کے مقام پر ملاقات کے لیے آجانا۔'' (ابن ہشام، ص 582-3، ''عثمانیہ'' جاحظ) وہ پھر اپنے فوجی دستوں کے ہمراہ دفاعی طاقت سے محروم مدینہ منورہ میں لوٹ مار کیے بغیر مکہ مکرمہ واپس لوٹ گیا۔ کیا یہ محض عسکری غلطی اور غلط فیصلہ تھا؟ کیا ابوسفیان ایسا نہ کرنے پر مجبور ہوا کیوں کہ وہ کرائے کے قاتلوں کو پہلے ہی رخصت کر چکا تھا اور یہ کہ وہ اکیلا مسلمانوں کی آخری قوت کو مغلوب نہیں کر سکتا تھا چاہے وہ کس قدر ہی اہم کیوں نہ تھی؟ کیا وہ اپنے بچپن کے دوست کے بارے میں ابھی تک نرم گوشہ رکھتا تھا جن کی شریفانہ خوبیوں کی وہ تعریف کرتا تھا اور پہلے ہی جیتی ہوئی جنگ سے مطمئن ہو کر وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نفرت کے جذبات نہیں رکھتا تھا؟ کیا یہ اس وجہ سے تھا کہ اسے یاد تھا کہ اس کے کرائے کے بزدل قاتلوں نے جنگ کے شروع میں مات کھائی تھی جس نے اسے ایک اور جنگ کے لیے ہچکچاہٹ میں ڈال دیا تھا اور وہ اس معاملے میں غیر یقینی کیفیت میں تھا؟ کیا وہ جنگی صورتحال کو مسلمانوں کے حق میں بدلنے سے خوفزدہ تھا جس سے ان کی غیر متوقع فتح ضائع ہو جاتی؟ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ہر حال میں یہ یقین کرنا بے وقوفی ہوگی کہ ابوسفیان نے بالارادہ اپنے مشرک ہم وطنوں سے غداری کی تھی اگرچہ ایسا کرنے سے اسے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

392: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی دشمن سے غافل نہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے ایک گشتی دستہ روانہ فرمایا جس نے بتایا کہ کچھ دشمن اونٹوں پر اور کچھ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب ان کے عزائم واپسی سفر کے نہیں ہیں اگر ان کا مدینہ پر حملہ کا ارادہ ہوتا تو وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے" (ابن ہشام صفحہ 582-583)

393: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھو کر ان پر دوا لگائی گئی۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدا کی تدفین کی نگرانی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھاتے رہے۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ دشمن کی اچانک پسپائی نا قابل فہم تھی (جب کہ اسے میدان جنگ میں برتری حاصل تھی) تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کا تعاقب کرنا ضروری سمجھا تا کہ دشمن واپسی کا ارادہ بدل کر حملہ کرنے کا فیصلہ نہ کر لے۔ آپ کا اندازہ غلط نہ تھا مگر تعاقب کے بعد دشمن نے حملہ کا ارادہ ترک کر کے واپسی کا فیصلہ کر لیا کیونکہ

کرائے پر جو فوجی لائے گئے تھے وہ دوبارہ حملہ کر کے اپنی موت کا خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھے۔ (ابن ہشام 589-590)

394: یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو معروف راہب ابو عامر نے رضا کارانہ طور پر مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور جنگ میں اس نے کفار کی طرف سے شرکت کی تھی جس گڑھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرے وہ ابو عامر نے ہی کھودا تھا۔ جنگ کا آغاز ہوتے ہی وہ اپنے سابقہ ہم وطنوں کے پاس گیا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کیلئے کہا تاہم اسے اس کا جو جواب ملا اسکی وہ توقع بالکل نہیں کرتا تھا (ابن ہشام 2-561)

رجیع کا المیہ

395: قریش مکہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو مسلمانوں کے سر کاٹ کر لائے گا انہیں بیش بہا انعامات سے نوازا جائے گا۔ اسی اثناء میں غزوہ احد کے چند ماہ بعد احابیش کنفیڈریشن کے چند ممبران کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ان کے علاقے میں اسلام کی تبلیغ کیلئے کچھ مبلغ حضرات کو بھجوایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے 10 افراد کا انتخاب فرمایا اور بھجوا دیا۔ مگر جب یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے جو مکہ کے نواح میں ایک کنویں کے نام پر مشہور تھا تو ان کو لانے والوں نے انہیں دھوکہ دیا اور انہیں گھیر کر ہتھیار ڈالنے کیلئے کہا۔ انہوں نے انکار کیا تو مقامی لوگوں نے حملہ کر کے ان میں سے سات کو شہید کر دیا جب کہ تین قبیلہ ہذیل کے لوگوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ جنہوں نے انہیں تاوان کے عوض رہائی کا وعدہ کیا تھا۔ ان تینوں کو مکہ لایا گیا۔ ان میں سے ایک نے اپنے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم سے تنگ آ کر فرار ہونے کی کوشش کی اور اس دوران کشمکش میں شہید ہو گیا۔ باقی دو کو اپنے دو قیدیوں کی رہائی کے عوض ہذیلیوں نے مکہ والوں کے حوالے کر دیا ان میں سے ایک کو صفوان بن امیہ نے خریدا اور اپنے غلام نسطاس کے حوالے کر دیا جس نے انہیں سر عام موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس موقع پر جو تماشائی جمع ہو گئے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کئے بنا نہ رہ سکے۔

دوسرے قیدی کا مقدر بھی اپنے پہلے ساتھی کی طرح تھا۔ تاہم اس کے طرز عمل اور کردار نے اپنی نگرانی پر مامور خاندان کو اتنا متاثر کیا کہ وہ جلد ہی مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ سولی پر چڑھائے جانے سے قبل اس نے اپنی نگران ایک خاتون سے نظافت اور صفائی کے لئے استرا مانگا۔ خاتون نے اپنے چھوٹے بیٹے کے ہاتھ بھجوا دیا تاہم اسے جلد ہی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے اپنے دشمن کے پاس بچے کے ہاتھ اُسترا بھیج دیا ہے۔ وہ جلدی سے آئی مگر دیکھا کہ قیدی خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچے کو زانو پر بٹھا رکھا ہے اور اس کی کمر پر تھپکی دے رہے ہیں۔ (ماں کو دیکھ کر) کہنے لگے مسلمان کبھی اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتا اور بچے کو چھوڑ دیا۔ اس موقع پر اہل مکہ کے ایک توہم کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قریش مکہ اپنے شہر کو پاک علاقہ سمجھتے تھے اس لئے وہ قتل کے لئے خبیب کو تنعیم کے مقام پر لے گئے جو حدود حرم سے باہر علاقہ ہے۔ ان لوگوں نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزے کی انیاں مار مار کر بڑی تکلیف پہنچائی اور پھر انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ (ابن ہشام صفحہ 638۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت لانے کے لئے ٹیم بھیجی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابی کارروائی کے لیے مہم روانہ فرمائی جس میں ابوسفیان تو بچ گیا تاہم کئی دوسرے مشرک کام آ گئے۔ (مقریزی 176,1، ابن ہشام صفحہ 4-993)

چیلنج کی واپسی

396: مقام احد پر جنگ کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں کو باآوازِ بلند کہا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں ٹاکرا ہوگا۔ مسلمان پروگرام کے مطابق مقررہ جگہ پہنچ گئے مگر قریش نے کہا کہ خشک سالی کے باعث وہ معاملہ ایک سال کے لئے ملتوی کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو اسکی پہلے سے ہی توقع تھی اس لئے وہ ہتھیاروں کی بجائے اپنے ساتھ سامان تجارت لے گئے تھے جہاں سالانہ میلہ لگا ہوتا تھا جہاں انہیں خطیر منافع حاصل ہوا (ابن ہشام صفحہ 666۔ بلاذری 726, I) اس بزدلی پر مسلمان شاعروں نے قریش مکہ کو اپنے شعروں میں خوب طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا مگر وہ سامنے آنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

عورتوں کے مقام ومرتبہ کی اصلاح

397: دفاع اور سلامتی کے حوالے سے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذہبی اور سماجی اصلاحات کے مشن کو بڑی سرگرمی سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ہم نے دیکھا کہ کس طرح انہوں نے بندے کے خدا سے تعلق کی صورتحال کو ایک نیا رنگ مہیا کیا۔ یہ تعلق جو کہ محض ایک غیر واضح رسم بن کر رہ گیا تھا اسے روزمرہ زندگی کے ایک ایک پہلو کو متاثر کرنے والی زندہ حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ مسلمانوں کو روزانہ پانچ وقت کی نمازوں کا پابند بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں کے لئے تمام (صاحب نصاب) لوگوں پر ٹیکس نافذ کیا جسے غریبوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ جنگوں کے بعض نسل در نسل چلنے والے وراثتی قوانین میں پائے جانے والے نقائص کی اصلاح ہوئی ابن حبیب (محبر صفحہ **324-325**، بلاذری ا صفحہ نمبر **722**) کے مطابق رواج یہ تھا کہ صرف وہی بیٹے جو فوجی خدمات کے لئے ضروری عمر تک پہنچ جاتے تھے باپ کی وراثت کے حقدار قرار پاتے تھے جبکہ ان کے چھوٹے بھائیوں، بہنوں اور حتیٰ کہ ماں کو بھی وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اور بالغ بیٹوں کی عدم موجودگی میں وراثت مرنے والے کے بھائیوں، بھتیجوں اور باپ کی طرف سے دوسرے رشتے داروں کو مل جاتی تھی۔ تاہم جنگ احد کے بعد قرآن پاک کے ایک حکم کے ذریعے وراثت کے حوالے سے عورتوں کے حقوق کی صورتحال بہتر بنائی گئی کیونکہ اس حکم کے ذریعے نہ صرف بڑوں اور چھوٹوں میں وراثت کے حوالے سے عدم مساوات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بلکہ ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، دادی، پوتی سمیت خاتون رشتہ داروں کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا۔ اور وہ حقوق متعین کیے گئے کہ جن کو وصیت کے ذریعے بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ایک مسلمان عورت جس کا نہ صرف شوہر جنگ کی نذر ہو گیا تھا بلکہ اس کے نتیجے میں وہ تمام جائیداد سے بھی محروم ہو گئی تھی کیونکہ اس کو کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ [illegible] (دوسرا ایڈیشن صفحہ **125**) اس واقعہ کی تفصیلات بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کھانے پر بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر ٹوٹنے والی دوہری مصیبت سے آگاہ کیا۔ چند روز کے بعد آیات نازل ہوئیں جس میں عورتوں کو وراثت کا حصہ دار قرار دیا گیا۔ یہ اصلاحات دوررس نتائج کی حامل تھیں۔

جنگ خندق

398: غزوہ احد کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات میں مزید بگاڑ پیدا ہو گیا۔ جو بالآخر بنوالنضیر کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی پر منتج ہوا۔ بنوالنضیر کے ہتھیار ڈالنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک سابق حلیف عبداللہ بن اُبی کی سفارش پر بنوالنضیر کے خلاف صرف جلاوطنی کی سزا پر اکتفا کی اور انہیں اپنی زمینیں فروخت کرنے، اپنے قرضے وصول کرنے کے بعد اپنی تمام املاک ساتھ لیجانے کی اجازت دے دی۔ یہ یہودی مدینہ سے 200 کلومیٹر شمال میں خیبر میں آباد ہو گئے۔ مگر وہ اس سلوک سے خوش نہ تھے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارنے کے لیے مختلف قبائل اور لوگوں کی طرف وفود بھیجے۔ ایک وفد قریش مکہ کی طرف بھی بھیجا جس میں مسلمانوں کے خلاف ایک اتحاد قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔ پھر یہودی اہل غطفان کے پاس گئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھڑا ہونے کیلئے خیبر کی کھجور کی مکمل پیداوار دینے کی پیشکش کی۔ غطفانی فوراً رضامند ہو گئے۔ فزاری قبیلہ کے عیینہ بن حصن نے اس پیشکش کا خیر مقدم کیا اور فوراً ہی آمادہ ہو گیا۔ بنوسلیم نے بھی پیشکش قبول کر لی۔ اس کے بعد یہودی تمام بڑے بڑے عرب قبائل کے پاس گئے اور انہیں ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔ جب قریش مکہ بالآخر باہر نکلے تو انہیں تمام حلیفوں کی مدد حاصل تھی جن میں کنانہ اور ثقیف جیسے بڑے عرب قبائل بھی شامل تھے۔ (بلاذری 1، 730 ابن ہشام صفحہ 669، میری کتاب Battlefields، 156-116) نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مدینہ کے شمال میں غطفان اور فزارہ قبائل، مشرق میں بنوسُلیم اور جنوب میں قریش مکہ، کنانہ اور ثقیف قبائل آباد تھے۔ اس طرح مدینہ کو اطراف سے گھیراؤ اور خطرے کا سامنا تھا لیکن یہی کچھ نہیں تھا۔ شام اور عراق سے اشیائے خوردنی لے کر مدینہ آنے والے قافلوں کو دومتہ الجندل (عرب کے انتہائی شمال میں) کے علاقے سے گزرنا پڑتا تھا۔ جہاں قبیلے کے سردار اکیدر نے اچانک ان قافلوں کا راستہ روکنا شروع کر دیا۔ (مسعودی، تنبیہ صفحہ 248)۔ یہ سب کچھ محض اتفاق نہ تھا یہ یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا حصہ تھا۔ جبکہ تدارک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ایک مہم لے کر دومتہ الجندل کے دور دراز علاقے کا قصد فرمایا۔

399: یہود قریش سازش کا مطمع نظر یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح مدینہ سے باہر بھجوا دیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں بنو غطفان، بنو سُلیم اور قریش مکہ اپنے تمام حلیفوں کے ساتھ مدینہ پر ٹوٹ پڑیں اور انکے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ دارالخلافہ سے دور گھیر کر (نعوذ باللہ) ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ سازش بڑی حکمت سے تیار کی گئی تھی مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

400: منصوبے کو پہلا دھچکا اس طرح پہنچا کہ خزاعہ قبیلہ کی بہت سی شاخیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی صدیوں سے حلیف تھیں جبکہ انکی کچھ اور شاخیں (خصوصاً بنو مصطلق) جو کہ ''احابیش'' کا حصہ تھیں قریش مکہ کی حلیف تھیں۔ اس لیے بنو مصطلق نے قریش مکہ کا ساتھ دیا اور مدینہ پر حملے کے لیے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ بنو مصطلق مکہ اور مدینہ کے درمیان چشمہ مریسیع پر آباد تھے جو بحیرہ احمر کے کنارے قدید کے قریب واقع تھا۔ ان تیاریوں کی اطلاع جلد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم قبیلہ کے کچھ مسلمانوں کو خفیہ طور پر بنو مصطلق کی طرف بھیجا تاکہ وہ حملے کی تیاریوں کی تفصیلات معلوم کر سکیں۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار کرنے کی بجائے حملے کی تیاریوں کی کچھ تفصیلات ملتے ہی پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا اور شعبان پانچ ہجری کو ایک مہم کی قیادت کرتے ہوئے بنو مصطلق کو اچانک جا لیا اور معمولی مزاحمت کچلنے کے بعد انہیں زیر کر لیا۔ (روایات میں اس کے وقوع کا سال 4، 5 اور 6 ہجری بتایا گیا ہے۔ ہم بلاذری (I، 729) کی پیروی کریں گے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مقریزی I، 214؛ بیہقی (دلائل، II، 1276)۔ وضاحت کرتا ہے کہ جو راوی 4 ہجری کے حق میں ہیں وہ سن ہجری کی ابتداء ہجرت کے ایک سال بعد سے شمار کرتے ہیں اور جو سن 6 ہجری کے راوی ہیں وہ اس کا آغاز ایک سال پہلے کرتے ہیں)۔ چند گھنٹے بعد ہی صورتحال نے پلٹا کھایا اور بزور طاقت مغلوب کیا ہوا دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی سے مسلمانوں کا مخلص دوست بن گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازک صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ناراض کیے بغیر بنو مصطلق کا تعاون چاہتے تھے۔ مال غنیمت (جانور، عورتیں وغیرہ) کی تقسیم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے شکست خوردہ سردار کی صاحبزادی کو جو قیدی کی حیثیت سے ایک مسلمان کی ملکیت قرار پائی تھیں خرید کر آزاد کر دیا اور

ان سے شادی کر لی۔ مسلمانوں کو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار بن جانے والوں کو غلام رکھنا قبول نہ ہوا اور سب نے اپنے اپنے قیدی آزاد کر دیے اور مال غنیمت بھی انہیں واپس کر دیا۔ اس طرح 200 خاندانوں کی غیر متوقع آزادی کو بنو مصطلق نے غیر مترقبہ نعمت سمجھا اور متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (ابن ہشام صفحہ 725-9)

401: قریش مکہ کی سازش کو دوسرا دھچکا اس طرح پہنچا کہ بنو مصطلق کے علاقہ سے واپسی پر جو مدینہ سے جنوب میں 8 دنوں کے سفر پر واقع تھا مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ کہیں فزاری قبیلہ شمال سے دارالخلافہ پر حملہ نہ کر دے۔ جو فوج سے بالکل خالی تھا (مقریزی 1، 204)۔ لیکن فزاریوں نے بجائے اسکے کہ حملے کا منصوبہ خفیہ رکھتے اور دوسرے حلیفوں کے ساتھ مل کر حملہ کرتے اسے اپنے طرز عمل سے خود ہی بے نقاب کر دیا اور اس طرح کامیابی کے امکانات کم ہو گئے۔

402: تیسرا دھچکا۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی نضیری یہودیوں کا گہرا دوست تھا۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل اسے مدینہ (یثرب) کا بادشاہ بنانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں مگر مسلمانوں کی ہجرت نے اس کے خواب خاک میں ملا دیئے تھے۔ اس نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد کیا جب کہ احد میں وہ بہانہ بنا کر اپنے ساتھیوں کو لے کر جو مسلم فوج کی کل نفری کے ایک تہائی کے برابر تھے انتہائی نازک وقت میں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ گیا۔ اسی نے نضیری یہودیوں کو اپنے موقف پر ڈٹے رہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی منصفانہ تجویز قبول نہ کرنے پر ابھارا۔ اور وہ ہر وقت مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کرتا رہتا تھا غزوہ مصطلق سے واپسی پر بھی اسکی ریشہ دوانیوں کے باعث مہاجرین اور انصار میں تصادم ہوتے ہوتے بچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی حکمت اور بصد مشکل پیدا کردہ غلط فہمی کی اصلاح کی (مقریزی ا، 199-203، ابن ہشام صفحہ 726-7)۔ یہ کوشش ناکام ہونے کے بعد اس نے ایک گھناؤنی حرکت کی اس مہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ اس وقت تک پردہ کا حکم آ چکا تھا اور عورتیں نقاب پہننا شروع ہو گئی تھیں۔ ایک روز جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رفع حاجت کیلئے کیمپ سے کافی دور نکل گئیں اور ان کی خدمت پر مامور خادموں نے ہودہ میں انکی غیر موجودگی کا علم ہوئے بغیر کہ وہ وزن میں بہت ہلکی پھلکی تھی، ہودہ کو اونٹ کی کمر پر باندھا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا ادھر واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا انہیں کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کریں۔ وہ بے بسی سے وہیں بیٹھ کر رونے لگیں (اور شاید اسی عالم میں انکی آنکھ لگ گئی)۔ بعد میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو قافلے کی پیچھے رہ جانے والی اشیا جمع کرنے پر مامور تھے) نے انہیں دیکھا تو یہ سمجھے کوئی عورت جس کا انتقال ہو گیا ہے دفن ہونے سے رہ گئی ہے۔ تاہم جب قریب آ کر انہیں صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا اونٹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب بٹھا دیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر سوار ہو گئیں اور وہ خود پیادہ پا انہیں لے کر مسلم فوج سے آ ملے۔ اس واقعہ میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ مگر عبداللہ بن اُبی اس واقعہ کو لے اڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ پر الزامات اور تہمتوں کا طومار باندھ دیا۔ مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کی تحقیقات کیں اور ان پر سازش منکشف ہوئی اور پھر آیات قرآنی کے نزول سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بریت واضح ہو گئی (قرآن۔ 12-11/24) (ابن ہشام صفحہ 731 اور آگے) اور یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو گیا۔ عبداللہ بن اُبی کی یہ سازشیں 8 ہجری میں اس کے انتقال تک جاری رہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبیء کے صاحبزادے سے شفقت کا مظاہرہ کیا کیونکہ عبداللہ بن اُبی نے جنگ بدر کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ جنگی قیدی بن گئے تھے، پہننے کے لئے اپنا کرتہ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کے اس احسان کو یاد رکھا تھا اور اس کے انتقال کے بعد اس کی میت پر ڈالنے کے لئے اپنا کرتہ مبارک دیا تھا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عظیم مہربانی ذاتی سطح پر تھی اور ایک آیت قرانی (84/9) نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی نماز جنازہ کی ممانعت کر دی۔ (ابن ہشام صفحہ 927۔ مقریزی صفحہ 496، موخر الذکر (مقریزی) نے روایت کیا ہے (صفحہ 291-2) کہ صلح حدیبیہ کے دوران قریش نے اس منافق (رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی) کو اکیلے دعوت دی کہ وہ آ کر بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے تاہم اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسلمان ہو چکے تھے اپنے باپ کو اس طرح جانے سے روکا)

403: چوتھا جھٹکا: اتفاق تھا کہ دشمنوں کی توقع کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دومتہ الجندل کی طرف مختصر سا فوجی دستہ روانہ ہوا جو مدینہ سے شمال کی طرف 14 دن کی مسافت پر واقع تھا (وہ سازش کر رہے تھے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں گھیر کر ختم کر دیا

جائے اور مسلمانوں کی کم نفری دشمن کے عزائم کے لیے مددگار ثابت ہوسکتی تھی) مگر ابن ہشام کے مطابق (صفحہ 668) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت مبارکہ کے بالکل برعکس نصف راستے سے واپس تشریف لے آئے اور تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے واپس مدینہ پہنچ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے صرف ایک ہفتہ بعد مکہ، خیبر اور دوسرے علاقوں سے آنیوالی فوجوں نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔

404: محاصرہ کے وقت مدینہ کے مسلمان شدید پریشانی سے دوچار تھے اور قرآن پاک نے اسکی کیفیت یوں بیان کی ہے "جب کہ دشمن تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے" (10/33)

405: مکہ میں بنوخزاعہ میں مسلمانوں کے حلیفوں کو جب کفار مکہ کی تیاریوں کی خبر ملی تو انہوں نے فی الفور اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی ان کی تیز رفتار اونٹنیوں نے مکہ سے مدینہ کا سفر جو معمول کے مطابق دس روز میں طے ہوتا تھا صرف چار راتوں میں طے کیا (شامی۔ سیرۃ۔ باب خندق) یہ حتمی طور پر معلوم نہیں کہ آیا ان پیغام رسانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرنے کیلئے دومتہ الجندل کا سفر اختیار کیا یا پھر مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام نے اطلاع ملنے پر یہ اہم ترین خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصف راستے سے واپس آنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی کارروائی کی خبر راستے میں ہی مل گئی تھی۔

406۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آتے ہی دفاعی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ شہر میں رہ کر محاصرہ کا مقابلہ کیا جائے۔ شہر میں خوراک اور پانی کی کوئی کمی نہ تھی۔ مدینہ کے گرد باغات ایک قدرتی دفاعی رکاوٹ تھے جبکہ شہر کی گلیاں تنگ تھیں اس لئے شہر پر عام حملہ ممکن نہ تھا مگر جب دشمن کی روز افزوں تعداد کے حوالے سے حوصلہ شکن خبریں آنے لگیں تو مسلمانوں کی تشویش بھی بڑھ گئی اور اس بات پر غور کیا گیا کہ محض شہر کے اندر محصور ہو جانا ہی کافی نہیں بلکہ کوئی اور اقدام بھی کیا جائے۔ اسی اثناء میں خبریں آگئیں کہ دشمن کی تعداد 12 ہزار کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے

ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے اردگرد کی دفاعی صورتحال کا جائزہ لیا۔ جس کے دوران اندازہ ہوا کہ مغربی طرف دفاع کمزور ہے۔ مسلمانوں میں صلاح مشورے کے دوران حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان کے ملک میں دشمن کے رات کے حملوں اور گھڑسواروں کا ہلہ روکنے کیلئے خندقیں کھودی جاتی تھیں اور یہ خندقیں شہر اور کیمپوں دونوں کے گرد کھودی جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس تجویز پر صاد کیا اور کمزور دفاع کے مقام پر خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کھدائی میں حصہ لیا اور دشمن کے پہنچنے سے پہلے پہلے خندق کھود لی گئی۔ یہ واقعہ شوال 5 ہجری کا ہے۔ مسلمان فوجیوں کی تعداد تین ہزار بھی نہ تھی جب کہ ان کے دشمنوں کی تعداد اس سے چار گنا تھی جو ان سے بہتر سامان جنگ سے لیس تھے (ابن ہشام 673)۔ عرب میں خندق بالکل ایک نئی چیز تھی جس کا حملہ آوروں کو کوئی گمان تک نہ تھا۔ خندق کی دن رات نگرانی کی جاتی تھی اور یہ اتنی چوڑی تھی کہ بڑے سے بڑا شاہسوار بھی گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسے عبور نہیں کرسکتا تھا۔ مگر دشمنوں کے ہاتھ میں ابھی ایک کارڈ باقی تھا۔ چنانچہ نضیری یہودیوں کا ایک وفد بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا۔ یہ یہودی قبیلہ مسلمانوں کا حلیف اور مدینہ میں ہی مقیم تھا۔ وفد نے انہیں مسلمانوں سے غداری پر آمادہ کرلیا اور وہ اپنے ہم مذھبوں کے اکسانے پر مسلمانوں پر اندر سے حملہ کرنے پر تیار ہوگئے (ابن ہشام 674-75)۔ نئی صورتحال نے مسلمانوں کی ساری دفاعی حکمت عملی تہہ و بالا کر کے رکھ دی۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برق رفتاری سے اقدامات کیے۔ ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین خدشات کے ازالہ کے لئے محافظ دستے ان دو مقامات پر متعین فرمائے جہاں سے یہودی آبادی کو راستے جاتے تھے اور اس کے علاوہ وقفے وقفے سے باآواز بلند بنو قریظہ کو ہنگامی حالات میں گھروں میں رہنے اور اپنے جان و مال کا تحفظ کرنے کی تلقین کی جاتی (جنگی چال کے طور پر) اگلا روز ہفتہ (یوم السبت) تھا اور اس روز مسلمانوں کو یہودیوں سے حملہ کا خطرہ نہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے تمام حلیفوں بنو غطفان اور بنو فزارہ سے الگ الگ مصالحت کی راہ نکالنے کے لئے وفود بھیجے۔ تاہم انہوں نے مصالحت کی جو قیمت طلب کی مسلمانوں نے وہ منظور نہ کی (ابن ہشام صفحہ 676، طبری ا، 1474) کیونکہ دراصل وہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے۔ تاہم اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور خفیہ

کارروائی کی بھی منظوری دی جو بعدازاں موثر اور فیصلہ کن ثابت ہوئی (ابن ہشام 680-682، سرخسی ''شرح السیر الکبیر'' I,84-85) اشجع قبیلے کے سردار نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کے اسلام کی بابت ابھی بہت کم لوگوں کو علم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منصوبہ طے کرنے کے بعد وہ پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے اور انہیں کہا ''میں تمہارا پرانا خیر خواہ اور دوست ہوں۔ کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے سوچ لیں۔ آپ دیکھیں کہ حملہ آور آج یا کل اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے آپ لوگوں کو یہاں مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے کیونکہ یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مسلمانوں کو زیر کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ اپنے حلیفوں سے مضبوط ضمانت لے کر ہی ان کا ساتھ دینے کی حامی بھریں۔ مثلاً آپ ان سے ضمانت کے طور پر ان کے کچھ آدمیوں کو اپنے پاس رکھنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں تاکہ وہ جم کر لڑیں اور آپ لوگوں کو آسانی سے چھوڑ کر نہ جا سکیں''۔ اس کے بعد نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ باری باری محاصرہ کرنے والوں کے پاس پہنچے اور انہیں کہا ''میرا آپ سے تعلق ڈھکا چھپا نہیں مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ بنوقریظہ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کر رہے ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ دھوکے سے آپ میں سے کچھ اہم سرداروں کو قبضے میں لے کر انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں گے جنہیں ہو سکتا ہے وہ موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس کے علاوہ میری تجویز یہ ہے کہ آپ لوگ بنوقریظہ کو کہیں کہ وہ ہفتے کے روز حملہ کریں کیونکہ اس سے ایک طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی جدوجہد کی سچائی بھی ظاہر ہو گی اور دوسرا یقینی فتح کی بھی امید ہے کیونکہ مسلمان ہفتے کے روز حملے کی توقع بالکل نہیں کرتے۔ نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید یہ کیا کہ مسلمانوں میں یہ افواہ اڑا دی کہ بنوقریظہ کچھ بڑے قریشی سرداروں کو مسلمانوں کے حوالے کرنے والے ہیں۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبہم سا جواب دیا۔ اسی اثناء میں جب یہودی وفد یرغمالیوں کا مطالبہ کرنے قریش کے کیمپ میں گیا تو وہ کسی کو بھی بنوقریظہ کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس پر بنوقریظہ کو یقین ہو گیا کہ قریش بالآخر انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں گے اور یوم سبت کی خلاف ورزی کے مطالبے پر نہ صرف ان کے شکوک وشبہات میں اضافہ ہوا بلکہ ان کے مذہبی جذبات بھی مجروح ہوئے اور اس طرح دونوں فریقوں

میں پھوٹ پڑی اور مسلمانوں کے خلاف یہ عظیم سازش اپنے انجام کو پہنچی۔

407: دشمن کی تیاری محض ایک محدود اور مختصر جنگ کیلئے تھی اور محاصرے کے طول پکڑ جانے کے باعث انسانوں اور جانوروں کیلئے خوراک کے ذخائر تیزی سے ختم ہونے لگے اور حملہ آور بنو قریظہ سے مہنگے داموں اناج اور چارا خریدنے پر مجبور ہو گئے مگر یہ بھی اپنی منزل پر نہ پہنچ پاتا کیونکہ مسلمان کمانڈوز چھاپہ مار کارروائیوں کے ذریعے سب کچھ تہس نہس کر دیتے۔ اور پھر موسم سرما نے بھی کام دکھانا شروع کر دیا۔ مدینہ کی شدید سردی نے اہل مکہ کے حوصلے مزید پست کر دیے۔ تاہم ایک نکتہ قابل ذکر ہے جس کو ہمارے پیشروؤں نے نظر انداز کیا ہے اور وہ یہ کہ شوال کے بعد نہ صرف حرام مہینوں کا آغاز ہونے والا تھا جن میں جنگی کارروائیاں کفار مکہ کے لئے بھی ناپسندیدہ بات تھی بلکہ مکہ میں حج سیزن کے دن بھی قریب آ رہے تھے اور قریش مکہ کو ایام حج میں اپنے شہر سے دور رہ کر حج کے دوران ہونے والی مختلف مدات کی آمدنی سے محروم ہونا کسی طور گوارا نہ تھا۔ اس لئے مکی فوج کے سپہ سالار ابوسفیان نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا جس کے بعد ان کے حلیفوں کے لئے ان کا ساتھ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

408: جنگ احزاب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ اب اہل مکہ مسلمانوں پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے بلکہ مسلمان ان پر چڑھائی کریں گے۔

مصالحت

409: مسلمانوں اور کفار کے مابین جو چھوٹی موٹی لڑائیاں یا جھڑپیں ہوئیں انہیں "جنگیں" قرار دینا مشکل ہے۔ اسکے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگی قوت میں اضافہ ہو جانے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانی خون کم سے کم بہانے کی کوششیں بھی بڑھ رہی تھیں اور درج ذیل چارٹ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کوششیں کس قدر کامیاب تھیں۔

سن ہجری	لڑائی	دشمن فوج کی تعداد	مارے گئے دشمنوں کی تعداد	مسلمان فوج کی تعداد	شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد
2	مدینہ میں لوٹ مار کیلئے کرز کی چھاپہ مار کارروائی	؟	0	0	0
2	نخلہ کی جوابی کارروائی	4(؟)	1	9	0
2	بدر	950	70	313	14
2	ابوسفیان کا چھاپہ	200	0	0	2
3	قردہ کی جوابی کارروائی	(؟)	0	100	0
3	احد	3000	22	700	70
5	غزوہ بنو مصطلق	200(؟)	10	30(؟)	1
5	خندق (احزاب)	12000	8	3000	6

410: جنگ خندق کی اہمیت اس حوالے سے بہت زیادہ ہے کہ دونوں مدمقابل فریقوں کے پاس قابل ذکر جنگی قوت موجود تھی مگر اس دوران صرف چھ مسلمان شہید اور 8 کافر ہلاک ہوئے اور اس حوالے سے یہ کوئی فیصلہ کن جنگ نہ تھی۔ قریش مکہ کی جنگی کارروائیاں تو اس کے بعد رک گئی تھیں مگر شمال کی جانب (شام، مصر اور عراق) ان کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت میں تعطل نے

ان کی معیشت پر تباہ کن اثرات ڈالے۔ اس کے علاوہ شدید خشک سالی (5 ہجری) نے بھی ان کے کس بل نکال دیے۔

411: مسلمانوں کے حالات بھی ابھی اطمینان بخش نہیں تھے جنوب میں مکہ والے بدستور دشمن تھے۔ ایک نئی اسلامی ریاست اور ایک نئے مذہب کے استحکام کے حوالے سے صورتحال حوصلہ شکن تھی۔ شمال میں بنوغطفان اور بنوفزارہ جو پیشہ ور ڈاکو قبائل تھے خیبر کے طاقتور یہودیوں سے گٹھ جوڑ کیے ہوئے تھے جن کی پہلی کوشش اگرچہ جنگ خندق کے موقع پر ناکام ہوگئی تھی مگر ابھی مدینہ کے مکمل محفوظ ہوجانے کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ مشہور مورخ اور فقیہہ سرخسی (شرح سیر الکبیر ا، 201 ایضاً المبسوط X،86) لکھتے ہیں کہ "اہل مکہ اور خیبر میں یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی ایک کی طرف بڑھتے ہیں تو دوسرا مدینہ پر چڑھائی کردے گا"۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے معاہدہ کیا تاکہ خیبر کے خلاف کارروائی کی صورت میں اہل مکہ غیر جانبدار رہیں۔

412: ان دونوں دشمنوں کے خلاف کارروائی اور انہیں زیر کرنے کے سوا چارہ نہ تھا مگر ابھی مسلمان حکومت اتنی طاقتور نہیں تھی کہ دونوں سے بیک وقت نمٹ پاتی اور حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مصالحت کا ڈول ڈالا جاتا۔ مگر یہ انتخاب اتنا آسان نہ تھا کہ کس کے ساتھ صلح کی جائے۔ مکہ اور خیبر کے مابین تعلقات اتنے مضبوط تھے کہ انہیں آسانی سے توڑنا ممکن نہ تھا مگر کوشش تو بہرحال کرنا تھی۔

413: غطفان اور فزارہ غیر مہذب اور غیر منظم قبائل تھے اور مال کی ترغیب پر وفاداریاں تبدیل کرنا ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ خیبر والوں نے انہیں مال کے ذریعہ ہی ساتھ ملایا ہوا تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں بھی بکنے کیلئے تیار تھے اس لئے ان بدوؤں پر اعتماد کرنا مشکل تھا۔

414: جہاں تک خیبر کا تعلق ہے وہ یہودیوں کا علاقہ تھا جو نسل اور تہذیب کے اعتبار سے عربوں سے مختلف تھے۔ بنونضیر کو کچھ ہی عرصہ قبل مدینہ سے نکالا گیا تھا (اور ان کی اکثریت بھی خیبر میں ہی منتقل ہوگئی تھی) انہیں ماضی کے تمام مال واسباب اور مراتب سمیت بحالی کے سوا راضی نہیں کیا جا سکتا تھا چونکہ وہ آسودہ حال تھے اسی لئے محض چند تحائف سے مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ قرآن

کی شہادت کے مطابق اس وقت کے یہودی، غیر یہودیوں سے ہونے والے عہد و پیمان کی پا بندی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔(75/3) یہودی ایک تجارت پیشہ قوم تھی اور جنگ وجدل کے ماہر نہ تھے اور شاید ان کا مال و دولت بھی ان سے معاہدے کی راہ میں رکاوٹ بنا (کہ مسلمانوں کو (امن کی بجائے) جنگ سے فتح کر کے یہود کے مال واسباب پر قبضہ زیادہ سود مند نظر آیا)۔

415: جہاں تک مکہ کا تعلق ہے اس سے معاہدہ میں بہت سے مفادات پوشیدہ تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعلق مکہ سے تھا۔ مسلمانوں کا کعبہ، اسلام کا مرکز مکہ میں تھا۔ مسلمان روزانہ پانچ وقت کی نماز مکہ کی طرف رخ کر کے ادا کرتے تھے اور حج بھی مکہ میں ہی ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو مکہ کی تباہی سے زیادہ ان سے صلح عزیز تھی چاہے اس میں تعلقات اور رشتہ داریوں کا حوالہ نظر انداز بھی کر دیں تو دوسری وجوہات بھی تھیں۔ ایک یہ بھی کہ کعبہ کو پورے عرب میں تقدس کا جو مقام حاصل تھا اس کے باعث اہل مکہ بھی تعظیم کے سزاوار سمجھے جاتے۔ اس کے علاوہ معاشی وجوہات بھی تھیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ تہذیبی طور پر مکہ عرب کے بہت سے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ یہ لوگ اب محض خانہ بدوش نہ تھے بلکہ ایک باضابطہ شہری ریاست کے شہری تھے۔ اس کے علاوہ قریش مکہ قول کے پکے اور عہد پر قائم رہنے والے تھے۔ وہ مشترکہ مفاد کے لئے انفرادی فائدے قربان کرنے کی حکمت کو بھی سمجھتے تھے۔ وہ سیر وسفر کے دلدادہ اور شعر وادب کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ یہ بھی امکان ہے کہ جنگ خندق کے نتائج کو دیکھ کر وہ خود بھی مسلمانوں سے معاہدہ امن کے متمنی ہوں۔ ان کے تجارتی قافلوں کی بندش کے بعد اہل مدینہ سے ان کی لڑائی آہستہ آہستہ انہیں ہر لحاظ سے ختم کئے دے رہی تھی۔ ایک باعزت معاہدہ اب ان کی ضرورت بھی بن گیا تھا۔ اس سال خشک سالی اور قحط نے بھی مکہ کی راہ دیکھ لی تھی۔ (ابن الجوزی۔ منتظم II،88) شام، مصر اور عراق کے راستے ان پر بند ہو چکے تھے۔ نجد کا علاقہ یمامہ اہل عرب کے لئے اناج گھر کی حیثیت رکھتا تھا مگر حال ہی میں اس کے ایک بڑے سردار ثمامہ بن اُثال نے اسلام قبول کر لیا تھا جس کے بعد اسلام نے مکہ کو غلہ کی ترسیل پر پابندی لگا دی تھی۔ (ابن ہشام صفحہ 997-8، ابن عبدالبر استعیاب نمبر 278)۔ جس سے مکہ کی غذائی صورتحال بہت ابتر ہو گئی۔ اسی اثنا میں مکہ کے بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطوط بھجوائے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی اور مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

رشتوں کے حوالے دے کر پابندیاں اٹھانے کی استدعا کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغامات ملتے ہی 500 طلائی دینار مکہ کے نادار لوگوں کے لئے بھجوائے (ابن ہشام 997-8) جس پر ابوسفیان نے کہا کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے" (سرخسی مبسوط 92، شرح سیر الکبیر I، 70، یعقوبی II، 57) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے سابقہ ہم وطنوں کی فطرت سے آگاہ تھے ابوسفیان کو مدینہ سے کھجوروں کی ایک بڑی مقدار بھجوائی اور ان کے بدلے کھالیں لینے کی پیشکش کی (مبسوط از سرخسی سیر الکبیر I، 70 ابوعبید 631) ہوسکتا ہے کہ ابوسفیان کے گوداموں میں تجارت پر پابندی کے باعث کھالوں کی بڑی مقدار سڑ رہی ہو جو اہل مکہ کا ایک بڑا برآمدی آئٹم تھا۔ ان حالات میں اس سودے سے ابوسفیان کو یقیناً خوشی ہوئی ہوگی۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ شاید کشیدگی میں کمی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو ایک تجارتی قافلہ لے کر شام اور فلسطین جانے کی اجازت دے دی۔ اس امکان کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ابوسفیان مکہ سے غیر حاضر تھا اور اہل مکہ کی طرف سے سہیل بن عمرو نے معاہدہ کیا (مبسوط از سرخسی 169/30) مصالحت کی کوششوں کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی جو اپنے شوہر کی وفات کے بعد حبشہ میں مسلمان پناہ گزین کی حیثیت سے مقیم تھیں شادی کی تقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں ہوئی اور ولی کے فرائض شاہ حبشہ نجاشی نے سرانجام دیے۔ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے بعد جلد ہی مدینہ تشریف لے گئیں۔ (ابن ہشام صفحہ 783، بلاذری 904,1، ابن حبیب صفحہ 88-89)۔

416: ابن حبیب کا کہنا ہے کہ ان تمام مصالحتی کوششوں کی صدائے بازگشت اس قرآنی آیت میں ملتی ہے (کیا عجب کہ عنقریب ہی اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے) (قرآن 7/60) (محبر صفحہ 88-89)؛ اس تمام صورتحال کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام امن کے لیے پیش رفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیلئے مکہ جانے کا اعلان عام کر دیا اور پھر خفیہ طور پر ایجنٹ بھیجے تاکہ وہ اس اعلان پر قریش کا ردعمل معلوم کر سکیں (ہیکل II، 226، بحوالہ بخاری، ابن ہشام صفحہ 741)۔ اہل اسلام کی طرف سے کعبہ کی تعظیم اور

مسلمانوں کی آمد سے متوقع آمدنی کے پیش نظر اندازہ یہی تھا کہ قریش مکہ کو اس چیز پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا تاہم کسی بھی ناخوشگوار صورتحال سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سفر کے لیے حرمت والے مہینوں کا انتخاب کیا۔

417: جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کے پاس 3 ہزار کی افرادی قوت تھی۔ ابن اسحاق کا اندازہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ کا سفر اختیار کرنے والوں کی تعداد 700 تھی۔ جابر کی طرف سے 1400 افراد کی شرکت کے دعویٰ میں اندازہ ہے کہ دور دراز کے علاقوں سے آکر شامل ہونے والے قبائلی بھی شامل تھے (ابن ہشام 740)۔ اس لیے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ مسلم فوج کا ایک قابل ذکر حصہ کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نبٹنے کیلئے مدینہ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ہتھیار مدینہ سے روانہ ہوئے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ تاہم کچھ سفر کرنے کے بعد بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیاروں کا سرکاری ذخیرہ لانے کا حکم دیا (طبری I، 1513) اور یہ ہتھیار چھپا کر ساتھ رکھ لیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان احتیاطی اقدامات میں حق بجانب تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں قریش مکہ کی نقل و حرکت کی اطلاع مل گئی۔ اس کے علاوہ قریش کے حلیف احابیش کی سرگرمیوں کی اطلاعات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ رہی تھیں (ابن ہشام صفحہ 741)۔ بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا کہ آیا احابیش کو مسلمانوں کے خلاف بغیر کسی اشتعال کے دشمنی دکھانے پر سزا دی جائے (بخاری 37/64 نمبر 28 ابن کثیر، بدایہ IV، 173)۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر کسی کے خلاف بھی جارحانہ کارروائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ان کی یہ رائے تھی کہ صرف حملے کی صورت میں محض دفاعی کارروائی کی جائے۔ قریش مکہ شدید الجھن میں پڑ گئے وہ نہ تو مسلمانوں کو خوش آمدید کہہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کو کعبہ کے طواف سے روک کر دیرینہ روایت توڑنے کا حوصلہ رکھتے تھے چنانچہ قریش مکہ حدیبیہ کے مقام پر جمع ہو گئے جو مکہ سے 15 کلومیٹر مغرب میں جدہ جانے والے راستے پر واقع ہے۔ یہ مقام فوجی نقطہ نگاہ سے بہت اہم ہے مسلمانوں نے یہاں پڑاؤ ڈال لیا اور فوری طور پر سفارتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

418: یہ وہ دور تھا جب رومیوں اور ایرانیوں کی لڑائی میں نینوا کے مقام پر ایرانیوں کو شکست ہوگئی اور ہرقل فتح یاب ہوا۔ ثمامہ بن اثال کے قبول اسلام کے بعد اسکے زیرنگیں یمامہ کا علاقہ پہلے ہی مسلمانوں کے زیر اثر آ چکا تھا یہ علاقہ ایران کے ہمسایہ ہونے کی وجہ سے مسلمان ایران کی نو آبادیوں کے ہمسایہ بن چکے تھے۔ اسطرح ماحول ایرانیوں کے عرب مقبوضات کو آزاد کرانے کے لئے سازگار ہو چکا تھا جس کے باعث مکہ سے مصالحت اور بھی ضروری تھی۔ ہوسکتا ہے کہ خود اہل مکہ اس وقت معاملے کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ نہ ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ سے ہر قیمت پر ایک معاہدہ کرنے کے خواہاں تھے اور ابن ہشام کے بقول (صفحہ 742-3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کہ "قریش مکہ آج مجھ سے جو مانگیں گے میں ان کو دوں گا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی خواہش کے آئینہ دار تھے۔ اس معاہدہ امن کے ساتھ ہی قریش مکہ اور خیبر کے مابین معاہدہ کا خاتمہ ہوگیا۔ جو اسلام کے لیے بڑا خطرہ بن چکا تھا۔

419: ہمیں اس لیے قریشِ مکہ کی طرف سے اس موقع پر بہت سی اشتعال انگیزیوں کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی پر حیرت نہیں ہونی چاہیے مثلاً قریش نے چالیس پچاس آدمیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے مسلمان فوج پر حملہ کرنے کی کوشش کی ان لوگوں کو پکڑ لیا گیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر کے آزاد کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے مسلمانوں کے کیمپ پر تیر چلائے اور پتھر پھینکے تھے (طبری 1، 1542)۔ اس کے علاوہ یکے بعد دیگرے مکہ سے کئی وفود آئے اور انہوں نے مسلمانوں کی مہم کا مقصد پوچھا۔ گو کہ کسی طور یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ ان وفود کو امن مذاکرات کا اختیار حاصل تھا۔ دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک وفد مکہ بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب خزاعہ کے خراش بن امیہ پر پڑی (جس کے رشتہ دار قریش کے حلیف تھے)۔ مگر عکرمہ بن ابی جہل نے اسکے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور وہ بڑی مشکل سے جان بچا پایا۔ (ابن ہشام صفحہ 745 مقریزی 1، 289)۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتعل ہوئے بغیر بات چیت کی ایک اور کوشش کی۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنا چاہتے تھے (جن کا خاندان قبل از اسلام کے سرداری نظام میں سفارتی سرگرمیوں پر مامور تھا)۔ مگر ان کے عذر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کیلئے نامزد فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

انتخاب ابوسفیان سے ان کی رشتہ داری کی بنا پر عمل میں آیا۔لیکن مکہ میں اس وقت بڑا انتشار پھیلا ہوا تھا۔ابوسفیان شام گیا ہوا تھا جب کہ دوسرے سردار کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر نظر آتے تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں قید کر لیا گیا اور افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔

420: ان حوصلہ شکن حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے (حدیبیہ کے اس مقام پر اب ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آخری دم تک لڑنے کا عہد لیا (بیعت رضوان)۔قریش مکہ کو جلد ہی صورتحال کی سنگینی کا احساس ہو گیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کے لیے سہیل بن عمرو کی قیادت میں ایک بااختیار وفد بھیجا مذاکرات شروع ہونے سے قبل قریشی وفد کے سربراہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہیں۔قریش مکہ نے درج ذیل مطالبات پیش کیے:

1۔ مسلمان اس سال یہیں سے واپس مدینے چلے جائیں آئندہ سال انکو تین دن تک مکہ میں قیام کی اجازت ہوگی۔

2۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر (یعنی بھاگ کر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس کرنے کے پابند ہونگے۔لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی پناہ کی غرض سے بھاگ کر قریش کے پاس آئیگا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

3۔ صلح کا یہ معاہدہ دونوں فریقوں کے مابین 10 سال کیلئے ہوگا اور اس معاہدے میں شریک دونوں فریقوں کے حلیف بھی شامل ہوں گے اس معاہدے کے تحت ہر فریق کے زیر اثر علاقے میں دوسرے فریق کے زیر اثر علاقوں کے باشندوں کو امان حاصل ہوگی اور دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی تیسرے فریق سے جنگ کی صورت میں معاہدہ کا دوسرا فریق غیر جانبدار رہے گا۔

421: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام شرائط تسلیم کر لیں لیکن ان شرائط کو ضبط تحریر میں لاتے وقت ایک مشکل کھڑی ہوگئی کیونکہ قریش نے مطالبہ کیا کہ معاہدے میں محمد رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کی بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ لکھا جائے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول تسلیم کر لیں تو پھر کوئی اور تنازعہ ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ان کا دوسرا مطالبہ غیر منطقی تھا ان کا مطالبہ تھا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تجویز کردہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ صرف بسم اللہ لکھا جائے۔تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط بھی تسلیم کر لی۔ امکان غالب یہ ہے کہ غیر جانبداری والی شق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالبے پر شامل کی گئی۔

422: عمرہ کی سعادت میں ناکامی، ایک دوسرے کے بھاگے ہوئے افراد کے بارے میں قریش کا یکطرفہ مطالبہ تسلیم کئے جانے، کفار کے مطالبے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود کو پیغمبر لکھنے سے دستبردار ہو جانے سمیت قریش کو جو رعائتیں دی گئیں ان پر مسلمان بہت مضطرب تھے کہ فوجی قوت ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزوری کا مظاہرہ کیوں کیا۔حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا شخص بھی اس پر اپنا کرب چھپا نہ سکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احتجاج کرنے جا پہنچا (بعد میں اپنی جرات پر وہ خود بھی حیران تھے)۔حالت اضطراب میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم سچ پر نہیں ہیں اور کیا کفار گمراہی کے راستے پر نہیں چل رہے؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو سچ کی تذلیل کیوں ہوئی ہے'' (بخاری 4/5/48/65)۔مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں جذبہ اطاعت اس حد تک تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کرنے کا حکم انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا تو کسی کے منہ سے اس کے بعد لفظ تک نہ نکلا۔اسی دوران اللہ تعالیٰ نے جب وحی نازل فرما کر بظاہر ناکامی کو "فتح مبین" قرار دیا تو لوگ حیران رہ گئے۔(معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہن کو بہت الجھایا ہوا تھا کیونکہ واپسی کے سفر کے دوران ایک موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر دوسروں سے قدرے فاصلے پر تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اپنے سوالات تین مرتبہ دہرائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسطرح سوال کرنا ناگوار گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کا جواب نہیں دیا (بخاری 4/5/48/65)۔اس کے بعد سورۃ فتح نازل ہوئی جس سے مضطرب اذہان پر سکون ہو گئے (بخاری 1/48/65) ابن مسعود نے بھی اس

معاہدہ کو مسلمانوں کی "عظیم فتح" قرار دیا ہے۔ (ابن کثیر، فصول، 49 الف۔50)

423: معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مہم خیبر کے خلاف قریش مکہ کو غیر جانبدار رکھنے کیلئے سر کی اور اس مقصد کے حصول کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بھی سیاسی رعائت دینے کے لئے تیار تھے مگر حکمت کاری کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکشاف قریبی ساتھیوں سے بھی نہیں کیا تھا کیونکہ تھوڑی سی بے احتیاطی بھی معاملے کو بگاڑ سکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے متحمل نہ ہو سکتے تھے کہ خیبر والوں کو بھی اس حوالے سے تھوڑی سی بھی بھنک پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ معاہدے میں غیر جانبداری کی شق بڑے سرسری انداز میں شامل کی گئی جس کی حقیقی اہمیت کو شاید قریش مکہ اس وقت نہیں سمجھ سکے۔ آیئے اب ان ''رعائتوں'' کا تجزیہ کریں۔ بغیر عمرہ کئے واپسی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ قرآن کے مطابق حج یا عمرہ ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے اخراجات کے مکلف ہوں لیکن دشمن نے ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے مسلمانوں کو اس حوالے سے ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیا جہاں تک ایک دوسرے کے بھاگے ہوئے افراد کی واپسی کے حوالے سے قریش کا یکطرفہ مطالبہ تسلیم کرنے کا تعلق ہے اس کی وضاحت خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو ہم میں سے بھاگ کر مکہ میں پناہ کا طالب ہوگا وہ یقیناً مشرک ہوگا اور ہمیں ایسے غداروں کی ضرورت نہیں۔ لیکن مکہ سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا وہ مسلمان ہو کر آئے گا اور (واپسی کی صورت میں) اگر وہ کفار کے مظالم کا شکار ہوتا ہے تو اس کا اجر وہ اللہ کے پاس پائے گا۔'' اور درحقیقت دشمن کی صفوں میں ان کے ظلم کا شکار لوگ اسلام کے حق میں ''ففتھ کالم'' کی حیثیت رکھتے تھے اور جلد ہی اس حوالے سے مثبت اثرات سامنے آنے لگے اور اس شق میں پنہاں مصلحت بے نقاب ہو گئی (اور جو شرط مسلمانوں کو سب سے زیادہ ذلت آمیز معلوم ہوتی تھی وہ باعث عزت و تقویت بن گئی)۔ جہاں تک معاہدے کی دس سال کی مدت کا تعلق ہے یہ شرط مسلمانوں نے کئی وجوہات کی بنا پر منوائی۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو قریش مکہ کی غیر جانبداری کے باعث اپنے دوسرے دشمنوں سے نمٹنے کی مہلت مل گئی۔ اس کے علاوہ اس دوران مختلف اوقات میں پر امن ماحول میں ہونے والی بات چیت کے نتیجے میں مسلمانوں اور کفار کے مابین کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ جب کہ مکی تجارتی قافلوں کو مسلم علاقوں سے گزرنے کی اجازت دینے سے

مسلمانوں کی تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوا اور جہاں تک ''بسم اللہ'' کے لفظ پر اصرار کا تعلق ہے اس میں کسی قسم کے مشرکانہ یا کفریہ معانی کا دخل نہ تھا یہ محض قریش کا بچگانہ نوعیت کا اصرار تھا۔ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مبنی حصہ کو حذف کرنے کا جو مطالبہ کیا (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلیم کرلیا) اس سے حقائق تو تبدیل نہیں ہوئے۔ یہ تو دعویٰ ہی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف نام محمد جس میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم'' کا لاحقہ ہٹا دیا گیا تھا لکھ دینے سے اسلام کے تصور پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑی۔ اس معاملے میں مکی وفد کا اعتراض درست تھا کہ ''اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ تسلیم کر لیتے تو پھر ان لڑائیوں کی کیا ضرورت تھی۔''

424: حقیقت یہ ہے کہ شکست یا دھچکے کا تو سوال ہی کیا بلکہ اسکے برعکس یہ معاہدہ جس نے خیبر کو طاقتور دوستوں کی مدد سے محروم کر دیا سفارت کاری کا ایک شاہکار تھا اور یہ واقعی ''فتح مبین'' اور ''عظیم کامیابی'' تھی۔

425: مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب پر موجود ایران کے زیر اثر علاقوں کے حکمرانوں سے بھی معاہدے کیے۔ اس کے نتیجے میں بحرین کا علاقہ ایران کی ساسانی سلطنت سے ناطہ توڑ کر اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حکومت کا دائرہ اثر چند ہزار مربع کلومیٹر تک محدود تھا مگر اس سے صرف چار سال بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے فانی سے تشریف لے گئے تو اسلامی سلطنت کی حدود نہ صرف پورے جزیرہ نمائے عرب (تیس لاکھ مربع کلومیٹر) پر محیط ہو چکی تھیں بلکہ جنوبی فلسطین کے کچھ علاقے (ایلہ، جربا، اذرح اور معان سے آگے تک) بھی اس کی قلمرو میں شامل تھے۔ اس کے ہراول دستے عراق کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور اسلام بحیرہ روم کے خطے کی ایک طاقت شمار ہونے لگا تھا۔

426: معاہدہ حدیبیہ کی ایک شق یہ بھی تھی (متن کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ''الوثائق السیاسیة'' نمبر 11 نیز میری تصنیف Documents Sur La Diplomatie Muslmane II نمبر 4، میری کتاب Muslim Conduct of State ساتواں ایڈیشن) کہ کوئی دوسرا قبیلہ بھی معاہدے میں شامل ہو سکتا ہے اور اس پر بھی وہی حقوق وفرائض اس کو

ہوں گے جو بڑے دو فریقوں کے لیے ہیں۔ سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ اس شق کے تحت بنو بکر (احابیش) قریش کے ساتھ مل گئے جب کہ خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

427: معاہدے کی دو نقول تیار کی گئیں اور دستور اور روائت کے مطابق نہ صرف دونوں مذاکرات کاروں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو) نے دستاویزات پر دستخط کیے بلکہ موقع پر موجود بعض دیگر ممتاز افراد نے جن کا تعلق دونوں فریقوں سے تھا گواہوں کی حیثیت سے اپنے دستخط ثبت کیے۔ ہر فریق کو معاہدے کی ایک سر بمہر نقل دی گئی۔

(ابن سعد، II/1 صفحہ 71، شرح السیر الکبیر از سرخسی IV، 61)

428: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی سفارت کاروں کو اس وقت تک واپس جانے کی اجازت نہ دی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت عثمانؓ جن کو مکہ میں قید کر لیا گیا تھا واپس بحفاظت مسلم کیمپ میں نہیں پہنچ گئے (انسان از حلبی III، 26) یہ بات قابل ذکر ہے کہ معاہدے کے مسلمان گواہوں میں مکہ کے مذاکرات کار اعلیٰ سہیل بن عمرو کا ایک صاحبزادہ بھی شامل تھا۔ اس دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ بات چیت جاری تھی کہ سہیل (بن عمرو) کا ایک اور بیٹا جو مسلمان ہو چکا تھا اور اسے مکہ میں قید کیا ہوا تھا کسی طرح قید سے آزاد ہو کر مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ گیا اور پناہ کا طالب ہوا۔ سہیل نے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کیا اور دوسری صورت میں معاہدہ منسوخ کر دینے کی دھمکی دی۔ جس پر مشرکین مکہ کے مظالم کا شکار وہ غریب رونے لگا اور مسلمانوں کو اپنے باپ کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا تاہم (چونکہ معاہدہ کی شرائط طے ہو چکی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھی دل کے ساتھ اور ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صبر کی تلقین کے ساتھ انہیں ان کے باپ کے حوالے کر دیا (ابن ہشام صفحہ 748، بخاریؒ کی روایت کے مطابق (15/54) اس موقع پر ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ی حالت دیکھ کر اس کے باپ کے غیر مسلم دوستوں نے بھی سہیل سے پر درد انداز میں کہا کہ وہ بیٹے کو مسلمانوں کے ساتھ جانے دے مگر وہ نہ مانا)۔ اسی دوران دو مسلمان عورتیں بھی کسی نہ کسی طرح مکہ سے فرار ہو کر وہاں پہنچ گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ کی فریاد کی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکی وفد کے ہمراہ واپس بھجوانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ معاہدے میں صرف ''مردوں کی واپسی'' کی شرط ہے عورتوں کا اس میں کوئی ذکر نہیں چنانچہ اس توجیہ کا جواب نہ پا کر مکی وفد خاموش ہو گیا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو اپنے کیمپ میں موجود ان کے قریبی رشتہ داروں کے سپرد کر دیا (ابن ہشام صفحہ 5-754 اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کی عورت ذہنی طور پر بلند اور فکر و عمل کی آزادی سے بہرہ ور تھی کہ اسے انفرادی طور پر اپنا آبائی اور قومی دین چھوڑنے میں کوئی تامل نہ تھا)۔ جہاں تک ارکان عمرہ کا تعلق تھا جن کا مکہ میں ادا کیا جانا ضروری تھا وہ حدیبیہ کے مقام پر ہی ادا کیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود تمام ارکان کی ادائیگی کی ابتداء کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سوا چارہ نہ تھا۔

429: مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے ممالک کے بادشاہوں اور والیوں کو خطوط روانہ فرمائے۔ جن میں ہرقل (شاہ روم) خسرو (شاہ ایران) نجاشی (شاہ حبشہ) اور مقوقس (شاہ مصر) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان واقعات کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

430: حدیبیہ سے مدینہ واپسی پر ایک اور واقعہ پیش آیا کہ ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی ایک مسلمان قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر بھاگ نکلا اور اسلامی کیمپ سے آ ملا۔ مکہ سے دو افراد پر مشتمل وفد اس کے تعاقب میں بھیجا گیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی مکمل پابندی کرتے ہوئے اسے ان دونوں کے ہمراہ واپس بھجوا دیا۔ رستے میں موقع پا کر ابو بصیر نے ایک محافظ کی تلوار جھپٹ لی اور اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا اپنے ساتھی کا انجام دیکھ کر جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچ گئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کی پابندی کے باعث ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پناہ دینے سے عذر کیا، اور ساتھ یہ بھی فرمایا ''یہ بے خوف آدمی ہے اگر اسے کوئی ساتھی مل گیا (تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا دے گا)۔'' صورتحال دیکھ کر ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہ فرار اختیار کر لی جب کہ مکی وفد کے زندہ بچ جانے والے واحد رکن نے واپس مکہ پہنچ کر اپنی بپتا سنائی۔ ادھر ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے قریب ذوالمروہ کے مقام پر العیص کے جنگل میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ جگہ مدینہ کی حدود سے باہر تجارتی قافلوں کی گزرگاہ کے قریب تھی۔ (کچھ اور نوجوان بھی فرار ہو کر ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آ ملے) ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اور ان کے ساتھیوں) نے تجارتی قافلوں پر

حملے کر کے انہیں لوٹنا شروع کر دیا۔ پے در پے حملوں اور لوٹ مار نے قریش مکہ کے اوسان خطا کر دیئے۔ اسی اثناء میں ابوجندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہو کر ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آملے جس پر مکہ سے ایک باضابطہ وفد مدینہ بھیجا گیا جس نے (ایک دوسرے کے) افراد کی واپسی سے متعلق شق میں ترمیم کی استدعا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپیل کی کہ ابوبصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست قبول کر لی (ابن ہشام صفحہ 751)۔

431: صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد معاہدے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے ہمراہ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ حج کے مہینوں کے علاوہ طواف کعبہ کو عمرہ یا چھوٹا حج کہا جاتا ہے۔ مسلمان جب مکہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ اپنے گھربار چھوڑ کر دور پہاڑوں پر چلے گئے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ دنیاوی جاہ وجلال اور مادہ پرستی کا اسیر کوئی حکمران ہوتا تو وہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاتا اور شہر جو لوگوں سے بالکل خالی لیکن مال ومنال سے بھرا ہوا تھا اس پر قبضہ کر لیتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طاقتور فوج کے ہمراہ آئے تھے اور اہل مکہ کے لیے مسلمانوں سے قبضہ واپس لینا آسان نہ ہوتا مگر رسول اللہ جسموں نہیں روحوں اور دلوں کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ کسی نے مکہ کے در و بام پر نظر بھی نہ ڈالی اور ایسی کوئی حرکت نہ کی جو مکہ کے مکینوں کو گراں گزرتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی اور جب تین روز کی مقررہ مدت کے بعد قریش مکہ کے ایک وفد نے مسلمانوں کو وقت موعودہ کے خاتمے کی یاددہانی کرائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کا استقبال خندہ پیشانی سے فرمایا اور ان کے توسط سے تمام اہل مکہ کو کھانے پر مدعو کیا مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی جس پر مسلمان وعدے کے عین مطابق شہر سے رخصت ہو گئے (ابن ہشام صفحہ 788-91)۔

432: مسلمانوں کے طرز عمل نے اہل مکہ کے ذہنوں پر گہرے نقوش مرتب کیے اور اس کے بعد جلد ہی مکی فوج کے ایک بڑے سالار خالد بن ولید نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی حکمت عملی کے باعث مسلمان احد میں شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسلم کیمپ میں آمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہال ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب دیا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

شمار دنیا کے چند عظیم فوجی سپہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی مکہ کے ایک اور ممتاز سردار عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بھی مسلمان ہو گئے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں مصر پر فوج کشی کی اور اسے اسلامی سلطنت کا حصہ بنایا ان کا شمار عرب کے مدبرین میں کیا جاتا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 8-716) نیز ملاحظہ ہو میرا آرٹیکل (بزبان فرانسیسی) "مروان بن الحکم اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھوٹے الزامات کے شکار" جو انقرہ کے جریدہ Turk Kulturu Arastirmalari میں شائع ہوا)۔

433: گو اسلامی ریاست کی حدود میں تیزی سے توسیع ہو رہی تھی لیکن مسائل کی شدت کم نہیں ہوئی تھی۔ قیصر روم کے ایک گورنر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کر دیا جس سے مدینہ اور رومی سلطنت کے مابین تعلقات کشیدہ ہو گئے اور ادھر مکہ والوں نے حدیبیہ کے معاہدے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

434: اوپر ذکر آ چکا ہے کہ بنو بکر اور خزاعہ نے قریش مکہ اور مسلمانوں کے حلیفوں کی حیثیت سے معاہدہ حدیبیہ میں شمولیت اختیار کی تھی۔ ان دونوں قبائل میں دشمنی کی جڑیں زمانہ قبل از اسلام تک پھیلی ہوئی تھیں اور یہ کئی بار برسرِ پیکار ہو چکے تھے بلاذری کی روایت کے مطابق ایک روز بنو بکر کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دریدہ دہنی کر رہا تھا کہ ایک خزاعی نے سن لیا۔ اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ بنو بکر کے اس گستاخ پر پل پڑا اور اسے زخمی کر دیا جس سے دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی (ابن ہشام 740)۔ خزاعہ کا ایک وفد شکایت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور وفد کے قائد نے نظم کی صورت میں اپنی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی (ابن ہشام 806)۔ اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

(ترجمہ)۔ "اے پروردگار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عہد اور ان کے والد کے قدیم عہد (بنو خزاعہ اور بنو ہاشم کے درمیان میں عبدالمطلب کے زمانے سے عہد چلا آ رہا تھا) کی دُہائی دے رہا ہوں۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم جننے والے (اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عبد مناف کی والدہ یعنی قصی ء کی بیوی بھی بنو خزاعہ سے تھیں اس لیے پورے خاندان نبوت کو اس نے اولاد ٹھہرا دیا) پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔ اللہ آپکو ہدایت دے آپ پر زور مدد کیجیے اور اللہ کے بندوں کو پکاریے وہ مدد کو آئیں گے جن میں اللہ کے رسول ہوں

گے ہتھیار پوش اور چودھویں کے چاند کی طرح گورے اور خوبصورت۔ آپ ایک ایسے لشکر جرار کے اندر تشریف لائیں گے جو جھاگ بھرے سمندر کی طرح تلاطم خیز ہوگا۔ یقیناً قریش نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور آپ کا پختہ پیمان توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے لئے کداء میں گھات لگائی اور یہ سمجھے کہ میں کسی کو مدد کے لئے نہ پکاروں گا حالانکہ وہ بڑے ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں انہوں نے وتیر پر رات میں حملہ کیا اور ہمیں رکوع وسجود کی حالت میں قتل کیا" (یعنی ہم مسلمان تھے اور ہمیں قتل کیا گیا)۔

435: آخری سطور سے اندازہ ہو رہا ہے کہ اسلام چاہے جزوی طور پر ہی سہی اس خطے میں اپنا حلقہ اثر بنا چکا تھا اس سے قبل کے مصرعوں میں قریش کی بدعہدی کا ذکر کرتے ہوئے بین السطور یہ تاثر بھی دیا گیا ہے کہ قریش نے نہ صرف ہتھیاروں سے بنوبکر کی مدد کی بلکہ خود قتل عام میں حصہ بھی لیا۔ دوسری طرف غسانیوں (رومیوں کے زیر اثر) کے حملے کی دھمکی کے خدشات نے بھی مسلمانوں کو پریشان کیا ہوا تھا اور ان حالات میں ناقابل تصور ہے کہ مسلمانوں نے از خود ہی قریش مکہ سے جھگڑا مول لے لیا ہو۔ قریش کے ایک اور اقدام نے بھی ان کے جرم پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ واقعہ کے چند روز بعد ابوسفیان معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کے لئے مدینہ گیا۔ (ابن ہشام صفحہ 807)۔ اس نے قریش کی بدعہدی کا تو ذکر نہ کیا البتہ کہا کہ معاہدہ حدیبیہ کے وقت وہ خود موجود نہ تھا، مقریزی (358, I) ابوسفیان کے اس دعوے کو مثبت انداز میں دیکھتے ہیں کہ وہ مکہ میں اس مرحلے پر موجود نہ تھا۔ ان کا یہ بیان ابن ہشام (صفحہ 745) کی روایت سے زیادہ معتبر نظر آتا ہے کہ ابوسفیان صلح حدیبیہ کے وقت مکہ میں موجود تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات بھی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزاعہ کے وفد کو مدد کی یقین دہانی کے ساتھ واپس بھجوا دیا تھا اور ابوسفیان کی آمد نے ان الزامات کی تصدیق کر دی۔

436: ابوسفیان کو پوری امید تھی کہ انکی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں انکی پوری مدد کریں گی۔ مکہ سے مدینہ پہنچنے پر وہ سیدھا اپنی صاحبزادی کے گھر پہنچا۔ باپ کو دیکھتے ہی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لپیٹ دیا جو انکے چھوٹے سے کمرے میں استراحت کی واحد جگہ تھی۔ جب ابوسفیان

نے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا "ابا جی آپ مشرک ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک بستر پر آپ کا بیٹھنا اسے ناپاک کر دے گا"۔ "لڑکی! خدا کی قسم تمہیں شر چھو گیا ہے"۔ ابوسفیان نے غصے سے کہا:

اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے مسجد میں چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر آپ لوگ کسی طرح نہیں بدلے تو تمہیں ہم سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں"۔ ابوسفیان واپس مکہ چلا گیا جہاں کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ اپنے معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصل ارادوں کو خفیہ رکھتے ہوئے تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے بیرونی سفر پر پابندی عائد کر دی اور ہدایت کر دی گئی کہ کوئی بھی شخص مدینہ سے دور نہ جائے (خراج ازابو یوسف صفحہ 131 دوسرا ایڈیشن صفحہ 253) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو لڑائی کی تیاری کی ہدایت فرمائی لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم، غفار اور دوسرے حلیف قبائل کو بھی فوری پیغامات بھجوائے کہ مہم پر جانے کیلئے تیار رہیں اور یہ کہ مدینہ آنے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں ہیں وہیں تیاری کی حالت میں رہیں۔

437: مسلمانوں کو حال ہی میں موتہ میں رومیوں سے جنگ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا جب کہ مدینہ کے مشرق میں آباد بنو سُلیم کی دشمنی بھی مسلمانوں کے لیے باعث آزار بنی ہوئی تھی (اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریاں کس دشمن کے خلاف ہیں) اسی گومگو کی کیفیت میں ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آیا انہیں کچھ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف کا قصد رکھتے ہیں۔ مگر انہیں بھی کچھ علم نہ تھا کہنے لگیں "مجھے بالکل نہیں معلوم، ہو سکتا ہے یہ بنو سُلیم ہوں یا پھر ثقیف اور ہوازن بھی ہو سکتے ہیں" (مقریزی I, 361)۔ دریں اثناء ایک سادہ لوح مسلمان حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی بلتعہ نے کسی خیال کے تحت ایک خط لکھ کر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاریوں سے مطلع کرنے کی کوشش کی (ان کے عزیز مکہ میں تھے اور وہ ان کی حفاظت کے خیال سے قریش کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے)۔ یہ خط پکڑ لیا گیا تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سادگی (اور صاحب بدر ہونے) کے باعث انہیں معاف کر

دیا۔(ابن ہشام صفحہ 809)۔

438: جب تیاریاں مکمل ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے (ملاحظہ ہو میری کتاب BATTLEFIELDS صفحہ 157-177) راستے سے گزرتے ہوئے مختلف حلیف قبائل بھی ساتھ ملتے گئے اور ان قبائل کے ساتھ ملانے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیڑھے میڑھے راستوں پر سفر کرنا پڑا؛ جس سے ان کے ہمراہیوں کا تجسس اور بے یقینی مزید بڑھ گئی (دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ قریش مکہ کو اچانک جالیں تا کہ خونریزی نہ ہو اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل کے بارے میں مکمل راز داری رکھی یہاں تک کہ مرء الظہران پہنچنے تک بھی جو مکہ کے مضافات میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی علم نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزائم کیا ہیں۔(طبری۔ پہلا حصہ 1630)۔اس کے بعد جس طریقے سے صوبائی دستے طلب کئے گئے وہ بھی قابل غور ہے۔ اگرچہ واقدی (مغازی ، باب فتح مکہ) نے بڑے یقین سے لکھا ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسُلیم کے دستوں کو مدینہ طلب فرمایا مگر ہم اس بارے میں یعقوبی کے موقف کو ترجیح دیں گے (II، 58-59) جن کا کہنا ہے کہ صوبائی قبیلوں کے صرف سرداروں کو مدینہ آنے کے لئے کہا گیا تھا جہاں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے فوجی دستوں کے ہمراہ اپنے اپنے علاقوں میں منتظر رہیں (اور یہ کہ معاملے کو سختی سے خفیہ رکھا جائے) جہاں سے وقت آنے پر انہیں ہمراہ لے لیا جائے گا۔ مدینہ سے روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدھا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ٹیڑھے میڑھے راستے اختیار کئے اور کبھی شمال، کبھی جنوب اور پھر مشرق اور مغرب کی جانب رخ بدل بدل کر اور جہاں جہاں دستے منتظر تھے انہیں ہمراہ لیتے ہوئے سفر کیا مگر کسی کو پتہ نہ لگنے دیا کہ رخ کدھر ہے۔ مدینہ سے شمال مغرب کی جانب بطن اضم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر بھی اپنے عزائم کے حوالے سے غیر یقینی صورتحال پیدا کرنے کی غرض سے تھا تا کہ قریش مکہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ کا وقت سے پہلے اندازہ نہ ہو اور وہ مطلوبہ تیاری نہ کرسکیں۔اس صورتحال میں مسدد کا یہ بیان جسے ابن حجر (مطالب نمبر 4361) نے بھی نقل کیا ہے غیر متعلق ہو جاتا ہے، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو پیغام بھجوایا کہ وہ یا تو بنوبکر کی حمائت سے الگ ہو جائیں یا (ii) مقتولین خزاعہ کی دیت ادا کریں یا (iii) پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔انہوں نے

مطالبات رد کر دیئے اور جنگ کو قبول کر لیا' رازداری اس مہم کی بڑی حکمت عملی تھی اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بھی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے نواح میں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان میں 10 ہزار جانثاروں کا لشکر جرار جمع ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سپاہی کو حکم دیا کہ آگ جلائی جائے۔ قریش مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کی خبر تو نہ تھی لیکن حملے کا خوف بہر حال تھا اس لئے ابوسفیان اپنے معمول کے مطابق اردگرد نظر رکھنے کیلئے شہر سے باہر آ گیا۔ اس نے ہر طرف آگ کے الاؤ روشن دیکھے تو نتائج کے خوف نے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکال دی۔ اس نے سمجھا کہ ہزاروں الاؤ روشن ہیں اس کا مطلب ہے کہ لاکھوں کی فوج کیلئے کھانا پکایا جا رہا ہے۔ مسلمان فوج کے ہراول دستے کے ایک رکن نے جس سے اسکی اچانک ملاقات ہو گئی تھی اسے ترغیب دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر امان حاصل کر لے۔ قریش مکہ کی تشویش اور پریشانی میں مزید اضافہ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو اپنے کیمپ میں نظر بند کر دیا اور اگلے روز اس وقت آزاد کیا جب مسلمان فوج آخری گھاٹی بھی عبور کر گئی تھی اور متعدد مقامات سے شہر میں داخل ہونے کے مراحل میں تھی۔

439: قریش مکہ آخر تک لاعلم رہے کسی کو آخر تک کسی قسم کا شبہ نہ ہوا۔ ''عظیم لیڈر'' ابوسفیان بھی پراسرار طور پر ''غائب'' تھا۔ اور مکہ کے تمام راستوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا اور اب مسلمان شہر میں داخل ہو رہے تھے اور ہراول دستے شہر کی گلیوں میں منادی کر رہے تھے کہ ''جو اپنے گھر میں بند ہو جائے اور ہتھیار پھینک دے اسے امان ہے، جو بیت اللہ میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔'' آخری اعلان نفسیاتی جنگ کا اہم ہتھیار تھا جس سے دشمن کی سراسیمگی اور الجھن میں اضافہ ہوا کہ ابوسفیان نے ہمیں رسوا کر دیا ہے؟ کیا اس نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے؟؟ شہر پر بہت جلد مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا جس کے بعد ابوسفیان کو بھی شہر میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس نے بھی اہل شہر کو یہی مشورہ دیا کہ اب مزاحمت بے سود ہے۔ جس کے بعد ان کے رہے سہے حوصلے بھی پست ہو گئے اور انہوں نے لڑائی کا ارادہ ترک کر کے ہتھیار پھینک دیئے۔ شہر کے مختلف راستوں سے داخل ہونے والے تمام دستے بغیر مزاحمت کے اندر جانے میں کامیاب ہو گئے تاہم خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو جو اپنے قبیلے کے علاقے سے داخل ہو رہے تھے اپنے کزن عکرمہ بن ابی جہل کی طرف سے جو قریش کی گھڑ سوار فوج کا نائب سالار تھا مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہلکی سی جھڑپ میں چند مردوں اور ایک عورت کے مارے جانے کے بعد مسلمان فوج مزاحمت کو روند کر آگے بڑھ گئی تاہم جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لڑائی کی خبر ملی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً لڑائی روکنے کا حکم دیا اور خاص طور پر ہدائت کی کہ عورتوں، بچوں اور پر امن شہریوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے (شرح السیر الکبیر از سرخسی I، 125، طبری I، 1637، ابن حنبل IV، 178)

440: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوخزاعہ کو بنو بکر سے اپنا بدلہ لینے کی اجازت دیدی مگر جب دیکھا کہ اس میں زیادتی روا رکھی جارہی ہے تو روک دیا اور پھر عام معافی کا اعلان کر دیا۔ (ابن حنبل II، 179 نمبر 6681)

441: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عاجزانہ انداز میں بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اللہ کے گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی کو مامور فرمایا کہ بیت اللہ کی دیواروں پر سے تصویریں مٹا دے۔ بخاریؒ کے مطابق دیواروں پر فرشتوں، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ کی تیروں سے فال نکالتے ہوئے تصویریں بنی ہوئی تھیں (بخاری 60:8، نمبر 3-4:60:11 نمبر 4، 48:64 نمبر 8۔ بیت اللہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ قریش انہیں اسلام سے قبل بھی اچھی طرح جانتے تھے جس طرح کہ ان کے آباؤ اجداد ان کا احترام کرتے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ 143، 821-2) وہاں حضرت مریم کی شبیہ بھی بنی ہوئی تھی۔ بخاری، 60:11 نمبر 3، 4)۔ ازرقی کی روایت ہے کہ بیت اللہ میں داخلے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تصویریں مٹا دینے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سوائے جو میرے ہاتھ کے نیچے ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے نیچے حضرت مریم علیہا السلام اور نوزائیدہ عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ تھی (ازرقی اخبار مکہ صفحہ 113)۔ تاہم مقریزی کا کہنا ہے کہ جس شخص کو تصاویر مٹانے پر مامور کیا گیا اس نے از خود ابراہیم علیہ السلام کی تصویر رہنے دی اور باقی تمام تصاویر مٹا دیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی کھرچوا دیا (مقریزی I، 385)۔ توحید پر مبنی عقیدے میں نقش ثانی کی کوئی گنجائش

نہیں چاہے تصویر ہو یا بت۔

442: مکہ کی تمام آبادی بیت اللہ کے صحن میں جمع ہوگئی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے خطاب فرمانے والے تھے۔ ہجرت سے پہلے تیرہ اور ہجرت کے بعد کے آٹھ سال یعنی اکیس سال تک اس شہر کے مکینوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جانثاروں کے ہمراہ وطن چھوڑ کر دوسری سرزمین پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کو جان و مال کا نقصان بھی پہنچایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو ختم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی اور پھر آخر کار اس معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی جس پر سب نے انتہائی سنجیدگی سے اتفاق کیا تھا۔ اب ان کے ظلم وستم کا شکار وہ شخص فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ اب اگر وہ اپنے مجرموں کے قتل عام کا حکم دے دیتا، تمام مال و جائیداد کو مال غنیمت قرار دے کر قبضے میں لے لیتا اور لوگوں کو غلام بنالیتا تو اسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی دوسروں کی طرح ایک انسان ہی تھا مگر وہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اسے حسن سلوک کی ایسی مثال قائم کرنا تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ عمل کرنا تھا۔

443: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہر میں فاتحانہ آمد سے قبل مسلم فوج کے ہراول دستوں کے افراد نے مکینوں کو امن اور سلامتی کی نوید دی۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا وہ دیکھ رہے تھے کہ فخر سے سر اٹھانے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت سجدہ میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اونٹنی کی کوہان پر جھکا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بے پایاں رحمت پر اپنے اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجا لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی نے تجویز کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں اتریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ صحن کعبہ میں وہ تمام لوگ جمع تھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے زخم کھائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکار کر کہا ''تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع کرتے ہو؟'' انہوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیے اور کہا '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم بھائی ہیں اور کریم باپ کے بیٹے ہیں''۔ پھر وہ اعلان آیا جو ایک پیغمبر کے ہی شایان شان ہو سکتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آج تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو'' (ابن ہشام صفحہ 821)۔

444: ان الفاظ کے نفسیاتی اثرات کی ایک مثال ملاحظہ ہو

نماز سے قبل حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو سیاہ فام تھے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ حاضرین میں سے ایک، عتاب بن اسید نے جس کا تعلق بنو امیہ سے تھا اور جو ابو سفیان کا قریبی رشتہ دار تھا، کہا ''خدا کا شکر ہے میرا باپ اس دنیا میں موجود نہیں ورنہ اسے یہ ناگوار چیز بھی سننا پڑتی''۔ مگر چند ہی لمحوں بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا تو عتاب فوراً اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کلمہ پڑھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ مکہ کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنخواہ ایک درہم یومیہ اور بعض دوسری روایات کے مطابق 40 اوقیہ چاندی کے برابر مقرر کی جو 1600 درہم سالانہ بنتی ہے۔ (سہیلی II، 276، کتانی، تراتیب I، 264، ابن ہشام صفحہ 887)۔ اس موقع پر عتاب ہی مسلمان نہ ہوا بلکہ چند روز بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حنین پر چڑھائی کر رہے تھے تو مکہ کے دو ہزار افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں شامل تھے۔ گورنر کے ذمہ نہ صرف نماز کی امامت تھی بلکہ لوگوں کی تعلیم کی ذمہ داری بھی اس پر ہی تھی۔ اس کام میں معاونت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر کر دیا۔ (مقریزی امتاع، I، 432)

445: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخلہ کے وقت 10 افراد کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ وہ جنگی مجرم تھے اور عام شہری قوانین کے تحت بھی وہ جرائم کے مرتکب ہوئے تھے۔ جب بھی ان میں سے کوئی پکڑا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ علم ہونے پر کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور وہ اپنے گناہوں سے تائب اور اپنی ماضی کی غلطیوں پر شرمندہ ہے اسے معاف کر دیتے تاہم ان میں سے تین کو اس حکم پر عملدرآمد کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا کیونکہ ان کے معاملات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیے بغیر ان کا کام تمام کر دیا گیا (ابن ہشام صفحہ 818 اور آگے)۔

446: اس حوالے سے عکرمہ بن ابو جہل کا معاملہ قابل ذکر ہے جو جنگ احد میں قریش مکہ کے گھڑ سوار دستے کے شریک کمانڈر تھے اور وہی ایک تھے جنہوں نے مسلمانوں کے مکہ میں داخلے کی مزاحمت کی تھی۔ انہی وجوہات کی بنا پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی کی توقع نہ

تھی اس لیے جان بچانے کے لیے حبشہ جانے کی غرض سے مکہ سے فرار ہو گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا تو عکرمہ کی بیوی اپنے شوہر کی جان بخشی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے پس و پیش کے بعد انہیں بھی معاف کر دیا۔ کئی روز کی تلاش کے بعد اس نے اپنے شوہر کو اس وقت ڈھونڈ نکالا جب وہ یمن کی ایک بندرگاہ پر کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ قبول اسلام کے بعد عکرمہؓ نے اسلامی فوج میں شامل ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں باغیوں کی سرکوبی کے لیے متعدد مہمات میں حصہ لیا۔ (ابن ہشام صفحہ 819)۔

447: عام معافی دیئے جانے کے ایک روز بعد قبیلہ ہذیل کا ایک شخص اپنی پرانی دشمنی میں قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کی سخت سرزنش کی اور اسے مقتول کے ورثا کو اس وقت کے رواج کے مطابق سو اونٹ خون بہا کی صورت میں دینے کا حکم دیا۔

(ابن ہشام صفحہ 823-4)

448: اسلام کا ایک اور کٹر مخالف صفوان بن امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا "مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی معاف کر دیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہاں"۔ "لیکن میں تو اسلام قبول کرنا نہیں چاہتا"۔ صفوان نے کہا "مجھے سوچنے کے لیے دو مہینے کی مہلت دے دیں"۔ "میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا (ابن ہشام صفحہ 826)۔ کعبہ کے نذرانوں کی مد میں 70 ہزار اونس سونا جمع تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔

(ازرقی صفحہ 170-171)

449: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ برتاؤ سے مکہ میں خوشگوار اور پرامن ماحول پیدا ہو گیا اور چند روز بعد غزوہ حنین کے موقع پر اسی صفوان بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو 100 زرہیں عاریۃً دیں (بلاذری ا، پیرا 758) اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 50 ہزار درہم صفوان سے، 40 ہزار عبداللہ بن ابی ربیعہ اور 40 ہزار حویطب بن عبدالعزیٰ سے جنگی اخراجات کے لیے قرض لیے اور انہیں جنگ حنین کے بعد واپس کیے۔ (بلاذری ا، پیرا 758)۔ جنگ حنین میں بڑی تعداد میں بھیڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب صفوان کو تحفہ میں دے دیں۔ صفوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مہربانی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے فوراً اسلام قبول کرلیا (بلاذری ا پیرا 758)

450: یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دو برس بعد عرب کے بعض خطوں میں فتنہ ارتداد کی لہر اٹھی تو مکہ ثابت قدم رہا جس سے اسلام کو تقویت ملی اور دوبارہ امن قائم ہوا۔

451: یہ رمضان 8 ہجری کا دور ہے۔ ہم نے ابھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا نظم ونسق ایک نومسلم مکی کے حوالے کیا۔ مگر قبضہ مستحکم کرنے کیلئے ایک بھی مدنی فوجی مکہ میں چھوڑ کر نہیں گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند ہفتے بعد مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے جبکہ صرف 2 ماہ بعد حج کا مہینہ آنے والا تھا۔ یہ حج مسلمانوں اور مشرکین نے اپنے اپنے انداز میں ایک ہی وقت میں اکٹھے کیا۔

پہلی بحری جنگ

452: یہ بات اکثر باعث حیرت سمجھی جاتی ہے کہ عربوں نے کتنی تیزی کے ساتھ اونٹ کو چھوڑ کر کشتی اپنالی۔ اس کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ربیع الآخر 9 ہجری میں حبشیوں کی بہت سی کشتیاں مکہ کی بندرگاہ کے قریب شعیبہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف علقمہ بن مجزز المدلجی کی قیادت میں 300 افراد کی ایک مہم بھیجی۔ یہ فوج ساحل کے نزدیک ایک جزیرے تک گئی جس پر حبشیوں نے راہ فرار اختیار کی اور دستہ واپس مدینہ آگیا (ابن سعد II/I، 188، مقریزی ا،443، بلاذری ا، پیرا 758، میری کتاب Battlefields پیرا 77-274)۔ اس حوالے سے ایڈمرلز اور بحری بیڑوں کی باتیں کرنا تو قبل از وقت ہوگا لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ اس وقت اسلامی حکومت میں بحری ذرائع آمدورفت استعمال ہونے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اس سے بھی دو سال قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کی طرف جو رومی سرحد پر واقع تھا ایک چھوٹی سی بحری مہم روانہ کی تھی (ابن عساکر۔ تاریخ دمشق ایڈیشن 1951، ا،394)

انتظامی تنظیمِ نو

453: اسلامی تاریخ میں 9 ہجری کا سال عام الوفود یعنی وفود کا سال کہلاتا ہے کیونکہ اس سال سرزمین عرب کے کونے کونے سے قبول اسلام اور اطاعت کا اظہار کرنے کے لئے وفود آئے بلکہ عرب کے باہر سے بھی (مثلاً شام کے زیر اثر علاقے غسان سے) وفود کی آمد ہوئی۔ اس طرح معاملات کے پھیلاؤ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامی تبدیلیوں کا فیصلہ کیا۔ خیرات و صدقات کی شرح مقرر کر کے اسے سرکاری ٹیکس قرار دے دیا گیا جو فصلوں کی کٹائی پر واجب الوصول قرار پایا۔ جانوروں کے ریوڑوں، سونا، چاندی اور کیش پر بھی ٹیکس کیش کی صورت میں وصول کیا جانے لگا۔ وصولی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری اہل کار مقرر کر دیے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹیکس کی ادائیگی بدستور عبادت بھی تھی۔ جو نماز اور روزے کی طرح مذہب اسلام کا حصہ ہے۔ اسکی ادائیگی مسلمان اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اسکے لیے حکومتی طاقت استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس قانون کی ایک اور شق بڑی اہم ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اہل خاندان اور پسماندگان اس ٹیکس سے کسی طور مفاد اٹھانے کے اہل نہیں۔ اسکے علاوہ نہ صرف یہ کہ سرکاری آمدنی سربراہ ریاست کی ذاتی جائیداد نہیں ہو سکتی بلکہ سربراہ ریاست اور اسکے عزیزوں کو مذہبی طور پر ممانعت ہے کہ وہ اپنے منصب کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

454: اسی سال یعنی 9 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے کعبہ کی حدود میں داخلے پر پابندی لگا دی اور ایک آیت قرآنی کے ذریعے اسے خدائے واحد کے دین کے ماننے والوں کے لیے مخصوص کر دیا جس مقصد کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اسے تعمیر کیا تھا (آیت قرآنی 25/9: اے ایمان والو! بے شک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔ اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہے تو اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا)"۔ حج ہر مسلمان مرد اور عورت کا انفرادی فرض قرار دیا گیا۔ دنیا میں بعض دوسرے مذاہب بھی عالمگیریت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جسے بیت اللہ جیسے ادارے کا اعزاز حاصل ہے جو پوری کائنات کے لیے مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہے۔ پوری دنیا کے مسلمان کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں جبکہ ہر مسلمان کم از کم زندگی

میں ایک بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جہاں دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں سے اسکی ملاقات ہوتی ہے۔اس سال مدینہ کے مسلمان بڑی تعداد میں حج کیلئے مکہ گئے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعدد وجوہات کی بنا پر مدینہ میں ہی رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔اس موقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ وہ بت پرست قبائل سے اپنے سابقہ معاہدے ختم کر رہے ہیں اور اس اعلان پر عمل در آمد چار ماہ بعد ہوگا۔تاہم عملی طور پر اس اعلان کی کوئی بڑی اہمیت نہ تھی کیونکہ تقریباً سارے عرب کے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

455: اگلے سال یعنی 10 ہجری میں شہری نظم ونسق کو مزید بہتر بنایا گیا۔اور بڑی تعداد میں خصوصاً علاقہ یمن میں سکول کھولے گئے۔جہاں تک مکہ کا تعلق ہے اس حوالے سے کوئی قابل ذکر واقعہ سوائے اسکے نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سال کے آخر میں مکہ کا قصد کیا۔اس خبر نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود امیر حج بن کر تشریف لیجا رہے ہیں چاروں طرف مسلمانوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑا دی اور اتنا جوش وخروش پیدا ہوگیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کیلئے روانہ ہوئے تو مردوں،عورتوں کے پر جوش قافلے جوق در جوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سفر ہوتے گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں جبل رحمت پر خطبہ ارشاد فرمایا ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان مرد اور عورتوں کا ایک عظیم الشان مجمع ہمہ تن گوش تھا یہ خطبہ حقوق وفرائض کی ایک عظیم دستاویز ہے اسے کم وبیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا درجہ بھی حاصل ہے کیونکہ اس سے صرف 3 ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

456: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اسی کی ہم تعریف کرتے ہیں اور اُسی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ہم اللہ تعالیٰ سے ہی بخشش طلب کرتے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اور اپنے نفس اور اپنے اعمال کے بُرے نتائج سے ہم اللہ ہی کی پناہ مانگتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) گواہی دیتا ہوں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں جس کا کوئی

شریک نہیں اور میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے مسلمانو! میں تمہارے لیے تقویٰ تجویز کرتا ہوں اور تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اے لوگو! میری بات غور سے سنو، جو میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) تم سے کہنے والا ہوں کیونکہ میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نہیں جانتا کہ آیا اس سال کے بعد پھر آپ کو مل سکوں گا یا نہیں۔ اے لوگو! یقیناً تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو روزِ قیامت تک اس طرح ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح آج کا دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ لوگو! کیا میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ! اس پر گواہ رہنا۔ اب جو کوئی کسی سے امانت وصول کرے گا وہ اسکے مالک کو اسے واپس کرے گا اور جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں لیکن اصل رقم کے مالک حقدار ہوں گے۔ کسی پر ظلم نہ کرو تا کہ کوئی تم پر ظلم نہ کرے اللہ تعالیٰ نے سود ختم کر دیا ہے اور میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) سب سے پہلے اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبد المطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ جہالت کے تمام خون بھی ختم کر دیے گئے ہیں اور میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اپنے خاندان کا پہلا خون جسے ختم کر رہا ہوں عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔ اور جاہلیت کے تمام امتیازات ختم کر دیے گئے ہیں سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا۔ قتل عمد کا بدلہ دینا ہوگا اور (بظاہر) قتل عمد وہ ہوگا جو چھڑی یا پتھر سے واقع ہوا اور اس کی دیت سو 100 اونٹ ہوگی۔ جو زیادتی کرے گا اس کا شمار جاہلیت کے دور کے لوگوں میں ہوگا۔ لوگو! کیا میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا؟ اے اللہ اس پر گواہ رہنا۔

لوگو! شیطان اس شہر میں اپنی پیروی کیے جانے سے مایوس ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی چیزیں ہیں جو شیطان کی خوشنودی کا باعث ہو سکتی ہیں وہ چیزیں وہ ہیں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو۔ اس لیے اپنے مذہب کے لیے شیطان سے محتاط رہنا۔ لوگو! حرام مہینے (جن مہینوں میں قتل و غارت گری ممنوع ہو جاتی ہے) کو آگے پیچھے کرنے کی روائت جاہلیت اور کفر کی یادگار ہے اور جو انکار کرتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ یہ لوگ ایک سال کسی ایک مہینے کو حرام قرار دیتے ہیں اور اگلے سال انکار کر دیتے ہیں تا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اسے ناجائز کر دیں اور جسے اللہ تعالیٰ ناجائز قرار دے یہ اسے جائز کر دیں حالانکہ وقت تو مقررہ ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین

اور آسمان تخلیق کیے۔ اللہ کے نزدیک 12 میں سے 4 مہینے حرام ہیں۔ ان میں سے تین (ذی قعدہ، ذی الحج اور محرم) مسلسل ہیں جب کہ ایک اکیلا (رجب) ہے جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔ کیا میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے اللہ کا پیغام آپ کو پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ اس پر گواہ رہنا۔

لوگو! جہاں تک تمہاری عورتوں (بیویوں) کا تعلق ہے تمہارے حقوق ان کے اوپر اور ان کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے سوا کسی اور کو نہ آنے دیں اور نہ تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں آنے دیں جس کو تم پسند نہیں کرتے اور نہ وہ بے حیائی کے کام کریں اور اگر وہ باز نہ آئیں تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ ان کی سخت سرزنش کرو اور انکے بستر (اپنے سے) الگ کردو اور انہیں جسمانی سزا بھی دے سکتے ہو لیکن سخت نہ مارنا۔ ہاں اگر وہ (غلط راستے سے) باز آجائیں اور تمہاری فرماں بردار بن جائیں تو تمہارا فرض ہے کہ انہیں رواج کے مطابق اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ اور عورتوں سے اچھے سلوک کی نصیحت پر کان دھرو۔ یقیناً وہ تمہارے گھروں میں تمہاری دست نگر ہیں اور وہ خود سے کچھ نہیں کر سکتیں (یاد رکھو) تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اللہ کے کلمہ کے ذریعے وہ تم پر حلال ہوئی ہیں اس لئے (ان کے معاملے میں) اللہ سے ڈرتے رہو اور ان سے حسن سلوک کی نصیحت کو پلے باندھ لو۔ (پھر فرمایا) کیا میں نے (اللہ کا) پیغام تم کو پہنچا دیا؟ اے اللہ اس پر گواہ رہنا۔

لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگ جانا میں تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اس پر صدق دل سے کاربند رہے تو تم کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ (یہ ہے) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت۔ (پھر فرمایا) کیا میں نے تم کو (اللہ) کا پیغام پہنچا دیا؟ اے اللہ اس پر گواہ رہنا۔ لوگو! یقیناً تمہارا پروردگار ایک ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ عزت کے لائق وہ شخص ہے جس کا تقویٰ سب سے زیادہ ہے (جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر پرہیزگاری کی بناء پر۔ (پھر فرمایا) کیا میں نے (اللہ کا) پیغام تم کو پہنچا دیا؟ اے اللہ اس پر گواہ رہنا''۔ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیک زبان عرض کیا ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگو اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے اس کا حصہ مقرر فرما دیا ہے اس لئے کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا (اس کو مقررہ حصے سے زیادہ دینے کیلئے) ناجائز ہے۔ کسی (وارث کے سوا) کے حق میں وصیت (کل ورثہ کے) ایک تہائی سے زیادہ جائز نہیں بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو (ماں کا؟ یعنی جس شخص کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوا اسی کی اولاد شمار ہوگا)، اور بدکار کے حق میں پتھر ہیں۔ جو کسی اور کے بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ کرے (یعنی حقیقی باپ کی بجائے) اور جو کسی بچے کی ولدیت (حقیقی کی بجائے) کسی دوسرے سے منسوب کرے ان پر اللہ، اسکے فرشتوں اور اسکے تمام بندوں کی لعنت ہے ان سے (قیامت کے روز) نہ کوئی بدلہ قبول کیا جائیگا اور نہ ہی اسکے متبادل کچھ بھی۔ آپ پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو''۔ (متن کیلئے ملاحظہ ہو میری کتاب الوثائق نمبر 287 الف۔ خون سے متعلق خطبہ کے متعلقہ پیرا کیلئے ملاحظہ ہو سُہیلی II، 278۔ بلاذری I، نمبر 763)۔

457: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہتمام فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کر رہے تھے وہ موقع پر موجود تمام لوگوں تک پہنچے چنانچہ جگہ جگہ انسانی ''لاؤڈ سپیکر'' موجود تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنی بلند آوازوں کے ساتھ دُہرا رہے تھے اور اس طرح بیک وقت لاکھوں کے اس مجمع تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پوری صحت کے ساتھ پہنچ رہے تھے۔ بظاہر اس خطبے کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں ہے مگر اس میں مسلم رائے عامہ کو اعلیٰ نظام پر مبنی حکومت کے قیام کے لئے تیار کرنے کی کوشش نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ ایک انقلابی نظریہ نہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں؟ اور پھر ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''قانونی حکومت کی اطاعت کرو چاہے حکمران کوئی حبشی ہو یا نک کٹا''۔ (یعنی فرامین مستقبل کے اسلامی سیاسی نظام کے خدوخال پوری طرح واضح کر رہے ہیں)۔

458: یہ خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 9 ذی الحج کو عرفات کے میدان میں ارشاد فرمایا اور اس موقع پر نازل ہونے والی ایک آیت قرآنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کا بھی اعلان کر دیا ''میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا (بشمول مذہبی، روحانی، دنیوی اور مادی قوانین) اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے چن لیا ہے''۔ (قرآن 3/5) (ابن حنبل I، 28، نمبر 188)۔

459: مسلمان اس عظیم دن کو عید الکبیر کی حیثیت سے مناتے ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے اگلے دن کو یعنی 10 ذی الحج کو کیونکہ اس روز حاجی ارکان حج کی تکمیل کے بعد جانور ذبح کرتے ہیں (عید قربان) اس گوشت کا ایک حصہ خود استعمال کرتے اور دوسرا خصوصاً غریب حاجیوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ چونکہ اس سال لاکھوں حاجیوں کی آمد متوقع تھی اس لئے رسول اللہ صدیوں پرانی مکی روائت کے مطابق ان حاجیوں کی ضیافت کے لئے مدینہ سے بڑی تعداد میں اونٹ ساتھ لے کر آئے تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک اونٹ کا گوشت سو افراد کی ایک روز کی خوراک کے لئے کافی ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ حج پر روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی مشن پر یمن روانہ فرمایا تھا اور انہیں ہدایت کی تھی کہ واپسی پر جس قدر ہوسکے زیادہ سے زیادہ اونٹ لے کر آئیں اور حج کے موقع پر آ کر آپکے ساتھ شامل ہو جائیں بیہقی اور دیار بکری کی روائت کے مطابق اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ قربان کیے جن میں سے 63 کو آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیے (کہ وہ ذبح فرمائیں)۔ مزید روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر 63 غلام بھی آزاد فرمائے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ کے ہر سال کے بدلے ایک اونٹ ذبح فرمایا اور ایک غلام آزاد کیا۔ مسلم، ابوداؤد اور متعدد دوسرے مستند راویوں نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزے کا ذکر کیا ہے کہ یہ تمام اونٹ جانتے تھے کہ انہیں ذبح کیا جانے والا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ذبح ہونے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی غرض سے دوڑ دوڑ کر اس مقام پر پہنچ رہے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد دوسرا اونٹ ذبح کرنے کے لئے تشریف فرما تھے۔

459: الف۔ ابوداؤد کے مطابق جنگ حنین کے موقع پر آپ نے متعہ (ایک مقرر اور محدود وقت کیلئے شادی) کی ممانعت فرمادی۔ اگر یہ راوی کی سہو زبان یا سہو قلم کا نتیجہ نہیں کیونکہ عربی میں لکھتے وقت خیبر اور حنین میں قدرے مماثلت ہے خصوصاً اعراب اور نقاط کی عدم موجودگی میں اشتباہ ہوسکتا ہے دراصل فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کی تجدید فرمائی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں بھی بعض معاملات کی تکرار نظر آتی ہے حالانکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم 7 ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر متعہ پر پابندی کا حکم نافذ فرما چکے تھے۔

460: چند روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپسی کا قصد فرمایا واپسی کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض مسلمانوں میں ہلکی سی ناراضی کا مسئلہ بھی آپ نے طے فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خم کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ یہ جگہ بندرگاہ رابغ کے قریب ایک جھیل کے کنارے واقع ہے جو غدیر خم کے نام سے معروف ہے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا اور فرمایا ''جس کا میں (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) دوست (مولا) ہوں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کا دوست (مولا) ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ کو مخاطب کر کے فرمایا ''اے اللہ جس کا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوست ہے تو بھی اس کا دوست ہو جا اور جس کا وہ دشمن ہے تو بھی اس کا دشمن ہو جا''۔ یہ مسئلہ طے ہو گیا تاہم اہل تشیع کے نزدیک اس دن کو بڑی اہمیت حاصل ہے جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین قرار دینے پر محمول کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے مکاتب فکر اس معاملہ کو سیاسی حوالے سے کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں اور نہ ہی خود علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ کو سیاسی معنی پہنانے کی کوشش کی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

461: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی کا فیصلہ اس طرز عمل کی عمدہ مثال ہے جس کے تحت اسلام روحانی اور سیاسی نظاموں کو الگ الگ رکھتا ہے۔ مکہ کو بدستور مسلمانوں کے روحانی مرکز عقیدت کا مقام حاصل رہا جبکہ سیاسی دارالخلافے وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے تاہم یہ سب قرآنی قوانین کے پابند رہے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اختلافات کو ہم آہنگی اور اتفاق و اتحاد کے سانچے میں ڈھالا جا سکے۔

باب 26

احابیش قبائل

462: گزشتہ ابواب میں احابیش قبائل کا جا بجا ذکر کیا گیا ہے۔ جو دراصل قریش کے حلیف قبائل کے گروپ تھے۔ جن کی مکہ کے اردگرد کے علاقوں میں رہائش تھی۔ خصوصاً شمالی اور جنوبی علاقوں میں ان کی آبادی زیادہ تھی۔ حبشہ سے ان کے ناموں کی مناسبت کا قطعاً کوئی تعلق نہ تھا اس سلسلہ میں علم الاشتقاق الفاظ کے ماہرین اس کی وضاحت ان قبائل کے ''اتحاد'' کے حوالے سے کرتے ہیں جب کہ کچھ کے نزدیک اسے ''کوہ حبشی'' سے نسبت ہے جو مکہ کے جنوب میں واقع ہے اور جہاں غالباً ایک معاہدہ طے پایا تھا جس کے باعث قبیلے کا یہ نام پڑ گیا (بلاذری، ''انساب'' 184,182,135,122,111)۔ اس معاہدے کا تعلق حماد الراویہ کا بیان ہے کہ یہ قصی کے دور کی بات ہے جبکہ بعض دیگر لوگوں کے مطابق اس کی نسبت موصوف کے بیٹے عبد مناف سے ہے۔ انقلاب کے بعد جب قصی برسر اقتدار آیا اور خزاعہ کو مکہ چھوڑ کر جانا پڑا تو فطری طور پر نئے حکمران قبیلے نے معاہدات کے ذریعے اپنی قوت بڑھانے اور اقتدار کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

463: خزاعہ جن کا نسلاً تعلق یمن سے تھا اور ''احابیش'' کے ساتھ کوئی نسلی یا صلبی تعلق نہیں تھا، کی دو شاخوں کے علاوہ ان کے تمام حلیف قبائل آپس میں قریبی رشتہ دار تھے۔ دیا گیا گوشوارہ ان جملہ قبائل کے شجرہ نسب کی وضاحت کرتا ہے۔ اور ان کے نسبی و صلبی تعلقات اور رشتے کی وضاحت کرتا ہے۔
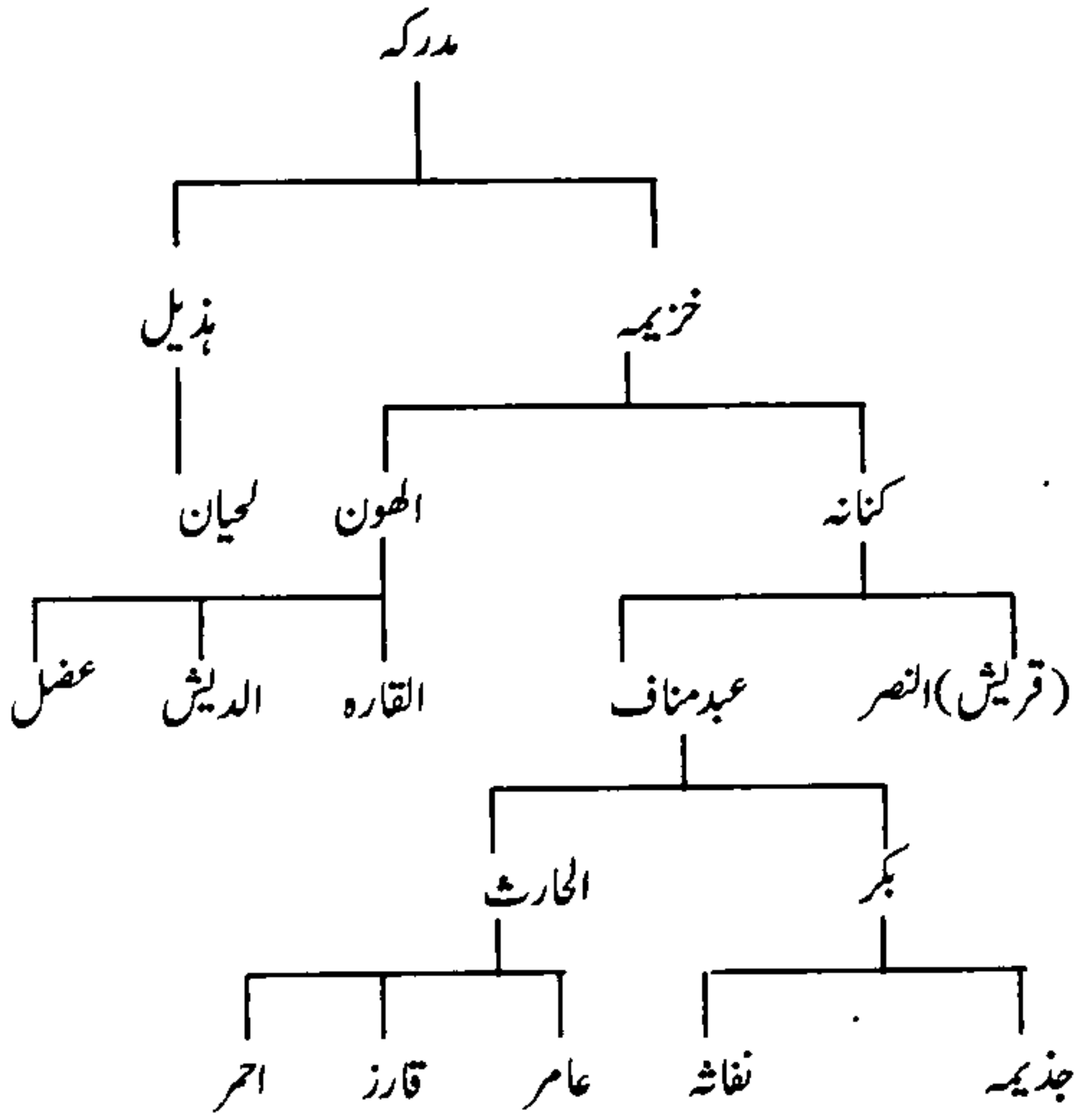
464: ذرائع واضح طور پر اس امر کا اظہار نہیں کرتے کہ ''لحیان'' قبیلہ احابیش قبیلہ کا رکن تھا۔ بلکہ حقائق کے پیش نظر یہ بات ہم نے از خود اخذ کی ہے۔ ذرائع کے بیان کے مطابق یہ ''اتحاد'' یا ''معاہدہ'' پہلے پہل بنو بکر کے خلاف طے پایا تھا لیکن ازاں بعد ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ قریش کے ہم نوا بن گئے اور یوں پیغمبر اسلام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور یہ مخالفت نہ صرف صلح حدیبیہ کے وقت تک جاری رہی بلکہ فتح مکہ تک وہ اسی موقف پر ڈٹے رہے۔ بلاشبہ اس کا تعلق اسی ایک قبیلے کی دو شاخوں سے ہی تھا۔ تاہم بنو بکر جو کہ قریش کے حلیف تھے یہ بنو نفاثہ ابن بکر کہلاتے تھے۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ احابیش قبائل جو دل و جان سے قریش مکہ کے وفادار و جانثار تھے صلح حدیبیہ میں شرکت سے کیوں باز رہے؟

465: ہاشم **443** عیسوی کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح ہمیں اس معاہدے کی تاریخ کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ جو ان کے والد عبد مناف یا ان کے دادا قصی نے طے کیا تھا ایک

اطلاع یہ بھی ہے کہ عبد مناف کی صاحبزادی ریطہ کی شادی الحارث ابن عبدمنات جو قبیلے کے ایک سردار تھے کے ساتھ اس وقت ہی ہوئی تھی۔

466: چونکہ ہمارا تعلق ہجرت سے قبل کے اسلامی دور سے ہے اس لیے جب ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہم وطنوں کے ظلم و ستم سے نجات کے لیے مکہ چھوڑا تو انہیں آدھے راستے ہی سے القارہ کے مقام سے احابیش قبیلے کا سردار الدغنہ واپس مکہ لے آیا۔ اور اس نے مکہ میں اعلان کر دیا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پناہ دے چکا ہے۔ ازاں بعد جب اس نے اپنے زیر حمایت اشخاص سے کھلم کھلا اسلامی فرائض کی ادائیگی سے منع کیا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے تحفظ اور پناہ کی ضمانت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ازاں بعد جب مکہ کے کافروں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بائیکاٹ (مقاطعہ) کیا تو احابیش قبیلے نے بھی اس کی پابندی کی جسے بخاری اور دیگر نے بھی بیان کیا ہے (بخاری 25:45 ابوداؤد 11:86)

467: قریش کو ازاں بعد اس بات کا بڑا افسوس رہا کہ انہوں نے احابیش کے آنے کا انتظار نہ کیا اور عجلت میں وہ جنگ بدر کے لیے روانہ ہو گئے۔

468: احابیش قبائل بڑی وفاداری کے ساتھ جنگ احد میں قریش کا ساتھ دیتے رہے اس وقت حلیس ابن زبان ان کا وہ سردار تھا جس نے قریش میں یہ کہہ کر خوف و ہراس پیدا کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی نعشوں کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ عمارہ نامی ایک خاتون جنہوں نے جنگ احد میں 9 علمبرداروں کی شہادت کے بعد اسلامی پرچم تھام لیا تھا اور جنگ کے اختتام تک یہ علم انہی کے پاس رہا احابیشی قبیلے سے ہی تعلق رکھتی تھیں (بلاذری ج۔ دوم ص 722 مسودے کا غیر مطبوعہ حصہ استنبول)

469: اسلام کے دشمنوں نے مدینہ پر حملے کے لیے جب ایک بڑا اتحاد تشکیل دیا (جنگ خندق کے لیے) تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمن کے حلیفوں کے خلاف الگ الگ اقدامات کیے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحیان قبیلے کے سردار (سفیان) کو ٹھکانے لگانے کے لیے ایک ایجنٹ (گماشتہ) روانہ فرمایا۔ اس ایجنٹ نے لحیان کے علاقے میں احابیشی لوگوں کے ہمراہ اسے چہل قدمی کرتے دیکھا اس واقعہ کو مقریزی نے بھی بیان کیا ہے جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں لحیان قبیلہ احابیش کا ہی حصہ تھا یاد رہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو

المصطلق کے خلاف بھی کارروائی فرمائی جس کا تعلق بھی احابیشی قبیلے سے ہی تھا۔ ہم اس جنگی مہم کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں جس میں دیگر احابیشی قبائل جنگ خندق کے دوران مدینہ میں ہی موجود تھے ("امتاع" ج اول ص 255)

470: جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم 6 ہجری کو حدیبیہ کی جانب تشریف لے جا رہے تھے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ احابیش مسلمانوں کے خلاف بھڑک اٹھے ہیں اور ان میں اضطراب وہلچل پیدا ہو گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنی جنگی کونسل کا اجلاس طلب فرمایا تا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ آیا مکہ روانگی سے قبل احابیش کے خلاف کارروائی کی جائے یا نہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو فوقیت دی گئی اور حج کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے راستے سے انحراف نہ کیا گیا۔

471: صلح حدیبیہ کے مذاکرات کے دوران ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش ابن امیہ کو مکہ بھیجا کہ وہ ابتدائی گفتگو اور مذاکرات کریں۔ اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کے اونٹ کو مار ڈالا اور انہیں بھی قتل کے درپے تھے کہ احابیش نے بیچ بچاؤ کرا کے انہیں آزاد کرایا۔ وہ واپس مسلمانوں کے کیمپ آ پہنچے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی مشن پر روانہ فرمایا (ابن ہشام ص 745 طبری ج اول ص 1539)

472: ازاں بعد اہل مکہ کے چند ایک سفیر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے ان میں ایک احابیشی سردار الحولیس بھی تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں نے اسے وہ جانور دکھائے جو حج کے موقع پر قربان کیے جانے تھے۔ وہ بہت متاثر ہوا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ اس نے حج کے پرامن مقصد کی تعریف کی اور اپنی واپسی پر اس نے اہل مکہ کو مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لیں اور انہیں خانہ کعبہ کی زیارت کی اجازت بھی دے دیں۔ اس نے انہیں یہ دھمکی بھی دی کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کو مکہ شہر میں داخل نہ ہونے دیا تو اس کا قبیلہ ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا۔ آخر کار صلح حدیبیہ ہو گئی اور بنو بکر یعنی احابیش نے قریش کی طرف سے اس کی پابندی پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھی جائے کہ یہ وہی بنو بکر تھے جنہوں نے صلح حدیبیہ کو تسلیم کرنے سے انحراف کیا اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا (ابن ہشام ص 804) اطلاعات کے مطابق ایک معمولی مزاحمت احابیشی

قبیلے کی طرف سے بھی ہوئی۔ جسے سختی سے کچل ڈالا گیا اور مسلمانوں کا مکہ پر قبضہ مستحکم ہو گیا۔

(مقریزی ج اول ص 378)

473: غالباً یہ احابیش ہی تھے جو واقعہ بنو جذیمہ میں ملوث تھے جو کہ فتح مکہ کے فوری بعد پیش آیا تھا یہ تو پہلے ہی واضح ہو چکا ہے کہ نو فاشہ قبیلہ احابیش ہی کا حصہ تھا اور جزیمہ نو فاشہ کے بھائی کی ہی آل اولاد تھے جو حقیقتاً احابیشی ہی تھے۔ ہوا یوں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید (سیف اللہ) کو جزیمہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا یہ قبیلہ مکہ کی جنوبی سمت الغمیساء کے مقام پر قیام پذیر تھا چونکہ آپ پیشہ ور سفیر یا مبلغ نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے بحیثیت کمانڈر یہاں کے لوگوں کے ساتھ بڑا سخت اور ترش رویہ اختیار کیا۔ کیونکہ ان کی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مسلسل رفاقت رہی تھی۔ تاہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان ان کے رویے سے اظہار بے زاری فرمایا اور متاثرین کو معاوضے کی ادائیگی فرمائی۔ (ابن ہشام ص 839-833) بلاذری کے بیان کے مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے غیر مسلم بینکار سے جو قرضہ اٹھایا تھا وہ بنو جذیمہ کو خون بہا کے طور پر ادا کر دیا گیا تھا)۔

معاہدہ میں احابیشی قبیلہ کی حیثیت

474: حالانکہ یہ بات درست ہے کہ قریش کے جنگی معاوضے میں سے احابیشی قبیلے کو بھی جنگی تعاون کے عوض مکہ سے امداد ملا کرتی تھی لیکن وہ کرائے کے فوجی نہیں کہلا سکتے تھے وہ ایک ایسے حلیف تھے جنہیں پورے حقوق حاصل تھے جو کہ اہل مکہ کے تھے۔ اس کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے اس پناہ کو تسلیم کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابن الدغنہ نے دی تھی۔ نیز اس لعنت ملامت سے بھی جو جنگ احد کے موقعہ پر الحولیس نے ابوسفیان کی کی تھی جو کہ مسلمان شہدا کی لاشوں کی بے حرمتی کرتا تھا اس امر کا اظہار احابیش کی اس دھمکی سے بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے انکار کریں گے تو وہ قریش کے خلاف جنگ کریں گے حالانکہ مسلمان حدیبیہ کی صلح کے موقعہ پر حج کی ادائیگی کے لیے ہی آ رہے تھے۔

چند متفرق حقائق

475: ابن حبیب بیان کرتا ہے کہ (ابن حبیب، "محبر" ص276، 318) احابیش قبیلہ اساف اور نائلہ نامی بتوں کی پوجا کرتا تھا اور وہ عکاظ کے سالانہ میلے میں بھی شرکت کیا کرتا تھا۔

476: غالب امکان یہ ہے کہ 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد احابیشی قبائل نے اپنے حلیف اہل قریش کی اتباع میں اسلام قبول کیا تھا۔

477: یہ معاہدہ بلا روک ٹوک بڑی کامیابی کے ساتھ تقریباً دو صدیوں تک قائم رہا اور یہ اسلام سے قبل کے عرب قبائل کے اس جذبے کا اظہار ہے کہ وہ اپنے الفاظ اور اپنی زبان کا کس قدر پاس کیا کرتے تھے۔

باب 27

حبشہ سے تعلقات

478: حبشہ ایبے سینیا کا عربی مترادف ہے اور اسی طرح ایبے سینیا کے مکین عربی میں حبش کہلاتے ہیں۔ آج کل یہ علاقہ ایتھوپیا کہلاتا ہے۔ مکہ اور حبشہ میں تعلقات کا آغاز یمن کے حوالے سے ہوا۔

479: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کم وبیش ایک صدی قبل کا ذکر ہے کہ یمن میں مسیحیت کے پیروکاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا جس سے ملک کے یہودی بادشاہ ذونواس کو خطرہ محسوس ہوا۔ مسیحیت کے اس فروغ کا مرکز نجران تھا۔ طبری نے عیسائیوں کے خلاف یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور مظالم کے دو بڑے واقعات کا ذکر کیا ہے جو مسیح کے پیروکاروں کو یہودیت قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے روا رکھے جا رہے تھے۔ طبری لکھتے ہیں (طبری I، 925) کہ بادشاہ ذونواس نے تمام عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ یہودیت قبول کر لیں جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ دوسرا واقعہ (طبری، I، 926) اس سے بھی ہولناک ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ نجران میں دو یہودی بچے قتل کر دیئے گئے۔ ان کے باپ نے بادشاہ سے فریاد کی۔ بادشاہ نے سزا کے طور پر تمام عیسائیوں کو یہودی ہو جانے کا حکم دیا اور کہا کہ معافی صرف اسے ملے گی جو یہودی مذہب قبول کر لے گا۔ جب اہل نجران نے مذہب تبدیل کرنے سے انکار کیا تو بادشاہ ایک بڑی فوج لے کر ان پر چڑھ دوڑا اور جس نے ذرا سی بھی مزاحمت دکھائی اسے وہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ہزاروں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اس کے بعد بڑی بڑی خندقیں (اخدود) کھودی گئیں اور ان میں آگ کے الاؤ دہکائے گئے۔ اس کے بعد آخری دفعہ انہیں موقع دیا گیا کہ اگر وہ یہودیت کے پیروکار بن جائیں تو ان کی جان بچ سکتی ہے اور جنہوں

نے انکار کیا انہیں بے دریغ آگ کی بھٹیوں میں جھونک دیا گیا۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کا ذکر بڑے دردناک الفاظ میں آیا ہے۔ قرآن (85/4-7) (کہ خندقوں والے ہلاک کیے گئے۔ وہ ایک آگ تھی ایندھن والی جب کہ وہ لوگ اس کے آس پاس بیٹھے تھے اور مومنوں کے ساتھ جو کر رہے تھے اس کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے)۔ سریانی ذرائع سے ملنے والی تفصیلات کے مطابق ذونواس کے مظالم کا سلسلہ یہیں رک نہیں گیا بلکہ اس نے حیرہ (جنوبی عراق) کے فرماں روا کے پاس بھی ایلچی بھیجے تا کہ اسے بھی مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کو ختم کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

480: کچھ بخرانی اس داروگیر سے بچ نکلنے میں بھی کامیاب ہو گئے اور کچھ نے ممکن ہے مجبوراً مذہب تبدیل کر لیا ہو تاہم اس ساری صورتحال کے نتائج یمن کے لیے خوشگوار نہ تھے۔

481: مکہ پر اس وقت جُرھم قبیلے کے سردار حارث بن مضاض کی حکمرانی تھی جس نے بخرانی پناہ گزینوں کو جگہ دی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ اس نے ان بخرانیوں پر ظلم کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے ایک مہم بھی منظم کی اور روایات کے مطابق اصفہان (ایران) میں ایک مقبرہ بھی بعد میں دریافت ہوا جس کے کتبہ پر یہ الفاظ تحریر تھے ''میں حارث بن مضاض ہوں جس نے ''اصحاب الاخدود'' کو سخت سزا دی تھی''{(ابن کثیر۔ تفسیر IV، 495، ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ، بھارت) جولائی 1951 مضمون نگار عبدالجلال ندوی)}

482: اس حوالے سے رومیوں کا ردعمل زیادہ معروف ہے۔ مظلوم مسیحیوں کے ایک وفد نے رومی شہنشاہ کو اپنے اوپر ہونے والے مظالم سے آگاہ کیا اور اس سے یمنی بادشاہ کے خلاف مدد مانگی۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرا ملک آپ کے ملک سے بہت دور ہے میں یہ کر سکتا ہوں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو خط لکھ دیتا ہوں جو آپ کا ہمسایہ بھی ہے اور آپ کا ہم مذہب بھی۔ وہ آپ کی مدد کرے گا۔ (ابن ہشام صفحہ 26-27، سہیلی I، 35 اور اس سے آگے)۔

ایک اور روایت کے مطابق مظلوم عیسائی سیدھے نجاشی کے پاس چلے گئے تھے اور اسے انجیل کے جلے ہوئے اوراق دکھائے جس کے بعد نجاشی نے یہ جلے ہوئے اوراق رومی شہنشاہ کے پاس بھیجے اور اس سے حملہ کے لیے بحری بیڑہ کی مدد طلب کی۔ ان تفصیلات سے قطع نظر نجاشی نے 700 جنگی کشتیاں تیار کرنے کا حکم دیا جب کہ اپنی بندرگاہوں میں موجود ایرانی اور دوسرے ملکوں کے تاجروں کی کشتیاں بھی قبضے میں لے لیں اور کم و بیش اتنی ہی تعداد میں جنگی

کشتیاں رومی شہنشاہ نے نجاشی کے خط کے جواب میں بھجوائیں۔ عرب روایات کے مطابق 70000 اور یونانی مورخوں کے مطابق 1 لاکھ 20 ہزار حبشی فوج باب المندب کو عبور کر کے یمن پر حملے کے لیے روانہ ہوئی۔ (باب المندب، آنسوؤں کی آبنائے) کا یہ سفر اسم بامسمّٰی ثابت ہوا کیونکہ اسے عبور کرنے کے دوران بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں۔ الکلبی کے مطابق دو حملے کیے گئے پہلے حملے سے خوفزدہ ہو کر ذونواس نے بھاری خراج دے کر صلح کر لی۔ مگر جب حملہ آور فوج کے اعلیٰ حکام طے شدہ رقم وصول کرنے پہنچے تو اس نے انہیں دھوکے سے قتل کروا دیا اور پھر دشمن فوج پر اچانک حملہ کر دیا۔ حبشہ کی فوج کو جو اپنے کمانڈروں کے قتل کے بعد انتشار کا شکار تھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ ابن الکلبی کی روایت کے مطابق 70000 کی جس فوج کا اوپر ذکر آیا ہے وہ دوسری مہم تھی جو ذونواس کو سزا دینے کے لیے بھجوائی گئی۔ رومی مورخوں کے مطابق ہراول فوج کے 15 ہزار سپاہی پیاس اور سفر کی صعوبتوں کے باعث ہلاک ہو گئے۔

لینز اپنی کتاب Expedition En Arabie Centrale (پیرس، 1986، صفحہ 152) میں بیان کرتا ہے کہ کوکب اور حیما کے مقام پر اسے ذونواس کے دور کے دو کتبے ملے تھے جن پر 518ء کی تاریخ تھی۔ ان کتبوں پر حبشیوں کے خلاف جنگ میں اپنی فتح کا ذکر تھا جس میں 13 ہزار افراد کے قتل، 9 ہزار پانچ سو قیدی بنانے اور 28000 جانور، بیل، بھیڑ اور بکریاں وغیرہ قبضے میں لینے کا ذکر تھا۔ تاہم (کتبے کے مندرجات کے برعکس) یہ جنگ ذونواس کی شکست پر منتج ہوئی جس نے سمندر میں کود کر خودکشی کر لی اور اس کا ملک حبشیوں کے قبضے میں آ گیا۔

483: چند سال بعد یمن سے یہی حبشی حملہ آور مکہ کو زیر کرنے کے لیے فوج لے کر روانہ ہوئے۔ (اصحاب الفیل) مگر اس کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔ اس مہم میں انہیں بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور اس واقعہ کے صرف تین ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ اہل حبشہ کی اس مہم کے مقاصد کیا تھے؟ کیا یہ صرف ایک ملک کی فتح کا معاملہ تھا؟ کیا یہ حملہ آور مکہ کے راستے بازنطینی سلطنت کی مدد کے لیے شام تک پہنچنا چاہتے تھے جو ان دنوں بڑے ایرانی حملے کے خطرے سے دوچار تھی۔ اور پھر یا بعض عرب روایات کے مطابق وہ ایک عرب بت پرست کے ہاتھوں صنعاء (یمن) میں اپنے ایک گرجا کی بے حرمتی کا انتقام لینے آ رہے

تھے۔ایک اورامکان بھی ہے۔مکہ سے حارث بن مضاض بھی تو یمنیوں کوسزا دینے کے لیےفوج لے کر گیا تھا اور ممکن ہے اس مکی سردار نے یمن پر قبضہ کرنے کے عزائم ظاہر کیے ہوں اور یہ محاذ آرائی بالآخر مکہ پر فوج کشی کا باعث بن گئی ہو۔ بخران کے عیسائیوں کے حق میں مکی سردار کی مہم کی زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں اور اصفہان (ایران) میں اسکی قبر کی موجودگی بھی بہت سے سوال پیدا کرتی ہے کہ کیا حارث بعد میں (بخرانی حکمرانوں سے شکست کھا کر) ایران میں پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہوگیا یا پھر وہ ایران کو فتح کرنے کی کوشش میں میدان جنگ میں مارا گیا۔تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔

484: اس ساری مہم جوئی میں خود شاہ حبشہ نجاشی اپنے ملک ہی میں مقیم رہا جب کہ اس کا گورنر ارياط مفتوحہ یمن کا نظم و نسق سنبھالتا تھا۔ بعد میں ایک فوجی کمانڈر ابرھہ نے گورنر کوقتل کر دیا۔اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔شاہ حبشہ نے خانہ جنگی سے بچنے کے لیے ابرھہ کو یمن کا نیا گورنر تسلیم کرلیا۔

(ابن ہشام صفحہ 28-29)

485: (حقائق سے) اندازہ ہوتا ہے کہ ابرھہ عیسائیت پر پختگی سے کاربند حکمران تھا اور اس نے عیسائیت کے فروغ کے لیے بڑی سرگرمی دکھائی۔اس نے بہت سی دوسری یادگار عمارتوں کے علاوہ صنعا میں ایک بہت بڑا کلیسا تعمیر کرایا جس کا ذکر عرب روایات میں قلیس کے نام سے آیا ہے جو یونانی نام ''اکلیسیا'' کا عربی مترادف ہے۔رومی شہنشاہ نے قسطنطنیہ سے اس کی تزئین کے لیے کاریگر، سنگ مرمر اور دوسرا آرائشی سامان بھجوایا۔اس کے علاوہ اس نے یمن میں مذہبی نظم ونسق چلانے کے لیے سکندریہ سے ایک اطالوی پادری گریگنٹس کو بھی بھجوایا۔اس پادری نے ملک عرب کے لیے 23 نکات پر مبنی ایک ضابطہ تیار کیا جس کا اصل یونانی ماخذ اب بھی ویانا کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔(Desvergers صفحہ 71 اور حاشیہ)۔عرب روایات کے مطابق ابرھہ نے مملکت کے عرب باشندوں پر جبری بیگار عائد کر رکھی تھی (سہیلی، 40،I) اور اس نے اس کلیسا کی تعمیر کے لیے پتھر اور اینٹیں ملکہ سبا کا محل منہدم کر کے حاصل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس کلیسا کا وجود اب باقی نہیں رہا۔ مجھے 1947ء میں صنعا میں وہ جگہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں یہ کلیسا تعمیر کیا گیا تھا۔اس جگہ کے اردگرد ایک سادہ سی چاردیواری تعمیر کر کے اسے محفوظ کر دیا گیا تھا۔خندقوں میں جلائے جانے والوں کی یاد میں بخران میں ایک گرجا تعمیر کیا گیا تھا اور وہاں ان

شہدا کا ایک قبرستان بھی تھا۔ نجران کا علاقہ اب سعودی عرب میں شامل ہے اور 1976 میں اس علاقے کے سفر کے دوران مجھے بعض لوگوں نے بتایا تھا کہ یہاں شیر کا ایک سنگی مجسمہ برآمد ہوا ہے۔ اس ضمن میں مزید تفصیلات بھی میرے علم میں آئیں۔ پتہ چلا کہ ماضی قریب تک خندقوں کے مقام پر راکھ بڑی مقدار میں ملتی رہی جسے کسان کھاد کے طور پر زمینوں میں استعمال کرتے تھے۔ (روایات کے مطابق ان خندقوں میں 20 سے 40 ہزار تک انسانوں کو زندہ جلایا گیا تھا۔ اس مقصد کے لیے لاکھوں ٹن لکڑی بھی جلانا پڑی ہوگی، مترجم)۔

تاہم جب سعودی شاہ ابن سعود کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے راکھ کے اس استعمال کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ یہ اس دور کے سچے مومنوں کی ہڈیوں کی راکھ تھی۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک نے بھی تکریم کے ساتھ کیا ہے۔ ''اصحاب الاخدود'' (قرآن 85 / 4 - 9، لپنز (Lippens) کی کتاب Expedition En Arabie صفحہ 109 اور اس سے آگے ملاحظہ ہو برائے جدید تحقیق ''آثار اخدود'')۔

486: یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابرھہ ایک باصلاحیت اور عوام دوست حکمران ثابت ہوا اور اس نے ڈیموں کی مرمت اور بحالی کے کام میں خصوصی دلچسپی لی۔ جس کا ثبوت دستیاب ہونے والے کتبات سے ملتا ہے۔ مارب ڈیم پر حمیری رسم الخط میں جو طویل تحریر (136 سطریں) ملتی ہے اس پر 543 عیسوی کی تاریخ کندہ ہے اب شائع ہو چکی ہے۔ اس کا متن ایک بہت بڑے متوازی الاضلاع شکل کے پتھر کے چاروں اطراف پر کندہ ہے۔ جرمن ترجمہ سے لی گئی چند سطور ملاحظہ ہوں:

''خدائے رحیم، اس کے مسیح (علیہ السلام) اور روح القدس کی طاقت اور مہربانی سے، یہ تحریر ابرہہ نے کندہ کروائی ہے جو بادشاہ دمحیش کا نمائندہ ہے جس کا سکہ سبا، ذوریدان، حضر موت اور یمن تک اور اس سے آگے عرب میں تہامہ اور نجد تک چلتا ہے اور یہ تحریر اس نے ''کندہ'' اور ''دی'' کے گورنر یزید بن کبشہ کی بغاوت کے موقع پر لکھی۔ اس نے جراح ذوزنبر کو بھیجا لیکن یزید نے اسے مار ڈالا۔ یہ خبر ملتے ہی بادشاہ نے ہزاروں کی تعداد میں حبشی اور حمیری فوجیں جمع کیں اور ماہ ذوالقیات 657 میں روانہ ہوا اور سبا کے میدانوں میں گھس گیا۔ پھر یزید نبت کے مقام پر اس سے ملنے آیا اور اس کی فوج کے سرداروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے عین اس وقت

سبا سے ایک افسوس ناک خبر آئی کہ ماہ ذوالمذ رح 657 میں ڈیم ٹوٹ گیا ہے اور دیوار بھی اور پانی کا ذخیرہ اور فرش بھی ٹوٹ گیا۔ بادشاہ نے قبائل کو حکم دیا کہ وہ تعمیر کے لیے مٹی، بنیاد میں ڈالنے کے لیے پتھر، سرخ پتھر اور دوسرا سامان جمع کریں۔ اس کے علاوہ خفاج درخت کے پتے، سفید پتھر اور پگھلا ہوا سیسہ تا کہ ڈیم اور دیواروں کو مرمت کر کے بحال کیا جائے۔ (مقریزی کے مطابق (الخبر عن البشر) تعمیر میں چنار کے دو بڑے شہتیر بھی استعمال کیے گئے تھے)۔" سامان جمع کرنے کی یہ مہم آٹھویں مہینے ذوالسراب 657 میں مکمل ہوئی۔ بادشاہ اپنے گرجا گھر کو تعظیم دینے کے لیے مارب گیا پھر وہ ڈیم کی طرف گیا اور بنیادوں تک کھودا اور دیواریں تعمیر کرنے کے لیے چٹان صاف کرائی۔ جب کام شروع ہو گیا تو قبائل کی بغاوت کی خبر آ گئی۔ پھر باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہاں سے بادشاہ مارب ڈیم کے شہر میں واپس آیا۔ جو سردار اس کے وفادار رہے ان میں اکسم (معاہر کا سردار، بادشاہ کا بیٹا) ذرناح کا سردار مرجازف، فائش کا سردار، عادل شامل تھے۔ پھر اس کے پاس شاہ نجاشی اور شاہ روم، شاہ فارس اور المنذر اور حارث بن جبلہ اور ابوکرب بن جبلہ اور اس کی خوشنودی کے طالب بہت سے حکمرانوں کے سفیر آئے۔ خدائے رحیم کا شکر ہے کہ بادشاہ نے دیوار تعمیر کرائی جو یعفور نے سبا میں بنائی۔ قبائل کی مدد سے جو ڈیم اس نے تعمیر کرایا وہ 45 ایلز (Ells) لمبا، 35 ایلز اونچا اور 14 ایلز بڑا تھا۔ اور بادشاہ نے ڈیم، دیواریں اور نہریں تعمیر کروائیں۔" اس کے بعد ڈیم کی تعمیر کے دوران خرچ ہونے والے آٹے، کھجوروں، گوشت، انگوروں، کشمش اور شراب کی تفصیل دی گئی ہے اور یہ کہ "ڈیم کی تعمیر 58 روز میں مکمل ہوئی اور مہینہ ذوالمعان 658 تھا" (فروری، مارچ 543ء)

487: اگلے 26 برس تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ 569ء میں ابرھہ نے مکہ پر حملہ کیا لپنز نے اپنی مندرجہ بالا کتاب کے صفحہ 76 پر مریغان میں ملنے والے ایک کتبے کا ذکر کیا ہے جو 440 علامات پر مبنی ہے۔ اس میں لکھا ہے "خدائے رحیم اور اس کے مسیح کی طاقت سے" اور پھر کچھ واقعات ہیں۔ اس مہم کے سرداروں کے نام ہیں اور ان کی فتوحات کی تفصیل ہے۔ شکست خوردہ لوگ خراج دے رہے ہیں اور اس کے بدلے میں فاتح سے ضمانت (جان و مال وغیرہ) حاصل کر رہے ہیں۔ (تاریخ 622 بمطابق 547ء) اس حملے کے اسباب کو ایک طرف رکھتے ہوئے (کہ ان میں کافی اختلافات ہیں مثلاً ابن کثیر کے نزدیک (تفسیر ابن کثیر 549-552)

مکہ کے کچھ شرپسندوں نے ابرھہ کا تعمیر کردہ کلیسا جلا دیا تھا۔ جب کہ ابن ہشام کے مطابق (ابن ہشام صفحہ 29-30) بنو کنانہ کے سردار نے کلیسا کی بے حرمتی کی تھی) صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ سیاہ فام حملہ آور کی فوج میں ایک بہت بڑا ہاتھی بھی تھا۔ جس کے باعث عرب میں حملہ کے سال کو عام الفیل (ہاتھی کا سال) شمار کیا جانے لگا۔ (اور اس طرح ایک کیلنڈر کا آغاز ہو گیا) لینز لکھتا ہے (صفحہ 79) کہ عرب دیہاتی اب بھی یمن سے حجاز آنے والے ایک راستے کو ''ضرب الفیل'' یعنی ہاتھیوں کا راستہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ زرق کے نزدیک کنوؤں کا ایک سلسلہ ہے جنہیں ''ہاتھیوں کے کنویں'' کہا جاتا ہے۔ عرب مورخوں کے مطابق اس ہاتھی کا نام محمود تھا۔ یہ ایک مکمل عربی نام ہے اور یہ بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ کے شاہ نجاشی کے بھیجے ہوئے ہاتھی کا نام محمود ہو۔ ممکن کہ اس کا نام کوئی اور ہو لیکن اس کا صرف عربی مترادف ہی استعمال کیا گیا ہو مثلاً دیو قامت ہاتھیوں کی نسل جو Mammoth کہلاتے تھے اس سے یہ لفظ بگڑ کر عربی میں محمود ہو گیا ہو۔ یہ نسل اب معدوم ہو چکی ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس کے علاوہ بھی ہاتھی ابرھہ کی فوج میں تھے۔ لیکن وہ محمود کی طرح عظیم الجثہ نہیں تھے ابرھہ کے راستے میں خشعم نامی قبیلہ کا علاقہ پڑتا تھا جس میں عیسائیوں کی بڑی تعداد بھی تھی اس لیے ابرھہ کو مکہ کی طرف راستے کی راہنمائی کے لیے خشعم قبیلہ نے ایک نوجوان میسر کر دیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں (ابن ہشام کے مطابق ابرھہ کے ہاتھوں قبیلہ کی شکست کے بعد جان بچانے کے لیے وہ شخص راستہ بتانے ساتھ ہو لیا تھا اور یہ شخص خود قبیلہ کا سردار تھا۔ اسی طرح آگے چل کر بنو ثقیف کے کچھ لوگوں نے بھی یہی خدمات انجام دیں کہ اپنے بت لات کو بچانے کے لیے ابرھہ کے لشکر کے بدرقے بننا قبول کر لیا۔
ایک روایت کے مطابق ابرھہ کے لشکر کی تعداد 60 ہزار تھی۔ حملہ آوروں نے مکہ کی وادی میں پہنچ کر کافی تباہی پھیلائی اور لوگوں کے مویشی پکڑ لیے۔ لوگوں نے جان بچانے کے لیے پہاڑوں پر پناہ لے لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جو اس وقت مکہ کے سردار تھے اہل مکہ کے نمائندہ کے طور پر ابرھہ سے ملنے گئے۔ عبدالمطلب بلند قامت اور انتہائی دلکش شخصیت کے حامل شخص تھے۔ ان کی بے پناہ وجاہت سے سیاہ فام ابرھہ اتنا متاثر ہوا کہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی بے حد عزت افزائی کی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد جب ابرھہ نے مکی سردار سے آمد کا مقصد پوچھا تو عبدالمطلب نے کہا کہ ان کے اونٹ انہیں واپس کر دیئے جائیں جو اس کی فوج نے پکڑ لیے

ہیں۔ ابرھہ اس ''ذاتی'' فرمائش پر بہت حیران ہوا (کہ یہ کیسا سردار ہے جس نے کعبہ یا اپنی قوم کے بارے میں بات ہی نہیں کی)۔اس پر عبدالمطلب نے کہا ''اونٹ میرے ہیں اس لیے میں ان کی ہی واپسی کا مطالبہ کروں گا اور جہاں تک کعبہ کا سوال ہے یہ اللہ کا گھر ہے اور اللہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا۔'' ابرھہ یہ جواب سن کر تھوڑا سا پریشان ہوا تاہم اس نے عبدالمطلب کے اونٹ انہیں لوٹا دیئے اور پھر فوج کو حکم دیا کہ ہاتھی کو جو اس زمانے کا بلڈوزر تھا کعبہ کی طرف ہنکائیں تاکہ اسے منہدم کیا جا سکے۔ لیکن ہاتھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اسے آنکس مارے گئے اور چلانے کے لیے ہر طریقہ آزمایا گیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ باقی کی کہانی قرآن کے الفاظ میں اس طرح ہے:

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دیئے جو کہ ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا یہ حال کر دیا کہ جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسہ''

(5-1/105)

488: قریش پرندوں کے حملے کے اس واقعہ کو بھی خیالی کہہ کر مسترد کر سکتے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ آیات اس واقعہ کے محض چالیس سال بعد نازل ہوئی تھیں جب قریش مکہ میں ابھی اس کے عینی شاہد بھی زندہ تھے اور (اگر یہ بات سچ نہ ہوتی تو) یہ لوگ یہ آیات سن کر مضحکہ اڑاتے کہ لو دیکھو لو ایک اور بات گھڑ لی گئی ہے۔ (سیرت نگاروں نے متعدد ایسے واقعات کا حوالہ دیا ہے جب قریش مکہ نے بعض آیات کو من گھڑت یا سنی سنائی باتیں کہہ کر مسترد کر دیا لیکن پرندوں کے حملے کے اس واقعہ پر کبھی کسی نے حرف گیری نہیں کی)۔

489: طبری کا کہنا ہے (طبری I، 945) کہ اس سال اس علاقے میں چیچک اور دوسری وبائیں پھوٹ پڑیں حالانکہ اس سے پہلے یہ علاقے ان بیماریوں سے ناآشنا تھے۔ کیا یہ بیماری حملہ آور فوج کی لاشیں گلنے سڑنے کے نتیجے میں پھیلی یا پھر اس بیماری کے باعث حملہ آور فوج کو اتنی بڑی تباہی کا سامنا کرنا پڑا؟۔ وجہ خواہ کچھ بھی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ کعبہ معجزانہ طور پر اس حملے سے محفوظ رہا اور ابرھہ بھی واپس یمن پہنچتے ہی جہنم واصل ہوا۔ ممکن ہے کہ پسپائی کے وقت حملہ آور فوج کے کچھ لوگ بیماری کے سبب واپس نہ جا سکے ہوں اور وہیں مکہ میں ہی رہے اور پھر انہیں غلام بنا لیا گیا۔

(اور مکہ میں پائے جانے والے سیاہ فام غلاموں میں سے کچھ وہ یا ان کی اولاد میں سے بھی ہوں) اس حملہ کے نتیجے میں یمن کی فوجی قوت کمزور ہوگئی اور ایران نے بڑی آسانی سے حملہ کر کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ تاہم اس سے قبل حبشی اقتدار سے نجات پانے کے لیے یمنیوں کے ایک وفد نے ایرانی شہنشاہ خسرو سے بھی مدد کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں خسرو نے اپنے ایک کمانڈر کی کمان میں فوج بھیجی اور عرب مورخوں کے مطابق اس نے جیلوں میں قید مجرموں کو اس شرط پر عام معافی دینے کی پیشکش کی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر جنگ کریں چنانچہ یمنیوں اور ایرانیوں نے مل کر قابض حبشیوں کو نکال باہر کیا اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ عبدالمطلب کی قیادت میں قریش مکہ کے ایک وفد نے یمن جا کر ان کے حاکم سیف بن ذی یزان کو فتح پر مبارک باد دی تھی (ابن حبیب، منمق صفحہ 538-547)۔ (یمن کی آزادی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی اور ایرانیوں نے جلد ہی آنکھیں بدل لیں اور اپنے آپ کو آقا سمجھنے لگے اور آخر کار اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یمن سے ایرانی استبداد کا خاتمہ کر دیا)۔

حبشہ سے مکہ کے تعلقات

490: اہل مکہ اور سیاہ فام افریقیوں میں تعلقات زمانہ قبل از اسلام میں بھی موجود تھے۔ قرآن پاک میں حبشہ کی زبان سے متعلق الفاظ کی موجودگی اس کا ثبوت ہے۔ (سیوطی، شان الحبشان) جب رومی شہنشاہ لیون ا نے 467ء کے لگ بھگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کو شام تک تجارتی قافلے لے جانے کا پروانہ راہداری دیا تو ساتھ ایک سفارشی خط شاہ حبشہ نجاشی کے نام بھی لکھا جس میں اس سے استدعا کی تھی کہ اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کو حبشہ آنے کی اجازت دی جائے۔ ہاشم نے یہ خط اپنے بھائی عبد شمس کو دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ جا کر نجاشی سے ملے اور یہ خط اسے دے۔ جس کے بعد قریش مکہ کے قافلوں کو حبشہ آنے کی اجازت بھی مل گئی اور پھر آہستہ آہستہ دونوں ممالک میں قریبی تعلقات قائم ہو گئے۔ بعد میں ہم نے دیکھا کہ جب عمرو بن العاص (مسلمان پناہ گزینوں کا پیچھا کرتے ہوئے) حبشہ پہنچے تو انہوں نے نجاشی کو تحفے کے طور پر کھالیں پیش کیں جو مکہ کی سب سے اعلیٰ درجے کی سوغات تھی اور غالباً ہاشم بھی اپنے دور میں کھالوں کی برآمد کا ہی کاروبار کرتے تھے۔

491: بلاذری کی روایت ہے (انساب ا، نمبر 133) کہ ایک دفعہ ہاشم کے صاحبزادے عبدالمطلب کا عبدالشمس کے پوتے حرب سے جھگڑا ہو گیا (عبدالشمس نے ہی شاہ حبشہ سے تجارتی پروانہ حاصل کیا تھا)۔ تنازعہ طے کرانے کے لیے دونوں نے نجاشی کو ثالث بنانے پر اتفاق کیا مگر نجاشی نے دونوں قریبی رشتہ داروں کے معاملے میں پڑنا مناسب نہ سمجھا جس پر انہوں نے کسی اور سے ثالثی کروائی۔

492: سہیلی کی ایک روایت کے مطابق (سہیلی، ا، 214-5) حبشہ کی خانہ جنگی کے دوران ایک شہزادے کو 600 درہم کے عوض ایک عرب تاجر کو فروخت کر دیا گیا۔ یہ شہزادہ جو بعد میں حبشہ کا بادشاہ بنا (نجاشی اصحمہ) وادی بدر میں ضمرہ قبیلے کے ایک شخص کے ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ یاد رہے کہ یہی وہ شاہ حبشہ نجاشی تھا جس کے دور میں مسلمان قریش مکہ کی سختیوں سے تنگ آ کر وہاں ہجرت کر گئے تھے اور جب قریش نے ان مسلمانوں کو وہاں سے نکلوانے کے لیے سازشوں کا جال پھیلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سازشیں ناکام بنانے کے لیے جس شخص کو اپنا سفیر بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا وہ ضمرہ قبیلے کا ہی عمرو بن امیہ تھا۔

493: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کبھی حبشہ تشریف لے گئے تھے؟ معروف ذرائع سے اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ تاہم بعض حقائق سے بالواسطہ طور پر یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حبشہ کا سفر کیا تھا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو جو پہلا نامہ مبارک ارسال فرمایا ان میں دوستانہ تعلقات کی جھلک ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لکھا کہ: ''میں آپ کے پاس اپنے عمزاد جعفر (رضی اللہ تعالیٰ) عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں۔ تو ان سے حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔ (سہیلی ا، 205 بخاری، 188/56) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ملک میں کسی سے ظلم نہیں ہوتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے وہاں خدا تعالیٰ آپ کے بچاؤ کا راستہ نکالے گا۔'' (ابن ہشام صفحہ 208) لیکن ہمیں محض سنی سنائی بات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً حبشی لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے حبشہ کی زبان کے الفاظ بکثرت استعمال کرتے تھے۔ (سہیلی ا،

205 بخاری 188/56)۔ اگر ان حقائق کو الگ الگ کر کے غور کریں تو ان کی کوئی اہمیت نظر نہیں آتی۔ مگر جب ان کو اکٹھا کر کے دیکھیں تو صورتحال کے نئے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بے شمار سفر کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے دور دراز کے ممالک مثلاً بحرین، عمان، یمن اور شام تک گئے اور مکی تاجروں کے حبشہ کے سفر ایک معمول کی بات تھی۔ اہل حبشہ نے سمندری راستے سے حملہ کر کے یمن پر قبضہ کیا تھا اور مسلمان پناہ گزین بھی سمندر کے راستے ہی حبشہ گئے تھے۔ یمنی النسل حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کشتی کے ذریعے یمن سے مدینہ آ رہے تھے کہ طوفانی ہوائیں ان کی کشتی کو بہا کر حبشہ کے ساحل پر لے گئیں (بخاری، 37/63، نمبر 5) بارتھولڈ کی رائے میں قرآن میں بحری سفروں کا ذکر جس تواتر اور تفصیل سے آیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحری نقل وحمل کے نظام سے مکمل طور پر آگاہ تھے اور اس لیے قرآن پاک میں بحری سفر کے حوالے سے جو کچھ نازل ہوا اس کو پوری طرح سمجھتے تھے اور پھر ایک مسیحی تذکرہ نگار کی رائے بھی ہے: ''ایک گمنام مصنف کی لکھی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں کتاب میں مذکور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو شاہ ہرقل کے دور میں حبشہ گئے تھے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسلی جڑیں حبشہ کی تھیں۔'' (ان تفصیلات کے لیے میں بون (Bonn) کے W.Eichener کا ممنون ہوں جنہوں نے ان کا ذکر اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے (جو ابھی تک مسودہ کی حالت میں ہے) میں کیا ہے (سوال یہ ہے کہ) کیا یہ دعویٰ نسلی تعصب کا شاخسانہ ہے یا حقائق کو قدرے مروڑ کر پیش کیا گیا ہے؟)

494: زمانہ قبل از اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ایک روایت میں کہا گیا ہے (نظام الدین قمی، غرائب القرآن XXX 170 قرآن پاک کی سورۃ 105 سے متعلق۔ ابن حبیب، منمق صفحہ 264-262) کہ مکہ کے لیے (بیرون ملک سے) درآمد کیا جانے والا سامان سمندر کے راستے جدہ لایا جاتا تھا اور یہ سامان حبشہ سے آتا تھا۔ جب کہ مکہ کے تاجر اونٹ اور گدھوں پر لاد کر یہ سامان جدہ سے مکہ لایا کرتے تھے اور یہ واقعہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے:۔ قبیلہ عبدالدار کے حارث بن علقمہ کو شاہ حبشہ ابو یکسوم نے ایک واقعہ کی بنا پر یرغمال بنا لیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ حبشی تاجر اپنا سامان لے کر مکہ گئے۔ اس وقت مکہ میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ (حالات سے

دلبرداشتہ) کچھ نوجوانوں نے حملہ کر کے ان کا سامان لوٹ لیا۔ بات بڑھ گئی تاہم بعد میں مکہ سے معززین کے ایک وفد نے جا کر بادشاہ سے معافی مانگی اور استدعا کی کہ اس حماقت کے ردعمل کے طور پر حبشی تاجروں کو مکہ آنے سے نہ روکا جائے۔ حارث اس وفد میں شامل تھے۔ جنہیں ضمانت کے طور پر بادشاہ کے پاس چھوڑا گیا۔ بادشاہ نے یہ استدعا قبول کر لی اور مکی وفد سے فیاضانہ سلوک کیا اور مکہ اور حبشہ میں تجارتی تعلقات کا سلسلہ بدستور بحال رہا (بلاذری، II، 425 (مسودات استنبول) ابن عبدالربہ، عقد (بلاق ایڈیشن)، II، 47)

اسلامی عہد اور حبشہ

495: جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر 609 میں وحی کے نزول کا آغاز ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کے پیغام کی طرف بلانا شروع کیا۔ قریش مکہ نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ پانچ برس گزر چکے تھے مگر اہل ایمان پر سختی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ جب معاملہ برداشت کی حدوں سے تجاوز کر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ پیروکاروں کو خود ترغیب دی کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔ اس ملک کا انتخاب کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کئی وجوہات تھیں ایک یہ کہ خود عربوں میں پناہ دینے کا رواج صرف اس صورت میں تھا کہ میزبان قبیلے کا کوئی فرد ایسا کرنا چاہے یعنی دوسرے لفظوں میں پناہ حاصل کرنا اپنا علاقہ یا شہر چھوڑ کر آنے والے کا حق نہ تھا بلکہ اس کا دارومدار اس کی قسمت پر تھا اور پھر عورتوں اور بچوں سمیت قوم کے ایک حصے کو پناہ دینے کے لیے فیاضی کے ساتھ ساتھ قابل ذکر مادی وسائل کی بھی ضرورت تھی تاکہ انہیں مقامی معیشت میں کھپایا جا سکے۔ اپنی روایتی دریادلی کے باوجود جزیرہ نما عرب میں ایسا کوئی خطہ نہ تھا جہاں اتنی بڑی تعداد میں پناہ گزینوں کو منتقل کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ اہل مکہ بین العرب بلکہ بین الاقوامی تجارت کو بھی کنٹرول کیے ہوئے تھے اور پناہ گزینوں کے متعلق فیصلہ کرتے وقت اس حوالے سے اثرات و مضمرات کو بھی زیر غور لایا جانا ضروری تھا۔ اہل مکہ کے ممکنہ انتقامی حملہ کے خدشہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی قبیلہ کی بجائے ایک طاقتور ملک کی پناہ بہر حال زیادہ محفوظ تھی۔ عربوں کے ہمسایہ ممالک میں ایک تو ایران تھا مگر ایک عرب ریاست حیرہ سے ماضی

قریب میں ایرانی حکمرانوں کی جو مخاصمت پیدا ہوئی اس کے پیش نظر وہ عربوں کو شک وشبے کی نظر سے دیکھتے تھے اور شام کی بازنطینی حکومت بھی ایرانیوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھا رہی تھی اور دمشق، یروشلم اور سکندریہ بھی (617-613) اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے اور شاہ ہرقل نے جو سخت معاشی پالیسیاں اختیار کی تھیں (641-610) ان کی زد عرب تاجروں پر بھی پڑی تھی۔ (ڈی گوجے کی یادداشتیں بزبان فرانسیسی) ان حالات میں مکہ کے مسلمان ہجرت کے لیے ایک ایسے ملک کا انتخاب کیسے کر سکتے تھے جہاں انہیں خوش آمدید نہ کہا جاتا۔ ایک صرف حبشہ ہی ایسا ملک تھا جو اس عالمی محاذ آرائی سے محفوظ تھا اور شاہ حبشہ نجاشی عربوں کے لیے دل میں اچھے جذبات بھی رکھتا تھا۔

496: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ جانے والے مہاجرین کے پہلے قافلے کو شاہ حبشہ نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی مرحمت فرمایا۔ ہم یہاں وہ خط مکمل شکل میں دے رہے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کو مسلمان پناہ گزینوں سے فیاضی کا سلوک کرنے کی تلقین فرمائی۔

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے

شاہ حبشہ نجاشی کے نام

میں آپ کو اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ مخاطب کر رہا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو قادر مطلق ہے۔ جو پاک (تمام عیبوں سے) ہے جو (سب کا) محافظ ہے اور جو (سب مصائب سے) بچانے والا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیح ابن مریم روح اللہ اور اس کا حکم ہیں جسے اس نے پاک باز اور پاک دامن مریم کی طرف القا کیا اور جنہیں (ابن مریم) اللہ تعالیٰ نے اپنی روح اور اپنی پھونک کے اثر سے (حضرت مریم کو حاملہ کر کے) پیدا فرمایا جیسے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا تھا۔

"اما بعد میں آپ کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ آپ میری پیروی کریں اور جو کچھ مجھ پہ نازل ہوا ہے اس پر ایمان لے آئیں کیونکہ میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور میں آپ کو اور آپ کی فوج کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کی طاقت اور جس کی شان سب سے بلند ہے میں نے اللہ کا پیغام آپ کو پہنچا دیا اور نصیحت بھی کر دی

اب یہ آپ پر ہے کہ آپ میری نصیحت قبول کریں (یا نہ کریں)۔"

"میں آپ کے پاس اپنے عمزاد جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو ان سے فیاضی کا سلوک کریں۔ (اور تمام غیر ضروری تفاخرات کو بالائے طاق رکھ دیں ان تمام لوگوں کو سلام جو سیدھے راستے پر چلیں)۔" (میری کتاب الوثائق، نمبر 21، میری کتاب Documents، II نمبر 9)

497: ہمارے بعض راوی جن میں طبری بھی شامل ہیں اس خط کو 6 ہجری کا واقعہ بتاتے ہیں جو کہ حبشہ میں مہاجرین کی آمد کے 15 سال بعد کی بات ہے جب کہ وہ درحقیقت اس وقت مدینہ جانے کی تیاری کر رہے تھے جہاں ایک مضبوط اسلامی مملکت وجود میں آ چکی تھی اس لیے گزرے ہوئے واقعے پر فیاضی کا مظاہرہ کرنے کی تلقین خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے۔ 1935ء میں میری سوچ یہ تھی کہ یہ خط نجاشی کو بھیجے گئے 2 خطوں کا مجموعہ ہوگا۔ یعنی ایک وہ خط جو آپ نے مسلمانوں کی حبشہ میں آمد پر بھجوایا تھا اور دوسرا 6 ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سربراہان مملکت کو بھی قبول اسلام کے لیے خطوط روانہ فرمائے تھے (میری کتاب Documents، I، 38 نمبر 5) میرے اس تاثر کو نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل خط کے دستیاب ہونے سے تقویت ملی۔ ہم اس معاملے کا تذکرہ بعد میں مزید تفصیلات کے ساتھ کریں گے۔ یہاں یہ ذکر کرنا کافی ہے کہ اس خط میں سے فیاضانہ سلوک سے متعلق پورا پیراغائب ہے۔

تعارفی خط کی ابتداء بلاشبہ انہی جملوں سے ہوئی تھی جو کہ دوسرے کے آغاز میں درج تھے۔ اس لیے راویوں کو اشتباہ ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ قسطلانی اور قلقشندی دونوں کی روایت میں "میں آپ کے پاس اپنے عم زاد کو بھیج رہا ہوں" والا حصہ تو موجود ہے لیکن "جب وہ آپ کے پاس پہنچیں۔۔۔۔ غیر ضروری تفاخرات تک" والا حصہ مکمل طور پر غائب ہے۔ جب کسی سے پناہ اور فیاضی کی درخواست کی جائے تو یہ ممکن نہیں کہ میزبان کے جذبات کو غیر ضروری تفاخرات کی پخ لگا کر مجروح کیا جائے۔ اس قسم کے جذبات کا اظہار تو مسلمان ہونے سے انکار پر مبنی نجاشی کے خط کے جواب میں ہوسکتا تھا اور ایسا ایک موقع پیدا ہوا بھی۔

498: ہجرت حبشہ سے برافروختہ ہو کر قریش مکہ نے ان مسلمان مہاجرین کو واپس لانے کے

لیے ایک باضابطہ سفارت حبشہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ کے علاقے کی خاص تجارتی مصنوعات میں دباغت شدہ کھالیں سرفہرست تھیں جن کی حبشہ میں بڑی مانگ تھی چنانچہ نجاشی کے درباریوں اور مذہبی پیشواؤں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے قریش مکہ نے ان رنگی ہوئی کھالوں کا تحفہ بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے بڑی تعداد میں کھالیں جمع کر لی گئیں۔ قریشی وفد نے حبشہ پہنچ کر درباری اکابرین اور مذہبی راہنماؤں کو کھالوں کا یہ تحفہ پیش کیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ نجاشی سے ان مسلمانوں کی مکہ واپسی کی سفارش کریں انہیں خاص طور پر یہ باور کرایا گیا کہ یہ پناہ گزین عیسائی نہیں ہیں تاکہ حبشی اکابرین کو ان مسلمانوں کی واپسی کے حوالے سے کسی ذہنی الجھن کا سامنا نہ ہو۔ جب دربار میں قریشی سفیر نجاشی سے مخاطب ہوئے تو ان کا انداز بادشاہ سے قریبی شناسائی کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے کہا: ''بادشاہ سلامت ہمارے چند نوجوان لونڈے بھاگ کر آپ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کا بھی دین قبول نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے جو ہمارے لیے اور آپ کے لیے بھی نئی چیز ہے۔ ہماری قوم کے بڑوں نے جن میں ان بھگوڑوں کے والدین اور قریبی رشتہ دار شامل ہیں ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ سے ان کی واپسی کی استدعا کریں۔ (حقیقت یہ ہے) کہ ہماری قوم کے بڑے ہی ان بھاگ آنے والوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے دوسروں سے زیادہ باخبر ہو سکتے ہیں'' حاضرین دربار نے جن کی ہمدردیاں پہلے ہی رشوت دے کر خریدی جا چکی تھیں ان پناہ گزینوں کو واپس بھجوانے کی حمایت کی۔ لیکن بادشاہ یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور کہا کہ جن لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے انہیں دھوکہ نہ دوں گا جب تک کہ میں ان کا موقف بھی نہ سن لوں۔ اس کے بعد بادشاہ نے مسلمان نمائندوں کو بھی دربار میں طلب کیا۔ حالات نے جو رخ اختیار کیا۔ اس پر قریشی سفیر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص جز بز تو بہت ہوئے مگر وہ بے بسی سے خاموش رہے۔ دوسری طرف مسلمان بھی دربار میں طلب کیے جانے پر خدشات میں مبتلا ہو گئے۔ تاہم انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر بات سچ سچ کہی جائے چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بن ابو طالب) نے جو مسلمان مہاجرین کے اس قافلے کے سردار تھے بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''بادشاہ سلامت ہم جاہل تھے بتوں کو پوجتے تھے، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے، کمزوروں پر ظلم کرتے، ہم میں ہر برائی موجود تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر اپنا پیغمبر

مبعوث فرمایا۔ جو ہم میں سے ہی ہے ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں اس کی سچائی اس کی پاک دامنی اور اس کی نیکیوں بھری زندگی سے پوری طرح آگاہ ہیں انہوں نے ہمیں دوسروں کو تکلیف دینے سے باز رہنے کی تلقین کی اور ہمیں سمجھایا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں، نماز پڑھیں، صدقات دیں اور روزہ رکھیں اور ہر وہ کام کریں جو اچھا ہے ہمیں اس کی باتیں اچھی لگیں اور ہم نے ان پر عمل شروع کر دیا لیکن ہمارے ہم وطنوں نے ہم پر ظلم شروع کر دیئے جس سے مجبور ہو کر ہم نے اپنا ملک چھوڑ کر آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ ہم نے دوسروں کو چھوڑ کر آپ کو ترجیح اس لیے دی ہے کیونکہ ہمیں امید ہے کہ آپ کے ملک میں ہم سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔'' نجاشی نے پوچھا کہ کیا انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام کا کچھ حصہ یاد ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کے سامنے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزاتی پیدائش کا تذکرہ ہے۔ تاریخ نگاروں کا کہنا ہے کہ نجاشی اور اس کے دربار میں موجود پادری جن کے سامنے انجیل مقدس کے اوراق کھلے پڑے تھے اپنے مذہبی عقائد کے اس تذکرے پر زارو قطار رونے لگے جس کے بعد نجاشی نے کہا: ''اس روشنی (قرآن) اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پیغام کا سرچشمہ ایک ہے۔ جاؤ میرے ملک میں امن سے رہو میں تمہیں کبھی بھی ان مشرکوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

499: ابن ہشام نے عمرو بن العاص سفیر مکہ کی ایک چالاکی کا ذکر بھی کیا ہے (ابن ہشام صفحہ **221-217**) کہ نجاشی کے دوٹوک جواب کے بعد بھی قریشی سفیر مایوس نہ ہوئے اور انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کر کے کہا کہ وہ مسلمانوں کو بلا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے عقیدہ کی بابت پوچھیں۔ جب دوسری بار طلبی ہوئی تو مسلمانوں کا خوف دوچند تھا تاہم انہوں نے ایک بار پھر جو سچ تھا وہی کہنے کا فیصلہ کیا۔ دوسری بار بھی مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کی۔ انہوں نے (بادشاہ کے استفسار کے جواب میں) کہا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا حکم ہیں جنہیں اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام سے پیدا فرمایا۔'' نجاشی مکی سفیروں کی سازش کو سمجھ گیا اور اس نے حکم دیا کہ مکی سفیروں نے بادشاہ کو جو تحفے دیئے ہیں وہ انہیں واپس کر دیئے جائیں اور اس نے مسلمانوں کو تحفظ کی ایک بار پھر یقین دہانی کروائی۔ نجاشی نے اس وقت صاف لفظوں میں کہا

کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کہا اس سے کھجور کی گٹھلی کی جھلی سے زیادہ نہیں تھے (میری کتاب ''الوثائق'' نمبر 23 ، 11 نمبر ، II، Documents) یہ امر قابل ذکر ہے کہ یمن میں جو حبشی کتبے دریافت ہوئے ان میں خدائے رحیم اور ''اسکا مسیح'' کے الفاظ مذکور ہیں نہ کہ ''خدائے رحیم اور اس کا بیٹا'' جو کہ عقیدہ تثلیث کی بنیاد ہے۔ (بحوالہ پیرا 486-87، باب ہذا)۔

نوٹ: ا جہاں تک جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر کے مندرجات کا تعلق ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ جملے مذکور ہیں کہ ''میں یقیناً خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے رسول بنایا'' (30/19) تو بائبل بھی اس حقیقت کی نفی نہیں کرتی۔ بلکہ اس کے برعکس سینٹ میتھیو کے الفاظ میں (18/12) ''مسیح علیہ السلام اللہ کا بندہ ہونے پر فخر کرتے ہیں'' اور جہاں تک اصطلاح ''رسول'' کا تعلق ہے سینٹ میتھیو (11/21) اور لوقا (16/7 اور 26) اور دوسرے اسے عیسیٰ علیہ السلام پر (ہی) منطبق کرتے ہیں ''خدا کا حکم اور خدا کی روح'' کے حوالے سے قرآن کہتا ہے (171/4) ''مسیح علیہ السلام ابن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم (''کُن'' سے پیدا شدہ) ہیں جسے مریم (علیہ السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس (کے پاس) کی روح ہیں۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا حکم تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقدس روح (Holy Ghost) خدا اور مسیح مل کر مثلث بناتے ہیں مگر قرآن لفظ ''حکم'' اور ''روح'' کے معانی کو نئی جہت عطا کرتا ہے۔ قرآن کے مطابق (85/17) روح سے مراد حکم ہے (کہ اس طرح ہو جا) اور یہ اللہ کے کلمہ (یعنی حکم) سے ممکن ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے کنواری مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اگر نجاشی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلام کی تشریح کو قبول کیا تھا تو یہ بات قابل تعجب نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے اس اظہار کو اس کے قبول اسلام پر محمول فرمایا اور اس کے انتقال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھوائی (بخاری 36/63، سہیلی 216،I) ۔

500: حبشہ میں مسلمانوں کی آمد کے کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیٹا عطا فرمایا اور اسی روز نجاشی کے ہاں بھی فرزند کی پیدائش ہوئی جس کو دودھ پلانے کا اعزاز

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ اسماء کو حاصل ہوا۔اس طرح جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند اور نجاشی کے اس صاحبزادے میں ''دودھ شریک بھائی'' ہونے کے ناتے قریبی تعلقات قائم ہوئے (سہیلی II،250) اپنے بحری سفر کے باعث اسماء کا لقب بحریہ پڑ گیا۔

(لسان العرب)

501: حبشہ میں ان ایام میں معاملات پر امن نہ رہے تھے۔خانہ جنگی کے باعث نجاشی کا اقتدار خطرے میں تھا جس کے باعث مسلمان بھی خدشات کا شکار تھے۔اس وقت مسلمان مہاجرین میں سے جو نوجوان جنگ کے قابل تھے انہوں نے نجاشی کا ساتھ دیا اور اپنی خدمات نجاشی کے سپرد کر دیں۔بعض مورخوں کے مطابق ''مسلمان میدان جنگ کے پاس نجاشی کے حکم کے منتظر رہے'' تاہم بلاذری کا کہنا ہے (بلاذری،I،1052) کہ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ میں سرگرم حصہ لیا اور نجاشی نے ان کی خدمت سے خوش ہو کر انہیں ایک قیمتی نیزہ تحفہ میں دیا جو زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دے دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر اسے مختلف مواقع پر استعمال کرتے رہے۔

502: حبشہ میں مسلمانوں کی آمد کے کچھ عرصہ بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ میں صلح ہو گئی ہے جس کی بنا پر کچھ مہاجرین واپس چلے گئے تاہم مکہ پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ خبر جھوٹ تھی (بلکہ قریش کے مظالم بڑھ گئے تھے) جس پر وہ مسلمان ایک بار پھر عازم حبشہ ہوئے اور اب کی باران کے ہمراہ مسلمانوں کا ایک اور قافلہ بھی تھا بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو ان میں سے کچھ مہاجرین بھی مدینہ روانہ ہو گئے جب کہ باقی 7 ہجری تک حبشہ میں ہی مقیم رہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ لوگ بھی مدینہ چلے گئے۔

503: مہاجرین حبشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جو اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ حبشہ گئی تھیں۔سہیلی (I،205) کی روایات میں ان کی غیر معمولی خوبصورتی کے حوالے سے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔اور حبشہ کے دارالحکومت میں چلتے پھرتے اس حوالے سے انہیں بعض اوقات ناگوار جملے سننا پڑتے۔ابھی چونکہ احکام حجاب نازل نہیں ہوئے تھے اس لیے مسلمان عورتیں بھی کھلے چہروں کے ساتھ باہر نکلتی

تھیں اور پناہ گزین کی حیثیت سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مشکلات کا سامنا تھا۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ خانہ جنگی کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پریشان کرنے والے لوگ مارے گئے اور آپ ان کی شر پسندی سے مامون ہو گئیں۔

504: بخاری کی روایت ہے (بخاری 55/8) کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں حبشہ میں قیام کے دوران سانتا ماریہ نامی گرجا دیکھنے چلی گئیں جہاں مذہبی اکابرین کی تصاویر دیواروں پر آویزاں تھیں انہوں نے بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (حبشہ سے واپسی کے بعد) ان کے بارے میں استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ ان کے اولیاء اللہ (ان کے عقیدہ کے مطابق) کی تصاویر تھیں اور مسلمانوں کو ان کے عقیدے پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔

505: حبشہ میں قیام کے دوران ایک دفعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسعود کا حبشہ کے سرکاری حکام سے تنازعہ ہو گیا تاہم انہوں نے وہیں دو طلائی دینار دے کر گلو خلاصی کروائی۔

(ابن سعد III، صفحہ 107)۔

506: حبشہ میں قیام کے دوران دو مسلمان عبداللہ بن جحش (ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر) اور سکران (حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر) مرتد ہو کر عیسائی بن گئے (عبیداللہ کے لیے بلاذری I، 903,529، ابن ہشام صفحہ 144، 783-784، ابن سعد I/III صفحہ 15، سکران کے لیے ابن عمرو، طبری I، 1767، ابن اثیر، اسد III، ابن اثیر، نہایہ II، 248، 131، بلاذری بروائت ابوعبیدہ I، 545). ان دونوں کے ارتداد کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں سوائے اس کے عبیداللہ عادی شرابی تھے اور ہر وقت مخمور رہا کرتے تھے جس پر ان کی بیوی ان کا کہا نہیں مانتی تھیں۔ بعد میں سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوہر سے طلاق لے کر مکہ واپس چلی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام ان کی اس قربانی سے بہت خوش ہوئے اور ان کی دلجوئی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حلقہ زوجیت میں لے لیا۔ جہاں تک ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعلق ہے اندازہ ہے کہ ان کے شوہر کا واقعہ بعد کے سالوں کا ہے کیونکہ یہ خبر سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو پیغام بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کا پیغام دیں۔ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں ام حبیبہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں انہیں مدینہ روانہ کر دیا۔ یہ واقعہ 6 ہجری کا ہے۔ یاد رہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ کے بڑے سردار ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔

507: اپنے دو ساتھیوں کے ارتداد کے جواب میں مسلمانوں نے بڑی تعداد میں حبشیوں کو داخل اسلام کیا۔ ان کی حتمی تعداد کا تو اندازہ نہیں لیکن تاریخ نگاروں کے مطابق ان نومسلموں سے بھری ہوئی کئی کشتیاں اس وقت سمندر میں ڈوب گئیں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے جا رہے تھے۔ (الوثائق ، نجاشی کا خط ، 60 نومسلم کشتی کے ذریعے روانہ ہوئے)۔ جو لوگ بحفاظت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے ان میں نجاشی کا صاحبزادہ بھی تھا جس کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برادرانہ تعلقات استوار ہو گئے اور انہوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ ولی عہدی بھی چھوڑ دی (سمہودی)۔ سہیلی کا کہنا ہے کہ اس شہزادہ کو غلام بنا لیا گیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ طبری اور دوسرے کئی راویوں نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ نجاشی نے اپنے صاحبزادے کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط ارسال کیا تھا جس میں اس نے اپنے قبول اسلام کی اطلاع دی تھی (میری کتاب "الوثائق" نمبر 23) انہوں نے پورا خط نقل کیا ہے۔ سمہودی کی روایت میں اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی وفد کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کی بڑی عزت افزائی کی اور خود میزبانی کے فرائض ادا کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی کے احسان کا بڑا پاس تھا۔

508: بدر میں عبرتناک شکست کے بعد قریش مکہ نے (2 ہجری میں) ایک بار پھر حبشہ کا محاذ گرم کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک سفارت نجاشی کے پاس بھجوائی تاکہ اسے مسلمانوں کے لیے فیاضانہ پالیسی ترک کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ الشامی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ریشہ دوانیوں کی خبر ملتے ہی عمرو بن امیہ الضمری کو اپنے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے نجاشی کے پاس بھجوایا تاکہ قریش مکہ کی سازشیں ناکام بنائی جا سکیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ عمرو بن امیہ ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے اس دور کے مکی معاشرے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا ہے (سہیلی I، 212 نے اس کا حوالہ دیا ہے) کہ "مکی سفیر عمرو بن العاص کے ہمراہ ان کی بیوی اور عمارہ بن ولید (خالد سیف اللہ کے بھائی) بھی تھے۔ عمارہ کی خوبصورتی اور

وجاہت کے چرچے دور دور تک تھے اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کو پیشکش کی تھی کہ وہ اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے ان کے حوالے کر دیں جب کہ ان کی جگہ عمارہ کو اپنا لے پالک بنالیں۔ عمارہ ایک عیاش طبع شخص تھا اس نے راستے میں اپنے ساتھی کی بیوی پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے اور آخر کار اسے اپنے دام ہوس میں پھنسانے کے بعد اس بات پر بھی رضامند کر لیا کہ اس کے شوہر عمرو بن العاص سے نجات کے لیے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ موقع پر کر عمارہ نے اپنے ساتھی کو سمندر میں دھکا دے دیا مگر عمرو بن العاص ایک ماہر تیراک تھا چنانچہ وہ جلد ہی دوبارہ کشتی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ تمام سازش کی تہہ تک پہنچ گیا مگر اس نے اپنے جذبات بڑی ہوشیاری سے چھپا لیے اور یہ ظاہر کیا کہ اگر عمارہ چوکس نہ ہوتا تو اس کا ڈوب جانا یقینی تھا۔ اس نے انتقام کی کارروائی کچھ وقت کے لیے موخر کر دی بلکہ عمارہ کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنے کے لیے اظہار ممنونیت کا ایک عجیب مظاہرہ بھی کیا کہ اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنے شوہر کی جان بچانے پر ممنونیت کے طور پر عمارہ کو بوسہ دے۔ اس کے بعد کی کہانی زیب داستان کا حصہ بن گئی اور حقیقت کا امتیاز آسان نہ رہا۔ حبشہ کے دارالحکومت میں جب یہ سفارت کار نجاشی کو رام کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو عمرو بن عاص نے عمارہ کو آمادہ کیا کہ وہ ملکہ سے ملاقات کر کے اپنی وجاہت کے ہتھیار سے مغلوب کرے اور اس کے ذریعہ بادشاہ تک کامیاب رسائی کی کوشش کی جائے۔ عمارہ نے ملکہ سے ملاقات کی جو اس کی بے پناہ وجاہت سے متاثر ہوئی اور اس نے اسے شاہی خوشبوئیں پیش کر کے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا۔ ادھر عمرو بن العاص نے سارا معاملہ نمک مرچ لگا کر نجاشی کے گوش گزار کر دیا۔ نجاشی کو قریشی سفیر کی اس حرکت سے بڑا رنج ہوا۔ اس نے آتش حسد میں اپنے مجرم کو سزا دینے کے لیے ماہر جادوگر طلب کیے کہ وہ جادو کے ذریعے اسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیں کیونکہ وہ سفیر کے قتل کی بدنامی نہیں لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ جادو کے اثر سے عمارہ پر دیوانگی طاری ہو گئی اور وہ بھاگ کر جنگلوں میں چلا گیا اور وحشی درندوں کے ساتھ رہنے لگا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں انہوں نے اس کے ایک رشتہ دار کو بھجوایا کہ وہ اسے تلاش کر کے لائے اسے بصد کوشش ڈھونڈ لیا گیا مگر جونہی اسے پکڑا گیا تو عالم دیوانگی میں چھڑوانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا اور اسی کوشش کے دوران جان ہار گیا۔

509: راویوں کا کہنا ہے (ابن کثیر III، 70: سہیلی، I، 215) کہ مسلمان مہاجرین کو بدر کی فتح کی خوشخبری خود نجاشی سے ملی جو اس پر بہت خوش تھا۔

510: جنگ خندق میں (5 ہجری) شکست کے بعد عمرو بن العاص نے مکہ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر حبشہ میں آباد ہونے کا ارادہ کر لیا اور سوچا کہ اگر کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکست ہو گئی تو میں واپس مکہ آ کر اپنی عزت بحال کر لوں گا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر ہی قبضہ کر لیا جس کے امکانات بڑھ رہے ہیں تو پھر میرے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت نجاشی کی رعایا بننا بہتر ہے۔ مگر حبشہ میں نجاشی سے ملاقات ہوئی تو اس نے اسے مدینہ جانے (اور مسلمان ہو جانے) پر تیار کر لیا۔ (غالباً عمرو بن العاص وہاں سے واپس مکہ آ گئے جہاں سے انہوں نے مدینہ کا قصد کیا) مدینہ کے راستے میں ان کی ملاقات خالد بن ولید (سیف اللہ) سے ہوئی جو عین اسی ارادے سے یعنی مسلمان ہونے کے لیے عازم مدینہ تھے۔ (ابن ہشام صفحہ 716-717)

511: راوی اس بات پر متفق ہیں کہ معاہدہ حدیبیہ کے بعد مدینہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ نجاشی جس کا نام اصحمہ تھا، سمیت ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط روانہ فرمائے جن میں انہیں قبول اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ خط اپنی اصل شکل میں دریافت ہو چکا ہے۔ نجاشی نے اس خط کے جواب میں (الوثائق نمبر 23-24) اپنے قبول اسلام کی اطلاع دیتے ہوئے خود مدینہ آنے کی خواہش ظاہر کی تھی بشرطیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا چاہیں۔ خط میں ان تحائف کا بھی تذکرہ ہے جو اس نے خط کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھجوائے۔ 9 ہجری میں نجاشی کا انتقال ہو گیا۔ عظیم محدث مسلم (صحیح مسلم، 32 نمبر 91، ترمذی 23/40) نے نئے نجاشی کے نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا تذکرہ کیا ہے تاہم اس کے مندرجات کی تفصیل نہیں بتائی۔ ابن حنبل کی ایک روایت کے مطابق (ابن حنبل III، 441، IV/2-74, 75) نئے نجاشی نے (مسلمانوں کے حق میں) گرمجوشی نہیں دکھائی۔ ابن حنبل بتاتے ہیں کہ تبوک میں (9 ہجری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ہرقل کے سفیر کو بتایا "میں نے ایک خط خسرو (شاہ فارس) کو بھجوایا اور اس نے اسے چاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ اسے اور اس کی سلطنت کے (خط کی طرح) ٹکڑے کر دے گا۔ ایک اور خط میں نے نجاشی کو بھجوایا اس نے (بھی) خط کے ٹکڑے کر دیئے اور اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی سلطنت کے

بھی ٹکڑے کر دے گا۔ اور میں نے ایک خط تمہارے آقا (ہرقل) کو بھی لکھا ہے جس نے اسے سنبھال کر رکھا ہے۔ اور ہرقل کی حکومت میں اس وقت تک اچھائی رہے گی جب تک نظم وضبط برقرار رہے گا۔ یہ روایت رومی سفیر کے حوالے سے بیان کی گئی ہے اور یہ الفاظ اس نے اس وقت کہے جب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور اس میں کہاں تک سچائی ہے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک نجاشی کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک میں ''غیر ضروری تفاخرات کو ایک طرف رکھ کر'' کے الفاظ کا تعلق ہے تو شاید یہ الفاظ نئے نجاشی کے نام خط میں شامل تھے اور یہ دوسری بار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی طرف بلایا تھا۔

512: ابن سعد کی روایت ہے (طبقات ،I،II، صفحہ 152) کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ہدایا اپنے عم زاد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے اور فرمایا ''انہیں اپنے بھائی نجاشی کو بھجوا دو۔'' اس طرح یہ واقعہ جنگ موتہ (8 ہجری) سے قبل پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ جنگ موتہ میں جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق (ابن حنبل VI،404) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادی کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ہدایہ نجاشی کو بھجوائے تھے ''مگر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ نجاشی اب اس دنیا میں نہیں اور یہ ہدایہ واپس آ جائیں گے۔ اگر یہ واپس آ گئے تو میں ان میں سے فلاں فلاں چیزیں تمہیں دے دوں گا۔'' اگر اس روایت کی تمام تفصیلات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو کئی تاریخی پیچیدگیاں اور تضادات ابھر آتے ہیں کیونکہ یہ شادی جنگ احد (3 ہجری) کے فوراً بعد ہوئی تھی جب کہ نجاشی کا انتقال 9 ہجری میں ہوا تو اس کا مطلب کیا یہ ہے کہ نجاشی تین تھے۔ ایک وہ جس کا انتقال 3 ہجری میں ہوا اور دوسرے کا 9 ہجری میں اور تیسرا وہ جس نے اسلام سے بے رغبتی دکھائی۔ یا یہ کہ روایت میں جس شادی کا ذکر ہے وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نہیں بلکہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تھی؟

513: یہ امر قابل ذکر ہے کہ راوی بعض جگہوں پر (نجاشی کا نام) اصحمہ (اور بعض جگہوں پر اصحم بن البجر) لکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس دور کا کوئی حبشی وقائع نگار بھی ایسا نہیں جو حقائق بتا سکے حتیٰ کہ ایسے حبشی نژاد جنہوں نے عربی نام اختیار کر لیے تھے ان کے اصل (حبشی) ناموں کا بھی سراغ نہیں ملتا۔

کچھ متفرق معاملات

514: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خادموں میں سے ایک کا نام یسار تھا جو مصری النسل تھا (بلاذری، I، 969)۔ کیا وہ حبشی نومسلموں کے ہمراہ مدینہ آیا تھا۔ جو حبشہ سے واپس آنے والے مسلمان مہاجرین کے قافلے میں شامل ہو کر مدینہ پہنچے تھے؟ راویوں کے مطابق یہ حبشی نومسلم بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگوں اور غزوات میں بھی شریک ہوتے رہے۔ بر سبیل تذکرہ ان مسلمانوں کا بھی ذکر ہو جائے جو حبشہ سے مدینہ پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم پر تشریف لے جا چکے تھے۔ یہ لوگ فوراً خیبر روانہ ہو گئے تاہم جب وہاں پہنچے تو خیبر کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں اور عزیزوں کو دوبارہ اپنے سامنے پا کر بہت خوش ہوئے۔ تاہم روایات میں تخصیص سے یہ مذکور نہیں کہ ان مسلمان مہاجرین کے ہمراہ حبشی نومسلم بھی خیبر گئے تھے یا نہیں تاہم ان مہاجرین کو خیبر کے مال غنیمت سے اسی طرح حصہ ملا جیسے کہ اس میں لڑنے والوں کو ملا تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم زاد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب اور ان کے اہل خانہ کے لیے ان کی حبشہ سے آمد سے قبل ہی ایک مکان مخصوص کر چکے تھے (سمہودی، دوسرا ایڈیشن، ص 494، 505)

515: ہم اس باب کا اختتام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اقدس سے کرتے ہیں جس پر ہمیں ذرا سا بھی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اہل حبشہ کو اس وقت تک نہ چھیڑو جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں'' یعنی نجاشی کے ملک پر اس وقت تک از خود حملہ نہ کریں جب تک اہل حبشہ آپ پر حملہ آور نہ ہوں۔

باب 28

نجاشی کے نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مکتوب

516: اپنے ایک مضمون ''حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور خط'' میں جو لندن کے ایک معروف جریدے جے آر اے ایس میں جنوری 1940ء ص 54 تا 60 پر شائع ہوا۔ مسٹر ڈی۔ ایم ڈنلپ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خط کی ہو بہو نقل (جو اصل کے عین مطابق تھی) شائع کی جو نجاشی کے نام تحریر کیا گیا تھا۔ اس مضمون میں مصنف نے خط کے معتبر اور قابل اعتماد ہونے یا نہ ہونے کے سوال پر بحث بھی کی تھی۔ جہاں تک اُس کی اس بارے تنقید کا تعلق ہے۔ تو اس میں کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی بلکہ وہ گرائمی اور کیتانی کے دلائل کو ہی از سرِ نو پیش کرتا ہے جن کا تعلق ان اصل خطوط سے ہے جو مقوقس کو تحریر کیے گئے تھے اور ہم ان کا حوالہ ازاں بعد دیں گے اور محض ان کی دور حاضرہ کی دستاویز کی تطبیق کی خاطر کیونکہ یہ دستاویز ان سے قبل کے تاریخ دانوں کے دور میں دریافت نہیں ہوئی تھی جہاں تک موجودہ دستاویز کا تعلق ہے ہمارے پاس ڈنلپ کی اپنے مضمون میں فراہم کردہ اطلاعات کے علاوہ معلومات کا اور کوئی ذریعہ نہیں چنانچہ ہم ڈنلپ کے مضمون کے چند ایک اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔

517: ''اس دستاویز کی نجی ملکیت کا جہاں تک تعلق ہے سو یہ دستاویز اس نے ایک حبشہ کے پادری سے حاصل کی تھی جو چند سال پیشتر دمشق میں رہا کرتا تھا۔ (ص 59) یہ دستاویز میں نے اکتوبر 1938ء میں حاصل کی اور اسے برطانیہ لے گیا۔ اس کا معائنہ برطانوی عجائب گھر میں میسرز اے آئی بیل اور اے ایس فلٹن نے اور جرمنی میں پروفیسر کہلے اور مسٹر ہیفنگ نے کیا ازاں بعد اسے پروفیسر مارگولائتھ، مسٹر رابسن (گلاسگو) اور دیگر عربی ماہرین نے بھی دیکھا اور اس کے بعد میں یہ دستاویز واپس دمشق لایا اور اسے اس کے نجی مالک کے حوالے کر دیا (ص 56)۔

ہمارے لیے پہلا راستہ یہ تھا کہ ہم اس دستاویز کا دیگر دستاویزات سے موازنہ کریں (یعنی اس خط سے جو مقوقس کے نام لکھا گیا تھا اور پہلے ہی دریافت ہو چکا تھا) ان دونوں میں عمومی یکسانیت پائی جاتی تھی۔ خاص طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک دونوں میں ایک جیسی ہی تھی تاہم خط مختلف معلوم ہوتے تھے جس سے یوں لگتا ہے کہ دو مختلف نامہ نگاروں نے یہ خطوط تحریر کئے تھے (ص 56) ''یہ ایک جھلی نما کھال ہے جو 9 انچ چوڑی اور ساڑھے تیرہ انچ لمبی ہے یعنی (33 x 23 سینٹی میٹر) حروف کی ساخت گول ہے اور چونکہ بڑے ہیں انہیں پڑھنا آسان ہے تحریر میں بھورے رنگ کی سیاہی استعمال کی گئی ہے۔ خط کا متن سترہ 17 لائنوں پر مشتمل ہے اور آخر میں ایک گول مُہر ہے۔ ایک انچ کی اس مُہر پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الفاظ (ہر لائن میں ایک لفظ کی ترتیب کے ساتھ) ہیں جنہیں نیچے سے اوپر کے رخ پر پڑھا جاتا ہے۔ (ص: 54) برطانوی عجائب گھر کے حکام کو اس بات میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ یہ دستاویز اس سے بھی پرانی ہے جتنی کہ کہی جاتی ہے۔ (ص 58) جبکہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے مطابق اس خط کا تعلق اس دور سے پہلے کے دور سے ہے جو کہ بتلایا جاتا ہے ممکن ہے کہ یہ اس دور سے پہلے کی جعلسازی ہو (ص: 59) ذاتی طور پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ یہ ایک حالیہ دستاویز ہے باوجود اس کے کہ جھلی نما کھال جس پر یہ تحریر کیا گیا ہے، سے خط کی قدامت صاف عیاں ہے۔ (ص: 59 - 60) اسی لیے ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ موجودہ دستاویز 1863ء کے لگ بھگ کسی وقت تیار کی گئی اور یقیناً 1852ء کے بعد جب مقوقس کے نام خط کی دریافت بارتھلمے نے کی۔'' (ص: 60)

518: مزید آگے بڑھنے سے پیشتر اور مذکورہ صدر دستاویز کی ثقاہت وحقانیت اور اصابت کے خلاف ڈنلپ کے دلائل کی روشنی میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذکورہ صدر اصل مکتوب سے پہلے ہی دریافت ہو چکا تھا۔ 1936ء میں ایک عربی اخبار ''البلاغ'' قاھرہ نے حبشہ کے ایک اخبار ''برھان اسلام'' کے حوالے سے لکھا) کہ حبشہ پر اٹلی کے حملے (36 - 1935) کے دوران وہاں کے نجاشی نے یہ خط اپنے خزانے سے نکالا اور اپنی رعایا کو دکھایا ایسا اکثر قومی آفات اور سانحات کے موقع پر کیا جاتا تھا: دوسری جنگ عظیم کے دوران (1942) حیدر آباد (دکن) کے نظام اور وہاں مقیم برطانوی سفیر کے مابین اس معاملے پر خاصا عرصہ خط وکتابت ہوتی رہی۔ برطانوی سفیر نے ایک خط کے جواب میں کہا تھا کہ مذکورہ دستاویز انگلستان فروخت کے لئے پہنچی

تھی۔ یہ اٹلی اور حبشہ کے مابین جنگ کے آغاز سے قبل کا دور تھا لیکن برطانوی لائبریریوں نے اسکی خرید میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا علاوہ ازیں لندن میں حبشہ کے سفارت خانے کے میسٹر نے ایک خط کے جواب میں اپنی چھٹی نمبر 1270/51 مورخہ 17 اگست 1951ء کے ذریعے مجھے مطلع کیا کہ ان کے ملک (حبشہ) کے پاس اس نوعیت کی کوئی دستاویزات نہیں ہیں (اقتباس "مزید برآں کہ یہ امکان نہیں ہے کہ ان تحریر شدہ مراسلات میں سے کوئی بھی اب ہمارے ہاں موجود ہو") دستخط پیٹروس آہلو (فرسٹ سیکریٹری) اس طرح مزید معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں۔ اس رپورٹ کے متعلق میری معلومات بحوالہ "ابلاغ" پر ڈنلپ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں "سو یہ بات قابل فہم ہے کہ یہ دستاویز قبل ازیں امپیریل لائبریری (حبشہ) میں دستیاب تھی اور حالیہ جنگ کے دوران کسی طریقے سے یہ ایک پادری کے قبضے میں چلی گئی جو پہلے بھی شام آیا تھا۔

(ص:59)

519: ڈنلپ اپنی طرف سے مذکورہ صدر دستاویز کے متعلق سات اعتراضات اٹھاتا ہے جن میں چند ایک تو اس لائق بھی نہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔ اب آپ اعتراضات دیکھئے!

1۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تئیں صرف عرب ہی کے لئے بھیجے گئے پیغمبر سمجھتے تھے بدیں وجہ آپ نے غیر ملکیوں کو خطوط ارسال نہیں فرمائے۔

2۔ اس دستاویز کی عبارت ابن ہشام کی ذہنی اختراع ہے۔

3۔ چونکہ مقوقس اور المنذر کو ارسال کئے جانے والے خطوط مشتبہ قرار دیئے جا چکے ہیں لہذا یہ مکتوب بھی جعلی، من گھڑت اور مشتبہ ہے۔

4۔ فی زمانہ ایسے ایسے دروغ گو مدعیان موجود ہیں جو جعلی اثریات کو اپنے نام سے منسوب کر کے ان کی دریافت کا سہرا اپنے سر پہ سجاتے ہیں۔

5۔ برطانوی عجائب گھر کے ماہرین اثریات مذکورہ دستاویز کو اتنا قدیم تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ اسکے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے۔

6۔ ہمارے پاس محفوظ قرآن کے قدیم ترین نسخہ ہائے کے خط سے اس دستاویز کا خط خاصا مختلف ہے۔ (مراد لکھائی یا خطاطی)

7۔ مختلف ذرائع سے محفوظ کردہ اس خط کے اقتباسات اصل خط کے متن سے کسی حد تک

مختلف ہیں۔

520: ضمناً یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ برطانوی عجائب گھر کے ماہرین اس دستاویز کو قدرے قدیم قرار دے چکے ہیں اگرچہ یہ اتنی قدیم نہیں جتنا قدیم ہونے کا اسکے متعلق دعوی کیا جاتا ہے۔ جبکہ ڈنلپ کے مطابق اسکی دریافت 1852ء یا مابعد کی ہے۔ اگر ڈنلپ جیسا ماہر اثریات برطانوی ماھرین اثریات (برطانوی عجائب گھر کے) خیالات سے اختلاف کرسکتا ہے تو ایسا دوسرے ماہرین بھی کرسکتے ہیں چونکہ اصل دستاویز ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ لہذا اہم معاملے کو یہیں چھوڑ کر دیگر اعتراضات پر غور کرتے ہیں جو زیادہ اہم ہیں۔

521: ڈنلپ نے مذکورہ صدر دستاویز کا موازنہ نہ صرف خط کے اعتبار سے قرآن کی ان نقول کے خط سے کیا ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے دو صدیوں یا اسکے بعد تحریر کی گئیں تاہم اس میں اچھنبے کی کوئی بات نہیں کہ خطاطی اب خاصی ترقی کر چکی ہے۔ تاہم دو نکات قابل غور ہیں پہلا یہ کہ قرآن کی خطاطی میں آرائشی وزیبائشی خط استعمال کیا گیا ہے۔ اور ایک غیر مسلم بادشاہ کو لکھے جانے والے خط میں تقدیس وتبریک کا ایسا کوئی التزام ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا اور اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری خیال نہ فرمایا: دوسرا یہ کہ اس دستاویز میں عربی زبان کی دستی تحریر کا قدیم ترین عمومی پہلو جھلکتا صاف نظر آتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ جتنا کہ ہمارے ماہرین کو شبہ ہے مثلاً "فاقبلو" (اصل خط کی 16 ویں لائن) بغیر "الف" کے جسکا لفظ کے آخر میں آنا جمع کو ظاہر کرتا ہے کی قرآن میں بیسویں مثالیں موجود ہیں: ایک اور بڑا فیصلہ کن لفظ "اتباع" ہے۔ (اصل خط کی 17 ویں لائن) جس میں "تا" بجائے ایک کے دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے اس سلسلہ میں قرآن کی سورت نمبر 51 کی آیت نمبر 47 دیکھی جا سکتی ہے۔ جسمیں اس نوعیت کے ہجے موجود ہیں: جہاں "بِاَیْدٍ" کے لفظ میں دو مرتبہ "یا" استعمال ہوا ہے۔ مزید براں یہ کہ قرآن مجید کے قدیم نسخوں میں الفاظ ایک لائن کے آخر میں اسطرح کاٹے جاتے ہیں کہ اسکا دوسرا حصہ اگلی لائن میں مکمل کردیا جاتا ہے۔ مثلاً نجا۔شی، شر۔یک علاوہ ازیں ایسے الفاظ جنہیں توڑا نہیں جاتا مثلاً الیک ، بلغتو اور درمیان میں استعمال ہونے والے لفظ "ھا" (جو "T" اور "V" کی طرح لکھا جاتا ہے) کا ملاً واحد ہی استعمال ہوتا ہے اگلے 6 خطوط جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کئے جاتے ہیں ان کا انداز تحریر اس مرجبہ اسلوبِ نگارش سے مختلف ہے جو ما

بعد کی صدیوں میں پایا جاتا تھا۔

522: جہاں تک مذکورہ دستاویز کے متعلق آخری دلیل کا تعلق ہے تو ہم پہلے ہی اس کا ذکر کر چکے ہیں کہ یہ دو مختلف خطوط کا ملغوبہ نظر آتا ہے مزید برآں یہ کہ نجاشی کے نام اس خط کے مختلف متن جو بہت سے قدیم مصنفین کے ہاں محفوظ رہے ہیں ان کے آپس کے موازنے سے یہ عیاں ہوا ہے۔ کہ ان میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جو ہم معنی اور مترادف الفاظ کے استعمال پر مشتمل ہے۔ اس طرح گویا تمام اصل خطوط ایک دوسرے سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں یہ یکسانیت ان خطوط کی قدر مشترک ہے۔

523: اس دستاویز کی ''خطاطی'' یا ''خط'' کی لکھائی میں ایک وقت امتیازی نقاط کی عدم موجودگی ہے یعنی عربی حروف تہجی با، تا، ثا، جیم، حا اور خا وغیرہ پر نقاط استعمال نہیں کیے گئے۔ جس کے باعث الفاظ خاصی حد تک مترادف نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مفہوم میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ لیکن پہلی صدی ہجری کے وسط میں ان کا استعمال شروع ہو گیا تھا جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے جو خلیفہ معاویہ اول کے دور میں طائف کے قریب تعمیر شدہ ایک ڈیم پر کندہ ہوئی ہے۔ نقاط کا استعمال ان سرکاری خطوط میں بھی نظر آتا ہے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور یعنی 22 سن ہجری میں تحریر کیے گئے تھے۔ جو ازاں بعد مصر میں دریافت ہوئے۔ اس طرح مذکورہ دستاویز نقاط کے استعمال کے رواج سے قبل کی تحریر کردہ قرار دی جا سکتی ہے۔

524: اس طرح ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس دستاویز کی ثقاہت وحقانیت اور اصابت شک وشبہ کے سائے سے کبھی بھی بالا نہیں ہو پائے گی بالکل اسی طرح اس دستاویز کے متعلق اٹھائے جانے والے جملہ اعتراضات بھی جو اسے مشتبہ قرار دیتے ہیں قابل یقین وتسلیم نہیں۔

باب 29

مصر کے ساتھ تعلقات

525: بائبل کے اکثر مفسرین ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ ان دنوں اہل مکہ اپنے پڑوسی ملک مصر کے ساتھ تجارتی تعلقات میں خاصے مستعد اور سرگرم تھے۔ بلکہ علامہ سیوطی کے مطابق تو اسلام سے قبل ہی ("حسن المحاضرہ" ا، 135؛ ابونعیم، ص 21-22) ایک شخص المغیرہ ابن شعبہ نے گورنر مقوقس اور ایک مصری عیسائی پادری سے اپنے دوروں کے دوران ملاقات بھی کی تھی۔ اس قربت اور تجارتی تعلقات میں سرگرمی کے باوجود اہل مکہ مصر کے داخلی معاملات میں مداخلت سے الگ تھلگ اور محترز رہتے تھے انہیں مصر کے اندرونی معاملات سے چنداں دل چسپی نہ تھی۔ مصر کے سیاسی حالات دن بدن بگڑتے جا رہے تھے پورا مصر بازنطینی دور میں عیسائیت قبول کر چکا تھا۔ اسکندریہ کا شہر انتظامیہ کا صدر مقام ہونے کے ساتھ ساتھ سرداریت کا مرکز بھی تھا۔ بازنطینی حکمران مصر کے اعلیٰ انتظامی حکام اور مذہبی عہدیداران کی تقرریاں بھی کیا کرتے تھے۔ مصر ایک ترقی یافتہ ملک تھا جہاں اعلیٰ پائے کے مذہبی سکالرز بھی خاصی تعداد میں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ یہ علماء اپنے مذہبی عقائد میں اپنے یونانی آقاؤں کی تقلید یا رہنمائی قبول کرنا کسر شان سمجھتے تھے۔ اور یونانیوں اور قبطیوں کے مابین مذہبی مناقشات اتنے گہرے اور وسیع ہو گئے کہ قبطیوں نے شاہ یونان کے مقرر کردہ سرداری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط تک اسکندریہ میں دو سرداریاں قائم ہو گئیں ایک شاہ یونان کی اور دوسری قبطیوں کی، آغاز اسلام کے وقت 616ء میں ایرانیوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور کم و بیش 10 برس تک یہاں حکمران رہے۔ یہ فطری امر ہے کہ نئے آقاؤں نے قبطی سردار کی حمایت کی حتیٰ

کہ یونانی سردار کو بے دخل ہونا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اینڈرونیکس (614-622) کے بعد ایرانیوں نے بنجمن کو سردار مقرر کر دیا جسے کیتھولک فرقہ بدعتی قرار دے چکا تھا۔ اس نے Melkites (یونانیوں) کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا کہ ایرانیوں کی روانگی کے بعد جب ھرقل نے سائرس کو 631ء میں سرداری کا پروانہ دے کر وائسرائے مقرر کیا تو اس کی آمد کی افواہ ہی بینجمن پر بجلی بن کر گری اور وہ اسکندریہ سے فرار ہو گیا۔ لیکن اس کی عدم موجودگی کے دوران ایک پادری نے جس کا نام AGATHON تھا ایک عام آدمی کا بھیس بدلا اور بڑھئی کے بہروپ میں اسکندریہ میں قیام پذیر رہا اور رات کے اندھیرے میں اپنے ہم مذہب دینی علماء سے خفیہ ملاقاتیں کرتا رہا۔

526: سائرس کی آمد سے تین برس پیشتر اور ایرانیوں کے انخلاء کے چند ماہ بعد، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب و جوار کے چند ایک بادشاہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بلکہ نصیحت بھی فرمائی اور تاکید بھی کی یہ بات مئی، جون 628ء کی ہے جب مدینہ سیکرٹریٹ کو مصری سرداروں کے ناموں کا علم نہیں تھا۔ چنانچہ ایسا خط ایک اعلیٰ سردار مقوقس MUQAUQIS کے نام ہی تحریر کر دیا گیا۔ یہ خط ایک لخمی سردار حاطب ابن ابی بلتعہ کے ہاتھ بھیجا گیا ان کے ہمراہ سہیلی کے بیان کے مطابق ایک نو آزاد غلام تھے جنہوں نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ غالباً اس ملک سے پہلے ہی خاص واقفیت رکھتے تھے۔

527: مقوقس کا لفظ نہ تو عربی زبان کا ہے اور نہ ہی قبطیوں کی زبان سے اس کا تعلق ہے ممکن ہے یہ فارسی کا معرب لفظ ہو۔ کیونکہ ایرانی عہد حکومت میں قبطی سردار وہی مقرر کیا کرتے تھے جبکہ مغربی ایران میں مذہبی پیشوا کو ماگوپتی MAGUPATI کہا جاتا تھا یعنی مگی کا سردار۔ اس لفظ کی ایک صورت MACHMUGHAN بھی ہے جب کہ کہیں کہیں یہ لفظ MAUPADH بھی ملتا ہے۔ جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک مقوقس کا مطلب ''معمار اعظم'' کے ہیں یعنی عمارتیں بنانے والا یا عربی میں اسے ''المطول البنا'' بنا لکھا گیا ہے۔ قوس کے معنی بلند معبد کے ہیں۔ مقوقس کا ذاتی نام جریج ابن منا تھا۔ جریج دراصل انگریزی لفظ جارج یا گریگوری کا معرب ہے۔ منا MINA کا لفظ آج بھی قبطیوں میں عموماً استعمال ہوتا ہے (مصر کے پہلے شاہی خاندان کے پہلے بادشاہ کا نام MINA ہی تھا۔ تاریخ میں اس نام کے سردار کا وجود نہیں

ملتا۔ جب کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب اسلام مصر میں پہلی مرتبہ راہ پا رہا تھا تو عربی تاریخ میں جارج کا نام داخل ہوا ہو اور یہ نام بنجمن BENJAMIN کے نام کے ساتھ گڈ مڈ ہو گیا ہو کیونکہ یہی لفظ ابو بنیامین معرب بن کر ابن عبدالحکم کے ہاں مستعمل ہے ممکن ہے کہ دیگر اصحاب نے اسے اپا مینا APA-MINA سمجھا ہو جو خرطوم کا ایک پادری ہوا کرتا تھا۔

528: نینوا کے قریب ایرانیوں کو بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ یہاں تک پسپا ہوئے کہ ان کے ہاتھ سے تمام مقبوضات بشمول مصر نکل گئے۔ اس وقت قبطی سرداروں کی ذہنی حالت اور پریشانی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عین اس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گماشتہ (پیام بر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر پہنچا جس میں اسے قبولیت اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس وقت یہ توقع کرنا عبث تھی کہ کوئی سردار اپنا مذہب ترک کر کے کوئی نیا مذہب اختیار کرے گا خصوصاً جب کہ وہ نئے مذہب سے کلیتاً نابلد ہو۔ تاہم ذیل میں مذکورہ خط کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے

المقوقس، قبطی سردار کے نام

'سلامتی ہو اس کے لیے جو صراط مستقیم پر چلے،

اما بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اسے قبول کر لو تو امن میں رہو گے اللہ تمہیں اس کا دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم اس سے روگردانی کرو گے تو تمام قبطی قوم کا عذاب اور گناہ تمہارے سر ہو گا۔ اے اہل کتاب! ایک مشترکہ (قاعدہ = کلمہ) جو تمہارے اور ہمارے مابین ہے، کی جانب آؤ، ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو گواہ رہنا کہ حقیقتاً ہم ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے اطاعت گزار ہیں۔

مہر: اللہ

رسول

محمد

529: مقوقس کا جواب بھی تاریخ میں محفوظ کرلیا گیا ہے جس میں وہ انتہائی شائستگی کے ساتھ سرزمین عرب میں کسی پیغمبر کی آمد (پیدائش) کے امکان کو مسترد کرتا ہے اور کچھ تحفے تحائف ارسال کرتا ہے جس میں دو لونڈیاں، خلعت فاخرہ کا ایک جوڑا اور ایک مادہ خچر شامل تھیں۔

تاریخ دان اس میں کچھ مزید اشیا کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ ان میں ایک خواجہ سرا، ایک پیالہ اور ایک صندوقچہ جس میں ازاں بعد حضورِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی مسواک اور سرمہ دانی رکھا کرتے تھے اور ایک شیشہ، ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھی، اور ایک قینچی، اس سلسلہ میں طویل ترین فہرست القادی الرشاد ("الذخائر و التحف" ص 7-8) کی ہے جس کے مطابق تحائف میں چار غلام ایک خچر، ایک گھوڑا، 20 مثقال سونا، "قباطی" کپڑے کے 20 تھان، بنہا Banha کے شہد کی کچھ مقدار اور اپنے ملک کی کچھ دیگر نایاب اشیاء بھی شامل تھیں۔ جہاں تک صندوقچے کا تعلق ہے تو الرشاد اسکی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ صندوقچہ اُن صندوقچوں کی مانند تھا جو اسکندریہ میں تیار کئے جاتے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عقد مبارک میں لے لیا جبکہ دوسری لونڈی یا لونڈیوں کو اپنے صحابیوں میں تقسیم کردیا۔ مصدقہ ذرائع کے مطابق یہ غلام لونڈیاں مصری لڑکیاں تھیں۔ اس نے ان کے گاؤں اور علاقوں کے نام بھی اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ یہ بڑے اچھنبے کی بات ہے کہ جس دوسری لونڈی کا ذکر اس کتاب میں ملتا ہے اس کا نام "سیریں "SIRIN ہے جو اصلاً ایک فارسی نام ہے اس کا معرب "شیریں" ہے۔ کیا وہ ایرانی لڑکی تھی؟ کیا وہ اپنی دیگر ساتھی لڑکیوں سے جدا ہو کر پیچھے رہ گئی تھی۔ ان کا کارواں آگے نکل گیا اور اس نے بعد ازاں عیسائیت قبول کرلی ایسے سوالات ہیں جو ہنوز جواب طلب ہیں۔ ابن عبدالحکم جو مصری تاریخ کے ایک قدیم مصنف ہیں نے اسے "حنہ" کا نام دیا ہے جبکہ اپنے ایک بیان میں انہوں نے مذکورہ لونڈی کا نام قیصرہ بھی لیا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ان کا ابتدائی اور اصلی نام حنہ یا قیصرہ نہیں ہے بلکہ سیریں ہے۔ مذکورہ نام عیسائیت کی قبولیت کے بعد معروف ہوئے ہونگے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا اصل نام دوبارہ اختیار کرلیا۔ ضمناً یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن میں شامل ہیں) کے بطن سے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ایک صاحبزادے بھی پیدا ہوئے تھے جن کا نام ابراھیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔

اور جو شیر خوارگی کے دوران ہی وفات پا گئے تھے۔

530: اسلام کے مصر کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے اس عہد میں مذکورہ بیانات کے علاوہ مزید اور کچھ قابل تحریر نہیں ہے یاد رہے کہ مقوقس کی قد آدم تصاویر اردن کے مقامات عامرہ، قصیر اور بنو امیہ کے محلات سے دستیاب ہوئی ہیں جس پر اسکا نام بھی کندہ ہے۔

باب 30

مقوقس کے نام اصل خط

531: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقوقس کے نام تحریر کردہ اصل خط حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ نئے دریافت شدہ مکتوب کے جملہ مندرجات قدیم اطلاعات کے عین مطابق ہیں۔ مسٹر بیلن (Belin) کا قاہرہ سے 10 مارچ 1852ء کا مسٹر ریناڈ (Reinaud) کے نام تحریر کردہ ایک خط میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسٹر ریناڈ پیرس انسٹی ٹیوٹ کے رکن ہیں۔ اس خط کے اقتباسات ایک فرانسیسی اخبار ''جرنل ایشیاء ٹک'' پیرس میں دسمبر 1854ء (ص 482-518) کو دوبارہ شائع ہوئے۔ ہم یہاں اس کے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ ''گزشتہ سال اپنے ایک مختصر دورے میں Mr. Barthelemy اخمیم کے قریب ایک گرجا گھر پہنچے وہ خاصے تھکے ماندے تھے تاہم انہیں وہاں ایک عربی مسودہ ہاتھ لگا۔ جو دیکھنے میں بھدا اور بدنما سا تھا۔ جس کی جلد اتنی موٹی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ شروع میں یہ کسی ضخیم کتاب کے لیے تیار کی گئی تھی اور کناروں سے اکھڑی ہوئی تھی۔ جس کے اندر سے قبطی خط میں کچھ تحریر نظر آتی تھی۔ ہمارے مسافر نے اس کی پہلی تہہ ہٹانے کی کوشش کی جس کے نیچے غالباً کوئی تحریر چھپی ہوئی تھی اور اس نے اسے بڑی احتیاط سے باہر نکالا۔ اسے قبطی زبان میں تحریر شدہ انجیل کے درجن بھر پرت ملے جو خاصے قدیم خط میں لکھے گئے تھے۔ ان پرتوں کو آپس میں گوند لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ تا کہ یہ کارڈ بورڈ کی طرح ایک سخت شکل اختیار کر لے۔ ان میں سے ایک پرت کی جلد تین حصوں سے مل کر بنی تھی دو طرف سائیڈ کور تھے اور کتاب کی پشت، ان میں سے اول الذکر ایک پرت پر مشتمل تھی جو کہ چمڑے سے تیار کی گئی تھی اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا اس کے اندر قبطی زبان میں تحریر کردہ تقریباً ایک درجن صفحات تھے۔ جن پر ایک موٹے کاغذ کی پرت تھی۔ جنہیں گوند لگا کر آپس میں جوڑ دیا گیا تھا۔ درمیانی حصہ

جو خارجی طور پر دونوں جانب کے سائیڈ کورز کو ملاتا تھا کالے چمڑے کے ٹکڑے سے بنا ہوا تھا۔ اب Mr. Barthelemy نے اس پرت کو دونوں جانب سے اکھیڑا اور درمیان میں انہیں جعلی نما چمڑے کا ایک ٹکڑا ملا جسے دو جگہ دیمک لگی ہوئی تھی یہاں انہوں نے سوچا کہ وہ کوئی حروف تہجی الگ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ان پرتوں کو قدرے نم آلود کیا اور انہیں چند خطوط ملے جو کٹے پھٹے اور مٹے ہوئے سے تھے مصنف اپنے ایک نوٹ میں اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: "Mr. Barthelemy کے مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر کے بادشاہ المقوقس کو تحریر کردہ خط کی چار نقول ارسال کی تھیں تاہم تاریخ دان اس کے اس بیان کی تصدیق نہیں کرتے اس کے علاوہ میں نہیں سمجھتا کہ اس اقدام کا کوئی فائدہ بھی تھا۔ بالفرض محال اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی یہ خط کہیں گم بھی کر بیٹھتا (جس کی اس سے قطعاً توقع نہیں کی جا سکتی تھی) تب بھی اس کا مشن زبانی پیغام پہنچا کر بھی پورا ہو سکتا تھا۔ قبطی اس سلسلے میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قاہرہ کے خاندانی گرجا گھر میں مذکورہ خط کی ایک نقل محفوظ ہے تاہم میں اس حقیقت کی جانچ نہیں کر سکا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے المقوقس کے خط کے جواب میں تحریر کیا تھا اور یہ وہ خط ہے جو Mr. Barthelemy نے دریافت کیا ہے۔"

532: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریر کردہ تمام خطوط میں سے یہ دستاویز جو مصر میں دریافت ہوئی۔ خاصی معروف ہے اور جگہ جگہ اس کا ذکر ملتا ہے ایک معروف مستشرق Noldeke نے سب سے پہلے اس دستاویز کے متعلق مختصراً بیان کیا ہے" بلکہ ہمارے پاس اصل خط بھی موجود ہے جسے بڑے عجیب انداز سے محفوظ کیا گیا ہے اور جس کی ثقاہت میں چنداں شبہ نہیں ہے۔" موصوف نے 1894ء میں دوبارہ اپنی اسی رائے کا اظہار کیا۔ (زیڈ ڈی ایم جی 1894 ص 160) لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ 1909 میں Schwally نے Noldeke کی تحریر کا نیا ایڈیشن شائع کیا تو صورت حال تبدیل ہو چکی تھی میرے خیال میں رائے کی اس تبدیلی کی ذمہ داری Schwally پر عائد ہوتی ہے۔" تاہم اس طرح اس دستاویز کی ثقاہت کے متعلق اعتراضات اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی زبان میں اٹھائے گئے ان اعتراضات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ تاہم پرکھنے پر یہ دستاویز جعلی قرار دے دی گئی ہے۔ اس کی

خطاطی میں کوئی خط کا شائبہ خال خال ہی نظر آتا ہے اور دوسری بات یہ کہ بجائے رنگین مہر استعمال کرنے کے دستخط کی جگہ مٹی کی مہر استعمال کی گئی ہے اور آخری بات یہ کہ اس قسم کی سرکاری دستاویزات میں نہ صرف وثیقہ نویس جو اسے تیار کرتا تھا کا نام درج کیا جاتا تھا بلکہ پیغام رساں کا نام بھی واضح طور پر درج کیا جاتا تھا جو اس دستاویز میں موجود نہیں۔"

533: اس طرح گویا اس دستاویز پر تین اعتراضات ہیں۔ پہلا یہ کہ مصنف کو خود بھی اس تحریر کی ثقاہت واصابت کا یقین نہیں ہے بلکہ وہ "غالباً" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور حقیقتاً اسلام سے قبل کی قدیم دستاویزات بھی (دریافت) دستیاب ہوئی ہیں جو اس وقت کی خطاطی کے متعلق قدرے بہتر اطلاعات فراہم کرتی ہیں۔ مدینہ میں ۵ ھ کی تحریرات اور خلیفہ معاویہ کے دور کے ایک ڈیم پر کنندہ تحریر کے علاوہ مصری خط کی تحریریں بھی معلومات کا خزینہ ہیں۔ جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے **Schwally** حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے نامۂ مبارک پر لگی ہوئی مٹی کی مہر سے متعلق اپنی اطلاعات کا ذریعہ نہیں بتلاتا۔ اس کے برعکس ابن رُستہ اور طبری ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول کے بعد پہلی مرتبہ مٹی کی مہر لگانے کا طریقہ سیکھا۔ ایک طرح سے یہ فضول خرچی خصوصاً ایک ایسے خط کے لیے تھی جو سمندر پار کے ممالک بھیجا جا رہا تھا۔ جس پر اس کے استعمال کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ (ابن رُستہ ص **192** طبری ج اول ص **2749**)۔ ہمارے اپنے ذرائع کے مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چنداں ضروری نہیں سمجھا تاوقتیکہ بعض صحابہ کرامؓ نے انہیں یہ نہ بتایا کہ غیر ملکی حکمران مہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے تب ایسا ہوا کہ ایک مہر کندہ کرائی گئی جس پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبداللہ کرانا مقصود تھا لیکن ایک کندہ کار کی غلطی کے باعث یہ الفاظ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کندہ ہو گئے مزید برآں مٹی کی مہر لفافے پر لگائی جانی چاہیے تھی نہ کہ خط پر جہاں تک تیسرے اور آخری اعتراض کا تعلق ہے۔ **Schwally** مابعد کے عہد کے متعلق سوچتا ہے بلکہ وہ بازنطینی حکومت کے طریقوں پر بھی غور کرتا ہے جو وہ سرکاری دستاویز کی تیاری کے لیے استعمال کرتے تھے۔ عرب کے تاریخ دان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی عبارتوں کا تحفظ کرتے چلے آئے ہیں اور ان میں مذکورہ دستاویز بھی شامل ہے اور یہ ذرائع متفقہ طور پر **Schwally** کے اعتراض کو محض وثیقہ نویس کا نام نہ لکھنے کی وجہ سے مسترد کرتے ہیں۔

534: دیگر مستشرقین میں Amelineau بھی شامل ہے لیکن وہ چنداں اہم نہیں ہے کیونکہ وہ مذکورہ دستاویز کو مسترد کرنے کی کوئی وجوہات بیان نہیں کرتا ہے وہ پہلا شخص جس نے خطاطی کے الفاظ کی بناوٹ پر غور کیا وہ Karabacek تھا اور تب (1874) سے اب تک اس سلسلے میں ہماری معلومات خاصی وسیع ہو چکی ہیں۔ سی ایچ بیکر لکھتا ہے ''ممکن ہے کہ یہ ایک ایسا کاغذ کا ٹکڑا ہو جس پر کوئی روایت درج کی گئی ہو۔ غالب امکان یہ ہے کہ اس دانش ور نے (جو جرمنی کے وزیر تعلیم تھے اور 1933 میں وفات پائی) اس دستاویز کے چربے پر نظر تک نہیں ڈالی جس پر واضح طور پر مہر کا نشان موجود ہے اور جس کو تلاش کرنا ممکن بھی تھا در اصل یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر ایک گول نشان تھا اور جس میں کالی روشنائی سے نام تحریر کیا گیا تھا اور یہ کوئی ایسی مہر نہیں تھی جس کی زمین سیاہ اور تحریر سفید ہو۔

535: اپنی عظیم کتاب ''*Annali del l'Islam*'' (فرانسیسی) میں مصنف Leone Caetani (متوفی 1935) مذکورہ دستاویز کے بنیادی اور اصلی عناصر کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ وہ اس سے متعلق خارجی مسائل پر بڑی شدومد سے غور وفکر کرتا ہے۔

ا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس امر کا امکان کم کم ہی ہے کہ ساتویں صدی کا کوئی عیسائی سردار دو عیسائی کنیزوں کا تحفہ عرب کے کسی سردار کو ارسال کرے۔

۲۔ مکتوب الیہ کا ذاتی نام مقوقس جیسا کہ عرب تاریخ دانوں نے بیان کیا اس کے اصل نام سے مختلف ہے۔

536: لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مقوقس اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا ماسوائے اس کے جو مذکورہ مکتوب میں مختصراً بیان کیا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا یہ شخص سردار تھا یا کوئی سیاسی قائد تاہم وہ (عظیم القبط یعنی قبطیوں کا سردار کہلاتا تھا)۔ قبطی ہونے کے ناطے وہ وحدانیت پرست تھا اور کسی عرب سردار کو وحدانیت کے اعلان کے بعد کافر قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسے ایک مرتد عیسائی قرار دے سکتا تھا۔ ہمارے لیے یہ یقین کرنا آسان ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دینی نظریے کی جانب موڑنے کی مقدور بھر کوشش کی اور اسی مقصد کے لیے ماہرین کو بھی استعمال کیا۔ یعنی دو خوبصورت کنیزیں جنہیں عیسائیت کی تعلیم اور تربیت بڑے اچھے انداز میں دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں ایرانیوں کے مصر سے انخلا کے بعد مقوقس کی حالت خاصی مخدوش

ہو گئی تھی اور وہ اپنی قوت اور حکومت کے استحکام کی خاطر ہر حربہ استعمال کرنا چاہتا تھا۔ Schaeder کے مطابق رومن سفارت خانے نے چین کو ایک رپورٹ ارسال کی جو چینی تاریخ دانوں کے بیان کے مطابق مصر کے گورنر نے ارسال کی تھی ۔ Schaeder رومن سفارت خانے کی جگہ قبرصی (یونانی) سفارت خانے کا نام لیتا ہے۔ اسی رپورٹ کے مطابق قبطی سردار بینجمن ایرانی قبضے کے دوران اپنے رویے کے نتائج سے خوفزدہ تھا اور یونانیوں کو نکال باہر کرنے کے لیے غیر ملکی حمایت کا متلاشی تھا اور اس نے اس سلسلے میں چین کے شہنشاہ سے رابطہ بھی کیا تھا۔ یہ بات سچ ہے کہ اہل عرب اسی کے قریب تر تھے اور بار ہا بازنطینیوں کو جنگ میں نیچا دکھا چکے تھے تاہم حالات مقوقس کے لیے اتنی تیزی سے تبدیل ہوئے کہ اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی امداد سے کما حقہ، فائدہ نہ اٹھایا۔

537: جہاں تک Caetani کے دوسرے اعتراض کا تعلق ہے تو ہم اس ضمن میں یہ پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ مدینہ سیکرٹیریٹ ان دنوں قبطی (مصر کے) سرداروں کے نام سے واقف نہیں تھا اور اس سلسلہ میں دستیاب تمام تر معلومات کا تعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل کے ادوار سے ہے۔ مذکورہ شخص ممکن ہے کہ بجمن یا جریج (ابن مینا ابن قرقب) یا کوئی اور ہو۔ تمام ثانوی تفصیلات جو کہ ازاں بعد عرب تاریخ دان فراہم کرتے ہیں چنداں لائق اعتناء نہ ہیں۔ تاہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مقوقس کے مابین مراسلات کے تبادلے کو سرے سے مسترد کرنے کے لیے یہ اعتراضات کافی نہیں ہیں۔

538: Virginia Vacca کا مضمون جو اس نے فرانسیسی زبان میں تحریر کیا تھا کوئی نئی معلومات اس سلسلہ میں فراہم کرنے سے قطعاً عاری ہے۔ لیکن اسے کنیز کا نام "مریم" لکھتے ہوئے مغالطہ ہوا ہے جب کہ اس سلسلہ میں عرب ذرائع مذکورہ کنیز کا نام "ماریہ" بتلاتے ہیں جو انہوں نے قبول اسلام کے بعد بھی تبدیل نہیں کیا:

539: جہاں تک Prof. Gaston Wiet کی ایڈٹ کردہ مقریزی کی کتاب "خطاط" میں اس مضمون سے متعلق معلومات کا تعلق ہے تو انہوں نے ہمہ اقسام کے شماریات کو اس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ مثلاً تاریخی واقعات، عشقیہ افسانے اور عوامی کہانیاں تک یک جا ملتی ہیں۔ اس طرح کچھ ابہام اور تضاد پیدا ہو گیا ہے اور ثانوی تفصیلات بھول بھلیاں بن کر رہ گئی

ہیں۔موصوف مذکورہ مکتوب کے الفاظ پر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔درحال آنکہ یہ الفاظ بالکل وہی ہیں جو ھرقل کے نام خطوط میں استعمال ہو چکے تھے۔مقوقس،نجاشی اور ھرقل کے نام تحریر کردہ خطوط ایک دن،ایک ہی تاریخ اور ایک ہی موضوع کا اظہار کرتے ہیں۔سواس میں ہمارے لیے چنداں حیرانی اور حیرت کی کوئی بات نہیں کہ کاتب نے تینوں خطوط کے لیے ایک ہی معیاری متن استعمال کیا اور آخر میں مسٹر Wiet مزید کہتا ہے ''آخری بات یہ کہ یعقوبی سردار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک وصول کرنے کا چنداں اہل نہ تھا یہاں مصنف اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی معقول اور شائستہ شخص اپنے نام لکھے ہوئے خط کی وصولی سے انکار نہیں کرتا۔یہ الگ بات ہے خواہ وہ اس کے متن کو تسلیم کرے یا مسترد،اور نہ ہی اسے اس امر سے کوئی سروکار ہے کہ خط کا مضمون اس سے متعلق ہے یا نہیں۔یہاں ضمناً یہ ذکر بے عمل نہ ہوگا کہ 534ء میں ایک سردار جو بازنطینی ریاست کے زیر اثر تھا اور مقوقس کے مقابلے میں قدرے کم طاقت کا حامل تھا ابن جبلہ غسانی نے ایک سفارت یمن بھیجی تھی۔اس کی تصدیق اس کندہ کاری سے بھی ہوتی ہے جو ''مارب ڈیم'' پر کی گئی تھی۔

540: اس طرح یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ مذکورہ کوئی بھی اعتراض اتنا سنجیدہ اور موثق نہیں ہے کہ جس کے ذریعے مصر سے ملنے والے مکتوب کی ثقاہت اور حقانیت کے امکان کو مسترد کیا جا سکے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سلطان عبدالمجید اول نے اس مکتوب کو خریدا تھا اور یہ کہ یہ دستاویز ہنوز توپ کاپی کے عجائب گھر (استنبول ترکی) میں موجود ہے جہاں تک مارکوس کے گرجا گھر سے مذکورہ خط کی نقل کی دریافت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ایک صدی گزرنے کے باوجود کوئی ضمنی معلومات یا اطلاعات منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔لہذا یہ متحقق نہیں ہو سکا کہ آیا یہ اصل خط کی نقل (مثنیٰ) ہے یا تاریخ دانوں کی بیان کردہ کہانیوں کی مدد سے تیار کردہ جعلی دستاویز ہے۔مثلاً الیکم کے دور میں اسی نوعیت کے کئی خطوط جعلی ثابت ہو چکے ہیں۔

541: ہم اس موضوع کی جانب (خصوصاً ''مقناء'' کے متعلق مابعد کے باب ''یہودی'' میں) پھر لوٹیں گے۔

باب 31

بازنطینی سلطنت کے ساتھ تعلقات

542: جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب تین براعظموں کے سنگم پر واقع ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کے باعث اس علاقے کو قدیم معیشت و معاشیات میں بڑی اہمیت حاصل رہی۔ یورپ اور مشرق بعید کے مابین راس امید کے بحری راستے کی دریافت سے قبل تمام تر تجارتی اشیاء کی نقل و حمل بین الاقوامی پیمانے پر براستہ عرب ہی ہوتی تھی۔ ابن حبیب (''محبر''، ص265) کے قول کے مطابق خلیج فارس میں دبا کی بندرگاہ پورے جزیرہ نمائے عرب کا گودام تھی۔ اس حد تک کہ سندھ، ہند اور چین تک کے تجارتی قافلے اور مشرق و مغرب کے مسافر یہاں کے سالانہ میلوں میں شرکت کرتے تھے۔ خود عرب کے لوگ بھی دور دراز کے ممالک کے سفر کے شوقین تھے۔ یہ ان کی تجارتی سرگرمیاں ہی تھیں جن کی بدولت وہ ھند، چین، حبشہ، مصر اور انقرہ تک پہنچتے تھے۔ (ابن سعد i/1، ص43) علاوہ ازیں جزیرہ نمائے عرب کے لق و دق صحرا اور بے آب و گیاہ علاقے بھی انہیں قرب و جوار کے زرخیز و شاداب علاقوں کی جانب کشاں کشاں لے جاتے تھے اور وہ ان علاقوں کو اپنے زیرنگیں رکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں قبیلہ طے TAIY کی مثال دی جا سکتی ہے جس کا تعلق جنوبی عرب سے تھا ایرانی ان سے تعلقات بڑھانے کے لئے اس علاقے میں وارد ہوئے اور تازی ان کے لیے عرب کا مترادف بن گیا یہ تعلقات اس قدر آگے بڑھے کہ چینی لفظ 'طاچی' TACHI عرب کے باشندے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اسی طرح تبت کا دلائی لامہ (یہ لفظ ایک پہاڑ کے نام سے مستعار لیا گیا ہے) کا بھی اس قبیلہ 'طے' سے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں تک مغرب کا تعلق ہے تو پہلی صدی عیسوی میں ایک پادری سینٹ پال کے خط میں ہم پڑھ سکتے ہیں کہ'' دمشق میں بادشاہ ARETAS کے

زیرنگیں گورنر کے ذریعے بادشاہ نے پورے شہر کو قلعہ بند کر دیا جو مجھے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔'' بادشاہ ARETAS ایک عرب ہی تھا۔ شام کے عربی النسل لوگوں میں حارث نام کے بہت سے بادشاہ ہو گزرے ہیں اور لفظ عربی قبائل کے مقامی سردار کے مترادف قرار پایا جو رومی سلطنت کے زیرنگیں اور اتحادی میں رہے ۔ ان عربی قبائل نے وہاں بادشاہتیں قائم کیں اور شمال میں حلب ALEPPO تک جا پہنچے۔ عرب کی ان ریاستوں پر بازنطینی قابض ہو گئے تاوقتیکہ انہوں نے ان کی اطاعت قبول نہ کی۔ بازنطین اور ایرانی اکثر و بیشتر آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ تاہم عرب کے بدّو قبائل ان دونوں کو اپنے مخالف سمجھتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ جزیرہ نمائے عرب کے انتہائی شمالی علاقوں میں سرگرداں رہتے تھے اور وجہ نزاع بھی یہی امر تھا۔ بازنطینی اور ساسانی دونوں سلطنتوں نے اپنے تئیں صحرائی اور قبائلی یلغار اور چپقلش سے محفوظ و مامون رہنے کے لیے یہی طریقہ اپنایا کہ چھوٹی چھوٹی سی علاقائی ریاستیں BUFFER STATES قائم کر دیں۔ جن پر عرب باجگزار سردار مقرر کر دیے اور اسطرح انہوں نے اپنی طویل و عریض جنوبی سرحدوں کو محفوظ بنالیا جب ایرانیوں نے اہل حیرہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیا تو بازنطینیوں نے بھی دمشق کے غسانیوں سے تعلقات بڑھا لیے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہنوز غسانی نیم قبائلی دور ہی میں تھے حالانکہ ان کے تعلقات یونانیوں سے استوار ہو چکے تھے اور انہوں نے عیسائیت بھی قبول کر لی تھی۔ یہ صورت حال بالکل مختلف تھی جو یہاں کے باشندگان کی ایرانی تسلط کے دوران ہوا کرتی تھی کیا اس کی وجہ دونوں سلطنتوں کی سامراجی حکمت عملی تھی ۔ یہ دونوں انتدابی اور محروس ریاستیں ہمیشہ کرائے کے فوجی ان جنگوں کے لیے فراہم کرتی تھیں جو یونانیوں اور ایرانیوں کے مابین لڑی گئیں اور یوں یہ خوامخواہ دوسروں کی خاطر قربانی کا بکرا بنتے رہے۔ ایرانی تاریخ کے حوالے سے ہم لخمیوں کا ذکر اپنے موقع پر دوبارہ کریں گے تاہم اب ہم غسانیوں کا حال احوال بیان کرتے ہیں۔

غسان

543: سن عیسوی کے آغاز ہی سے دجعم قبیلہ شام میں رہائش پذیر تھا جبکہ غسان قبیلہ یمن میں بھی خال خال تھا۔ جو مارب کے مقام پر ملکہ سبا کی سلطنت کا حصہ تھا مارب کے معروف پشتے کی

تباہی کے بعد وہاں سے چند ایک قبائل نقل مکانی کر گئے۔ ان میں غسانی بھی شامل تھے۔ خاصہ عرصہ اِدھر اُدھر سیر سپاٹے اور صحرانوردی کے بعد بالآخر وہ شام آ پہنچے۔ اس علاقے کی سرسبز زمین اور شادابی نے ان کا دل موہ لیا اور انہوں نے یہاں ہر قیمت پر مستقل رہائش کا فیصلہ کر لیا۔ ابن حبیب اس موضوع پر ہمیں خاص اہم معلومات فراہم کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ ذجعم سردار بازنطینی شہنشاہ کے نام پر ایک ڈیڑھ یا دو دینار فی کس کے حساب سے (بلحاظ آمدن) غسان مہاجرین سے سالانہ وصول کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک تو یہ سلسلہ جاری رہا اور غسانی یہ ٹیکس ادا کرتے رہے لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے یہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا اس طرح ایک جنگ چھڑ گئی جس میں ذجعم قبیلے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب شہنشاہ DAIQIYUS (متوفی 251ء) کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نئے معاہدات کیلئے فضا کو سازگار بنانا شروع کر دیا۔ اس نے غسانیوں کو پیغام بھجوائے اور ان کی حیران کن کامیابی پر اظہار مسرت کیا کہ انہوں نے بڑی آسانی سے سب سے بڑے عرب قبیلے کو پسپا کر دیا تھا اس نے انہیں ایک معاہدے کی دعوت دی اور کہا ''میں تمہیں ذجعم کی جگہ مقرر کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کسی عرب قبیلے نے دوبارہ آپ پر حملے کی جرات کی تو میں 40 ہزار رومن فوجیوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔ اور اگر ہم پر کوئی عرب قبیلہ حملہ آور ہو تو تم 20 ہزار فوجی روانہ کر دینا اور ہماری مدد کرنا بشرطیکہ تم ہمارے ایرانیوں کے ساتھ تعلقات کے معاملے میں غیر جانبدار رہو۔'' غسان قائد ثعلبہ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور شہنشاہ نے اُسے حکم شاہی عطا فرمایا۔

544: یہاں ہم ایک مختصر سا وقفہ لیتے ہیں تا کہ اس نکتے کی وضاحت کی جائے کہ دائرہ معارف اسلامیہ Encyclopedia of Islam (اول ایڈیشن۔ غسان مأرب) کے مطابق مأرب کے پشتے کی تباہی Anastase (متوفی 518ء) کے عہد حکومت میں ہوئی تا ہم Daiqiyus کے نام سے متعلق ہمارا ذریعہ معلومات مثبت ہے اور یہ کہ مذکورہ واقعہ چھٹی صدی کا نہیں بلکہ تیسری صدی میں رونما ہوا۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ مذکورہ پشتے کی مرمت تیسری صدی میں ہوئی ہو اور یہ Anastase کے دور حکومت میں دوبارہ تباہ ہو گیا ہو۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غسانیوں نے کبھی بھی غیر جانبداری کے حق پر اصرار نہیں کیا بلکہ ایرانیوں کے خلاف جنگ میں ہمیشہ انہوں نے بازنطینیوں کا ساتھ دیا: اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوا کہ بازنطینی اور ایرانی کشمکش اور

کھینچا تانی میں یہودی رعایا مشکوک رویے کی حامل رہی لیکن غسانیوں کی وفاداری آزمائش کے بدترین ادوار میں بھی شک وشبہ سے بالا رہی ان میں سے اکثریت نے عیسائیت قبول کر لی اور اس طرح بازنطینی اثر ورسوخ کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ نہ صرف فلسطین بلکہ شمالی عرب کے قبائل نے بھی ان کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا۔ شاہانہ اثر ورسوخ کا مظاہرہ معان، اذرح، جربا، ایلہ، مقنا اور دومتہ الجندل کے مقامات پر دیکھنے میں آیا اور کلب، تغلب، لخم، جذام، قائن، بلی، بہراء، قضاعہ اور بہت سے دیگر قبائل بازنطینی سلطنت کی حمایت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خلاف جنگ موتہ میں لڑے بھی تھے ان قبائل کے متعلق ہم مزید گفتگو آگے کرینگے۔ Nicephorus کے مطابق شہنشاہ 30 پونڈ سونا ہر سال ان قبائل میں تقسیم کرتا تھا تاکہ اُسے ان کی حمایت حاصل رہے۔ Theodoritas (پانچویں صدی کے پہلے نصف کا دور) ہمیں بتاتا ہے کہ رعایا شاہ روم کی کامل اطاعت کرتی تھی اور وفادار تھی تاہم ان پر رومی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا تھا مصنف یہاں اسماعیلی قبائل کا بھی ذکر کرتا ہے جو اصلاً ونسلاً عرب تھے۔

545: ان تمام قبائل میں بلاشبہ غسانی سب سے زیادہ طاقتور تھے تمام عرب ان کی قوت سے لرزاں وترساں تھا اس میں زیادہ حیرانی کی بات نہیں جب ابن سعد کے مطابق ان کی جنگی تیاریوں کی افواہ یعنی کہ گھوڑوں کی نعل سازی کی جارہی تھی نے مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی تھی حالانکہ یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک تھا۔ ضمناً یہاں یہ ذکر بھی کیا جاتا ہے کہ غسانیوں کے دربار میں عرب شعراء حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا تعلق مدینے سے تھا، حاضری دیا کرتے تھے۔

546: ساتویں صدی عیسوی کے ربع اولین کے دوران غسانی شہزادگان سیاسی قوت اور اثر ورسوخ کھو چکے تھے۔ ان کی بادشاہت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ غسانیوں نے ہرقل کا ان تمام معرکوں میں ساتھ دیا تھا اور اسکے ساتھ وفا کی تھی۔ جب 627ء میں ایرانیوں کو ہرقل کے ہاتھوں مار پڑی تو وہ شام سے کوچ کر گئے اور اپنے آبائی وطن کی جانب مراجعت کی جہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ CAETANI کے مطابق شہنشاہ نے غسانی سردار کو 629ء میں دو بار شاہی خطاب سے نوازا جو بظاہر ایک رسمی سی کارروائی تھی جس سے مراد اس حقیقت کی یقین دہانی تھی کہ اگر کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو کسی ایک سردار کی حمایت کرنا تھی تاکہ دوسرے کو زیر کیا جاسکے۔

547: نینوا میں ایرانیوں کی شکست کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے ہمسایہ بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان میں ایک بادشاہ غسانی، الحارث ابن ابی شمر بھی تھا ذیل میں اس خط کا متن درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے الحارث ابن ابی شمر کے نام

سلامتی ہو اس شخص پر جو صراط مستقیم پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہے میں تمہیں خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ تاکہ تمہاری بادشاہت قائم رہے۔

مُہر: اللہ

رسول

محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

548: مذکورہ خط کے ارسال کی تاریخ ابن سعد کے مطابق چھٹی ہجری یعنی **628**ء ہے۔ جیسا کہ اس خط سے صاف عیاں ہے کہ یہ ایک ذاتی نوعیت کا مراسلہ ہے جس میں مکتوب الیہ کے نام کے بعد کسی بھی نوعیت کا کوئی القاب درج نہ ہے ممکن ہے کہ شہنشاہ کو اس وقت کسی بغاوت کا خطرہ ہو اور اس نے یہ مناسب خیال کیا ہو کہ اپنی وفاداری اور تحفظ کی خاطر انہیں شاہی حمایت کا یقین دلایا بعدازاں الحارث نے دعوتِ اسلام کو اپنی عیسائی عزت نفس کے منافی خیال کیا اور مدینہ پر حملے کی دھمکی بھی دی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ نے اُسے مناسب مدد فراہم نہ کی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مہم جوئی کرسکتا۔

ایک اور غسانی سردار شرحبیل بن عمرو نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کر دیا جب وہ گورنر بصرہ کے نام ایک خط لے کر اسکے علاقے سے گزر رہے تھے۔ بین الاقوامی قوانین کی ایسی گستاخانہ خلاف ورزی ناقابل برداشت تھی چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے **3000** آدمیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ انتقام لینے کی غرض سے روانہ کیا: یہ واقعہ یقیناً مقامی حیثیت اور

اہمیت کا حامل ہی خیال کیا جاتا لیکن شہنشاہ نے شرحبیل کی حمایت میں تازہ کمک روانہ کر دی اس طرح یہ ایک بڑی جنگ جسے جنگ موتہ کہتے ہیں میں تبدیل ہو گئی۔ (اس کا مزید ذکر آگے آئے گا)۔ایک اور غسانی سردار جبلہ کے نام تحریر کردہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا بھی متن دستیاب نہیں ہے۔ جو دعوت اسلام کی غرض سے ارسال کیا گیا تھا۔ابن سعد اور یعقوبی نے بھی اس خط و کتابت کی کوئی تاریخ بیان نہیں کی تاہم ممکن یہ ہے کہ یہ خطوط اسی دور میں لکھے اور ارسال کیے گئے ہوں جب اس نوعیت کے دیگر خطوط تحریر کئے گئے تھے۔ان خطوط کا ان سرداروں پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔یوں گورنر بصرہ کا نام اور خط کے متن کی کوئی وضاحت دستیاب نہیں ہے جو ازدی الحارث ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر جارہے تھے کہ شرحبیل نے انہیں شہید کر ڈالا۔تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ گورنر یونانی تھا یا غسانی۔

549: غسانی سرداروں کے نام تحریر کردہ ان تمام خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان قبائل کے مابین کوئی مطابقت نہیں تھی بلکہ ان میں سیاسی اختلافات تھے ان کے قائدین آئے دن ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے۔موتہ کی انتقامی مہم 8 ہجری اور غزوہ تبوک 9 ہجری میں ہوئے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد سے مقاطعہ کر لیا جنہوں نے اپنے تئیں تبوک کی مہم میں شرکت کے لیے پیش کیا اور بعد ازاں منحرف ہو گئے اور بہانہ یہ بنایا کہ وہ کھجور کی فصل کی کٹائی میں مصروف ہیں۔ان اشخاص میں معروف شاعر کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھا۔غسانی تو گویا بازنطینیوں سے بھی بڑھ کر بازنطینی بنے ہوئے تھے۔شاہ حارث کو جب اطلاع ملی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تادیبی کاروائی کی ہے تو اُس نے ایک خفیہ خط ایک سوداگر کے ہاتھ ارسال کیا جو غلہ بردار قافلے کے ہمراہ جارہا تھا۔اس خط میں اسے دعوت دی گئی تھی کہ وہ شام آجائے اور یہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکائے جنہوں نے اس کے ساتھ مقاطعہ کیا تھا۔کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کا خط نذرِ آتش کر دیا۔ (ابن ہشام،ص 911)

550: غسان کے متعلق ایک آخری بات یہ ہے کہ 9 ہجری میں تین افراد پر مشتمل اس قبیلے کے ایک وفد نے مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا۔اس سلسلہ میں ہمارا منفرد ذریعہ ابن سعد اس سے زیادہ اور کچھ بیان نہیں کرتا۔ (ابن سعد ii/I،ص 71-2)

بازنطینی ریاست سے تعلقات

551: شمالی عرب پر براہ راست بازنطینی اثر ونفوذ اور یمن میں حبشہ کے راستے بالواسطہ تعلق کا اگر حوالہ نہ بھی دیا جائے تب بھی یہ بات قابل غور ہے کہ مکہ کے بازنطینی ریاست کے ساتھ گہرے تجارتی روابط اور سماجی تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ LAMMENS کا بیان ہے کہ رومن حکمران AELIUS GALLUS سے NERON تک سب اپنی ریاستی حدود اور سیاسی اثر ونفوذ مکہ تک پھیلانے میں کوشاں رہے۔ جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں معروف سیاح ابن قتیبہ ("معارف" ابن قتیبہ، ص 313) کا بیان ہے کہ ایک رومن شہنشاہ (غالباً Theodosius I, 379-395) نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معروف بزرگ کو مکہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے میں مدد فراہم کی تھی۔ قصیٰ کا تعلق شمالی عرب کے قضاعہ قبیلے سے تھا جو بازنطینی اثر ونفوذ قبول کر چکا تھا جس کے باعث ان حکمرانوں کو مکہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی امید پیدا ہوئی۔ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بازنطینی مکہ تعلقات کچھ عرصہ تک خاصے خوشگوار رہے ازاں بعد قصیٰ کے پوتے ہاشم 467ء میں قیصر روم سے شام اور فلسطین کے مابین مکی تجارتی قافلوں کی قیادت کا پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مزید برآں شہنشاہ نے انہیں نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی دیا تا کہ وہ انہیں اسی نوعیت کا اجازت نامہ ان قافلوں کے لیے دے دے جو حبشہ جا رہے ہوں۔

552: بازنطین قوانین کے مطابق ہتھیاروں، سونا، شراب، تیل اور چند ایک دوسری اشیاء کی عرب کو برآمد ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ اسی طرح عرب تاجروں کا چند ایک مقامات پر داخلہ بھی ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ نیز سرحدوں پر سامان اشیاء اور تاجروں کی سخت تلاشی لی جاتی تھی اور کسٹم کے قوانین سخت تھے۔ اس سلسلہ میں JUSTINIAN'S CODE جسٹینین کے قوانین لاگو تھے جن میں ان پابندیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسکی مزید وضاحت اس حقیقت سے ہوسکتی ہے کہ جسٹینین سے قبل اہل عرب جنوبی علاقے کندہ کے بادشاہ نے شہنشاہ ANASTASE پر دباؤ ڈالا کہ وہ ان کے ساتھ معاہدہ امن کرے اور ان میں سے فلسطین کا وائسرائے مقرر کرے۔

553: اس سلسلہ میں "بطریق" Batriq جو رومی طبقہ امراء کا ایک معزز فرد ہوتا ہے میں عثمان ابن الحوارث بھی شامل تھا۔ یہ ایک مکی مہم جو اور حوصلہ مند فرد تھا جو غسانی بادشاہ کو ملنے دمشق

گیا تھا اس نے عیسائیت قبول کر لی تھی اور چاہتا تھا کہ شہنشاہ اُسے مکہ کا بادشاہ بنائے۔ بادشاہ نے پہلے تو اس تجویز سے اتفاق کیا لیکن بعد میں منحرف ہو گیا اور اس نے اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا کیونکہ مکہ کے دیگر لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو یہ سیدھا تنِ تنہا قسطنطنیہ (استنبول) جا پہنچا اور شہنشاہ سے براہ راست اپنی نامزدگی کروائی کہا جاتا ہے کہ بعدازاں اسے حاسد غسانی بادشاہ نے زہر دلوا دیا جس سے وہ دمشق میں ہی فوت ہوا۔ عثمان ابن الحوارث کے مطابق قسطنطنیہ میں عربی زبان کے مترجمین پائے جاتے تھے۔ بلکہ وہاں یونانی طلباء کے لئے عرب اساتذہ بھی دستیاب تھے۔ (مزید تفصیلات کے لئے میرا مضمون " اسلام سے قبل کے مکہ کے دو عیسائی جو پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے مجلّے میں شائع ہوا (1958ء 2/VI، ص 97-103 جس میں ابن حبیب کے 'المنمق 'ص، 179 کا حوالہ شامل ہے) دیکھا جا سکتا ہے۔

554: اوائل جوانی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دو مرتبہ شام کا سفر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں ایک حدیث مبارکہ بھی منسوب کی جاتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کسٹم آفیسر کو جہنم کی وعید سنائی جو ظالمانہ سلوک روا رکھے ہوئے تھا۔ اس حدیث مبارکہ سے بازنطینی سرحدوں پر مسافروں کے ساتھ ہونے والے سلوک کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازنطینی ریاست کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے جس کا قرآن میں بھی علی الاعلان ذکر آیا ہے خصوصاً اس موقع پر جب انہوں نے ایرانیوں سے شکست کھائی تو انہیں حالات کی تبدیلی کی پیش گوئی کا مژدہ بھی سنایا گیا جو اگلے دس برسوں میں ظہور پذیر بھی ہوا۔ حقیقتاً یہ حالات کی تبدیلی نینوا کی جنگ ہی میں ظہور پذیر ہوئی۔ چند ماہ کے بعد صلح حدیبیہ ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک خطوط بادشاہوں کے نام تحریر کروائے۔ ان میں سے ایک خط ہرقل کے نام بھی تھا جس کا متن حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے رئیس اعظیم روم کے نام

سلامتی ہو اس پر جو صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ میں تمہیں اسلام کی پکار کی جانب آنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو، تم محفوظ و مامون ہو جاؤ گے۔ جس کا تمہیں اللہ دوہرا اجر

دے گا۔لیکن اگر تم اس دعوت سے منہ موڑتے ہو تو تمہاری رعایا کے جرائم تمہارے ہوں گے۔

''اے اہل کتاب ! ایک مشترکہ حکم (قاعدہ) جو تمہارے اور ہمارے مابین ہے، کی جانب آ ؤ۔ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ اگر وہ پھر جائیں یعنی روگردانی کریں: تو گواہ رہنا کہ حقیقتاً ہم ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے اطاعت گزار ہیں۔''

مُہر اللہ

رسول

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

555: اس خط کے سفیر حضرت دحیہ الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ اسے فلسطین میں بصرہ کے گورنر تک پہنچائے، تا کہ وہ یہ خط شہنشاہ تک پہنچائے جو بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ہرکارے کو سفیر نبوت ہونے کے حوالے سے مکمل ادب واحترام دیا گیا لیکن یہ مشن کوئی خاص مقصد حاصل نہ کر سکا جس کا ذکر سوائے زونارس ZONARAS کے کسی بھی سوانح نگار یا تاریخ دان نے نہیں کیا:

یہاں ضمناً اس امر پر غور کیا جانا چاہیے کہ ابن جوزی کے مطابق (''وفا'' ص۔ 226-07) جب بیت المقدس میں اس سفیر کی ھرقل سے ملاقات ہوئی تو اس نے ایک رات اسے تنہا ایک نجی ملاقات کی دعوت دی اور اسے چند ایک مجسمے دکھلائے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفیر نے فوراً پہچان لیا کہ ان میں سے ایک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان کھڑے دکھایا گیا تھا۔ اس سے ھرقل فطری طور پر بہت متاثر ہوا۔ پھر اس نے سفیر سے قسم دے کر پوچھا کہ آیا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور پھر بولا۔ میری رعایا میرے عیسائیت ترک کرنے پر مشتعل ہو جائے گی ورنہ میں اسی وقت اسلام قبول کر لیتا (یہ بات خواہ درست ہی کیوں نہ ہو، ہم اس واقعہ کو چنداں اہمیت نہیں دے سکتے کیونکہ اسلام کا دارومدار اس کی تعلیمات پر ہے نہ کہ اس نوع کی پیشین گوئیوں پر)

556: سیاسی اور مذہبی معاملات کے حوالوں سے اس وقت بازنطینی سلطنت سخت ترین

مشکلات کا شکار تھی۔ ہم عصر یونانی تاریخ دانوں کی عدم موجودگی کے باعث ہمیں لامحالہ عرب روایات اور بیانات پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ابن سعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور نامہ مبارک کا ذکر کرتا ہے جو کہ ایک مذہبی عالم کے نام کھلوایا گیا جس کا متن حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضغاطر پادری کے نام

''اس شخص پر سلامتی ہو جو اللہ پر یقین رکھتا ہے۔ جان لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم روح اللہ ہیں اور اس کا حکم ہیں جو اس نے حضرت مریمؑ کی طرف بھیجا۔ جو پاک باز تھیں جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اللہ پر یقین رکھتا ہوں، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور قبائل کو مانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں جو کچھ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور دیگر پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور ہم اس کی ہی اطاعت کرتے ہیں اس لیے اس کے واسطے امن وسلامتی ہے۔ جو سیدھی راہ اختیار کرتا ہے۔''

557: طبری (ا، 1567) کا بیان ہے کہ جب مذکورہ پادری نے اس خط پر اپنی رائے کا شہنشاہ کے روبرو اظہار کیا تو پورا مجمع اس قدر مشتعل ہوا کہ اس نے اسے لاتوں اور مکوں سے مارنا شروع کر دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس سے گویا یونانی اور شامی گرجوں کے مابین مذہبی چپقلش اور مناقشات کا اظہار ہوتا ہے یعنی **Monophysites** اور **Monothelites** کے مابین تضاد فکر وعقیدہ غالباً یعقوبی (جو بہت سوں کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے) ہی وہ واحد شخص ہے جو یہ واقعہ بیان کرتا ہے اور ھرقل کے زبانی جواب کا ذکر کرتا ہے کہ اس نے افسوس کا اظہار کیا کہ اپنے عوام اور رعایا کی دشمنی کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ اس موقع پر ہمارا سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ بخاری (1:6) بیان کرتا ہے کہ شہنشاہ اس اچانک دعوت پر بھونچکا رہ گیا۔ اور اس نے مکی تجار کو بلا بھیجا جو اس وقت بازنطینی ریاست میں خاصی تعداد میں موجود تھے۔ یہ دراصل صلح حدیبیہ کا نتیجہ ہی تھا کہ اس موقع پر ابوسفیان نے گفتگو کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق انہیں معلومات فراہم کیں اور اسے یہ

جان کر حیرت ہوئی کہ بازنطینی ریاست پہلے ہی سے اسلام سے خوفزدہ تھی۔

558: شہنشاہ کے اس سفارتی انکار سے بے اعتنائی برتتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے کم اہمیت کے حامل ان بازنطینی سرداران سے رابطہ فرمایا جو عربی النسل تھے۔اس سلسلہ میں قبل ازیں ہم غسان کا ذکر کر چکے ہیں۔دراصل موتہ کی انتقامی مہم بھی ایک مسلم سفیر کی شہادت کا بدلہ تھی جو ایسے ہی ایک سردار کے ہاتھوں سرزد ہوئی تھی۔اس طرح تین ہزار مسلمانوں کو ایک لاکھ نفری پر مشتمل فوج کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ایرانیوں کے مقابلے کے لیے بازنطینی ریاست نے جو افواج جمع کی تھیں انہیں ہنوز سبکدوش نہیں کیا گیا تھا اور شہنشاہ نے کسی اور جگہ بھی ایک لاکھ فوجیوں کا انتظام کیا ہوا تھا تاکہ وہ بوقت ضرورت غسانیوں کے تحفظ کے لیے پہنچ سکیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے چھوٹے سے فوجی دستے نے اس سلسلہ میں مدینہ سے اجازت لینا بھی مناسب نہ سمجھا اور وہ جنگ میں کود پڑا۔اس دستے کے کمانڈر زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک زبردست حملہ کیا اور وہ شہید ہو گئے۔ان کے بعد دیگر دو کمانڈر بھی مارے گئے ان میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری بھی شامل تھے تاہم مسلمانوں نے حوصلہ نہ ہارا اور فوراً ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سیف اللہ) کو کمانڈر چن لیا۔انہوں نے فوج کی تنظیم نو کی اور ایک کرائے کا دشمن فوجی مالک ابن زافلہ البلوی کو قتل کر ڈالا کچھ مال غنیمت لوٹا اور واپس مدینہ آ گئے اور دشمن کو آپ کے تعاقب کی جرأت تک نہ ہوئی۔یہاں ابن عساکر ("تاریخ دمشق"، ا،394) کچھ تازہ کمک کا بھی ذکر کرتا ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بحری راستے سے موتہ روانہ فرمائی تھی۔شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کمانڈر کی شہادت کی خبر سن لی تھی اور واپسی کا حکم جاری فرمایا تھا۔ اس امکان کی تصدیق درج ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے۔

"اور جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت زید بن حارثہ کی شہادت کی خبر حضرت جبرائیل امین کے مبارک کے ذریعے پہنچی یا کسی فوجی نے پہنچائی ----" (قسطلانی "شرح البخاری" 383/6 نے اس میں یہ اضافہ فرمایا کہ موسیٰ ابن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق متعلقہ شخص یعلی ابن امیہ تھا جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے "تم مجھے بتانا چاہتے ہو یا میں تمہیں بتاؤں" دونوں میں سے کونسا واقعہ حقیقتاً وقوع پذیر ہوا؟

559: اس واقعہ کے فوری بعد عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ 300 آدمیوں کا ایک لشکر لے کر بلی قبیلے کے علاقے جا پہنچے۔ یہ وہ سرزمین تھی جس سے مالک ابن زالفہ کا تعلق تھا اور جس سے مسلمان کمانڈر عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دادی کا شجرہ نسب ملتا تھا۔ ممکن ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلے سے مصالحت کے لئے کوشاں ہوں۔ اس دوران عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید کمک کا مطالبہ کیا جو انہیں بھیج دی گئی جس میں تقریباً 200 جوان شامل تھے ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عظیم ہستیاں بھی شامل تھیں۔ تاہم ہمارے ذرائع اس سلسلے میں خاموش ہیں کہ آگے کیا ہوا!

560: ابھی چند ماہ ہی گزرے ہونگے کہ یہ پریشان کن خبر مدینہ پہنچی کہ غسان (بازنطینی) جنگ کی زور شور سے تیاریاں کر رہے ہیں: گزشتہ سال کی نسبت ابتک بہت کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔ نہ صرف مکہ اور طائف بلکہ خلیج فارس کے دور افتادہ علاقے بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ اس فرق کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مرتبہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم 30,000 جانثاروں کی نفری کی سربراہی کرتے ہوئے روانہ ہوئے جو کہ 3000 سے کہیں زیادہ تھی جو پہلی مرتبہ موتہ کی مہم پر روانی کی گئی تھی۔ موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شمال کی جانب رختِ سفر باندھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازخود جنگ نہیں چاہتے تھے تاہم ہر قسم کے خطرات کے مقابلے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تیار تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بلی اور دیگر قضاعی قبائل آباد تھے۔ یہاں ہم ان تیاریوں کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے کی تھیں۔

561: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف معمول، بجائے منزل مقصود کے اخفاء کے اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فوجی کو بازنطینیوں سے جنگ کرنے کے ارادے سے آگاہ فرمادیا اور اس طرح بلاشبہ عرب کے بدؤں پر اسکا ایک نفسیاتی اثر ہوا۔ ان کے ذہن یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی بڑی قوت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹکر لیں گے۔ بلکہ اہل مدینہ کا خیال تھا کہ کچھ لوگ اس احمقانہ مہم جوئی میں حصہ نہیں لیں گے۔ دراصل یہی لوگ منافق تھے۔ کچھ امیر لوگوں نے فصل کی کٹائی کا بہانہ بنایا اور فوج سے الگ ہو گئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مہم سے واپس

تشریف لائے تو سزا کے طور پر ان لوگوں کو اپنے (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم) سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ بندش چند ہفتے جاری بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا اور بندش اٹھالی۔ (ان لوگوں میں کعب ابن مالک بھی شامل تھا جسے شہنشاہ نے دعوت دی تھی کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دے اور شام چلا جائے۔) ان دنوں چند رضا کار و جانثار ایسے بھی تھے کہ جن کے پاس بار برداری اور نقل وحمل کیلئے کوئی ذرائع میسر نہ تھے۔ جبکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اس نوعیت کی پیش کش کر سکتا اس موقعہ پر وہ لوگ بڑے افسردہ ہوئے اور بعض نے تو رونا شروع کر دیا۔ ان کے شوق وخلوص کو دیکھتے ہوئے وہاں موجود کچھ لوگوں نے ان کے لئے سواری کے انتظامات کر دیئے۔ اسوقت ہی سے اس قبیلے کا نام بنوالبکاء (رونے والوں کا قبیلہ) پڑ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بعدازاں تیسرے خلیفہ بنے) نے ایک تہائی فوج کی ضروریات کا سامان بہم پہنچایا یعنی تقریباً 10 ہزار جوانوں کی ضروریات کا انتظام کیا۔ علاوہ ازیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگی اخراجات کے لئے ایک ہزار سونے کے دینار بھی پیش کئے فطری طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جانب سے خاصا اہم حصہ پیش کیا اور جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا ''دنیا میں جو کچھ میرے پاس تھا اس میں سے نصف لے آیا ہوں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف چار ہزار درہم کا حصہ ملایا۔ لیکن جب انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت چھوڑ آیا ہوں تو وہاں موجود تمام لوگوں میں تعجب اور خوشی کی اک لہر دوڑ گئی۔

ان رضا کارانہ عطیات کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومتی گورنرز اور اہلکاروں سے کہا کہ سرکاری خزانے میں جو کچھ بھی ہے وہ پیش کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں خلیج فارس کے علاقے کی سرکاری دستاویزات ہمیں خاص اہم معلومات فراہم کرتی ہیں امراء سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس سال کی زکوٰۃ پیشگی ادا کریں گے۔

(ابویعلیٰ بحوالہ ابن حجر، ''مطالب''، نمبر 827)

562: اس سفر کے متعلق ہمارا ذریعہ ان اونٹوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو گرد باد میں گھر گئے اور

ایک مسلمان فوجی بھی اسکا شکار ہو گیا جسے اس تیز رفتار گردبار نے ایک پہاڑ پر دے مارا جو قبیلہ طے کی سرزمین پر واقع تھا۔ اس مشکل وقت میں پانی تک دستیاب نہ تھا اور چاروں جانب لق و دق صحرا تھا تاہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوئی۔ یہ ذریعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی کوشش کا بھی ذکر کرتا ہے۔ مسلم (77/2) ابوداؤد (60/1) ترمذی (29/22) کے مطابق اس موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بازنطینی چوغہ ''جبہ رومیہ'' زیب تن فرمایا ہوا تھا جس کی آستین تنگ تھیں (شاید کہ فوجی وردی ہوا) امام بن الجوزی (''وفا''۔ص 546) میں ایک کہانی بیان کرتے ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں، نے ہمیں ایک چوغہ دکھایا جس میں بٹن لگے ہوئے تھے جو ریشم دیباج کا تھا اور بتایا کہ ''حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے سامنے یہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔'' سمہودی کے مطابق (دوسرا ایڈیشن، ص 1029) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک اور مدینہ کے درمیان تقریباً 16 مساجد تعمیر کرائیں۔ (بلاشبہ یہ مساجد صرف احاطوں یعنی چار دیواریوں پر ہی مشتمل ہوں گی شاید روزانہ کی ایک مسجد کہ دوران سفر جہاں روزانہ کیمپ لگایا جاتا تھا)۔

563: تبوک پہنچ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ھرقل کو دوبارہ ایک خط ارسال کیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء یہ تھی کہ وہ کم ازکم ان لوگوں کے ساتھ بدسلوکی اور سخت گیری کا رویہ اختیار نہ کرے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو چکے تھے: خط کا متن حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ھرقل شاہ روم کے نام'' میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر تم اسے قبول کرو گے تو وہی حقوق حاصل کرو گے جو مسلمانوں کو میسر ہیں اور فرائض بھی وہی ہونگے جو ان کے ہیں۔ اور اگر تم اسلام کی دعوت قبول نہیں کرو گے تو تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ''لڑو ان کے خلاف جو نہ خدا پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی روز قیامت پر اور نہ ہی وہ اپنے لئے اسے ممنوع قرار دیتے ہیں جسے اللہ

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔اور ان کے خلاف بھی جو اہل کتاب ہیں لیکن انہوں نے سچا مذہب اختیار نہ کیا، ان کے خلاف لڑو حتیٰ کہ وہ خود جزیہ ادا کریں اور زیر ہو جائیں'' وگرنہ اپنے تیئں اسلام اور کسانوں کے معاملات میں مت الجھاؤ تا کہ وہ برضا ورغبت یا اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔''

564: اسوقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہ اسلامی حکومت کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔اس سلسلہ میں اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تحفتاً سونے کی اشرفیاں (دینار) ارسال کیں لیکن یہاں سفیر کے قتل کا معاوضہ یا اسکی تلافی کا سوال نہ تھا اور نہ ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مثبت تجاویز کا جواب مطلوب تھا۔بدیں وجہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دینار کو سفارتی تحفہ نہ سمجھا بلکہ ایسا مال غنیمت جانا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ابن حنبل (ابو عبید "اموال"، 05/623) (مسند ابن حنبل III، 441 - IV،2 - 74 - 5) نے بازنطینی سفیر سے متعلق معلومات کو محفوظ کیا۔جس کا انتخاب شہنشاہ نے عربوں میں سے کیا تھا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تبوک میں ملاقات کر چکے تھے۔ہمارے ذرائع کے مطابق حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ سفیر آخری عمر میں جب وہ اپنے مشن اور مقصد کی کہانی بیان کرتا ہے تو سٹھیا چکا تھا۔جسکی وجہ سے اس کی بیان کردہ کہانی پر مکمل طور پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

565: تبوک کیمپ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف عالم میں جنگی دستے بھیجے اور مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر مشتمل وفود تبوک پہنچ رہے تھے تا کہ وہ اپنی اطاعت گزاری کا اسلامی حکومت کو یقین دلا سکیں۔مشرقی سمت سے دومتہ الجندل، مغرب کی جانب سے مقنا جبکہ شمال سے ایلہ، جربا اور اذرح (فلسطین) کے وفود تبوک پہنچے۔ہم دومتہ الجندل کا ذکر بعد ازاں کریں گے اور مقنا کے یہودیوں کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

566: خلیج عقبہ کا مقام ایلہ معاشی اور جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے بے انتہا اہمیت کا حامل رہا تھا۔یہاں پر پادری پیٹر Peter کی موجودگی کے باعث اس مقام کی مذہبی اہمیت بھی تھی جو کہ Nicea کی کونسل کا ممبر تھا۔ایک مسلمان ایلچی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر ایک عیسائی پادری ماریوحنا Mar yuhanna جو عربی النسل تھا کے پاس گیا تھا۔اس خط میں

اس سے اسلام قبول کرنے یا جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ بصورت دیگر اسمیں دھمکی آمیز انداز میں تنبیہ کی گئی تھی کہ "اگر تم میرے سفیر کو بغیر مطمئن کیے واپس بھیجو گے تو تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا اور اسکا نتیجہ سوائے جنگ کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور تب میں تمہارے بچوں کو غلام بنالونگا اور تمہارے جوانوں کو تہس نہس کر ڈالوں گا۔ اس لئے کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں (عہد نامہ قدیم کی کتاب پنجم، xx, 13-14) میں اللہ اور اسکی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی طرح اسکے پیغمبروں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم پر بھی جو اللہ کا حکم اور خدا کے پیغمبر تھے۔ لہذا اسلام قبول کرو پیشتر اسکے کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔" یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد نامہ قدیم کی کتاب پنجم (xx, 13-14) کا حوالہ دیا جس میں پیغمبروں کے ایسے رویئے کا ذکر ہے جو انہوں نے ایسے موقعوں پر اپنے دشمنوں کے خلاف روا رکھا۔ جو بچوں کو غلام بناتے اور نوجوانوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اس خط میں یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ اطاعت قبول کر لینے کی صورت میں انہیں بیرونی حملہ آوروں سے مکمل تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

ماریوحنا نے تبوک آنے کا وعدہ کیا جہاں اُس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدہ بھی کیا۔ اس معاہدے کی رو سے گویا اسلامی حکومت پابند ہو چکی تھی کہ وہ ایلہ کے لوگوں کے تجارتی قافلوں اور بحری جہازوں کو بھی مکمل تحفظ فراہم کرے۔ جو لوگ ان کے ہمراہ ہوں ان کے ساتھ بھی تعرض نہ کیا جائے گا خواہ ان کی راہ اور منزل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ انسانوں کے قتل کے متعلق قوانین کا اس معاہدے میں ذکر کیا گیا تھا۔ پادری نے 300 دینار سالانہ جزیہ دینے کا ذمہ بھی اُٹھایا (ابن سعد، I/ii، ص 37)، (اسکا مطلب یہ تھا کہ اسکے شہر میں 300 بالغ افراد موجود ہیں) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ کے سفیر کو خلعت اعزاز بھی عطا فرمایا یہ خلعت تقریباً ایک صدی تک محفوظ رہا۔ بعد ازاں اسے عباسی حکومت میں واپس لایا گیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار نشانی کے طور پر رکھا گیا۔

(ابن عساکر "تاریخ دمشق" I، 422)

567: جربا اور اذرح دو گاؤں ایسے تھے جو ایلہ کے پادری کے زیر نگیں تھے ہمارے ذرائع کے مطابق ان کے نمائندوں نے یوحنا کی ہمراہی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت (ملاقات) کیلئے آنا تھا (المقریزی "خطاط" I، 467) اذرح جغرافیہ دانوں کے

خیال میں معان سے ذرا دور فلسطین میں واقع تھا جس سے یہ حقیقت صاف عیاں ہے کہ غزوہ تبوک کے بعد مسلم اثر ورسوخ کس قدر وسعت پذیر ہو چکا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو گاؤں کے ساتھ جو دو معاہدات کیے ان کے نتیجے میں جزیہ کی رقم 100 دینار فی کس سالانہ مقرر ہوئی تھی۔

568: اس سلسلہ میں یوحنا کو دیے گئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے الٹی میٹم (اعلانِ جنگ) میں ایک نکتہ قابل غور ہے۔ یعنی یہ کہ "مقنا کے باشندگان کو ان کی سرزمین پر واپس بھیج دیا جائے" یہ بات خط کے آخر میں لکھی گئی تھی۔ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایلہ کے عیسائیوں نے مقنا کے ملک پر قبضہ کر لیا تھا جو خلیج عقبہ میں انتہائی جنوبی سمت میں واقع تھا۔ اور یہ کہ اسکے یہودی باشندگان کو شہنشاہ ھرقل کے حکم پر واپس بھیج دیا گیا جسکے تحت مقنا کے جلاوطن لوگوں کو اسلامی مملکت کا تحفظ حاصل ہو گیا اور یہی بات مذکورہ الٹی میٹم کے اجراء کا سبب بنی؟ تاہم یاد رہے کہ یہودیوں پر ایرانی حملہ آوروں کی حمایت کا الزام ہے جس کے باعث ان پر بازنطینی ریاستی حکام نے شامی فلسطین میں ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑ ڈالے۔

569: تبوک ہی وہ مقام ہے جہاں سعد ہذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا اور غالبًا اسلامی لشکر کی مدد کی بدولت اپنے دشمنوں پر غالب آگئے ازاں بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے سے کوچ فرمایا (مقریزی II-471)

570: تبوک میں چند ہفتوں کے قیام کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ ہنوز یہ واضح نہیں ہو سکا کہ بازنطینی حکومت نے آخر کس مصلحت کی بنا پر ایلہ، اذرح اور دومتہ الجندل کو جو کہ اکیدر قیصر کے زیر نگیں علاقے تھے بلا مزاحمت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں اس طرح چلے جانے کی اجازت دی؟

571: مقریزی (مقریزی I-461؛ کتانی "تراتیب" I، 162-3) بیان کرتا ہے کہ تبوک کے مقام پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پنیر جو کہ ایک ایرانی کھانا تھا تیار کر کے پیش کیا گیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند فرمایا چونکہ ان دنوں یہ کھانا مدینہ میں دستیاب نہیں تھا۔ یہ جاننا مشکل ہے کہ یہ کس طرح تیار کیا گیا تھا۔

572: یہ رجب 9 ہجری کا زمانہ تھا۔ اسلام کی نوزائیدہ ریاست اور نیا مذہب مضبوط اور

طاقتور ہو چکے تھے اور قبائل کے درجنوں وفود خصوصاً یمن سے مدینہ کھنچے چلے آ رہے تھے گویا یہ سب اپنی قبولیت اسلام کی تصدیق کر رہے تھے۔ تاہم غسان کے ملک میں اسلامی سفیر کی شہادت کے ذمہ داروں کو ہنوز سزا دینا باقی تھا۔ اس پر مستزاد یہ امر بھی تھا کہ شہنشاہ نے معان یا (عمان) کے گورنر فروہ جذامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھانسی کا حکم جاری کر دیا جسکی واحد وجہ اس کا اسلام قبول کرنا تھی۔ (ابن سعد۔ ii/I۔ ص۔ 31۔ ابن ہشام۔ ص 958) اسی بناء پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محض چند ماہ بعد ہی موتہ کے علاقے کو ایک اور مہم روانہ کرنے کا فیصلہ فرمایا جس کا کمانڈر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا جن کے والد زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی موتہ مہم کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی متبرک اور بزرگ ہستیوں نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دراصل ایک نو آزاد غلام کے صاحبزادے تھے جن کو کمانڈر مقرر کیے جانے پر کچھ چہ میگوئیاں بھی ہوئیں تاہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرما دیا کہ اسلام صرف اور صرف ذاتی میرٹ (خوبیاں۔ امتیازی وصف) ہی کو تسلیم کرتا ہے۔ بد قسمتی سے یہ مہم ہنوز روانہ نہ ہوئی تھی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ازاں بعد پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً اس مہم کو روانہ کیا جس نے ابنا (یا ابل) کے علاقے کو نذر آتش کر ڈالا اور 70 روز قیام کے بعد یہ مہم کامیاب و کامران وطن لوٹی۔ چونکہ اسکے بعد کے واقعات ہمارے موضوع کا حصہ نہیں تاہم یہی مہم عرب فتوحات کا نکتہ آغاز ثابت ہوئی جو خلافت کے ادوار میں ہوئیں۔

573: اس طرح گویا بازنطینی ریاست کے ساتھ اسلامی ریاست (یا اسلام) کے تعلقات پر امن اور ہمدردانہ رویوں سے شروع ہوئے (القرآن، سورۃ 30، روم)۔ لیکن ایک اسلامی سفیر کے قتل کے سانحے کے نتیجے کے طور پر ان تعلقات کی خوشگواریت میں جو دراڑیں پڑ گئیں تھیں انکی بازگشت 14 صدیوں سے متواتر سنی جا رہی ہے اور جس کے گہرے اور دوررس نتائج نکلے۔

باب 32

ہرقل کے نام اصل خط

574: ہمارے سامنے وہ حالات تھے جن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی صدی ہجری کے آواخر میں ھرقل کے نام ایک خط تحریر کرایا تھا۔

575: مستشرقین میں Goldziher (Kultur det Gegenwant, die Orientalischen Religionen, 1906, P. 94) وہ واحد شخص ہے جس کے مطابق اسلامی تفصیلات میں نا قابل یقین کوئی چیز نہیں۔

576: Buhl کے نزدیک مذکورہ تفصیلات فرضی اور من گھڑت داستانیں ہیں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اسلامی رپورٹس کے مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں (ایلچی) حیران کن انداز میں ان ممالک کی زبانیں جانتے تھے جہاں انہیں بھیجا جاتا تھا۔ یہ انداز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کا سرقہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ڈنمارک کا ایک سوانح نگار ابن سعد کی ایک ادھوری عبارت کا حوالہ دیتا ہے۔ (ابن سعد ii/I، ص 15) جو اسے کٹی پھٹی حالت میں ملی تھی۔ تاہم پورا بیان کچھ اس طرح ہے (ابن سعد ii/I، ص 19۔ ابن ہشام، ص 971، طبری، I، 1560، ابن عبد الحکم ص 45) ''حقیقت یہ ہے کہ ایک دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ممالک کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے پاس سفیر روانہ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ ماتقدم کے طور پر انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی داستان سنائی۔ جس میں ان کے اس ذمہ داری کو اٹھانے میں ہچکچاہٹ اور تامل کا ذکر کیا گیا تھا اور وہ حیران کن انداز بیان کیا گیا تھا جس کے ذریعے انہوں نے غیر ملکی زبانیں سیکھی تھیں۔ ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایلچیوں کا انتخاب فرمایا۔ ہر ملک کے لیے احتیاطاً اس شخص کو چنا جو اس علاقے کی زبان سمجھتا اور

اس ملک سے واقفیت رکھتا تھا۔ دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک بصرہ کے گورنر (فلسطین میں جنوبی دمشق) کے ہاتھ میں تھمائیں گے اور اتفاق ایسا ہوا کہ شہنشاہ ان دنوں بیت المقدس کے دورے پر گیا ہوا تھا جہاں اس نے ذاتی طور پر اس سفیر کا استقبال کیا:

577: اس سلسلہ میں Caetani کے اعتراضات قدرے عالمانہ معلوم ہوتے ہیں: وہ کہتا ہے۔

578: ذرائع کے مطابق اس وفد کی روانگی کا وقت (عرصہ) چھٹی ہجری کے ''آخر'' کا زمانہ تھا اور یہی ذریعہ مزید کہتا ہے کہ اسی سال کے ''وسط'' میں اس وفد کو واپسی سفر کے دوران کچھ عرب قبائل نے لوٹ لیا۔ یہ تضاد بیانی ہے یعنی واقعہ کو غلط وقت سے منسوب کیا جارہا ہے۔ تاہم ہر تاریخ دان اس حقیقت سے متفق ہے کہ سفیر کی روانگی سن چھ ہجری اور ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئی تھی۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ کچھ تاریخ دان اسے محرم سات ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہیں لیکن واقدی کے مطابق دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامان کی لوٹ کی واردات اور ازاں بعد اس کی واپسی کا واقعہ سن چھ ہجری کے آخری چھ ماہ کے دوران کا ہے (ابن سعد i/II ص 63۔ بلاذری ''انساب'' ج اول ص 790) جہاں وہ ذکر کرتا ہے کہ ذرائع کے مطابق حسما کی مہم 7 ہجری کا واقعہ ہے چھٹی ہجری میں زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مہموں کی قیادت کی تھی۔ جو سب کی سب عرب کے شمالی علاقوں کو روانہ کی گئی تھیں۔ شاید الجھن اور مغالطے کا سبب یہی بات ہے۔ اسے یہ مغالطہ کیوں ہوا یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ غالباً اہل مکہ کے عرب کیلنڈر سے واقف نہ تھا جو سن ہجری (حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت) سے شروع ہوتا تھا جس کے باعث چھٹی ہجری میں دو ماہ کا فرق پڑ گیا تھا۔ مزید برآں ایک دقت یہ بھی ہے کہ واقدی کبھی تو واقعات کو سن ہجری کے حوالے سے بیان کرتا ہے اور کبھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے حوالے سے بتاتا ہے۔ اس طرح گویا تین سے چار ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے اور یوں وہ ہجرت اور ہجری کے فرق میں تمیز نہیں کر سکا۔ جس کے باعث واقعات کو غلط تاریخوں سے منسوب کر دیا گیا۔ واقدی کی اس سہو کی زہینی دہکلان اور دیگر تاریخ نگاروں نے بھی نشاندہی کی ہے۔ یہ بیان دیگر کئی ذرائع سے بھی معلوم ہوا ہے تاہم محض واقعات کو غلط تاریخ سے منسوب کرنے کو ہم

پوری کہانی ہی کو مسترد کرنے کا معقول جواز تسلیم نہیں کرتے۔ جہاں تک ''سفر واپسی'' کے کلمات کا تعلق ہے تو ابن اسحٰق اسے ''جذام'' کچھ افراد سے منسوب کرتا ہے اور اس کے درست ہونے یا نہ ہونے کے متعلق خاموش ہے۔ ممکن ہے کہ داستان گو کو یہ معلوم نہ ہو کہ مذکورہ سفیر منزل کی جانب سفر پر تھا یا واپسی کے سفر پر، ممکن ہے کہ ''یورد قیصر'' کے الفاظ (شہنشاہ کی جانب روانگی) ''من عند قیصر'' (قیصر کی طرف سے واپسی'' سہواً پڑھے گئے ہوں۔ کیونکہ عربی خط (خطاطی) میں ان دونوں الفاظ کے درمیان بمشکل ہی کوئی فرق ہے۔ تاہم ہمارے لیے آخری مفروضہ قدرے قابل ترجیح ہے کیونکہ مطبوعہ اقتباس کچھ زیادہ قابل فہم نہیں ہے۔ ذرا متن اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

" من عند قیصر صاحب الروم حن بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(شہنشاہ کے ملک سے واپس آ رہا تھا، جو روم کا آقا (سردار) ہے جبکہ اسے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھیجا تھا) لیکن سیاق وسباق کے حوالے سے ''شہنشاہ کے ملک کو جا رہا تھا'' زیادہ مناسب ہے، ''من عند'' کا کلمہ (شہنشاہ کے ہاں سے واپسی) بھی مذکورہ متن میں درج ہے جو غالباً وثیقہ نویس کی غلطی ہو۔ اب ذرا اس دلچسپ تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں:

ابن اسحاق کے مطابق ''وہ سامان جو لوٹا گیا وہ دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تجارتی سامان تھا'' جب کہ واقدی نے اسے ''شہنشاہ کے تحائف'' قرار دیا۔ واقعہ خواہ کچھ ہی ہو، کم از کم اس بات سے سب تاریخ دان اتفاق کرتے ہیں کہ علاقے بھر کے وہ قبائل جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کی مدد کو دوڑے اور لوٹا ہوا سامان واپس دلوایا اور وہ بڑے غصے میں بھرے مدینہ پہنچے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تادیبی مہم زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ (مسعودی ''تنبیہ'' ص 218، ازرقی ص 125-29 ابن ہشام ص 975-76)

واقدی کا بیان ہے کہ دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مہم کے ہمراہ گئے (ممکن ہے اپنے تجارتی سامان کی شناخت کے لیے) نیز 'حسما' وہ جگہ ہے جہاں دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سامان لوٹا گیا تھا: یہ جگہ مدینہ سے 8 دن کی مسافت پر واقع ہے لیکن اس علاقے کے لوگوں نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتقامی کارروائیوں کی شکایت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جو وفد روانہ کیا وہ محض تین راتوں ہی میں مدینہ پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاملات سلجھانے کے لیے روانہ فرمایا

ازاں بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سن سات ہجری کے پہلے مہینے (محرم) کے اختتام پر خیبر روانہ ہو گئے۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الاول (پانچویں مہینے) میں خیبر تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال ان ہر دو صورتوں میں زید بن حارث رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خیبر روانگی سے قبل مدینہ پہنچنے کا کافی وقت تھا اور اس طرح ان دونوں حضرات نے خیبر کی مہم میں حصہ لیا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر سے شام روانہ ہو گئے تا کہ اپنی سفارتی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔

579: حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المقدس میں شہنشاہ سے ملے۔ جہاں وہ متبرک صلیب کی فاتحانہ واپسی کے موقع پر پہنچا ہوا تھا۔ یہ واقعہ 629ء کا ہے (یعنی ساتویں سن ہجری کے اختتام نہ کہ ساتویں ہجری کے آغاز کا جیسا کہ اکثر مسلم تاریخ دان بیان کرتے ہیں'' تاہم یہ اعتراض بے وزن ہے کیونکہ عربی بیانات اور تفصیلات اس ملاقات کی تاریخ بیان نہیں کرتے بلکہ وفد کی روانگی کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پڑھا ہے کہ خیبر کی مہم جس میں حضرت دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذاتی طور پر شرکت کی تھی ساتویں ہجری کے پہلے مہینے کے اختتام پر ہوئی تھی۔ (واقدی کے مطابق جمادی الاول سات ہجری میں) ازاں بعد حضرت دیحہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ روانہ ہونا تھا تا کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک گورنر کو پیش کر سکیں۔ جس نے یہ مکتوب مبارک ''امیسا'' کے مقام پر شہنشاہ کے حوالے کرنا تھا جو مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے بیت المقدس کے راستے پر تھا۔ (بخاری 6:1) Theophane (817-750) کے مطابق (اس کے متعلق گرینڈ انسائیکلو پیڈیا کہتی ہے کہ وہ معقول غیر جانبداری، ناقدانہ پرکھ اور اعلیٰ فکری صلاحیتوں سے عاری تھا) شہنشاہ بیت المقدس چلا گیا اور یہ زمانہ موسم بہار 628ء کا تھا (ساتویں ہجری کا اختتام) جب کہ شہنشاہ Irene کے پرائیویٹ سیکریٹری Nicephorus (829-758) کے مطابق شہنشاہ ستمبر 628ء میں (یعنی ساتویں ہجری، جمادی الاول) بیت المقدس گیا تھا۔ مذہبی تاریخ دانوں کے مطابق شہنشاہ نے ''وجد صلیب'' کی ضیافت میں شرکت کی اور یہ 14 ستمبر 628ء کا واقعہ ہے یا بہار 629ء کا تاہم اس سے اسلامی سفیر کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ ان دنوں کارروانوں کے ساتھ جانے والے

مسافر راتوں رات واپس نہیں آسکتے تھے اور غالب امکان یہ ہے کہ گورنر بصرہ نے یقیناً مذکورہ ایلچی کو اپنے ہاں قیام اور انتظار کی دعوت دی ہوگی کیونکہ اس کے خیال میں شہنشاہ بیت المقدس پہنچنے ہی والے تھے۔

580: یہ کہانی ابن ہشام کی اختراع ہے کیونکہ موصوف اپنی کہانی میں ابن اسحاق کے نام کا ذکر نہیں کرتا، جو سفیر کی روانگی سے متعلق ہے لیکن ابن ہشام کی عبارت (سیاق وسباق سمیت) کے بغور مطالعہ سے یہ صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس نے گو کہ پیراگراف کے آغاز میں ابن اسحاق کا نام نہیں لکھا لیکن آگے چل کر اسی شذرہ میں وہ اس نام کا دومرتبہ ذکر کرتا ہے جسے وہ اپنی ذاتی تحقیق کا نتیجہ قرار دیتا ہے جو ان سفراء کے متعلق تھیں جو بحرین اور مشترکہ حکمرانی کے علاقے 'یمامہ' کی جانب بھیجے گئے تھے۔ اس سے یہ صاف عیاں ہے کہ ابن اسحاق نے دیگر وفود اور سفراء کا ذکر کیا ہے (جن کا ایک اختصار یہ اور ترتیب نو ابن ہشام نے تیار کی تھی) دیگر ذرائع مثلاً طبری، بیہقی، قلقشندی وغیرہ بھی مذکورہ مکتوب کا حوالہ ابن اسحاق کی ہی سند پر دیتے ہیں۔

581: یہ کہانی سوائے ابن عباس کے اور کوئی بھی بیان نہیں کرتا۔ **Caetani** کے اعتراضات، اپنے نتائج کے غیر اہم ہونے کے باوجود، محض نامکمل مطالعہ کے باعث اٹھائے گئے تھے جو اس اطالوی شہزادے کے معاونین کا قصور ہے۔ بالکل یہی کہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خادم جناب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک نے بھی بیان فرمائی ہے۔ جسے خالد ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی سیکرٹری تھے اور دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اس واقعے کے ہیرو اور سفیر) کے علاوہ جذامیوں (وہ لوگ جو جذام کے علاقے میں رہائش پذیر تھے جہاں مذکورہ سفیر کا سامان لوٹا گیا تھا) وغیرہ نے بھی یہ کہانی بیان کی ہے۔

582: ممکنہ اعتراضات کے جوابات کے بعد ہم ان مثبت دلائل کی طرف آتے ہیں جو عربی تاریخ نویس اس کہانی کے حق میں دیتے ہیں۔

583: عرب تاریخ دانوں کے برعکس بازنطینی ہم عصر تاریخ دان تقریباً ایک صدی تک اس دور سے نا آشنا رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عہد کہلاتا ہے۔ اگر مابعد کے یونانی تاریخ دان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا کوئی حوالہ نہیں دیتے تو اس میں ہمارے لیے حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ سیاسی واقعات کے نتائج کے باعث ایسے متعصب تاریخ دان عرب کے اس نئے

مذہب سے نفرت کرتے تھے۔ یونانی عیسائی ان مکتوبات کو اہم نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس بازنطینیوں کے ہاتھوں مسلم افواج کی موتہ کے مقام پر شکست کو Theophane بڑے مسرت آمیز انداز میں بیان کرتا ہے۔ تاہم ان تاریخ دانوں کی خاموشی طویل نہیں ہے۔ Zonaras نامعلوم ذرائع سے بیان کرتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ہرقل کے مابین تعلقات تھے وہ بیان کرتا ہے ''جب شہنشاہ ملک ایران سے فاتحانہ لوٹا تو اس نے عرب کے شہزادے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی نیز یثرب سے واپس تشریف لاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اس سے کچھ علاقہ لیا تا کہ وہاں نیا شہر آباد کیا جا سکے۔'' Zonaras نے حقائق سے چشم پوشی کی اور جو اس کی اسلام سے نفرت کی دلیل ہے۔ لیکن اس اغماض سے اس کا مقصد کیا تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم اس کی کہانی میں کچھ حقائق بھی موجود ہیں۔

584: عرب کے تمام قدیم مصنفین بشمول منصف مزاج حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ہرقل کو خط کے ارسال کیے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔

585: خود کہانی کے اندر بھی کوئی چیز ناممکن بیان نہیں کی گئی۔ ہرقل کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے جو بڑی شد و مد سے ان جنگوں کا مشاہدہ کرتے تھے جو ایرانیوں کے خلاف لڑی جاتی تھیں۔ جیسا کہ قرآن کی 30 ویں سورۃ بھی تصدیق کرتی ہے اس عہد کی تاریخ بھی مذکورہ خط کی عبارت اور متن کی تصدیق کرتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجے جانے والی کہانی اچھی طرح جانتے تھے تو بھلا وہ کیوں نہ اپنے سے ماقبل کے پیغمبر کے کردار کی پیروی کرتے۔

586: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مکتوب کی موجودگی کے بارے میں عینی شاہدین نے بھی اطلاعات فراہم کی ہیں۔ سہیلی (متوفی 1185ء) ذاتی طور پر اس خط کو Alphonso VII کے دربار میں دیکھ چکا تھا۔ ایک صدی بعد عینی (''عمدہ'' I، 116) نے اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ جس کی بنیاد ایک سفیر کی شہادت پر ہے جو شاہ مصر مملوک نے سپین بھیجا تھا۔ 1211ء میں شاہ ناصر ابن یعقوب اور اس کے خادمین نے یہ قیمتی دستاویز دیکھی تھی جو Castille کا بادشاہ انہیں دکھانے کی غرض سے اپنے ہمراہ لایا تھا ابن فضل اللہ العماری (متوفی 1347ء) سیکرٹری

حکومت مصر نے ہمیں بتایا ہے کہ سپین کے سفیر نے انہیں یقین دلایا تھا کہ مذکورہ خط ان کے بادشاہ کے پاس موجود ہے جو اپنے آپ کو ہرقل کی آل اولاد میں شمار کرتا ہے۔

587: یہ بات اب شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس نوعیت کی ایک دستاویز عیسائیوں کے عہد حکومت میں سپین میں موجود تھی یہ ثقہ تھی یا جعلی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ مراکشی تاریخ دان (عبدالحی الکتانی اور دیگر) یقین سے کہتے ہیں کہ یہ دستاویز ہنوز پیرس میں موجود ہے۔ اس دستاویز نے استنبول سے سپین تک کا سفر ھرقل خاندان کے زوال کے وقت طے کیا اور سپین سے فرانس یہ دستاویز اس وقت پہنچی جب سپین پر نپولین نے قبضہ کیا۔ آج کل سپین اور فرانس کے اعلیٰ حکام اس بات پر مصر ہیں کہ ان کی حکومتوں کے علم میں نہیں کہ آیا ایسی کوئی دستاویز ان کے ہاں تاریخی دستاویز کے محافظ خانوں میں موجود ہے یا نہیں۔

587 bis: جس وقت سے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ اب تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی اصلیت، ثقاہت وحقانیت بارے مزید معلومات اور کئی بیانات سامنے آئے ہیں اور برطانوی عجائب گھر لندن کے ماہرین کی آراء کے مطابق اس خط کی وہ جھلی نما کھال جس پر یہ تحریر کیا گیا تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں تیونس کا ایک اخبار "العمال" مورخہ 5 مئی 1974ء بمطابق 16 ربیع الثانی 1394 کی اشاعت میں ایک 8 کالمی مضمون شائع کرتا ہے۔ جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کی ہو بہو نقل (عکس) واضح دکھایا گیا ہے میں نے بڑی اچھی طرح اس کی خطاطی (خط) کی بناوٹ پر غور کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوا کہ الفاظ کے درمیانی حرف "حا" کو "T" کی مانند لکھا گیا تھا مثلاً لائن نمبر 2 میں "الھدیٰ" اور لائن نمبر 7 میں "اشھدوا"۔ اس سلسلہ میں جنوب مشرق عرب کی ایک ریاست ابوظہبی نے یہ قیمتی دستاویز حاصل کر لی ہے اور اس کی مالکہ کو معاوضہ ادا کر دیا ہے۔ یہ خاتون اب اردن سے نقل مکانی کر کے سوئٹرز لینڈ جا چکی ہیں۔ ڈاکٹر عزالدین ابراہیم حکومت ابوظہبی کے حکمران کے ثقافتی مشیر ہیں۔ موصوف نے اس دستاویز کا مختلف سنٹرز میں ہونے والی تقاریب میں ذکر کیا ہے ابوظہبی کے حکمران کے دربار میں اس سلسلہ میں انہوں نے ایک تقریر کی تھی۔ جسے وہاں کے ایک اخبار "الاتحاد" نے اپنی 8 مئی 1974ء کی اشاعت میں شامل کیا: ذیل میں ہم ان کی تقریر کے آخری شذرہ کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

"جدید تحقیق کا تجزیہ"

(الف) "خوردبینی تحقیق اور معائنہ کے بعد یہ ثابت ہوا کہ دباغت (جانور کی کھال کو کوٹ کوٹ کر پتلا کر کے قابل استعمال بنانا) قدیم انداز کی ہے اور کوئی زیادہ ترقی یافتہ عمل کا نتیجہ نہیں (یہ اس کھال یا جھلی نما ٹکڑے کا ذکر ہے جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک تحریر کیا گیا تھا) جب کہ دوسری صدی ہجری میں اس عمل میں کچھ ترقی ہوئی تھی۔ جیسا کہ ان قدیم قرآنی نسخہ ہائے اور دیگر دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے جو برطانوی عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس دستاویز میں جگہ جگہ سبز ریشمی دھاگوں کے ٹکڑے چمٹے ہوئے ہیں اس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ سپین کا بادشاہ الفانسو اور اس مکتوب کی دور حاضرہ کی مالکہ اس نامہ مبارک کو سبز رنگ کے ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر رکھتے تھے۔"

(ب) بنفشی شعاعوں کے ذریعے اس دستاویز کے تجزیہ سے یہ متحقق ہو چکا ہے کہ اس کی تحریر میں استعمال ہونے والی روشنائی بڑی تیز، گہری اور قدیم تھی اور کھال صاف ستھری اور نئی تھی (استعمال شدہ نہیں) اور کہیں سے کٹی پھٹی بھی نہیں تھی۔

روشنائی کا کیمیاوی مطالعہ

(ج) روشنائی کا (جبکہ وہ دستاویز پر موجود ہو) کیمیاوی مطالعہ خاصا دشوار کام ہے تاہم اس روشنائی کے گاڑھے پن سے اس کی کچھ خاصیتوں کا تعین کیا جا سکا ہے۔ یہ بھورے رنگ کی "Iron tannate" روشنائی ہے جو عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود تازہ اور روشن رہتی ہے۔ تاہم دوسری صدی ہجری میں استعمال ہونے والی روشنائی "کاربن" سے تیار کی جاتی تھی۔

(د) اس دستاویز کا Leeds یونیورسٹی کی لیبارٹری میں تجزیہ کیا گیا۔ جس کے سربراہ ڈاکٹر Reed تھے۔ ان کی رائے کے مطابق مذکورہ دستاویز کم و بیش ایک ہزار سال پرانی ہے انہوں نے مزید کہا "کھال پر لکھی گئی یہ عبارت صحیح ہے (یعنی قابل اعتماد) آخر میں ہم ڈاکٹر عزالدین ابراہیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہماری طرح اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ

علیہ وسلم کے دیگر مکتوبات کا بھی اسی طرح جدید طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے تحقیقاتی تجزیہ کیا جانا ضروری ہے جو ہم تک پہنچے ہیں۔

مکرر آنکہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردن کے شاہ حسین کو اس تمام معاملے کا علم تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس میں مداخلت کرتے ہوئے اردن کے سفارت خانے (پیرس) کے ذریعے کہا کہ مذکورہ قیمتی دستاویز عمان میں **1977**ء میں ملی تھی جو کہ جامع مسجد ہاشمیہ کو اس وقت ارسال کر دی جائے گی جب اس کی تعمیر مکمل ہو گی۔ (گویا یہ دستاویز ان کی تحویل میں تھی)۔

باب 33

ایران سے تعلقات

588: ایران کی ساسانی سلطنت کے اپنے عرب ہمسایوں سے تعلقات ہمیشہ اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے شمالی، مشرقی اور جنوبی عرب کے بعض علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی نوآبادیاں قائم کر لی تھیں تو دوسری طرف بہت سے عرب قبائل بھی ایرانی علاقوں میں دور تک گھسے بیٹھے تھے اور برس ہا برس گزرنے کے بعد کم وبیش ان کی آبادی کا حصہ ہی بن گئے تھے۔ قدیم چینی لفظ ''تاشی'' (جس کا مطلب عرب ہے اور یہ لفظ فارسی کے تازی سے ماخوذ ہے جو عرب کا فارسی مترادف ہے) قدیم زمانے میں عربوں کی جزیرہ نما عرب سے باہر نقل وحرکت اور ترک وطن کی یاد دلاتا ہے۔ فارسی میں لفظ ''تازی'' جنوبی عرب کے قبیلے طے کی نسبت سے وجود میں آیا کیونکہ فارسی میں ''تازی'' کا مطلب ہے جس کا تعلق قبیلہ ''طے'' سے ہو (جیسے کہ علاقہ ''رے'' کے رہنے والے رازی کہلاتے ہیں اور مرو کے مکینوں کو مروازی کہا جاتا ہے)۔ فارسی زبان میں ''تازی'' سے مراد پوری عرب نسل ہے جیسے کہ ہمارے ہاں فرنگی سے مراد تمام یورپی لوگ لئے جاتے ہیں جبکہ اصطلاحاً اس سے مراد فرانسیسی ہیں۔ کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں قبیلہ طے کا ایک حصہ خیبر اور دومتہ الجندل کے درمیان جزیرہ نما کے شمالی حصہ میں آباد تھا۔ قبیلہ لخم کے طرز عمل کے پس پردہ کارفرما عوامل ابھی پوری طرح بے نقاب نہیں ہوئے۔ ابھی یہ تذکرہ گزرا ہے کہ قبیلہ لخم نے جنگ موتہ میں مسلمانوں کے خلاف ہرقل کے کرائے کے سپاہیوں کا کردار ادا کیا اور یہ اس قبیلے کی شاخ ہی تھی جنہوں نے عرب کے شمال مشرق میں علاقے پر قبضہ کر کے حیرہ کے حکمران خاندان کی بنیاد رکھی (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت اُر کے قریب، یہ علاقہ آج کل کوفہ میں شامل ہے)۔ رومیوں اور ایرانیوں کے مابین جنگوں میں لخمی

قبائل نے بھی یقیناً کسی نہ کسی شکل میں حصہ لیا تھا (اور بعض اوقات ایک ہی قبیلہ کے لوگ دونوں طرف شامل ہو کر ایک دوسرے کے گلے بھی کاٹتے رہے)۔ اس حوالے سے جو صورت بھی تھی۔ دونوں بڑی سلطنتیں ایک جیسے مسائل سے دوچار تھیں یعنی ہمسایہ عرب خانہ بدوش قبائل کے حملوں اور لوٹ مار سے اپنا تحفظ اور اگر ممکن ہو تو انہیں اپنے ساتھ کرایہ کے سپاہیوں کی حیثیت سے شامل کرنا۔

ذکر آچکا ہے کہ رومی شہنشاہ Decius نے آل غسان کے ساتھ اتحاد کی تجدید کی ایرانیوں اور عراقی عربوں کے تعلقات کی کڑیاں اسی دور میں جا ملتی ہیں۔ ابن حبیب کے مطابق (المحبر صفحہ 458-461) لخمیوں نے حیرہ میں اپنی حکمرانی کی بنیاد 110ء میں رکھی اور یہ ساسانیوں کے آمد سے کافی پہلے کی بات ہے۔ پہلے ساسانی شہنشاہ اردشیر نے 208ء میں اقتدار پر قبضہ کر لیا اور بعد میں کسی وقت Mesene کی ننھی سی سلطنت کو بھی زیر کر لیا جو دریائے دجلہ کے منبع کی جانب خلیج فارس (عمان) پر واقع تھی۔ اس پر ان دنوں اومان (عمان) سے آنیوالے عربوں کا تسلط تھا (Christensen "*Sassanides*" صفحہ 87) Tansar کے خط میں ہرقل سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ''جو بھی ہتھیار ڈال دے اور مکمل اطاعت کا عہد کرے ہم اس سے بادشاہ کا لقب نہیں چھینتے'' (Christensen, "*Sassanides*" صفحہ 101) شاید Mesene کی شکست اور تحفظ کے وعدے نے حیرہ کے لخمیوں کو ایران کے ساتھ ایسے معاہدے پر آمادہ کر لیا ہو جس میں ان کی حیثیت باجگزار کی تھی۔ جیسے کہ مسعودی کی رائے کے مطابق (تنبیہ۔ صفحہ 186) لخمیوں کی خود مختاری کو تسلیم کرنا ایران کے مفاد میں بھی تھا کیونکہ یہ ان کے لئے (رومیوں کے خلاف) بفر سٹیٹ کا کام بھی دیتے تھے اور بوقتِ ضرورت مدد بھی۔ عربوں کی وفاداری (حتیٰ کہ ان کے جانوروں کی بھی مثلاً گھوڑا) ضرب المثل تھی اس لئے یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ لخمیوں نے صدیوں تک اپنے ایرانی آقاؤں سے بھی وفاداری نبھائی اور اپنی خود مختاری کو بھی برقرار رکھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایرانیوں کی مکمل شکست کے بعد بھی حیرہ کے لخمی حکمران نے رومیوں کے خلاف جنگ جاری رکھی اور ایرانی علاقہ کو ان کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ اور یہ بھی تاریخ عالم کا منفرد واقعہ ہے کہ ایرانی شہنشاہ نے اپنے بیٹے اور ولی عہد کو پیدائش کے فوراً بعد حیرہ بھجوا دیا تا کہ وہاں اسکی پرورش شاہی آداب کے مطابق مستقبل کے بادشاہ کے طور پر کی

جائے اور یہ شہزادہ بہرام گور جس نے جوان ہونے پر اپنے آپ کو ایرانی شہنشاہیت کے اہل ثابت کیا، حیرہ کے شاہی محل میں پرورش پاتا رہا۔ یہ محل حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر نے تعمیر کرایا تھا۔ اپنے باپ کے انتقال پر بہرام گور 421ء میں حیرہ کے عربوں کی ایک طاقتور فوج کے جلو میں ایرانی دارالحکومت پہنچا اور آخر کار تخت کے تمام دعویداروں کو زیر کرنے کے بعد اپنے باپ کی گدی پر فروکش ہوا۔ بہرام گور کی عرب علاقے میں پرورش، عربی زبان پر مکمل قدرت اور عرب تہذیب سے آشنائی نے ایران اور حیرہ کے مابین مستحکم تعلقات کے قیام میں بڑا کردار ادا کیا۔ آج بھی عجائب گھروں میں ایسی پرانی تصاویر موجود ہیں جن میں بہرام گور کو عرب بدوؤں کا لباس پہنے اونٹ پر سوار دکھایا گیا ہے۔ (Christensen صفحہ 274)۔

589: سرزمین عرب کی تاریخ پر سلطنت حیرہ کے اثرات نمایاں ہیں سیاسی میدان میں یمن کی عظیم سلطنت ''کندہ'' نے 5 ویں صدی عیسوی میں اپنی حدود شمال میں دور تک وسیع کر لیں اور اسطرح وہ سلطنت حیرہ کے ہمسائے بن گئے جس سے دونوں عرب حکومتوں میں کشیدگی پیدا ہوئی جو خون ریز جنگوں پر ختم ہوئی (ابن حبیب، المحبر صفحہ 369) علم وادب کے شعبے میں بھی حیرہ کے حکمرانوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں روایت کی جاتی ہے کہ نعمان بن منذر نے منتخب عرب شاعری کے مجموعے تیار کرائے اور مسلم عہد میں جب اسلامی فوجوں نے حیرہ فتح کیا تو یہ عظیم ادبی شاہکار ان کے ہاتھ آ گئے جو علم وادب کے شیدائیوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھے کیونکہ اگر انہیں محفوظ کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا ہوتا تو بعد کے لوگ اس عظیم ادبی ورثہ سے بے خبر اور محروم رہتے (''لسان العرب'')۔ لخمی حکمرانوں کے طرف سے علم وادب کی اس سرپرستی کی مکمل تفصیل کا احاطہ کرنے کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

590: اب آتے ہیں مکہ کے خطہ کی جانب جس میں طائف بھی شامل ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ طائف کے قلعوں کی تعمیر ایک ایرانی انجینئر کی مہارت کا شاہکار تھی۔ جسے ایرانی شہنشاہ نے طائف کے ایک بااثر شخص کی درخواست پر بھجوایا تھا جس کے شاہی خاندان سے مراسم تھے۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ مکہ کے خطہ میں لکھنے پڑھنے اور ادویہ کا علم اور فن موسیقی حیرہ کی دین تھی اور حیرہ کے حکمران مکہ کے مشہور عکاظ کے میلوں میں اپنی مصنوعات اور تجارتی اشیاء بڑی باقاعدگی سے فروخت کیلئے بھجواتے تھے اور اس سلسلے کا ایک مشہور واقعہ بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ

590ء میں ایک یمنی تاجر اپنا سامان لیکر مکہ آیا جسے ایک بااثر مکی نے خرید لیا مگر قیمت ادا کرنے کی بجائے تاجر کو مار پیٹ کر بھگا دیا۔ اس کے نتیجے میں تاجر کے حلیف اور لٹیرے کے حلیف قبائل میں جنگ شروع ہوگئی اور چونکہ یہ جنگ حرام (ممنوعہ) مہینوں میں شروع ہوئی اس لیے اسے جنگ فجار کہتے ہیں مکہ میں حیرہ خاندان کے مال کی لوٹ مار کا یہ مسلسل تیسرا سال تھا (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو" المحبر" ابن حبیب صفحہ 195-196)۔

591: ایران کا سرکاری مذہب آتش پرستی (مجوسیت) تھا شہنشاہ قباذ نے جو 488ء سے 531ء تک حکمران رہا مزدکیت اختیار کرلی اور جن لوگوں نے نئے مذہب کو اختیار کرنے سے انکار کیا ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے۔ اس مذہب کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ عورت (کسی ایک مرد سے مخصوص نہیں بلکہ) صلائے عام ہے (عقیدہ اباحت) عرب مورخوں نے مزدک کے ایک "فرمان" کا ذکر کیا ہے جو اس نے کھلے دربار میں بادشاہ کے روبرو بیان کیا۔ اس نے کہا "یہ ملکہ بھی جو تمہاری بیوی ہے صرف تم سے منسلک نہیں رہ سکتی بلکہ یہ تمام مردوں کیلئے قابل تصرف ہے" اسکے اس بیان پر دربار میں تھوڑی سی ہلچل بھی نہ مچی۔ نہ تو بادشاہ کی غیرت کو تازیانہ لگا اور نہ ہی ملکہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ اس (قابل نفرت) مذہب کے لئے بادشاہ کے جوش وخروش کے اثرات سیاسی حالات پر بھی پڑے اور عربوں سے ایران کے دیرینہ تعلقات بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے اور مخلص اور وفادار دوست اس گناہ آلود مذہب کی بھینٹ چڑھا دئے گئے۔ قباذ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا نوشیرواں سریر آرائے تخت ہوا (531-578)۔ اس نے اپنے باپ کی پالیسی کے خلاف انتہا پسندی اختیار کی اور مزدکیت کے پیروکاروں پر سختیوں کی انتہا کردی۔ نوشیرواں نے حیرہ کے سابق حکمران منذر کو بحال کردیا جسے مزدکیت اختیار نہ کرنے پر اسکے باپ نے معزول کردیا تھا۔ عرب عام طور پر نوشیرواں کی حکومت کو پسند کرتے تھے اور وہ عربوں میں اپنے عادلانہ برتاؤ کی بدولت نوشیرواں عادل کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن نوشیرواں کے جانشینوں کے دور میں حالات بگڑ گئے۔ ایرانی شہنشاہ پرویز (خسرو) نے حیرہ کے حکمران نعمان (بن المنذر) سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی شاہی حرم کے لئے روانہ کرے۔ نعمان نے انکار کردیا جس پر بادشاہ نے اسے وضاحت کیلئے دارالحکومت طلب کیا۔ نعمان جانتا تھا کہ وہاں اس سے کیا سلوک ہوگا۔ اس کے پاس کچھ دوستوں کی امانتیں تھیں وہ اس نے اپنے بااعتماد لوگوں کے حوالے کیں کہ

ان کے اصل حقداروں تک پہنچادی جائیں اور اپنے اہل خانہ کو صحرا میں (بااعتماد دوستوں کے پاس) بھجوادیا اور خود بادشاہ سے ملنے چلا گیا جہاں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بادشاہ اتنا غضبناک تھا کہ اس نے حیرہ پر لخمی حکومت ختم کر کے ایرانیوں کو گورنر مقرر کرنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے حیرہ کے سابق حکمران نعمان کے دوستوں سے وہ مال و دولت طلب کیا جو اس نے ان کے پاس امانت رکھوایا تھا۔ یہ ایک ایسا مطالبہ تھا جسے عرب حمیت کبھی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ انکار پر ایران سے ایک طاقتور فوج بھیجی گئی تا کہ ان گستاخوں کو سبق سکھایا جا سکے لیکن قدرت اب ایرانیوں پر نامہربان ہو چکی تھی جھیل ذوقار کے کنارے ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں فارسیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے یہ ذکر آچکا ہے کہ عربوں کی اس فتح پر کس طرح پورے عرب میں جشن منایا گیا۔ عربوں نے اسے ''قومی فتح'' قرار دے کر اپنے افتخار کی علامت بنالیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عربوں کیلئے خدائی مدد قرار دیا۔

(مقریزی، ''امتاع''، یعقوبی، 47,II)۔

عرب بدؤں کے ہاتھوں ذوقار میں ایران کو ہونے والی شکست کے موقع پر ترک بادشاہ تنگ یبگو (630-619) نے بھی ایرانیوں سے رے اور اصفہان کے شہر چھین لیے اور پھر ہرقل سے مل کر ایرانیوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا اور انہیں فیصلہ کن شکستوں سے دوچار کیا (623ء)۔ ذوقار کا واقعہ ایک سال بعد پیش آیا (تقریباً 11 جولائی 624ء) اور اسے یعقوبی نے روایت کیا ہے (یعقوبی 48,II) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایرانی مجوسیوں پر رومی عیسائیوں کو ترجیح دیتے تھے اور اس کا ذکر رومیوں کے تذکرہ میں آچکا ہے۔ (بحوالہ پیرا 554) بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مسیحی عورتوں سے شادی کی اجازت دے دی مگر مجوسی عورتوں سے شادی کی ممانعت کر دی (میری کتاب الوثائق نمبر 61-60) شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مجوسی محرمات سے شادی کے قائل تھے۔ عرب چونکہ نجابت و بہت اہمیت دیتے تھے اس لئے وہ مجوسیوں کے اس عمل کو محض عیاشانہ تفریح قرار دیتے تھے۔ اس دور کے عربی ادب میں بہت سی ایسی نظمیں ملیں جن میں اس مکروہ فعل کی جسے وہ ''ضیزان'' کہتے تھے سخت مذمت کی گئی ہے۔ سیرین میں برآمد ہونیوالے ایک یونانی کتبے میں جس میں (عورتوں سمیت) سامان کی مشترکہ ملکیت کے معاملے پر کہا گیا ہے کہ اس کا حکم زردیس اور فیثا غورث نے

دیا تھا۔ کرسٹنسن جس نے اس کتبے کا حوالہ دیا ہے اور زرداس کی شناخت پر بحث کی ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زردیس سے مراد مزدک ہے زرتشت نہیں۔

(Christenson, P339, on the authority oı sherwood Fox, passages in Greek and Latin Literature relating to Zoroditer and Zoroastsism J. Corma Oriental Institute Series No. 14)

592: لخمی بادشاہوں نے مذہبی برداشت کے حوالے سے بھی اثرات چھوڑے اور اس دور میں جب ایرانی اور رومی سلطنتوں میں ظلم وتشدد کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل تھی ہمیں پتہ چلتا ہے کہ " اس تعزیرو تعذیب کے باوجود جس کے کوڑے "شیطان پرستوں" (Manicheans) پر پڑتے تھے۔ (تیسری سے پانچویں صدی میں ایک فرقہ اٹھ کھڑا ہوا جو شیطان اور خدا کی یکساں ابدیت کا علمبردار تھا۔ مترجم) حیرہ کے ایک حاکم عمرو بن عدی نے انہیں تحفظ فراہم کیا۔ (Shaeder،9 صفحہ 344 بحوالہ Christensen، صفحہ 201-200۔ عمرو بن عدی کے حالات اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کے ہتھیار ڈالنے کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب (الوثائق نمبر 290) ایران کا سرکاری مذہب آتش پرستی تھا مگر ہم نے دیکھا کہ حیرہ کے آخری فرماں روا نعمان III نے جسے خسرو پرویز نے سزائے موت دے دی تھی عیسائیت قبول کر لی تھی (Christensen، صفحہ 452) جو ایران پر انحصار کے باوجود عربوں کی آزادروی کی علامت ہے۔

593: Rothstein لکھتا ہے (Dynastie der Lakhmiden صفحہ 130) کہ ایرانی شہنشاہ کے دربار سے منسلک عرب امور سے متعلق ایک سیکرٹری جو ترجمان کے فرائض بھی انجام دیتا تھا اسے حیرہ کے عرب جنس کی شکل میں ادائیگی کرتے تھے (تو وہ گویا ان کے سفیر کے طور پر بھی کام کر رہا تھا)

594: تاریخ میں زیاد بن جھور اللخمی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نامہ مبارک کے چند حصے محفوظ ہیں (میری کتاب الوثائق نمبر 53) جو رومی علاقے میں آباد لخمی قبیلے کی شاخ سے متعلق تھا۔ تمیم الداری کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حبرون

کا علاقہ تحفہ میں پایا تھا (میری کتاب الوثائق نمبر 43-45 داری بھی لخم قبیلے کی ایک شاخ تھے) تاہم حیرہ کے حکمران کے نام کوئی نامہ مبارک نہیں اور یہ بات باعث تعجب نہیں ہونی چاہیے کیونکہ لخم قبیلے کی حکومت حیرہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بادشاہوں کے نام خطوط بھجوانے کے موقع سے 20 سال پہلے ختم ہو چکی تھی۔ حیرہ اور اسلامی علاقہ کے درمیان دیگر قبائل مثلاً بکر بن وائل وغیرہ بھی آباد تھے اور ابھی وہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچی تھی۔

ایرانی شہنشاہ کے نام نامہ مبارک

595: ایرانی فرمانروا کو نامہ مبارک پہنچانے کیلئے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذافہ السہمی جو مہاجرین مکہ میں شامل تھے کا انتخاب ہوا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے بھی کئی بار ایران کا سفر کر چکے تھے اور اس علاقے کے معاملات سے بخوبی آگاہ تھے (سُہیلی II، 253)۔ خط غالباً مشرقی عرب کے ایک ایرانی گورنر کے توسط سے بھجوایا گیا[تمام راوی متفق ہیں کہ جب شہنشاہ کو خط پہنچایا گیا تو اس نے خط پڑھنے کا حکم دیا (امکان غالب ہے کہ ترجمان کے ذریعے) مگر اس سے پہلے کہ خط پورا پڑھا جاتا اس نے ترجمان کو روک دیا اور اس سے خط مبارک لیکر پھاڑ ڈالا۔ وہ اس بات پر برافروختہ ہو گیا کہ خط کا آغاز اسکے شایان شان نہ تھا؟ عرب وقائع نگاروں کے مطابق خط کا مکمل متن یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ، شاہ فارس کے نام

سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

امابعد! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے تاکہ جو لوگ بھی زندہ ہیں ان کو (حکم عدولی کی صورت میں) انجام بد سے ڈراؤں اور تاکہ کافروں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی

حجت (ذمہ داری) پوری کروں۔ (جان لو کہ) اگر آپ ایمان لے آئے تو آپکے مراتب محفوظ رہیں گے اور اگر آپ نے (اس سے) روگردانی کی تو آپکی قوم کا گناہ آپ (کی گردن) پر ہوگا۔ (میری کتاب الوثائق نمبر 59)

596: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خسرو پرویز کی گستاخانہ حرکت کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کرے گا اس کی سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی" (جیسا کہ اس نے نامہ مبارک کے ٹکڑے کئے تھے)۔

597: اس واقعہ کی بنیادی تفصیلات تو تمام ہوئیں تاہم اس حوالے سے کچھ دیگر تفصیلات بھی ہیں۔ پہلی شاہ فارس کی پہچان (شناخت) کے حوالے سے ہے کہ کسریٰ دراصل اس کا لقب تھا اور ہمارے راوی عام طور پر اس کا نام پرویز بتاتے ہیں۔ صرف ابو ہلال عسکری نے خط کے متن میں اس کا نام بھی لکھا ہے۔ شاید یہ اضافہ غلطی سے نقل کرنے والوں نے کیا ہے تاہم نام پرویز ہونے کا معاملہ بھی یقینی نہیں۔ 38 برس سریر آرائے تخت رہنے کے بعد پرویز 627ء کے لگ بھگ قتل ہو گیا۔ اس دور کی کوئی ایرانی تاریخ بھی موجود نہیں۔ اور وقائع نگاروں میں واقعات کی ترتیب کے بارے میں اتفاق نہیں۔ Theophane، ہرقل کے ایک خط کا ذکر کرتا ہے جو اس نے میدان جنگ سے اپنے بیٹے کے نام لکھا (Gerland نے تھیوفین کے حوالے سے اپنی کتاب Persische Feldzuge des Kaisers Heraclius میں لکھا ہے) جس میں ہرقل لکھتا ہے "ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ہمارے دشمن، شاہ ایران کو، جو پہلے ہی نینوا کی شکست سے نڈھال تھا اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے"۔ یہ واقعہ 27 فروری 628ء کو ہوا عرب راویوں نے یہی واقعہ بیان کیا ہے جب اس کی تفصیلات ان تک پہنچیں۔

598: طبری نے ابن اسحق کے حوالے سے (جنہوں نے یزید بن ابی حبیب کی روایت پر ذکر کیا نہ کہ الزہری کی روایت پر جیسا کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی تحقیق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے، صفحہ 46) لکھا ہے کہ پرویز نے صرف نامہ مبارک ہی چاک کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ گورنر یمن کو حکم دیا کہ کچھ آدمیوں کو متعین کرے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر انہیں (گرفتار کر کے۔ نعوذ باللہ) شاہی دربار میں پیش کریں۔ جب یہ کارندے مدینہ پہنچے اور انہوں نے گورنر یمن کا خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[خط کے مندرجات سے آگاہی کے بعد] فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب اگلے روز دیں گے۔ اگلے روز جب یمنی وفد کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ اطلاع دے کر ششدر کر دیا کہ "آج کی رات میرے آقا نے آپ کے آقا کو اس کے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں جہنم واصل کرا دیا ہے"۔ سفیروں نے تاریخ اور وقت نوٹ کر لیا اور واپس یمن چلے گئے اور جب انہیں شاہ فارس پرویز کے قتل کی خبر پہنچی تو تاریخ اور وقت وہی تھا جس کی خبر یمنی سفیروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز پہلے دے چکے تھے۔ چنانچہ اس سے متاثر ہو کر گورنر یمن باذان اور اس کے درباری مسلمان ہو گئے۔ (طبری، I، 457-74)

599: اگر الابشیہی کی روایت کو درست مان لیا جائے تو شاہ فارس کے حکم پر بھیجی گئی یمنی سفارت میں ایک مصور بھی شامل تھا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنا سکے اور ایک کاھن بھی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل کا زائچہ تیار کرنا تھا۔

(الابشیہی المستطرف، II، 102 باب 20)

600: متعدد دوسرے راویوں کے حوالے سے طبری لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو جہنم واصل کیا اور اس کی موت کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح حدیبیہ کے روز ملی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوشی کا اظہار کیا"۔ حالانکہ عرب راوی اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نامہ مبارک حدیبیہ سے مدینہ واپسی کے بعد ارسال فرمایا تھا۔

601: ابونعیم نے (ابونعیم۔ دلائل، صفحہ 124) اس سے قدرے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے "ایرانیوں کو عین صلح حدیبیہ کے روز رومیوں کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور جب اسکی خبر (بعد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا"۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ 10 سال قبل جب اہل فارس فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ "دس سال سے بھی کم عرصے میں" صورتحال اس کے برعکس ہو جائے گی (فتوحات شکست میں بدل جائینگی جیسا کہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہے (4-2/30) اور اس طرح جب یہ پیشگوئی پوری ہوئی تو فطری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اس پر بڑی مسرت ہوئی۔

602: واقدی کی روایت میں (ابن سعد، ii/I، صفحہ 16) نہ صرف خسرو کے قتل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزاتی طریقے سے اطلاع سے متعلق تفصیلات ملتی ہیں بلکہ یہاں تک مذکور ہے کہ ''قتل کی یہ واردات اس وقت ہوئی جب 7 ہجری 10 جمادی الاول کی منگل کی رات کے ابتدائی چھ گھنٹے گزر چکے تھے۔''

603: یاد رہے کہ، معاہدہ حدیبیہ 6 ہجری کو اسلامی کیلنڈر کے 11 ویں مہینے یعنی ذی قعد میں ہوا مگر اس حوالے سے ''متفق علیہ'' والی صورت نہیں ہے اس سلسلے میں دو راویوں کے حوالے قابل ذکر ہیں۔ پہلا ابو یوسفؒ کا ہے جو ہارون الرشید کے دربار کے بڑے فقیہ تھے وہ بڑے یقین سے کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے حدیبیہ کے لیے روانہ ہوئے تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا (9 واں مہینہ) (خراج، ایڈیشن، بلاق صفحہ 28) جب کہ عظیم مورخ محدث اور مفسر ابن کثیر یہ عمومی رائے تسلیم کر لینے کے باوجود کہ صلح حدیبیہ 11 ویں مہینے میں ہوئی، کہتے ہیں ''مگر عروہ کا کہنا ہے کہ صلح شوال کے مہینے (10 واں مہینہ) میں ہوئی اور عروہ کے حوالے سے یہ روایت بڑی عجیب ہے۔'' (بدایہ IV، 164)

604: یہ تضادات طے کرنے کے لیے ہمیں تھوڑا سا پیچھے جانا ہوگا۔ اگر ہم ان ایرانیوں کو ذہن میں لائیں جو یمن میں آباد ہو گئے تھے جنہیں عرب "ابناء" کہہ کر پکارتے تھے۔ ان ایرانیوں کی حالت بہت نازک تھی مقامی لوگ ان سے نفرت کرتے تھے جیسا کہ 11 ہجری کے واقعات سے ظاہر ہے (طبری، I، 1990)۔ نینوا میں ایرانیوں کی شکست سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور یمن میں بھی ان کی حالت پتلی ہوگئی۔ بہت سے ایرانیوں حتیٰ کہ یمن کے گورنر باذان نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ایرانیوں کو ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ مقامی آبادی موقع ملتے ہی انہیں تہ تیغ کر دے گی۔ نو مسلم ایرانیوں نے مشہور کر دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کی بنا پر ایمان لائے ہیں تاکہ ان کے تبدیلی مذہب کا اصل مقصد ظاہر نہ ہو سکے۔ کیونکہ درحقیقت اسلام لانے کا مقصد یمن کے بدلے ہوئے حالات میں اپنے تحفظ کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت حاصل کرنا تھا کہ اگر یمن میں ان کے خلاف کوئی تحریک اُٹھے تو انہیں مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو سکے۔ اور درحقیقت ہوا بھی یہ کہ اسلام لانے کے بعد باذان کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنر برقرار رکھا۔ بلکہ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو اس کی جگہ گورنر بنا دیا۔

605: شہنشاہ (فارس) کے قتل کے دوررس انتظامی اثرات مرتب ہوئے نئے بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کی سرکاری اطلاع یقیناً بہت جلد صوبوں کو بھجوائی ہوگی۔ یمن اور عرب میں دوسری ایرانی نوآبادیوں کے گورنروں کو یہ اطلاع قریش مکہ اور حدیبیہ میں خیمہ زن مسلمانوں سے پہلے ملی ہوگی طبری اپنی روایت میں معجزے کا ذکر کرتے ہیں (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر حضرت جبرائیل نے دی) اور یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر حدیبیہ کے مقام پر ہی ملی حالانکہ اس روایت کا دوسرا حصہ ''معجزاتی'' حصے سے وقت وقوع کے حوالے سے متصادم ہے اس کے علاوہ طبری اپنی تفسیر میں روایت کے حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملنے والے حصے کا تذکرہ کرتے ہیں گویا وہ اس خبر کو معجزہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

606: بادشاہ کے قتل کی خبر حدیبیہ کے مقام پر ملنا، ہرقل کے اپنے بیٹے کے نام خط کے مندرجات سے مطابقت رکھتا ہے جس میں اس نے قتل کے ارتکاب کی تاریخ 27 فروری 628ء لکھی ہے (ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ہم آہنگ کہ حدیبیہ کا واقعہ شوال کے درمیان میں 6 ہجری کو ہوا) اور یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہوئے تو رمضان کا مہینہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قریبی رشتہ دار عروہ نے بھی جس کا شمار اولین عرب مورخوں میں ہوتا ہے، لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ شوال کے مہینے میں ہوئی) مدینہ سے حدیبیہ تک 12 روز کا فاصلہ ہے اور صلح کا معاہدہ ہونے سے قبل مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔ اس لئے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور عروہ کی روایت میں تو کوئی تضاد نہیں یعنی رسول اللہ 9 ویں مہینے میں مدینہ سے روانہ ہوئے اور دسویں میں صلح کا معاہدہ ہوا۔

607: اب ایک مشکل رہ گئی ہے کہ عمومی طور پر راویوں کا موقف ہے کہ صلح کا معاہدہ (10 ویں نہیں) 11 مہینے میں ہوا۔ یہ فرق مکہ اور مدینہ میں مروج الگ الگ کیلنڈروں کے باعث ہے۔ مہینوں کے نام دونوں جگہ ایک ہی تھے مگر مکہ کے کیلنڈر میں مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی روایت موجود تھی جب کہ مدینہ کے مسلمانوں میں مروج کیلنڈر مکمل طور پر قمری اور مستقل تھا۔ قریش مکہ سے تعلقات کے تذکرے میں ہم نے نشاندہی کی ہے (نمبر 456 کلاز 11) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ہجری میں مکہ میں مہینوں کی ترتیب بدلنے کی روایت ختم کر دی تھی اور درحقیقت اس سال دونوں کیلنڈر ایک دوسرے سے ہم آہنگ تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا (کلاز 11) اور اس صورت میں قرین قیاس ہے کہ 6 ہجری میں جب معاہدہ حدیبیہ ہوا تو دونوں کیلنڈروں میں دو ماہ کا فرق تھا۔ اور گیارھواں مکی مہینہ (ذی القعد) ان لوگوں کے لیے نواں مہینہ (رمضان) ہی تھا جنہوں نے مکہ میں مہینوں کی ترتیب میں ردو بدل کی روایت کو پیش نظر نہیں رکھا۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور عروہ کے بنیادی راوی کے ذہن میں مدنی کیلنڈر تھا جبکہ دوسرے مورخوں کے راوی نے مکی کیلنڈر کو پیش نظر رکھا۔

608: جہاں تک واقدی کا تعلق ہے پچھلے باب میں 6 ہجری کے واقعات کے حوالے سے انکی روایات میں 6 مہینے کے فرق کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور اس فرق کی آسانی سے وضاحت ہو سکتی ہے اگر ہم چھ ہجری سے لے کر 10 ہجری تک دو مہینوں کی ترتیب میں ہونیوالے ردو بدل کو زیر غور لے آئیں اس میں سن ہجری جو محرم سے شروع ہوتا ہے اور رسول اللہ کی ہجرت کے وقوع کا مہینہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی) کے مابین فرق کو جمع کر دیا جائے۔ اور واقدی کا معمول یہ ہے کہ وہ ان دونوں تاریخوں کو گڈ مڈ کرتے رہتے ہیں کسی واقعہ کے حوالے میں ایک تاریخ استعمال کرتے ہیں اور دوسرے میں دوسری (جس سے قاری کا ذہن بعض اوقات الجھ جاتا ہے)۔

609: طبری کی اس روایت (کہ شاہ فارس کے قتل کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین معاہدہ حدیبیہ کے روز ملی) اور ابونعیم کی روایت (اہل فارس کو نینوا میں معاہدہ حدیبیہ کے روز شکست کا منہ دیکھنا پڑا) کے مابین فرق کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ موخر الذکر کی روایت میں ہو سکتا ہے کہ الفاظ کا تھوڑا بہت ردو بدل ہوا ہو مثلاً درج ذیل جملہ اس میں شامل نہ ہو سکا ہو کہ " شکست جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں دن پہنچی "۔ اس بات کے سوا دونوں کی روایات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور ان دونوں میں معجزے کا ذکر نہیں۔

610: تاہم شاہ فارس کی طرف سے اسلام کی دعوت مکمل طور پر مسترد کیے جانے پر وقتی طور پر مدینہ اور مدائن کے درمیان براہ راست تعلقات منقطع ہو گئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی ایرانی نو آبادیوں مثلاً بحرین (الاحساء) عمان اور یمن کے فرمانرواؤں کے نام جو مکتوب ارسال فرمائے تھے ان سب نے اسلام قبول کر لیا بلکہ انہوں نے ایران سے تعلق توڑ کر آئندہ کے لیے اسلامی سلطنت کے صوبوں کی حیثیت اختیار کر لی اور یہ سب کچھ چند ہفتوں میں

وقوع پذیر ہوگیا۔ ایرانی دارالحکومت میں انتہائی انتشار کی کیفیت تھی اپنے باپ کے قتل کے بعد تخت سنبھالنے والا شیرویہ Sheroeh صرف چند ماہ حکومت کر سکا اور اگلے چار سال میں یکے بعد دیگرے 8 حکمران قسمت آزما کر رخصت ہو گئے اور ان میں سے بیشتر کا انجام اپنے جانشین کے ہاتھوں موت پر ہوا۔ ان بادشاہوں میں ایک عورت بھی تھی جو مرد حکمرانوں کی نسبت زیادہ ذہین نکلی۔ یہ حکمران ملکہ بوران دخت تھی جس نے اگرچہ ایک مختصر عرصے کے لیے حکومت کی مگر اس نے عرب خطرے کا بروقت احساس کیا اور مدینہ سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ ترمذی کی روایت کے مطابق ایک ایرانی ملکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحائف ارسال کیے تھے (ترمذی، باب قبول الھدایه)۔ طبری نے اپنی روایت میں ملکہ بوران دخت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ تحائف اسی ملکہ نے ارسال کیے تھے (*"Annales"* 2163, I) تاہم ملکہ زیادہ دیر تخت پر نہ رہ سکی اور اسے اقتدار سے محروم کر دیا گیا اور مدینہ سے تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں بھی ادھوری رہ گئیں۔

611: بظاہر حیرہ کے بے گناہ حکمران کو ایرانی شاہ کے حکم پر سزائے موت دیے جانے اور عربوں کے ہاتھوں ذوقار کے مقام پر شاہ فارس کی شکست سے بھی شمال مشرقی عرب کے عرب قبائل اور ایران کے مابین تعلقات کی کشیدگی ختم نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے برعکس ایک دوسرے کے خلاف لوٹ مار اور چھاپہ مار کارروائیوں سے دونوں طرف مخاصمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ (اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بحرین (الاحساء) میں ایرانی مہم جوئی اور جواثا (آج کا ہفوف) کے قصبے کے محاصرہ نے خلیفہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آمادہ کیا کہ وہ ایرانی حملے کا نشانہ بننے والے قبیلہ عبدالقیس کے مسلمانوں کے دفاع کی خاطر اقدام کریں یہ ایک دفاعی نوعیت کی چھوٹی سے علاقائی جنگ تھی جو بڑی تیزی سے پھیلی اور اس کے نتیجے میں بالآخر عظیم ساسانی سلطنت مسلم سلطنت کا محض ایک صوبہ بن کر رہ گئی)۔ بلاشبہ علاقے کے عرب قبائل کے لیے سب سے طاقتور عرب فوج (اسلامی فوج) ہی باعث کشش تھی۔ شاہ فارس کو خط ارسال کرنے کے چار سال کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا لیکن اسلام نے اس دوران بہت سے ایسے خطوں میں پوزیشن مستحکم کر لی جو پہلے ایرانی نو آبادیاں تھے اور اسلامی مملکت کی حدود بغیر خون بہائے ان تک پہنچ چکی تھیں۔

باب 34

کسریٰ کے نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل خط

نامہ مبارک کی دریافت

612: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریروں کی ایک حالیہ دریافت کا تعلق اس خط سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایرانی شہنشاہ کسریٰ کے نام لکھوایا تھا۔ یہاں اس دریافت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ مئی 1963ء کے دوسرے ہفتے کا واقعہ ہے کہ میں اس وقت استنبول میں تھا جب پریس نیوز ایجنسیوں نے اپنے اخبارات کو ایک خبر جاری کی کہ H. Pharaon (لبنان کے سابق وزیر خارجہ) کے پاس ان کے مجموعہ کتب (ذخیرہ) میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نامہ مبارک بھی موجود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے شہنشاہ کے نام لکھوایا تھا۔ اس خبر کو بیروت کے ایک اخبار ''المساء'' نے بھی شائع کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اخبار کا ایک غیر دانش مندانہ اقدام تھا۔ مذکورہ خط میں کسریٰ کو قبول اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اس دریافت سے قبل نیشنل لائبریری آف پیرس کو ایک خط ملا جس میں مذکورہ خط کا فوٹو گراف تھا اور اس پر رائے طلب کی گئی تھی۔

613: یہ ایک فطری بات تھی کہ تمام دنیا سے لوگ اس معاملے میں دل چسپی لینے لگے اور اسی طرح ترکی میں بھی جہاں اخبارات نے مذکورہ دستاویز سے متعلق چند ایک تفصیلات بھی شائع ہوئی۔ ازاں بعد بیروت کے ایک اخبار ''الحیات'' مورخہ 22 مئی 1963ء بمطابق 27 ذوالحجہ 1382ھ نمبر 5242 ص نمبر 1 اور 7 نے نہ صرف خط سے متعلق تفصیلات شائع کیں بلکہ ایک تین کالمی تصویر بھی شائع کر دی۔ یہ مضمون معروف دانشور ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا تحریر کردہ تھا اور مضمون کا عنوان تھا ''پیغمبر محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط شاہ ایران پرویز کے نام''۔

614: اس سلسلہ میں لکھاری نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس خط کا تکنیکی مطالعہ کریں گے اور عہد قدیم کے جغرافیائی خدوخال کے علم کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں گے۔ (لیکن ان کی ایک حالیہ شائع شدہ کتاب میں مذکورہ دستاویز کا موعودہ جائزہ شامل نہیں ہے)۔

615: میرے لیے یہ بیان کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے کہ جب میں **1964**ء میں بیروت گیا تو **H. Pharaon** نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور مذکورہ قیمتی دستاویز کے معائنہ کا بھی موقع فراہم کیا بلکہ انہوں نے کمال مہربانی سے مجھے **30×40** سینٹی میٹر سائز کے دو فوٹو گراف بھی عنایت فرمائے انہوں نے میری خصوصی حوصلہ افزائی کی کہ میں اس سلسلہ میں اپنے مطالعے اور تحقیق کو آگے بڑھاؤں یہ تصاویر جب روم میں شائع ہوئیں تب موصوف نے انہیں لبنان کے اخبارات میں بھی شائع کرایا۔ دراصل میرے لیے یہ بڑی عزت افزائی اور توقیر کا مقام تھا جس سے میں بے انتہا متاثر ہوا۔

دستاویز کا سفر

616: ساڑھے تیرہ صدیاں بیت جانے کے باوجود ہنوز اس خط کی حقیقت کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس نے مدینہ سے مدائن تک کا سفر کیسے طے کیا۔ لیکن جہاں تک مذکورہ صدر خط کا تعلق ہے (الحیات اخبار کے مطابق) تو جنگ عظیم اول کے اختتام کے وقت اس خط کے حقیقی مالک کے والد نے اسے **150** (ترکی؟) پاؤنڈ آف گولڈ کے عوض خریدا تھا۔ یا تو وہ اس کی اصل قیمت نہیں جانتا تھا یا کسی راز کا افشاء نہیں چاہتا تھا جو کہ اس قیمتی دستاویز سے متعلق مسلمانوں کے دلوں میں تھا جو اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ یہ خط اس نے دمشق سے خریدا تھا اور وہ خود ایک عیسائی تھا۔ تاہم اس کے قانونی وارث اور بیٹے **H. Pharaon** کے ذہن میں اس کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ **1962**ء میں موصوف نے یہ خط ڈاکٹر مُنجّد کے حوالے کر دیا تا کہ وہ عبارت پڑھنے کی کوشش کریں جو اس قدیم مسودے میں استعمال کی گئی تھی۔

617: ڈاکٹر مُنجّد کے مطابق یہ دستاویز ایک "رق" (چمڑے کا پارچہ جھلی) ہے جسے ایک فریم میں رکھا گیا ہے جو ایک سبز کپڑے میں لپٹا ہوا ہے جس کا رنگ اڑ چکا ہے۔ اور یہ خاصا بوسیدہ ہے۔ یہ فریم (گھیرا) چونکہ شیشے کا ہے اس کے اندر رکھا ہوا چمڑے کا نامہ مبارک اس سے چمٹ گیا ہے۔

ڈاکٹر منجد کا اپنا بیان کچھ اس طرح ہے:

(الف) یہ چمڑے کا ٹکڑا پرانا ہے اور نرم پڑ چکا ہے اس کا رنگ سیاہ اور بھورا ہے۔ اس کے حاشیے کالے پڑ چکے ہیں اس کی لمبائی 28 سینٹی میٹر اور چوڑائی ساڑھے 21 سینٹی میٹر ہے۔

(ب) اس کی شکل مستطیل نما ہے جس کا بالائی حصہ زیریں حصے سے چھوٹا ہے......

(ج) خط 15 سطروں پر مشتمل ہے جن کے درمیان تحریر کے مطابق ڈیڑھ سینٹی میٹر سے ساڑھے اکیس سینٹی میٹر کا فاصلہ ہے۔

(د) خط کے اختتام پر ایک تین سینٹی میٹر قطر کی مہر ہے جو گول ہے۔

(ر) اس کی تحریر پر پانی کے بہاؤ کی نشانات ہیں جو اوپر کی سمت سے نیچے کی جانب جا رہے ہیں۔ جس کے باعث چند حروف اور الفاظ مٹ چکے ہیں۔ جگہ جگہ روشنائی ہلکی پڑ گئی ہے بلکہ مہر کا مضمون بالکل غائب ہو چکا ہے ما سوائے ایک حرف ''ر'' کے جو انتہائی دائیں جانب مہر کے درمیان میں ہے غالباً یہ 'ر' کا حرف ''رسول'' کے لفظ سے تعلق رکھتا ہے جس کا یہ ابتدائی حرف ہے۔

(س) یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس خط کو پھاڑنے کی کوشش کی گئی تھی جس کی چیر افقاً لائن نمبر تین سے شروع ہو کر خط کے درمیان تک پہنچتی ہے اور انگریزی حرف ''L'' کی الٹی شکل بناتی ہوئی نیچے تک جاتی ہے۔

(ط) اس پھٹے ہوئے خط کی سلائی اور مرمت کی کوشش کی گئی ہے جس میں ایک باریک دھاگہ استعمال کیا گیا ہے یہ نرم چمڑے کی کھال سے تیار کردہ معلوم ہوتا ہے جو چمڑے کے اس ٹکڑے سے قدرے مختلف ہے جس پر یہ خط تحریر شدہ ہے۔

(ع) اسلامی دور کی قدیم ترین طرز تحریر جو ہمیں دستیاب ہے وہ 04ھ سے تعلق رکھتی ہے اور وہ نمونہ اس لکھائی میں دیکھا جا سکتا ہے جو سلع پہاڑ کے گریفائٹ پر موجود ہے جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء گرامی ہیں یہ پہاڑ مدینہ میں ہے۔

618: مذکورہ وہ معلومات ہیں جو اس دستاویز کے متعلق ڈاکٹر منجد نے فراہم کی ہیں۔ گزشتہ اوراق میں ہم مذکورہ دستاویز کے متن اور ان حالات کا ذکر کر چکے ہیں جن میں یہ خط ارسال کیا گیا

تھا۔تاہم یہاں ہم صرف اصل خط کی عبارت تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھیں گے۔

619: ذیل میں ہم اصل خط کا متن پیش کر رہے ہیں جیسا کہ اسے ہم نے پڑھنے کی کوشش کی ہے ازاں بعد ان اختلافات کا ذکر کیا جائے گا جو مختلف تاریخ دانوں نے اس بارے محسوس کیے ہیں۔ہم تمام سطروں کی نمبر شماری کر رہے ہیں اور الفاظ پر نقطوں کا اضافہ بھی کر رہے ہیں تا کہ ان کو پڑھنے اور اس کا بہ غور مطالعہ کرنے میں آسانی ہو۔(اب آپ اصل خط دیکھیے)۔

1. بسم اللہ الرحمن
2. لرحیم من محمد عبد اللہ و
3. رسولہ الی کسر ی عظیم فا
4. رسد سلام علی من اتبع الہد
5. ی و آمن باللہ و رسولہ و
6. شہد أن (لا)إلہ إلا اللہ و
7. حد ہ لا شریک لہ و أن محمد
8. عبد ہ و رسولہ أ د عو ك
9. بد عایة اللہ فا نني أنا رسو
10. ل اللہ الی الناس کا فة
11. لا نذر من کان حیا و یحق
12. القول علی الکافرین
13. أسلم تسلم فان أبیتہ فا
14. نما علیک اثم المجو
45. س

اللہ

رسول

محمد

620: سابقہ باب میں اس خط کا ترجمہ پیش کر دیا گیا تھا۔ یہاں اس فرق میں اختلافات کا ذکر کیا جائے گا جو مختلف تاریخ دانوں نے اس میں پائے ہیں گو کہ یہ زیادہ اہم نہیں ہیں تاہم ان کا ذکر کیا جاتا ہے سطر نمبر **2-1** میں ''اللہ کے نام سے'' کا محاورہ یا ترتیب الفاظ طبری، حلبی، اور یعقوبی ہی نے استعمال کی ہے۔ سطر نمبر **3-2** میں تمام تاریخ دان ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر خدا'' کے الفاظ سوائے ابونعیم کے سب نے ہی استعمال کیے ہیں۔ ابونعیم نے ''محمد پیغمبر خدا، غیر یہودی رسول'' استعمال کیا جبکہ اصل مکتوب میں ''محمد عبداللہ، پیغمبر خدا'' کے الفاظ ملتے ہیں۔

سطر نمبر **3**: صرف عسکری ہی ''خسرو پرویز'' کے نام کا ذکر کرتا ہے جب کہ اصل خط میں یہ نام تحریر نہیں کیا گیا۔ (کسریٰ کا پورا نام خسرو پرویز اردو زبان میں مروج ہے)۔

سطر نمبر **9**: یہاں متن میں ''میں تمہیں بلاتا ہوں'' جب کہ ذرائع کے مطابق ''اور میں تمہیں بلاتا ہوں'' ہے اسی طرح جیسا کہ حلبی بیان کرتا ہے "بدعایہ" اور بعض جگہ "بدعا" ہے دونوں اصطلاحات کا مفہوم ''کی پکار کے ساتھ'' ہی ہے۔

سطر نمبر **13**: یہاں ''قبول کرو'' ہے جب کہ ذرائع کے مطابق ''اور قبول کرو'' یا ''پس قبول کرو'' ملتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ خط مذکورہ میں ''اگر تم اس کا انکار کرتے ہو'' ہے جب کہ ذرائع کے مطابق ''اگر تم انکار کرتے ہو'' ہے سوائے قلقشندی کے جو کہتا ہے ''اگر تم روگردانی کرتے ہو۔''

سطر نمبر **14-13**: خط میں ''تب مزید کچھ نہیں تو مجوسیوں کے گناہ تم پر ہوں گے۔'' جبکہ طبری صرف ایک ہی فقرے میں کہتا ہے ''تب اور کچھ نہیں مجوسیوں کے گناہ تیرے سر ہوں گے'' اور یعقوبی اسے یوں کہتا ہے ''تب یقیناً تیرے سر مجوسیوں کے گناہ ہوں گے۔''

621: یہ چھوٹے موٹے اختلاف (فرق) ایسے ہیں جن سے عبارت کے مفہوم میں چنداں فرق نہیں پڑتا اور اس کی تفہیم بہ آسانی ممکن ہے اس سے یہ حقیقت صاف عیاں ہوتی ہے کہ قدماء کے نزدیک بھی عبارت اور سیاق وسباق کی نسبت مفہوم کی وضاحت پر زور دیا جاتا تھا۔

622: جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو ڈاکٹر مُنجّد کے مطابق اس کی دوسری سطر میں حرف ''ر'' کے علاوہ کوئی حرف نظر نہیں آتا۔ تاہم فوٹو گراف سے اس سلسلہ میں خاصی مدد ملی ہے جو کہ خط کے مالک نے فراہم کی تھیں جس سے دوسری سطر کی عبارت قابل فہم بن گئی ہے یعنی ''رسول'' کا لفظ

پڑھا جا سکتا ہے جس سے مراد ہے ''پیغمبر'' تاہم مہر کے مکمل متن کی تصدیق تو قریب قریب ہر تاریخ دان نے کی ہے لیکن یہ بات یا تو متن سے مخصوص کی گئی ہے یا اس طور ظاہر کی گئی گویا یہ اسلامی عقیدے کا خاصہ ہے۔

623: یہاں تک تو صورت حال بالکل ٹھیک ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ دستاویز ثقہ اور اصل ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو؟ آیئے سب سے پہلے ہم اس کا جائزہ عہد قدیم کے جغرافیائی خدوخال کے علم کی روشنی میں لیتے ہیں اور اسی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل نامہ مبارک میں نقاط کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ جیسا کہ آج کل کا رواج ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا عمومی استعمال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے خاصہ عرصہ بعد شروع ہوا اور اس مکتوب کی قدامت کا ایک ثقہ ثبوت یہ بھی ہے۔ تاہم چند ایک دیگر خصوصیات ایسی ہیں جو بغور مشاہدے اور مطالعے کا تقاضا کرتی ہیں:

(الف) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وثیقہ نویس یا نامہ مبارک کے کاتب نے الفاظ کے آخر میں مکمل حروف استعمال کرنے کی بجائے ان کی مختصر شکل درج کی ہے مثلاً سطر نمبر 3-4 میں لفظ '' فارس'' کی جگہ محض ''فارسـ'' سطر نمبر 10 میں ''الناس'' کی جگہ محض ''الناسـ'' سطر نمبر 12 میں ''الکافرین'' کی جگہ ''الکافریـ'' اور اور سطر نمبر 14-15 میں ''المجوس'' کی جگہ محض ''المجوسـ'' استعمال کیے گئے ہیں۔

(ب) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام نامہ ہائے مبارک میں ''ھ'' کو لاطینی حرف 'T' کی مانند لکھا گیا بجائے دو چشمی ''ھ'' کے مثلاً سطر نمبر 4-5 میں لفظ ''الھدی'' اور سطر نمبر 6 میں لفظ ''شھد'' یقیناً اس طرح کی عبارت بعد کے ادوار میں دستیاب ہیں تاہم یہ اعتراض کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ حرف ہائے کی (V یا T) کی صورت میں موجودگی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مکتوبات میں دیکھی جا سکتی ہے اور وہ خطوط آج ہمارے پاس موجود ہیں۔ مثلاً (1) مقوقس کے نام خط میں سطر نمبر 3 میں لفظ ''الھدی'' (2) مقوقس کے نام خط میں سطر نمبر 11 میں (غیر واضح) لفظ ''اشھدوا'' (3) منذر کے نام خط کی سطر نمبر 3 میں ''اشھد'' (4) منذر کے نام خط کی سطر نمبر 6 کے دو الفاظ ''امر ھم'' اور ''لھم'' (4) منذر کے نام خط کی 8 ویں سطر میں

لفظ "أهل" (5) منذر کے نام خط 5 سطر نمبر 9 میں لفظ "مهنم" جو سہوا "منهم" کی بجائے لکھا گیا اور دوسرا لفظ "مهما" (6) نجاشی کے نام خط کی سطر نمبر 4 میں لفظ "الهدى" (7) اور اسی طرح اسی خط میں سطر نمبر 6 میں "المهيمن" (18) نجاشی کے نام خط کی سطر نمبر 7 میں لفظ "أشهد" (9) اور آخری خط جو نجاشی کے نام لکھا گیا اس کی سطر نمبر 17 پر لفظ "ألهدى" لکھے گئے ہیں یہاں ضمناً یہ بات ذہن نشین رہے کہ غالباً وثیقہ نویس یا مذکورہ خطوط کے کاتبین مختلف تھے۔ اور یہ تمام خطوط کم وبیش ایک ہی دن تحریر کیے گئے تھے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جانے کے لیے تیار تھے اور خیبر کی مہم روانہ ہونے والی تھی۔ جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قیادت فرما رہے تھے۔ بدیں وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا عجلت میں تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ مختلف کاتبین سے خطوط لکھوائے تاکہ کام جلد ختم ہو سکے۔

(ج) خطوط میں استعمال ہونے والے الفاظ کے آخر میں "ه" یعنی "عبده" اور "وحده" کے الفاظ استعمال کیے گئے تو انہیں ذرا کشیدہ کیا گیا یعنی ان کی شکل "عبد هـ" اور "وحدهـ" بن گئی۔

(د) نامہ مبارک کی 13 ویں سطر میں "ف" کا حرف دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس طرح بنایا گیا گویا دانستہ طور پر بعد ازاں اس کی نوک پلک درست کی گئی ہے۔

کیونکہ یہ ایک ہی کاتب کی کارروائی نظر نہیں آتی۔ جس نے اصلاً اسے تحریر کیا تھا۔ اس سلسلہ میں لفظ "فان" اور "فانما" قابل غور ہیں۔ یہی صورت حال سطر نمبر 10 میں لکھے گئے لفظ "كافة" کی ہے۔ کیا مابعد کے کسی دور میں ان الفاظ کی نوک پلک دوبارہ درست کی گئی تاکہ روشنائی میں تازگی پیدا کی جا سکے جو قبل ازیں پانی پڑ جانے کے باعث مدھم اور غیر واضح ہو چکی تھی۔ تاہم خط کے معائنے اور گہرے مشاہدے سے مجھ پر فوری طور پر یہ تاثر محکم نہیں ہوا لیکن میرے پاس اس نوعیت کی چھان پھٹک کے لیے تکنیکی ذرائع دستیاب نہیں ہیں، تاہم مجھے یہ علم نہیں ہے کہ آیا نیشنل لائبریری آف پیرس نے اس دستاویز کی چھان پھٹک انفرا ریڈ یا الٹرا وائلٹ ریڈی ایشن کے ذریعے کی ہے یا نہیں تاکہ اس خط کی قدامت کا تعین کیا جا سکے اور اس کی عمر کا اندازہ ہو پائے۔

نتائج تحقیقات

یہ چونکہ ماہرین کا کام ہے میں یہ ان پر چھوڑتا ہوں اور یہ میرا کام نہیں۔

624: بہت ممکن ہے کہ آئندہ اس قیمتی دستاویز سے متعلق مزید حقائق سامنے آئیں کہ اس مکتوب کو صدیوں تک کن لوگوں نے سنبھالے رکھا اور اس کہانی کے کردار کون کون سے ہیں۔ تاہم اس دستاویز سے متعلق جو حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں اور جو معلومات ہمیں حاصل ہو سکی ہیں خواہ اسے چاک کرنے اور پھاڑنے سے متعلق ہیں یا ان کا تعلق مہر سے ہے، اس کی تحریر سے ہے یا زبان سے نیز قدیم مصنفین کی تحریروں سے مذکورہ مکتوب کی تحریر کے موازنے کا جہاں تک تعلق ہے تو ہم اس دستاویز کو ثقہ اور اصلی سمجھتے ہیں۔

625: یہ بات بھی اپنی جگہ حق و سچ ہے کہ یہاں تک پہنچنے کی راہ میں بڑی مشکلات اور پیچیدگیاں تھیں اور ہماری تحقیقات اور چھان پھٹک کو کئی اہم مراحل سے گزرنا پڑا، ایک رکاوٹ ان خطوط کی عجیب وغریب بناوٹ بھی تھی جس کا ہم نے گزشتہ اوراق میں ذکر بھی کیا ہے دوسری بات یہ کہ پانچ اصلی خطوط میں سے تین دمشق سے دریافت ہوئے ہیں: زیر بحث آخری خط دمشق ہی سے خریدا گیا تھا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ مکتوب الیہ کے نام تحریر کردہ ایک اور مراسلہ دمشق کے قوتلی خاندان کے پاس ہے۔ تاہم اس خط کی فوٹو گراف جو مجھے مرحوم Reich یا Rice نے ارسال کی تھی۔ اس کے مشاہدے اور بغور مطالعے سے یہ صاف عیاں ہوتا ہے کہ بین السطور جدید خط میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ ایسا کس نے اور کیوں کیا، تا حال یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ یہی معاملہ نجاشی کے نام تحریر کردہ خط کے ساتھ بھی ہے جو خاصا پیچیدہ اور پریشان کن ہے۔

626: تاہم اس تبدیلی کا جدید ہونا ممکن نہیں ہے جب کہ المنذر کے نام تحریر کردہ خط کو Fleischer جیسا عظیم دانشور بھی پڑھنے سے قاصر ہے۔ ان کے مطابق مذکورہ مکتوب کا متن کسی اور جگہ بھی محفوظ نہیں کیا گیا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ نسبتاً کم تر اہلیت اور قابلیت کا حامل کوئی جعلساز اس خط کا متن حاصل کرلے اور اس میں قدیم طرز کی نقل کرتے ہوئے ردو بدل یا جعل سازی کا ارتکاب کرے۔

627: پہلا ردعمل یا تاثر جو اس خط کے معائنے اور مشاہدے سے کسی سکالر یا دانشور پر مرتب

ہوتا ہے وہ کسی بھی دوسرے محقق سے مختلف ہوتا ہے لیکن بہرحال ہمیں مختلف آزادانہ تحقیقات کے مجموعی نتائج کو ازسرنو جدوجہد کرنے کے لیے یک جا کرنا ہے ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ہماری تحریر کردہ یہ چند سطریں دیگر سکالرز کے لیے مہمیز کا کام کریں گی اس طرح وہ مبہم پہلو بھی واضح اور روشن ہوسکیں گے جو تاحال تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

باب 35

ایرانی مقبوضات کے ساتھ تعلقات

بحرین (الاحساء):

628: مشرقی عرب کا ساحلی صوبہ جسے آج کل الحساء (الاحساء) کہا جاتا ہے۔ اسے اس وقت بحرین کہا جاتا تھا۔ جبکہ موجود بحرین کو قدیم زمانے میں اوال کہا جاتا تھا۔ قدیم تاریخ کو کھنگالے بغیر ہمارے سامنے یہ صورتحال ہے کہ شاپور دوم (310-379) تک بحرین ایرانی سلطنت کا حصہ رہا اس کا گورنر جو عرب سردار اور اپنے قبیلے کا سردار بھی ہوتا تھا کو شاہ حیرہ ہی نامزد کیا کرتا تھا۔ ساسانیوں کے آخری ادوار میں اس مقصد کے لیے (گورنر کی نامزدگی) کسی ایرانی امیر کی تصدیق ضروری ہوتی تھی (Rothstein P. 131) کیا یہاں اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بحرین کا الحاق صرف لخمیوں نے ایرانی سلطنت کی مدد کے بغیر کیا تھا جس کا مقصد انتظامیہ پر ایرانی سلطنت کے بھاری دباؤ کی مزاحمت کرنا تھا؟

629: مشقر اور حجر: جغرافیائی خصوصیات کے حامل دو اہم مقامات ہیں۔ ہمارے ذرائع کے مطابق حجر کا مقام صوبیدار کی رہائش گاہ اور سرکاری دفتر تھا اور یہیں پر سالانہ میلے منعقد ہوتے تھے (ابن ہشام، ص259) عربی میں اس کا مطلب ''سرخ کیا گیا'' ہے یہاں پر شاید (قلعہ) قائم کیا جاتا تھا کیونکہ اسی جگہ اور مضافاتی علاقوں سے تجارتی کارواں بھی گزرتے تھے آج کل اس مقام کو الحفوف کہتے ہیں۔

630: اس علاقے میں تمیم اور عبدالقیس کے قبائل رہائش پذیر تھے ابن حبیب (''محبر'' 265) کے مطابق عبدالقیس کے پاس ایک بت تھا جس کا نام ذوالللبا تھا جو (مشقر) کے مقام پر نصب تھا۔ جس کا قائم مقام پادری وراثتی طور پر بنو عامر قبیلے سے ہوتا تھا یہاں مصنف وضاحت

کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس بت کے پجاریوں کا نظریہ تھا کہ ''اے خدا ہم یہاں ہیں ہم یہاں ہیں اے خدا ہم سے مدرکیوں کو دور کر دے ہماری اس یاترا کو ہمارے لیے یقینی تحفظ کا ذریعہ بنا دے اور ہمارا حجر کے آقاؤں سے تحفظ فرما'' اس کا مطلب ہے کہ یہ ایرانی لوگ حجر کے گورنر سے خوفزدہ رہتے تھے اور مذکورہ کلمہ کا ورد کرتے رہتے تھے۔

631: جہاں تک انتظامی تنظیموں کا تعلق ہے وہ اسلام کے آغاز کے وقت منظم نہیں تھیں ابن حبیب (''محبر'' صفحہ 265) کے مطابق بحرین کا گورنر ایرانی شہنشاہ ہمیشہ عبداللہ بن زید کے قبیلے سے مقرر کرتے تھے جس سے منذر بن ساویٰ بھی تعلق رکھتے تھے جو تمیم قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ ہمارے پاس بحرین کے ایرانی منتظم اعلیٰ کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت محفوظ ہے۔ ''الہلال'' کے ساتھ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت ہوتی رہی ہے جو بحرین کے ''صاحب'' تھے اور نسلاً عرب تھے۔ (الوثائق نمبر 65)۔ ایک خط کے اقتباسات کو جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فرموزان'' کے نام تحریر کیا تھا جو ایک فارسی شخص تھا لیکن اس کا کوئی خطاب نہیں تھا اور نہ ہی وہ کوئی اہم عہدیدار تھا۔ اسے یہاں ہم زیر بحث نہیں لا رہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منذر بن ساوئی کے نام خط میں اسے کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی کیا اس سے یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ اُسے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ جس طرح شہنشاہ نے دیگر بہت سے عرب عہدیداروں کو اُن کے مناصب سے الگ کر دیا تھا؟

منذر

632: منذر کے ساتھ اسلام کے سفارتی تعلقات خاصے پرانے تھے ابن حنبل کے مطابق (ابن حنبل ''مسند'' IV صفحہ 206-207) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوجوانی کے دور میں اس علاقے میں تشریف لائے تھے اور یہاں خاصی واقفیت رکھتے تھے بلاذری کے مطابق (بلاذری ''فتوح''۔ص۔ 79۔ ''کامل''۔ ابن اثیر II،175) پہلا خط منذر کے نام چھٹی ہجری میں لکھا گیا لیکن وہ اس خط کے مندرجات کے متعلق خاموش ہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان خطوط میں کیا کچھ تحریر کیا گیا تھا کیا یہ خطوط ان میں شامل تھے جو سات ہجری میں چھ مختلف بادشاہوں کو

لکھے گئے تھے؟ ہمارے پاس آٹھ ایسے خطوط کے متن دستیاب ہیں جو منذر کو ذاتی حیثیت میں تحریر کیے گئے تھے یہ خطوط ان کے علاوہ ہیں جو تمیم قبیلے اور عبدالقیس قبیلے کو تحریر کئے گئے۔ ذیل میں ان خطوط کو متن کے اعتبار سے ترتیب دے کر پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلا خط یہ ہے۔

اللہ کے پیغمبر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے المنذر بن ساوی کے نام سلامتی ہو اُس شخص پر جو راہ راست کا اتباع کرے اما بعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں تم اسے تسلیم کر لو تو محفوظ ہو جاؤ گے اور جو کچھ کہ تمہارے اختیار میں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دے گا جان لو کہ میرا دین اکنافِ عالم میں کامیاب ہوگا (تلوں پر چلنے والے اونٹ اور سموں پر چلنے والے گھوڑے جہاں تک پہنچ سکتے ہیں میرا دین وہاں تک پہنچ کر کامیاب ہوگا یہ تشبیہ اپنی مثال آپ ہے جو عربی ادب کا بھی بے نظیر نمونہ ہے)

مُہر اللہ

رسول

محمد

633: اس خط کے سفیر حضرت علاء ابن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو مکہ میں مقیم تھے اور جنہیں بحرین روانگی کا حکم ملا تھا کہ جب منذر اسلام قبول کر لے تو وہ اس ملک میں مسلمان حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور امراء پر ٹیکس لگا کر غرباء کی مدد کریں ("محبر" صفحہ 77) اپنی منزل پر پہنچنے کے بعد سفیر نے کہا "اے منذر! آپ اس دنیا کے معاملات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اسی لیے تمہیں آخرت کو سمجھنا چاہیے۔ جان لو کہ مجوسیت بدترین مذہب ہے۔ کیونکہ اسکی تعلیمات کے مطابق اس میں نہ تو عزت وتوقیر کا لحاظ ہے اور نہ ہی اہل کتاب کے لوگوں کا یعنی (یہودی اور نصرانی کا) اس مذہب میں بہنوں اور بیٹیوں سے شادی ایک شرمناک فعل ہے اور اس کے پیروکار آگ کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں روز حشر نگل جائے گی آپ عقل وشعور کی دولت سے مالا مال ہیں ذرا بتایئے کیا اس شخص کو مسترد کر دیا جائے جس نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا؟ کیا اس شخص پر اعتماد نہ کیا جائے جس نے کبھی کسی کو دھوکہ نہ دیا ہو؟ کیا وہ شخص جو کبھی ناکام نہ ہوا ہو قابل اعتماد نہیں؟ اگر اس شخص کے متعلق جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے تو وہ ہمارے پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی (نسلاً غیر اسرائیلی) ہیں۔ خدا کی قسم جو کچھ وہ کرنے کیلئے کہتے ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کرنے سے احتراز برتا جائے یا وہ جن چیزوں سے منع کرتے ہیں، بہتر ہے انہیں قانوناً ممنوع قرار دیا جائے۔ اس طرح کوئی بھی عقل منداور ذہین شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہیں سزا دینے میں زیادہ سخت ہونا چاہیے تھا یا معاف کر دینے میں زیادہ شدت پسند"۔ منذر نے جواب دیا" تمہارے مذہب میں مجھے جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی ہے وہ یہ کہ تمہارا دین نہ صرف یہ کہ اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ یہ آخرت تک بھی محدود نہیں بلکہ یہ دونوں دنیا اور آخرت کی فلاح کا اتحاد واتصال چاہتا ہے تو بھلا میں اسے کیوں قبول نہ کروں؟" (سُہیلی جلد دوم صفحہ 356)۔

634: تاریخ میں منذر کے جواب کا سُراغ نہیں ملتا یہ رویہ مخالفانہ نہیں ممکن ہے اس نے اس امر کی وضاحت چاہی ہو کہ مسلمان پولیٹیکل ایجنٹ یا سیاسی گماشتے اور اس کے مابین اقتدار کی تقسیم کا فارمولا کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا متن حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے منذر ابن ساویٰ کے نام

"آپ پر سلامتی ہو! اما بعد! میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے ساتھ تم سے مخاطب ہوں۔ رب تعالیٰ جل شانہٗ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ صرف وہی خدائے بزرگ و برتر ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ میں مزید تمہاری یاد دہانی کراتا ہوں کہ اللہ ہی طاقتور اور شان والا ہے۔ جو کوئی بھی نصیحت کی بات پر عمل کرتا ہے تو وہ ایسا اپنے نفع کیلئے ہی کرتا ہے اور جو کوئی بھی میرے فرستادہ کا حکم مانتا ہے اور اطاعت کر رہا ہے اور ان کے متعلق اچھی تدبیریں کرتا ہے (اچھا گمان رکھتا ہے) تو ایسا ہے گویا وہ میرے متعلق اچھی تدبیریں کرتا ہے (یعنی اچھا گمان رکھتا ہے)۔

میرے سفیر نے آپکی تعریف کی ہے اور میں خود اسے تسلیم کر چکا ہوں اور تمہاری رعایا کے حق میں تمہاری سفارش منظور کرتا ہوں۔ اس لیے تمام مال و دولت جو ان کے پاس اسلام قبول کرنے کے وقت تھا ان کے قبضے میں رہنے دیا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں مجرموں کو معاف کرتا ہوں تم بھی ان کی معافی کو قبول کرو جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو تم جب تک بہتر سلوک

کرتے رہو گے ہم تمہیں تمہاری ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں کریں گے۔اس کے برعکس جو بھی اپنی مجوسیت اور یہودیت پر اصرار کرے گا اس کو جزیہ دینا ہوگا۔

مُہر اللہ

رسول

محمد

635: خوش قسمتی سے اس دستاویز کی اصل دستیاب ہے اس کی تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گے۔ یہاں استعمال ہونیوالے آداب والقاب سے یہ صاف عیاں ہے کہ منذر پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا۔ وہ الفاظ جو القاب کے طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے متعلق استعمال فرمایا وہ تھا ''اس پر سلامتی ہو جس نے صراط مستقیم کا اتباع کیا''۔ یہ مرکب ناقص (جز و جملہ) یعنی کہ یہ الفاظ وکلمات ''جو بھی میرے نامہ بر کی اطاعت کریں گے'' اور ''ہم تمہیں تمہاری ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں کریں گے''۔ ہمیں یہ یقین دلاتے ہیں کہ بحرین کے صوبے میں سیاسی اقتدار وقوت مسلمان سیاسی گماشتے اور مقامی سردار کے مابین تقسیم شدہ تھی۔ ممکن ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی تنظیم اسلامی ٹیکسوں کی وصولی، تعلیم اور اشاعت اسلام جیسے امور سیاسی گماشتے کے اختیار میں ہوں اور اس کے برعکس غیر مسلموں کی تنظیم منذر کے ہاتھوں میں تھی اس سلسلے میں ابویعلیٰ (بحوالہ ابن حجر '' مطالب'' نمبر 3867) کہتے ہیں کہ بحرین (الاحساء) کے منتظمِ اعلیٰ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہیروں کا تحفہ بھیجا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک لونڈی صحابیہ اربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیئے اور اتنی تعداد میں دیے کہ جس سے اس کے دونوں ہاتھ بھر گئے اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس نوجون لڑکی نے فوجی مہمات میں بڑی گرمجوشی سے حصہ لیا اور ایک نرس کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیے تھے۔ (بخاری 68,67/56 ابن حجر ''الاصابہ''، 415) اس خیال کی تصدیق ایک اور دستاویز سے بھی ہوتی ہے جو بحرین میں قوتِ اقتدار کی تقسیم کے متعلق ہے اور غالباً 9 ہجری میں تیار کی گئی تھی اور یہ وہ وقت تھا جب غزوۂ تبوک زوروں پر تھی۔

العلاء ابن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام

''میں نے ابھی ابھی ایک شخص کو منذر ابن ساویٰ کی طرف روانہ کیا ہے کہ وہ مال و دولت جو جزیہ کے طور پر اکٹھی ہوئی ہے وہ لے آئے۔ اس پر آپ زور دیں اور اس کے ساتھ زکوٰۃ اور صدقہ کی رقوم بھی اور فصل کا عشر بھی بھیج دیں آپ پر سلامتی ہو''۔

(محرر: اُبی)

636: ہمارے ذرائع کے مطابق اس وقت مدینہ کو اسی ہزار درہم روانہ کیے گئے۔

637: صاف ظاہر ہے کہ مسلمان پولیٹیکل ایجنٹ کی پہلی ذمہ داری اپنے علاقے میں اشاعتِ اسلام تھی جہاں ایرانی اثر ونفوذ کے باعث اہل عرب آتش پرستی کی جانب راغب ہو رہے تھے عربوں کے درمیان یہودی اور بت پرست بھی تھے لیکن کسی دستاویز سے یہ ثابت نہیں کہ آیا کہ اس علاقے میں کوئی عیسائی بھی تھا کہ نہیں۔ بت پرستوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو گھوڑوں کی پوجا بھی کرتے تھے فارسی زبان میں اِسپ گھوڑے کو کہتے تھے۔ ان دستاویزات میں ایک اعلامیہ بھی ملتا ہے جس میں کارخانوں، ٹیکسوں عوامی اثاثوں کا ذکر ملتا ہے جو قبول اسلام کے وقت اس آبادی میں پائے جاتے تھے۔

''حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر کی جانب سے اللہ کے بندوں
(شہزادگانِ عمان اور عوام الناس) اور بحرین میں رہنے والوں کے نام

''ان کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائیگا جو ایمان لے آئیں گے نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے، اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کریں گے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ دیں گے جو اُن کا حق ہے اور مسلمانوں کے طریقے پر چلیں گے اور ان کے ساتھ مل کر رہیں گے۔ جو کچھ قبولیت اسلام کے وقت ان کا تھا وہ ان ہی کا رہے گا۔ ماسوائے آتش کدوں کے اثاثے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ کھجور پر عشر اور غلے پر (1/20) زکوٰۃ ہے۔ یہ ان کا فرض ہے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں اور ان کی مدد کریں۔ یہ فرائض تمہارے عوام کے مسلمانوں کے بھی ہیں۔ جہاں تک ان کے کارخانوں کا تعلق ہے تو وہ ان کی ملکیت رہیں گے جو

چاہیں اور جس طرح چاہیں وہ انہیں استعمال میں لائیں۔''

638: چونکہ مجوسی اسلام قبول کر چکے ہیں لہذا ان کے آتش کدے کے قیام کا اب کوئی جواز نہیں تھا بلاشبہ اب یہ دوسرے مقاصد کے لیے استعمال ہو رہے تھے اور فطری طور پر اس کے تمام چڑھاوے مملکت کے اثاثے تھے۔ عرب کے گودام میں چکیوں (Mills) کی حیثیت کا خصوصی ذکر ہونا چاہیے لیکن بدقسمتی سے اس بارے میں مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہے

639: تاریخ میں مسلمانوں کی مجاز حیثیت یا عملداری کے خلاف کسی بغاوت کا کوئی سراغ نہیں ملتا تاہم ذیل میں ایک اعلامیہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

رسول پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر خدا کی جانب سے حجر کے باشندگان کے نام

''آپ پر سلامتی ہو امابعد! میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے تم سے مخاطب ہوں اور اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ میں مزید تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کے نام پر اور تمہاری جانوں کے نام پر کہ تم ہدایت پانے کے بعد گمراہ مت ہو جانا اور سیدھا راستہ پالینے کے بعد غلط راستہ مت اختیار کرنا مزید یہ کہ تمہارا وفد میرے پاس پہنچا ہے اور میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ جس سے یہ ناخوش ہو۔ تم پر میں نے اپنا حق پورا کر دیا ہے میں تمہیں سرزمین حجر سے نکال باہر کر سکتا تھا لیکن میں ان کے لئے جو یہاں موجود نہیں ہیں بخشش معافی اور بریت کا اعلان کرتا ہوں۔ جو یہاں موجود ہیں ان کے لیے میری فیاضی کے در کھلے ہیں اللہ کی اس رحمت پر اس کا شکر کرو۔ مجھ تک وہ خبر پہنچی ہے کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو نتیجتاً گناہگار کا گناہ اس کے سر نہ ہوگا جو صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔ اور جونہی میرے گورنرز تم تک پہنچیں تم ان کی اطاعت کرنا اور ان کی مدد کرنا اللہ کے لیے اور اسکے راستے کیلئے (اسلام) کیونکہ تم میں سے جو بھی نیک عمل کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے گھاٹے میں نہیں رہے گا۔''

640: ممکن ہے ان لوگوں نے ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہو یا مدینے کے منتظم کو تسلیم نہ کیا ہو۔ زیادہ امکان اس بات کا بھی ہے کہ وہ منذر کے خلاف کسی دوسری معروف شخصیت کو چاہتے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خط کے آخر میں ابن سعد مزید ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے۔

المنذر ابن ساوی کے نام

''میرے سفیروں نے آپ کی تعریف کی ہے اور نتیجتاً جب تک آپ کا سلوک بہتر رہیگا میں تمہارے ساتھ بہتر سلوک کروں گا اور تمہیں اس کا اچھا اجر دوں گا اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص اور باوفا رہے۔ تم پر سلامتی ہو۔''

641: ہمارے پاس ایک اور خط بھی ہے جو پچھلے خط کا جواب معلوم ہوتا ہے اور ہمارے ذرائع کے مطابق اسے منذر نے تحریر کیا۔

''امابعد! اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپکا مکتوب جو اہل بحرین کے نام تحریر کردہ ہے پڑھا۔ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو اسلام کو پسند کرتے ہیں وہ اس سے خوش ہیں اور وہ اسے قبول کرتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے اسلام ناپسندیدہ ہے اس کے علاوہ میرے علاقے میں مجوسی اور یہودی بھی ہیں۔ ان کے متعلق اس معاملے میں مجھے آپ کے احکامات کا انتظار رہے گا۔''

642: تاریخ میں اس خط کا جواب محفوظ ہے اس کے علاوہ منذر کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر تحریریں بھی دستیاب ہیں ان کے حوالے کے بغیر ہی اتنی وضاحت کافی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر کو اسلام کے بنیادی اور ضروری اصولوں کی وضاحت کی تھی۔ جیسے نماز پنجگانہ اور اس کا قیام اور ایرانی قوانین جو غیر فوجی لوگوں کے متعلق تھے اور جزیہ جو ایک ٹیکس تھا جس طرح کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ جو وہ اپنے روپے پیسے اور بھیڑ بکریوں پر ادا کرتے تھے جب کہ غیر مسلم اس سے مکمل طور پر مستثنیٰ تھے۔ زیر کاشت زمینوں پر مسلمان فصل کا دسواں حصہ بطور عُشر ادا کرتے تھے جبکہ غیر مسلم ایک متعین زرعی ٹیکس ادا کرتے تھے جسے خراج کہا جاتا تھا۔ جس کا تعین علاقے کی فتح کے وقت ہی کر دیا جاتا تھا یہ ٹیکس ادا کرنے کے یہ دونوں طریقے مختلف تھے۔ اس لیے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس ٹیکس کا بوجھ زیادہ ہے۔ غیر مسلموں سے فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں لیکن اگر وہ اس میں شمولیت اختیار کریں تو اس سال انہیں جزیہ سے معافی مل جاتی تھی۔ منذر کے نام جاری کی جانے والی ہدایات میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا کہ اگر کوئی شخص زمین کا مالک نہیں اور نہ ہی روزی صنعت یا تجارت کے ذریعے کماتا ہے تو وہ سالانہ چار درہم اور ایک چوغہ بطور جزیہ ادا کرے گا۔

643: ذیل میں ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دستاویز کا جومنذر کے نام لکھی گئی ہے اور مجوسیوں کے متعلق ہے ذکر کرتے ہیں" اگر وہ اسلام کی اطاعت اختیار کرلیں تو ان کے حقوق وہی ہونگے جو ہمارے ہیں اور وہی فرائض ہوں گے جو کہ ہمارے ہیں لیکن جو اس کا انکار کرے تو اس پر تم جزیہ نافذ کرو۔ ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور نہ انکی عورتوں سے شادی کرو۔"

644: قرآن (5:5) کے مطابق مسلمانوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے ذبیحے کھالیں لیکن یہاں انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا اگر قصاب زرتشت ہو۔ غالباً ان کا جانوروں کو مارنے کا طریقہ غیر صحتمندانہ تھا زرتشت خواتین سے شادی کی ممانعت کی گئی تھی، مذاہب عموماً دوسرے مذہب کی بیویاں رکھنے کی اجازت دیتے تھے اور وہ بھی اس امید پر کہ وہ بالآخر ایک نہ ایک دن ان کا مذہب قبول کرلیں گی (آئندہ) قرآن کی مذکورہ آیت مسلمانوں کو اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن بت پرستوں سے شادی کی سخت ممانعت کرتا ہے۔ (قرآن 2:221) ہماری رائے میں اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ اسلام پاکیزگی اور خون کے خالص پن پر بڑا زور دیتا ہے جب کہ مجوسیوں کے ہاں اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے نکاح جائز سمجھا جاتا ہے جو انتہائی قریبی رشتے شمار کیے جاتے ہیں اور اسطرح تمام تر شجرہ نسب ضائع ہو جاتا ہے۔

645: پیشتر اس کے منذر کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر سرداروں کے نام لکھے گئے خطوط کا ذکر کریں ہم اس خط کی پوری تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں جو پچھلی صدی عیسوی میں دریافت ہوا۔

باب 36

المنذر کے نام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک

646: پہلے پہل ایک جرمن رسالے زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی۔ (1863ء، ص 385-6) میں المنذر کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل نامہ مبارک کی دریافت کا اعلان ہوا۔ ذیل میں ہم مذکورہ مضمون کے چند ایک اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ قسطنطنیہ میں پروشیا کے شاہی سفارت خانے کے اتاشی Busch نے پروفیسر Bockhaus کو لکھا "میں گزشتہ موسم خزاں میں ایک اطالوی شخص سے ملا تھا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس کے پاس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اصل خط موجود ہے جو اس نے گزشتہ موسم سرما میں دمشق سے خریدا تھا۔ نیز یہ کہ اس کے پاس کوفی خط میں تحریر کردہ قرآن پاک کے چند ایک مسودے (آیات) بھی ہیں۔ وہ مزید کہتا ہے کہ وہ دمشق ایک مسلمان کا بھیس بدل کر گیا تھا۔ اس نے مجھے مذکورہ ٹکڑے دکھائے ہیں جو کہ اس خط کی عبارت کی طرح گہرے بھورے رنگ کے چمڑے کی جھلی پر تحریر کردہ ہیں۔ اس کے ساتھ جو فوٹو گرافس ہیں وہ دراصل چربہ اور عکسی تصاویر ہیں جو اصل خط سے خاصی حد تک مختلف ہیں۔ قدرے زیادہ روشن نمایاں اور صاف ہونے کے باعث مشکوک و مشتبہ بھی ہیں۔ خصوصاً نامہ مبارک پر مہر مشکوک ہے۔ اس کے گہرے مشاہدے اور عمیق مطالعے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ اصل خط کی مہر کو میں پہچان سکتا ہوں جس پر وہی عکسی نشانات تھے جو اس تصویر میں تھے میں اس فریب نظر پر حیران رہ گیا کہ آپ جو کچھ پڑھنے کی توقع کر رہے ہوں اسے جانتے بھی ہوں۔ ترکی حکومت کو اس خط کی فروخت کی کوششیں فطری طور پر ناکام ہوگئیں۔ حالانکہ اس کی قیمت خاصی بھاری لگائی گئی تھی باوجود یہ کہ اس میں مذہبی لوگوں نے بھی خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیا پھر بھی بات نہ بن سکی۔"

ایڈیٹر کا نوٹ: اگر چہ اس معاملے سے سارے مشرق میں ایک سنسنی سی پھیل گئی ہے جب کہ اسے ہنوز ساری دنیا میں ''دھوکہ یا جعل سازی'' قرار نہیں دیا جا رہا۔ ہم ذیل میں اس خط کی لیتھو پرنٹ کا عکس شائع کر رہے ہیں جس کے مطالعہ اور مشاہدے کے بعد کسی بھی ماہر کو اس نام نہاد دریافت کی عدم ثقاہت وغیر حقانیت میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے گا۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ذیل میں ان الفاظ کا اعادہ کروں جو میں نے مذکورہ پروفیسر کو تحریر کیے اور ساتھ ہی مذکورہ فوٹو گراف بھی ارسال کیا۔

''یہ قیمتی دستاویز میں آپ کو واپس ارسال کر رہا ہوں۔ اگر وہ اطالوی شخص جس نے جعل سازی کی ہے اور من گھڑت افسانہ کھڑا کیا نیز مسلم دانش وروں کو احمق بنانے کی کوشش کی اور ترکی وزیر تعلیم کمال آفندی جیسے لوگوں تک کو پھانس لیا تو حقیقتاً وہ انتہائی خوش بخت شخص ہے جس نے دراصل یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ آیا وہ مرغی جو سونے کا انڈا دیتی ہے ہنوز زندہ ہے یا نہیں؟ کہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو جو مصر کے گورنر (جو یونانی النسل تھا) کے نام تھا فروخت کرنے کی کوشش کی حالانکہ Barthelemy پہلے ہی اس خط کو دریافت کر چکے ہیں اور اب یہ صاحب اس کوشش میں ہیں کہ مذکورہ خط جو بحرین کے گورنر منذر ابن ساوی کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرایا تھا، فروخت کریں تاکہ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں۔ (ابن ہشام، ص 945) چونکہ مذکورہ مکتوب کی عبارت یعنی متن کہیں بھی دستیاب نہیں ہے لہٰذا مذکورہ اطالوی شخص کو کسی بھی جانب سے کسی قسم کی تردید کا چنداں خوف لاحق نہ تھا (اگر یہ جعل سازی اس نے خود کی تھی) لیکن یہ شخص بڑے دانشمندانہ انداز میں پہلے لفظ (آغاز) پر رک گیا اور یہ لفظ بڑے عجیب انداز میں محفوظ رہا ہے اور صاف پڑھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح لفظ اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کی اور زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہا ہے۔ کیمرہ تکنیک اور عکس بندی یہاں بے کار ثابت ہو چکی ہیں۔ اب عربی متن کی تین سطریں جو پڑھی جا سکتی ہیں ان کے تراجم حسب ذیل ہیں، بھی دیکھیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے المنذر بن ساوی کے نام

''تم پر سلامتی ہو! امابعد! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی رب نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں مزید یہ کہتا ہوں کہ......"

"ہمارے اندر اس مکتوب کی خرید کی خواہش پیدا کرنے کے لیے مذکورہ چند لائنیں ہی کافی ہیں اور کسی بھی عاقل شخص کو اس سے زائد کی ضرورت بھی نہیں ہو سکتی۔ مکتوب کا بقیہ حصہ خصوصاً ان لوگوں کے کام کا ہے جو "کچھ نہیں" سے "بہت کچھ" بنانے کا ہنر جانتے ہیں تاکہ اسلام خالی ہاتھ نہ چلا جائے وہ خط کے متن سے یہ الفاظ (مشروط طور پر) لے لیتا ہے "مسلمانوں کے لیے جب وہ اسلام قبول کرلیں۔"

"لیکن اتنے محتاط انداز میں آغاز کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب (شاید بدقسمتی سے) چند مرتبہ المنذر کے لفظ کو ترکی طرز پر (بجائے "ذ" کے تلفظ کے "ز" کے تلفظ کے ساتھ لکھتا ہے مثلاً لفظ "غیرہ" "میں حرف "ۃ" کی آواز ایک کی بجائے دو مرتبہ آئی ہے اسی طرح غالباً نقاط کی غلطی؟ کے باعث لفظ "اشھد" (میں تصدیق کرتا یا شہادت دیتا ہوں) حرف "اشعد" لکھا گیا ہے جو میرے لیے حیرانی و تجسس کی بات ہے۔ "فعما" میں آواز حلق سے نکالی جائے تو درست تلفظ ادا ہوتا ہے یہاں بھی "a" کی آواز کو صحیح استعمال نہیں کیا گیا۔ میرا خیال ہے کہ اتنا ہی آپ کے لیے کافی ہے۔"

647: یہ "تیکھی اور تند و تیز تنقید" درج ذیل تین نکات میں سمیٹی جا سکتی ہے جو دراصل اعتراضات ہی ہیں:

1۔ ذرائع المنذر کے نام اس خط کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تو کرتے ہیں لیکن اسکے متن اور عبارت کا چنداں کوئی ذکر نہیں کرتے۔

2۔ موجودہ دستاویز کے آغاز میں خط کے بھیجنے والے اور وصول کنندہ (کاتب و مکتوب الیہ) کے نام تو پڑھے جا سکتے ہیں لیکن خط کے بقیہ حصے میں سوائے عربی خطاطی کے چند ایک نشانات کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

3۔ عربی خط کی اس جعلی دستاویز کے نچلے حصے میں چند ایک الفاظ پڑھے جا سکتے ہیں لیکن ان کے حروف (ہجے) بالکل غلط ہیں جس کی توقع ایک عربی وثیقہ نویس (سیکرٹری) سے قطعاً نہیں کی جا سکتی۔

648: دراصل پہلا اعتراض تحقیق میں کمی یا کوتاہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔خوش قسمتی سے مذکورہ صدر دستاویز کا متن (عبارت) چند ایک قابل اعتماد تاریخ دانوں کے ہاں دستیاب ہے۔مثلاً قسطلانی، ابن طولون، قلقشندی، ابن القیم وغیرہ۔اگر فاضل مستشرق Fleischer اس خط کے متن کو نہیں جانتے تو بھلا اس اطالوی نامہ فروش کو عبارت کا کیا خاک علم ہوگا جو وہ جعل سازی کا ارتکاب کرتا۔

649: جہاں تک دوسرے اعتراض کا تعلق ہے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ محض ذرا سی کوشش محنت اور تگ ودو سے ہر چیز پڑھی جا سکتی تھی اور وہ غلطیاں جو ڈاکٹر Busch نے اس کے چربے کی تیاری میں کیں وہ بھی نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی تھیں۔ہمیں علم نہیں کہ کیا وجہ تھی کہ انہوں نے براہ راست اصل خط کی فوٹو کیوں نہ بنوائی اور چربے سے تصویر کشی یا عکس بندی کیوں کی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ صدیاں بیت جانے کے بعد اس خط کی جگہ جگہ سے روشنائی اڑ چکی ہے اور چربہ ساز نے غیر واضح الفاظ کو روشن اور نمایاں کرنے کی کوشش میں غلطیاں کی ہیں۔بہر حال ہمارے قدیم مصنفین ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی بدولت ہمیں مذکورہ خط کا اصل متن اور عبارت دستیاب ہے جو کسی بھی وقت دیکھی جا سکتی ہے۔

650: تیسرا اعتراض دراصل دوسرے اعتراض ہی کا بدیہی نتیجہ ہے۔مسٹر Fleischer نے اغلاط کی چار مثالیں پیش کی ہیں۔

(الف) منذر کا نام بجائے 'ذ' کے 'ز' سے لکھا گیا ہے یہ غالباً چربہ سازی میں کی گئی غلطی ہے فوٹو گراف میں یہ لفظ دوسری لائن کے شروع میں آیا ہے۔لیکن خط میں دوسری جگہ: (ع ب ذ) کے استعمال کا موازنہ کیا جائے (یعنی تیسری لائن کا دوسرا لفظ) تو ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ کاتب (سیکرٹری) نے ان دو الفاظ میں باریک فرق کو کس طرح واضح کیا ہے۔بمشکل ہی اس نے اس سطر کو ایک ملی میٹر کھینچا ہے ممکن ہے یہاں روشنائی مٹائی گئی ہو۔یہ چربہ سازی غلطی تو ہو سکتی ہے لیکن کاتب کی ہرگز نہیں،

(ب) "غیرہ" کے لفظ میں "i" کی آواز کا بجائے ایک کے دو مرتبہ استعمال درست ہے (تیسری سطر کا پانچواں لفظ) اور جدید تحقیقات کے مطابق یہ غلطی تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس سے اس خط کی قدامت ظاہر ہوتی ہے۔کوئی اس دور کا جعل ساز ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔یہ غلطی دراصل

مذکورہ دستاویز کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس کا ہم عصر ہونے کا ایک ثبوت بھی ہے کہ اس دور میں ان الفاظ کے یہ ہجے مروج تھے۔ اس کا ثبوت قرآن کی (47:51) آیت سے بھی ملتا ہے۔ دوسرا ثبوت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ مبارک سے بھی جو نجاشی کے نام لکھا گیا تھا۔ جس کا گزشتہ ابواب میں ذکر آچکا ہے۔ یہ غلطی نہیں بلکہ الفاظ کا قدیم انداز کا استعمال ہے جو کچھ عرصہ مروج رہا اس کی تصدیق پہاڑوں پر کی گئی کندہ کاری سے بھی ہو چکی ہے۔ تاہم بعض جگہ ایک ہی حرف بھی استعمال ہوا ہے اور مشدد لفظ ترک کیا گیا (القرآن 88:21 جہاں لفظ نُنجی کو نجی لکھا جاتا ہے)

(ج) جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے جہاں "a" کی آواز سے ملتا جلتا ایک چھوٹا سا ''ع۔ عین'' ہے (تلفظ کی آواز حلق سے نکالی جائے) نہ کہ ''ہ'' یہ Fleischer کی رائے ہے لیکن غالباً یہاں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ہی لفظ مذکورہ خط میں چھ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ، بلا استثناء، یہ تصویری نشان ''ہ'' کی نمائندگی کر رہا ہے یہاں التزاماً اس امر کی نشان دہی کی جاتی ہے کہ یہ نشان جو صرف ''ہ'' کی نمائندگی کرتا ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار دیگر مکتوبات مبارکہ میں بھی استعمال ہوا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی مقوقس، کسریٰ (خسرو پرویز) اور ہرقل کو تحریر فرمائے تھے۔ (ہماری اس کتاب میں انہیں پہلے ہی زیر بحث لایا جا چکا ہے)

(د) Fleischer کے مطابق یہ ''V'' کا نشان ہے جو ''a'' کی آواز (حلق سے نکالی جائے) کا نمائندہ ہے۔ لیکن یہاں وہ کہتا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی چوکور ہے جو ''a'' کی آواز والے لفظ کی نمائندگی کر رہی ہے لیکن اگر ایسا ہے تو آگے چل کر دو چوکوریں نظر آتی ہیں چنانچہ انہیں ہم ''فا''''عا'' اور ''آ'' پڑھیں گے۔ بجائے ''فا۔ عما'' کے یعنی ایک حالت میں اسے ''ع'' اور دوسری میں ''م'' کے لیے۔ حقیقتاً پہلی چوکور آخری رکن تہجی اپنے ماقبل کے لفظ کا حصہ ہے اور اس طرح Fleischer کو مغالطہ ہوا ہے وہ لفظ ''رسولک'' اور اس کا تلفظ ''لہ'' ہے۔

651: مختصراً یہ کہ Fleischer کے مذکورہ دستاویز کی جعل سازی کے حق میں پیش کردہ دلائل ناقابل یقین ہیں۔ چونکہ خود ہم نے تو یہ دستاویز دیکھی ہی نہیں ہے چنانچہ اس کے متعلق تو ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی کی فراہم کردہ تفصیلات کے پیش نظر اس دستاویز کے جعلی کی بجائے اصلی وثقہ ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اس دستاویز پر کسی جگہ مزید

مطالعہ وتحقیق ہورہی ہولیکن اس کا ہمیں علم نہیں۔

652: ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں کہ ترکی حکومت کے اس خط کو اطالوی شخص سے خریدنے کے انکار کے بعد کیا واقعات ہوئے لیکن 1917ء میں خواجہ کمال الدین نے اپنے ایک مضمون میں یہ اعلان کیا کہ انہیں مذکورہ دستاویز کی صلاح الدین کے خاندان میں زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ دستاویز 1932ء تک 'قوتلی' خاندان کی تحویل میں رہی میں نے خود یہ دستاویز نہیں دیکھی تاہم میں وہ کچھ بیان کرسکتا ہوں۔ جو مجھے بتایا گیا ہے یہ 1939ء کا واقعہ ہے کہ میرے ایک دوست Reich نے دمشق سے مجھے ایک خط لکھا اور تصدیق کی کہ مذکورہ بات سچ ہے بلکہ انہوں نے مجھے اس کی ایک تصویر بھی ارسال کی۔ یہ تصویر ہو بہو اس تصویر کے مشابہ تھی جو زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی میں شائع ہوچکی تھی۔ لیکن ایک خاص بات یہ تھی کہ لائنوں کے درمیان جدید خط میں کچھ عبارت درج کی گئی تھی۔ 1956ء میں مسٹر صلاح الدین المُنجِد نے بذریعہ خط تصدیق کی کہ مذکورہ دستاویز ''قوتلی'' خاندان کی تحویل میں ہنوز موجود ہے اور مزید یہ کہ اس کے خاندان کو اطالوی شخص سے منسوب کسی کہانی کا کوئی علم نہیں۔

باب 37

عرب میں دیگر ایرانی مقبوضات

قبیلہ تمیم

653: بحرین کے سردار المنذر کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا جس کی کچھ شاخیں عرب کے صحراؤں میں بدویانہ زندگی گزارتی تھیں چند نامعلوم وجوہات کی بناء پر عرب کا یہ انتہائی مشرقی سمت میں رہائش پذیر قبیلہ مکہ کی انتظامیہ میں ایرانی اثر ونفوذ کا حامل تھا جبکہ مکہ جزیرہ نمائے عرب کے مغرب میں واقع ہے یہ قبیلہ تمیم ہی تھا جو عرفات کے مقام پر حج کے انتظامات کرنے کا ذمہ دار تھا، اس قبیلے ہی کو حق حاصل تھا کہ وہ اجازہ یعنی حج کی رسومات کے اختتام کا اعلان کرتا تھا۔ (سُہیلی، I، ص 85) اس قبیلے کو منصفی اور ثالثی کی ذمہ داریاں بھی سونپی گئی تھیں اور وہ یہ فرائض اس وقت بھی سرانجام دیتا تھا جب مکہ کے مضافات عکاظ میں سالانہ میلہ منعقد ہوتا تھا۔

(مرزوقی "الازمنہ" II، 167)۔

654: سُہیلی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عطارد جس کا تعلق تمیمی قبیلے سے تھا۔ ایرانی کسریٰ سے ملاقات کیلئے گیا اور اس سے یہ درخواست کی کہ وہ اسے اپنے قبیلے کو ایرانی علاقے میں داخلے کی اجازت دے تا کہ وہ ایران کی ہری بھری چراگاہوں میں اپنے جانور چرا سکے اس وقت عرب کا یہ علاقہ قحط زدہ تھا۔ کسریٰ نے عطارد التمیمی سے اس امر کی ضمانت طلب کی کہ اس کے علاقے میں قیام کے دوران اس کا قبیلہ اچھے رویے کا مظاہرہ کرے گا۔ نیز یہ کہ خشک موسم کے اختتام پر فوراً ہی واپس چلا جائے گا۔ بدوی روایات کے عین مطابق عطارد نے اپنی کمان پیش کر دی وہاں پر موجود درباریوں نے شہنشاہ کو جو یہ کمان دیکھ کر حیران ہوا تھا بتایا کہ اس بدو کی طرف سے پیش کی جانیوالی ضمانت سے بڑی اور کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ چند ماہ بعد عطارد دوبارہ شہنشاہ سے ملنے اور

واپس جانے کی اجازت طلب کرنے کیلئے آیا۔ تاہم اسے یہ اچھی طرح یاد تھا کہ اُس نے شہنشاہ سے اپنی کمان واپس لینی ہے۔ شہنشاہ، عطارد اور اس کے قبیلے کے رویے سے بہت خوش ہوا اور اس کو ایک شاہی چوغہ تحفتاً پیش کیا۔ یہ بدوی اس پر بہت فخر کرتا تھا اور خوشی کے موقعہ پر یہ پہنا کرتا تھا۔ جب اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو یہ چوغہ اس نے پہنا ہوا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ عمل پسند نہ فرمایا (غالباً اس وجہ سے کہ یہ ریشم کا بنا ہوا تھا) اس موضوع پر ہم بعدازاں لوٹیں گے۔

655: اسی ذریعے (II, 335) کے مطابق اہل تمیم کے پاس ایک بت تھا جو ریشمی کپڑے اور بھس بھر کے بنایا گیا تھا اسے زعفران اور دوسرے عطریات لگا کر معطر کیا گیا تھا۔ تمیمی اس بت کی زیارت کیلئے آیا کرتے تھے۔ معروف شاعر زبریقان یہاں کا پروھت تھا۔

656: تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے ہی عجیب وغریب حالات میں اس قبیلے نے اسلام قبول کیا یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہدیدار کو خزاعہ قبیلے کے طرف بھیجا تا کہ وہ وہاں زکوٰۃ جمع کرے جوان مویشیوں پر جو جھیل ذات الاشطاط کی چراگاہوں پر چرتے تھے لاگو تھی۔ تمیمی خاندان خصوصاً بنوعنبر کی رہائش بھی وہی تھی جنہوں نے مذکورہ عہدیدار کی بڑی آؤ بھگت کی۔ خزاعی پہلے سے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور جو تھوڑی سی بحث کرنے کے بعد ٹیکس ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اہل کار نے یہی مطالبہ اہل تمیمی سے بھی کیا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا انہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دا اور ہتھیار اٹھا لیے۔ اس واقعہ کی اطلاع دینے کے لیے اہلکار واپس مدینے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس دوران عنبریوں نے اپنے ایسے بن بلائے مہمان پر احسان دھرنے کیلئے وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کے ساتھ ان کی بدسلوکی سے نہایت گھمبیر نتائج برآمد ہوں گے۔ عنبریوں کو اب کسی نئے سہارے کی تلاش تھی اس دوران ایک فوجی دستہ جو مدینے سے آرہا تھا اتفاقاً اس سے انکی مڈبھیڑ ہوگئی جس نے ان کی گیارہ عورتیں گیارہ مرد اور تیس بچے دھر لیے۔ اور انہیں اپنے ہمراہ مدینے لے آیا جبکہ دوسرے لوگ فرار ہو گئے اس پر تمیم، عنبر اور دیگر قبائل نے مل کر ایک اہم وفد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا جس کی قیادت ابن بشامہ کر رہا تھا۔ جس کی بہن صفیہ جنگی قیدیوں میں شامل تھی اا اقرا ، ابن حابس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ بھی وفد کا حصہ تھے اور تقریباً ایک برس پیشتر اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے وقت (8ھ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج میں بھی شامل تھے (ابن ہشام ص۔ 8-877) وفد کے دوسرے اراکین عطارد اور معروف شاعر زبریقان وغیرہ شامل تھے ان کی عوامی خدمات شاندار تھیں جونہی یہ مدینہ پہنچے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دراقدس کے قریب آئے تو ان گستاخ بدوؤں نے وہاں شور مچانا اور چلانا شروع کر دیا۔ تاکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائیں اور ان کا استقبال کریں۔ وہ ظاہر یہ کرنا چاہتے تھے اور اس سے غالباً ان کا یہ مقصد تھا کہ وہ کسی شخص کی شہرت بنانے یا بگاڑنے کی اہلیت سے بہرہ مند ہیں خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے ان کے ساتھ نرمی اور آہستگی سے کچھ دیر گفتگو فرمائی اور پھر ظہر کی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرے مجمع میں ان کا بھرپور استقبال کیا فوراً ہی عطارد اٹھ کھڑا ہوا اور ایک تقریر کی جس میں اس نے یہ کہا کہ اہلِ تمیم میں بادشاہ ہو گزرے ہیں وہ بڑے امیر اور فیاض تھے وہ تعداد میں زیادہ اور طاقتور تھے۔ بدوی طور طریق کے مطابق یہ رویہ گویا ایک چیلنج تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے سیکرٹری ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جواب دینے کا حکم دیا وہ ایک بلند آہنگ شخص تھے اپنے فی البدیہہ جواب میں دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے کہا کہ" اللہ تعالیٰ نے بادشاہوں کی جگہ ہمیں بہتر چیزیں عطا کی ہیں جن میں ایک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور دوسری مقدس چیز قرآن پاک ہے اور ایک مذہب جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے ہے انہوں نے مزید فرمایا ہم اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں اور ہم اپنی جان اور مال کی قربانی دیکر ان کا تحفظ کرتے ہیں اور ہم ان سے جنگ کرتے ہیں جو ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

657: اس کے بعد تمیمی شاعر زبریقان کھڑا ہوا اور اس نے منظوم انداز میں اپنے قبیلے کی تعریف وتوصیف بیان کرنا شروع کی۔ مسلم شاعر مدینہ حسان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا جواب دینے کی اجازت دی گئی ان کی نظم (فی البدیہہ) کسی طرح بھی تاثیر کے اعتبار سے کم تر نہ تھی اس کے بعد تمیمی وفد نے اجازت لی اور غور وخوض کے لیے واپس چلا گیا انہوں نے آپس میں صلاح مشورے کیے یعنی یہ کہ ان کا مقرر ہمارے مقرر سے بہتر ہے ان کا شاعر ہمارے شاعر سے

بہتر ہے ان کی آواز ہماری آواز سے سُریلی ہے مزید برآں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ زیادہ شائستگی اور شرافت سے گفتگو فرمارہے تھے جبکہ ہمارا رویہ ان کے ساتھ گستاخانہ تھا۔ پھرانہوں نے اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے قیدیوں کے لیے معافی کی درخواست کی اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیمی وفد کے ایک رکن سیرہ ابن عمرو سے کہا کہ وہ اپنا ثالثی فیصلہ سنائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی اس فیصلے کو قبول کریں گے۔ یہ وہی ثالث ہیں جنہوں نے فیصلہ دیا آدھے قیدی بلا تاوان اور بقیہ نصف کو روایتی تاوان کی ادائیگی کے بعد چھوڑ دیا جائے یہاں بخاری اور ابنِ ہشام مزید کہتے ہیں کہ (بخاری ا، ص 64-68، ابن ہشام ص 983) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن میں سے ہیں) ایک تادیبی مہم کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ "اے اللہ کے پیغمبر میں نے ایک مرتبہ یہ عہد کیا تھا کہ میں اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی ایک شخص کو غلامی سے آزاد کراؤنگی (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آل اولاد سے)" حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عائشہ عنقریب بنی تمیم سے کچھ قیدی لائیں جائیں گے تم ان میں سے ایک کو آزاد کر دینا" جہاں تک وفد کے سربراہ کی بہن صفیہ کا تعلق ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا تاوان ہی آزاد کر دیا۔ مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ہر رکن کو تحفے تحائف سے بھی نوازا حتیٰ کہ اس کارواں کے اونٹوں کی دیکھ بھال کرنے والے لڑکے کو بھی تحفے دیے۔

(ابن حنبل۔ "مسند" V، ص 206-207)۔

658: چنانچہ یہ معاملہ اس طرح انتہائی دوستانہ ماحول میں طے پا گیا اور اسلام خلیج فارس کے علاقے تمیم میں نہایت تیزی سے پھلنے پھولنے لگا۔

659: تاریخ میں تمیمی قبیلے کے نام لکھے گئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نو خطوط کا ذکر ملتا ہے لیکن بدقسمتی سے ان میں سے بیشتر خطوط کے متن محفوظ نہیں کئے جا سکے۔ دو خطوط کے مخاطبین قتادہ ابن الاور اور حصین ابن مشمت تھے۔ جنہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے ٹکڑے فے (Fief) عطا کیے جہاں تک احمر ابن معاویہ کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تحریری طور پر تحفظ کا پروانہ عطا فرمایا جس میں اس کی جائیداد اور جان و مال کے نقصان پر سخت سزا کی نوید دی گئی۔ تمیمی خاتون قیلہ بنت مخرمہ کے نام یہ خط خاصا تجسس آمیز ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ

وسلم نے یہ خط ایک سرخ چمڑے کے ٹکڑے پر تحریر فرمایا" قیلہ اس کے خاندان اور دیگر خواتین اور اس کی بیٹیوں کے کسی حق کو پامال نہیں کیا جائیگا اور نہ ہی ان سے زبردستی شادی کی جائیگی اور ہر مسلمان ان کا دفاع کرے گا۔انہیں نیکی کرنی چاہیے اور کوئی برائی قطعاً نہیں کرنی چاہیے۔

660: وہ حالات معلوم نہیں ہوسکے جن میں یہ خط لکھا گیا تھا تاہم ایک اہم بات اس معاملے میں قیلہ کی مداخلت ہے حالانکہ یہ خاتون تمیمی تھی تاہم ان کی شادی ایک دوسرے قبیلے بکر بن وائل میں ہوئی جو قبل ازیں اسلام قبول کر چکا تھا اور جس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ پورا صحرائے دہنا انہیں بطور نفے (FIEF) عطا کیا جائے اس طرح اہل تمیم کے قبیلے کے مفادات مجروح ہوتے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے قیلہ نے بھرپور مداخلت کی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قائل کیا کہ وہ ناانصافی پر مبنی اس درخواست کو قبول نہ کریں اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہی۔

661: تمیمی الاثم ابن صیفی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے جانا چاہتے تھے لیکن انہیں رشتہ داروں نے یہ کہہ کر روک لیا کہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔اور یہ کہ راستے میں بہت سے خطرات بھی ہیں چنانچہ انہوں نے درج ذیل خط لکھنے پر اکتفا کیا جو ان کے بیٹے مدینہ لے کر گئے تھے۔

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ یہ خط اللہ کے ایک بندے کی طرف سے دوسرے بندے کی جانب تحریر کیا گیا ہے اما بعد! ہمیں مطلع فرمائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کون کون لوگ پہنچے ہیں ہمیں ان کے متعلق کچھ خبریں پہنچی ہیں لیکن ہم انکی حقیقت کو نہیں جان سکے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ملی ہے تو ہمیں ہدایت دیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے تو ہمیں بھی تعلیم دیں اور ہمیں بھلائی کے کاموں میں شریک کار بنائیں۔

والسلام

اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل جواب ارسال فرمایا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر کی جانب سے الاثم ابن صیفی کے نام

اللہ کی طرف سے تم پر سلامتی ہو۔ میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں اور اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں کہوں کہ اللہ تعالیٰ (واحد) کے سامنے کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا

شریک نہیں اور میں لوگوں کو یہی کہنے کا حکم دیتا ہوں تمام چیزیں یا کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ہر جگہ اللہ ہی کا حکم جاری وساری ہے اور یہ کہ یہ سب اللہ ہی کی مِلک ہے انہیں اللہ ہی نے پیدا کیا ہے یہ اللہ ہی ہے جو انہیں موت دیتا ہے اور یہ وہی ہے جو انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور انہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں پکارتا ہوں کہ تم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پکار بن جاؤ یقیناً تم سے اس عظیم واقعے کے متعلق پوچھا جائیگا اور یقیناً تم اس کے بعد اس کی خبر پالوگے۔'' (سلام الاشبلی ''الذخائر'' ص 210)

662: یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قدیم ترین ذرائع اس خط وکتابت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

663: ہم تمیم کے سوال کا اس ذکر کے ساتھ اختتام کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس قبیلے میں کچھ منحرفین پیدا ہوئے جن کی سربراہ ایک خاتون سجاح تھی جس نے ایک خاتون نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے ایک جھوٹے نبی مسیلمہ جس کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا شادی کرلی اور خاتون نبی ہونے کے دعوے سے دستبردار ہوگئی ازاں بعد وہ اسلام کیطرف لوٹ آئی اور لمبی عمر پا کر فوت ہوئی۔ تاریخ اسلام میں خاتون نبی کا تصور بڑی دلچسپی کا حامل رہا ہے اس سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں عرب خاتون کی معاشرے میں کیا حالت تھی۔

بکر بن وائل

664: بحرین کے آس پاس ایرانی اثر ورسوخ سے متاثر ایک قبیلہ انتہائی شمال کی جانب بصرہ کی سمت میں رہائش رکھتا تھا جہاں قبیلہ بکر بن وائل بھی آباد تھا۔ اسلام سے قبل یہ قبیلہ ممتاز حیثیت کا حامل اور جنگ وجدل کیلئے مشہور تھا تغلب کا بھائی بکر تھا جس کے نام پر قبیلے کا نام پڑ گیا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے مابین اپنی ہی بہنوں اور بھائیوں کے قتل عام کا سلسلہ قبل از اسلام کی خون ریز اور طویل ترین جنگ ہے۔ ساسانیوں نے دوسروں کی طرح اس قبیلے کو بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور یہ ایران کا مخالف شمار ہونے لگا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے میں دلچسپی لی اور انہیں ایک خط، جو منحرفین سے متعلق تھا تحریر فرمایا۔ اس میں ابن سعد کا اضافہ باعث دلچسپی ہے (طبقات ii/I ص 31، ابن حنبل، IV،

322)وہ کہتا ہے کہ پورے قبیلے میں ایک بھی شخص ایسا نہیں تھا جو یہ خط پڑھ سکے بالآخر بنوالکاتب کا ایک شخص ابن ربیعہ اُدھر آ نکلا۔ ذرائع کے مطابق خط کے ردِّعمل کا کچھ علم نہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ حریث ابن حسان کا تعلق قبیلے شیبان سے تھا وہ اہل بکر کا وفد لے کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا کہ وہ اپنے قبیلے کے قبول اسلام کا اعلان کرے یہ وہی شخص تھا جس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ صحرائے دہنا اس کے قبیلے کو عطا فرمایا جائے اس حقیقت کا ہم اوراق گذشتہ میں پہلے ذکر کر چکے ہیں ابن الاثیر بیان کرتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی ابن شراحیل کے نام ایک خط تحریر فرمایا تھا لیکن وہ اس کے مندرجات کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ممکن ہے اس خط کا تعلق تحفظ کی فراہمی سے ہو یا فے کے حصول سے ہو۔

665: ابن حنبل (''مسند'' IV، 322) کہتے ہیں کہ بکر ابن وائل کا ایک شخص کہتا ہے کہ ''میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لوگوں پر عُشر کے نفاذ کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صرف یہودیوں اور نصرانیوں پر لاگو ہے اور مسلمانوں پر نہیں'' کیا اس کا تعلق تجارتی اشیاء سے ہے جسے کسٹم ڈیوٹی کہا جاتا ہے یا یہ معدنیات پر ٹیکس ہے؟ کیونکہ مسلمان اشیاء پر عشر نہیں بلکہ 1/20 (بیسواں حصہ) ٹیکس ادا کرتے ہیں۔

666: آخر میں چند ایک الفاظ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ شیبان قبیلہ جس نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا ازاں بعد وہ ایرانی تسلط کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اس قبیلے کی اولین کامیابیوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے نہ صرف تازہ دم کمک بھیجی بلکہ مسلمانوں میں سے بہترین کمانڈر (سیف اللہ) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی روانہ فرمایا۔ کیا یہاں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بکر قبائل کی دیگر شاخوں کو بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایرانیوں کے خلاف ایسی حکمت عملی اپنانے کی ہدایات جاری ہوئیں تھیں؟

بنو تغلب

bis666: تغلبی بکر ابن وائل کے بھائی کی اولاد تھے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلقات قدرے خوشگوار تھے جس کا ایک مبہم سا اشارہ یہ

ہے۔ ''حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تغلب قبیلے کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہ بے شک عیسائی ہی رہیں لیکن وہ اپنے بچوں کو عیسائی نہیں بنا سکتے لیکن بعد میں وہ اس سے منحرف ہو گئے اور معاہدہ توڑ ڈالا۔ (ابو یعلیٰ بحوالہ ابن حجر ''المطالب'' نمبر 1072، ابن سعد، I/II باب وفود) اس کی مزید تفصیلات موجود نہیں ہیں لیکن عبارت سے ابہام اور شکوک پیدا ہوتے ہیں کیونکہ قرآن غیر مسلم رعایا کے مذہب کے متعلق نرم گوشہ رکھتا ہے اور ایسا رویہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن، عمان وغیرہ کے عیسائیوں کے ساتھ کبھی بھی روا نہ رکھا تھا۔

قبیلہ عبدالقیس

667: یہ قبیلہ بحرین (جدید الاحساء) کے جنوب میں رہائش پذیر تھا یہ علاقہ تمیم اور القیس کے مابین تقسیم ہوا تھا ایک تغلبی شاعر اخنس ابن شہاب ''القیس'' قبیلے کی ایک شاخ خاندان لکیز کے متعلق اپنی ایک نظم میں کہتا ہے کہ ''بحرین اور آس پاس کا ساحلی علاقہ لکیز **(LUKAIZ)** کی ہی ملکیت ہے خواہ ہندوستان کیطرف سے اس پر کتنا ہی خوفناک حملہ کیوں نہ ہو جائے''۔

(سلیمان ندوی، ''عربوں کی جہاز رانی''، ص، 30)

668: یہ شاعر قدیم تاریخ کے متعلق بھی کافی حقائق بیان کرتا ہے ابنِ حنبل نے لکھا ہے کہ اسلام سے قبل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیج فارس کے مغربی ساحل کے قریب عبدالقیس کے علاقے کے کئی سفر کیے تھے اور غالباً تجارتی قافلوں کے ہمراہ اور ان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادداشتیں بہت اچھی تھیں۔ ابن حنبل لکھتا ہے ''الھجر وہ مقام تھا جو مشقر کا قلعہ کہلاتا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا ''میں زارہ کے چشمے کے سامنے کھڑا ہوں'' الھجر کا جدید نام ہفوف ہے۔ جو ریاض اور زارہ کے مابین ایک سرسبز اور خوشحال شہر ہے جہاں تک مشقر کا تعلق ہے غالباً یہ قارہ پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ چشمہ اسی نام سے ہنوز موجود ہے۔ (دھران شہر سے شمالاً کوئی اک کلومیٹر فاصلہ) یہاں نخلستان ہے اور ایک کشادہ سڑک کویت تک بھی جاتی ہے۔

669: المقریزی بیان کرتا ہے کہ جنگِ اُحد کے دوران 3 ہجری میں قبیلہ القیس کے کچھ لوگ مدینہ آئے یہ دراصل غلے کا ایک کارواں تھا۔ یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ 5 ہجری میں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو المصطلق کیخلاف ایک مہم روانہ کی تو عبدالقیس کے قبیلے کے ایک شخص

نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا۔اس قبیلے میں اسلام کی مقبولیت آگے جا کر بڑی اہم ثابت ہوئی کہ سن 8 ہجری میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے باشندوں کے ذریعے انہیں ملاقات کی دعوت دی تھی۔ابن سعد کچھ وفود کے مدینے بھیجے جانے کا بھی ذکر کرتا ہے (طبقات ii/I ص،54) یہ ذریعہ بتاتا ہے کہ اس وفد میں تمام غیر مسلم رکن تھے بلکہ ایک عیسائی رکن بھی شامل تھا۔بخاری ہمیں درج ذیل تفصیلات دیتا ہے۔

(''صحیح'' بخاری 4-1/49/54)

(ا) ایک دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف معمول نماز ادا فرمائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلایا ''عبدالقیس کے وفود کی آمد اور انکے اسلام لانے کی خبر نے مجھے اپنی نفلی نماز کی تکمیل سے روکے رکھا تھا سو وہ میں اب مکمل کر رہا ہوں''

(ب) مسجد نبوی (مدینہ) کے بعد جمعہ کی نماز کی ادائیگی کیلئے جو سب سے پہلی مسجد تعمیر کی گئی وہ جواثا کے شہر میں عبدالقیس کے ملک میں قائم کی گئی تھی۔

(ج) جب عبدالقیس کے لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''اے لوگو میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔تمہارے دل میں اب کسی رسوائی یا افسوس کا شائبہ نہیں ہوگا''۔''اُنہوں نے جواب دیا ''اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ علاقہ مضر کے قبائل کا ہے جہاں مشرکین آباد ہیں جو ہمیں ان سے الگ کرتا ہے اور آپکے اور ہمارے درمیان ایک رکاوٹ ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے اپنی مرضی سے نہیں آسکتے ہیں سوائے ان مہینوں کے جن میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کو حرام قرار دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسلام کی بنیادی باتیں سمجھائیں جو ہمارے لیے جنت میں داخل ہونے کیلئے کافی ہوں اور جس کی تبلیغ ہم اپنے ملک کے غیر مسلموں کو کرسکیں''۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا ''میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں یعنی خدائے واحد پر ایمان، نماز پنجگانہ، زکوٰۃ کی ادائیگی اور ماہِ رمضان کے روزے اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ سرکاری خزانے میں جمع کرانا اور میں تمہیں شراب نوشی سے منع کرتا ہوں۔''

670: بخاری کا یہ آخری بیان ہمیں جنگ کی اس صورت سے آگاہ کرتا ہے جو قبیلہ ربیعہ اور

اس کے پڑوسی مضر قبیلے کے مابین چھڑی ہوئی تھی اور شراب نوشی کی اہمیت جوان کی معاشی اور سماجی زندگی میں اسلام سے قبل تھی پر روشنی ڈالتا ہے۔

671: ابن سعد کے مطابق (طبقات ii/IV ص، 78) جواثا کے مقام پر ایک قلعہ تھا جس میں مسلمان گورنر باغیوں کیخلاف اپنے دفاع کے لئے قیام کرتا تھا ایسا خصوصاً اسوقت ہوا جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا۔ یہ ذریعہ وضاحت کرتا ہے کہ جب مسلمان گورنر العلاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افراد پر مشتمل وفد کے ہمراہ مدینہ گئے تو ان کی جگہ منذر ابن ساویٰ ان کی عدم موجودگی میں قائم مقام گورنر تھا ابوقیس کے نام ہمارے پاس ایک خط بھی ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ تحریر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نبی کی ہے ابوالقیس اور بحرین (الاحساء) کے باشندوں اور آس پاس کے لوگوں کے نام

میں نے دیکھا ہے کہ تم اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو اور تم یہ مذہب اختیار کرنا چاہتے ہو۔ میں تم سے اس شرط پر اتفاق کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو گے۔ خواہ یہ تمہیں پسند ہو یا ناپسند۔ نماز قائم کرو گے زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ کے گھر کا حج کرو گے رمضان کے روزے رکھو گے، عدل کا رویہ اختیار کرو گے محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے، خواہ یہ تمہارے اپنے (مفادات) کے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ امراء کی آمدن پر ٹیکس (زکوٰۃ) عائد کرو گے جو غرباء پر خرچ کرو گے، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق جو مسلمانوں کی فلاح کے بارے میں دیے گئے ہیں''۔

672: اس قبیلے کے متعلق ایک اور دستاویز بھی دستیاب ہے لیکن کون سی دستاویز پہلے لکھی گئی ہے۔ اس کا تعین کرنا مشکل ہے یہاں توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ اس کے مکتوب الیہ کے نام کے باعث کئی مسائل پیدا ہو گئے ہیں صرف ایک ذریعہ ابن سعد (طبقات ii/I ص 32) واضح کرتا ہے کہ اس کا مکتوب الیہ الاکبر من عبد القیس (جس کے لغوی معنی سردار کے ہیں) ہے لیکن ایک اور مسودے کے مطابق جو ایڈیٹر نے طبع شدہ ایڈیشن سے چنا ہے۔ یہ واضح ہوتا ہے ک الاکبر ابن (بیٹا) عبدالقیس'' لیکن ماہرین انساب کے مطابق اس نام کا کوئی شخص اس قبیلے میں موجود نہ

تھا۔ یہ کوئی تصدیق شدہ عربی نام نہیں ہے میں خود اس کا تلفظ لوکیزا ابن (بیٹا) عبدالقیس پڑھتا ہوں کیونکہ یہی نام ہونا ممکن نظر آتا ہے، اگر ہم مسودات کی تحریروں کو سامنے رکھیں تو یہ نام تاریخ کے عین مطابق نظر آتا ہے۔ ان کے وفد کے بیس اراکین میں عبدالقیس قبیلے کی ایک شاخ کے اراکین بھی شامل تھے جس کا نام لوکیزا ابن عبدالقیس تھا (سہیلی، II، 334)۔ وہ تحریر یہ تھی:

''اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے الا کبر ابن عبدالقیس کے نام

دور جاہلیت میں اسلام سے پہلے ان لوگوں نے جو بھی گھمبیر باتیں یعنی قتل و غارت گری کی اب اس سے وہ اللہ اور اللہ کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت میں آگئے ہیں۔ اب ان پر ان فرائض کی تکمیل لازمی ہے جو ان پر عائد ہوتے ہیں اور جن کا انہوں نے ذمہ اٹھایا ہے۔ اور دوسری جانب ان کا یہ حق ہے کہ غلے کی درآمد و برآمد کے راستوں کو ان کے لئے بند نہ کیا جائے۔ بارش سے اگنے والی چراگاہیں ان کے لیے بند نہ کی جائیں اور انہیں اپنے پھلوں کو پکنے پر کاٹنے سے روکا نہ جائے۔ اس سلسلے میں علاء ابن الحضرمی جو گورنر ہیں انہیں اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اعتماد حاصل ہے۔ ان کی زمین پر ان کے سمندر پر ان کے مقیم پر ان کے مسافر پر اور ان پر جو مہم جوئی کے لئے مامور ہوں نیز بحرین کے باشندگان ہر خطرے کے خلاف ان کے محافظ ہوں گے اور ہر ظلم و تشدد کے خلاف ان کے معاون اور جنگ میں ان کے مددگار۔ ان پر یہ لازمی ہے کہ اللہ کی ضمانت اور ان کے معاہدے کی رو سے اس (تحریر) سے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کیا ہوا وعدہ تبدیل نہیں ہونا چاہیے اور تمہیں ان سے علیحدگی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ انہیں یہ حق حاصل ہے کہ مسلمان افواج انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیں، فیصلوں میں عدل کا لحاظ کریں اور ان کے ساتھ معاملات میں میانہ روی اختیار کریں دونوں فریقین کے مابین یہ ایک معاہدہ ہے جو ناقابل ترمیم ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر گواہ ہیں''۔

673: اوپر کے متن میں چند ایک ابہام پائے جاتے ہیں جن کی وضاحت کی جاتی ہے میرے خیال کے مطابق پہلی بات ''دور جاہلیت کی گھمبیر باتیں'' ظاہراً اس کا تعلق مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی بدسلوکیاں اور بداعمالیاں تھیں جنہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا تھا کیونکہ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ غالباً یہ حوالہ امنذر ابن ساوی کے خلاف ان کی بغاوت سے تھا جس کا ذکر ہم نے پہلے بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں اناج کی درآمد اور برآمد کے راستے اور

بارش سے پیدا ہونیوالی گھاس اور پکے ہوئے پھلوں جیسی اصطلاحات سے وہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں جنہوں نے یہ پہلے پڑھی ہیں۔ Caetani کہتا ہے کہ اناج کا راستہ وادی فرات کے حصے کو ظاہر کرتا ہے جہاں ابوالقیس موسم گرما میں ایرانی حکومت کی اجازت سے اپنے ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ یہ مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ بارانی گھاس کا تعلق عرب کے اندرون ان چراگاہوں سے تھا جہاں صحرائی لوگ موسم سرما میں اپنے جانور چرایا کرتے تھے جہاں تک ''حریم آف فروٹ'' کا تعلق ہے تو مصنف نے اس اصطلاح کا مفہوم بیان نہیں کیا۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ تمام اصطلاحات ٹیکس جمع کرنے کے طریقوں کیلئے استعمال کی جاتیں تھی۔ مزید یہ کہ یہ لفظ ''جریم'' ہے ''حریم'' نہیں جس کا مفہوم ہے ''فصل'' دونوں الفاظ کے مابین محض ایک نقطے کا ہی فرق ہے۔ بلاذری (''فتوح البلدان ''ص 78) وضاحت کرتا ہے کہ اگر مسلمان حکومت بحرین کے لوگوں سے معاہدے کے تحت یہ طے کرے کہ وہ کارکنوں کی معقول تعداد فراہم کریں گے جو پھلوں کی فصل اٹھانے میں ریاست کی مدد کریں گے ان کا تعلق کھجور کے ان باغات سے ہوگا جو ریاست کی ملکیت میں تھے۔ ان تمام حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس کی رائے کا احترام کیا اور یہ کہ جونہی پھلوں کی فصلیں کاٹی جاتیں تو وہ فوری طور پر اس سے استفادہ کرسکتے تھے اور ٹیکس جمع کرنے والے کی آمد کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ بارانی گھاس کی اصطلاح کا تعلق غالباً اس ٹیکس سے ہے جو ریوڑوں پر عائد کیا جاتا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چراگاہوں کے استعمال کی اجازت دے دی تھی اور ٹیکس جمع کرنے والے کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ دوسرے قبائل کے ساتھ کیا ویسے ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس قبیلہ کو اجازت دی کہ وہ چراگاہوں سے استفادہ کرسکتا ہے اور وہ حکومت کے اہلکاروں کی ٹیکس جمع کرنے کیلئے آمد کا انتظار نہ کرے'' غلے کا راستہ'' کی اصطلاح کا ہماری رائے میں مفہوم یہ ہے۔ اناج کی برآمد اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ حکومتی اہلکار ٹیکس کی وصولی کیلئے پہنچ نہ جائے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیکس دہندگان کی دیانتداری پر اعتماد تھا اور وہ پوری فصل پر پورا ٹیکس ادا کیا کرتے تھے۔

674: جہاں تک جنگوں اور مالِ غنیمت کا سوال ہے تو یہ نسبتاً اور زیادہ مشکل اور پیچیدہ ہے۔ علاقائی مسلم حکومت کو مرکزی حکومت کی طرف سے دشمنوں کیخلاف مہم روانہ کرنے کی ہدایت ملتی

تھیں لیکن کیا یہ ایرانیوں کیخلاف تھی یا کفار عرب کے خلاف تھی؟ قبل اُز اسلام ہونے والی جنگوں میں عبدالقیس قبیلے کے لوگ مال غنیمت اپنے پاس ہی رکھ لیتے تھے اس قبیلے میں شامل لوگ جنہوں نے مسلم مہمات میں شرکت کی بتاتے ہیں کہ انہیں مالِ غنیمت کا پانچوں حصہ سرکاری خزانوں میں جمع کروانا ہوتا تھا جبکہ بقیہ حصہ مہم میں شریک لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا (یعنی قرآن پاک کے مطابق) (قرآن 41/8)۔

675: ہم یہ جانتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک کنواں ایک شخص مشرج ابن خالد کو دیدیا تھا جیسا کہ اس قبیلے کے وفد کا ایک رکن سعیدی بیان کرتا ہے۔ مذکورہ خط کا واضح متن ہم تک نہیں پہنچ سکا اور نہ ہی ان خطوط کے متن دستیاب ہیں جو عبدالقیس کے شبیب ابن قرہ اور صحر ابن عباس کے نام لکھے گئے۔

بنوحنیفہ

676: بنوحنیفہ نجد میں رہا کرتے تھے اور یہ قبیلہ اس وقت بہت طاقتور تھا یہ علاقہ اس قدر سرسبز اور زرخیز تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول کی خلافت کے دوران صرف ایک سرکاری چراگاہ پر اس علاقے میں تقریباً تیس ہزار اونٹ چرائے جاتے تھے نیز اس علاقے میں گھنے جنگل بھی وافر تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) یمامہ کا شہر جواب نابود ہو چکا ہے جدید ریاض کے قریب واقع تھا جیسا کہ شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر بنوحنیفہ قبیلے کا صدر مقام تھا یہ گویا عرب کا گلہ گودام تھا۔ اور اہل مکہ زیادہ تر یہاں کے درآمد شدہ اناج پر ہی انحصار کرتے تھے (ابن ہشام ص 997-998) ہمارے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ جن بتوں کی بنوحنیفہ پوجا کرتے تھے وہ آٹے اور کھجور کو گوندھ کر تیار کئے جاتے تھے اور پھر انہیں آتش دانوں میں پکایا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ قحط کے دوران تو ایسا بھی ہوا کہ قحط زدہ لوگوں نے بت کو زمین پر دے مارا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور کھا گئے اس موقعے پر ایک مخالف قبیلے کے شاعر نے ایک طنزیہ قطعہ کہا:

''قبیلہ حنیفہ اپنے ہی خدا کو چٹ کر گیا جب سخت قحط پڑا اور خشک سالی ہوئی اس موقعہ پر نہ تو انہیں خدا کا خوف رہا تھا اور نہ ہی انجام بد کا خدشہ (''لِسان العرب '')۔

677: یہ واقعہ اس قبیلے کی اچھائیوں اور برائیوں کا اندازہ کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ وہ یہ کہ ایک

دفعہ ایسا ہوا کہ قبیلہ کلاب کا ایک شخص اپنی بیوی کے ہمراہ جو ایک خوبصورت خاتون تھی عمیر ابن سلمیٰ الحنفی کے گھر میں پناہ گزین ہوا عمیر کے بھائی ''قرین'' نے اس خاتون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ بیچارہ بدقسمت پناہ گزین سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس نوجوان عاشق کے ساتھ اپنی بیوی کو بات کرنے سے منع کر دے اس پر قرین آگ بگولا ہو گیا اور اپنے بھائی عمیر کی عدم موجودگی کا انتظار کرنے لگا اور اسکے بعد اس نے کلابی پناہ گزین کو ٹھکانے لگا دیا مظلوم کے بھائی کو جب یہ خبر ہوئی وہ بنو حنیفہ کے علاقے میں آیا اور سیدھا عمیر کے باپ سُلمیٰ کے مزار پر پہنچا اور وہاں اس نے ایک طویل نظم پڑھی جس میں اس بھیانک جرم کے خلاف شکوہ بیان کیا گیا تھا جب عمیر اپنے گھر لوٹا اور اپنے اس بھائی کی شرارت اور مقتول کے بھائی کا اس کے باپ کی قبر پر شکوہ کرنے کا علم ہوا تو فوراً اس نے اپنے مجرم بھائی کا ہاتھ پکڑا اور اسے مقتول کے بھائی کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اس سے بدلہ لے لے قاتل کے خاندان کے دیگر افراد نے مظلوم کے بھائی کے ساتھ خون بہا دے کر معاملہ طے کرنے کی کوشش کی تا کہ وہ اپنے مجرم کو چھڑا لیں بلکہ انہوں نے روایتی خون بہا سے دگنی رقم کی پیش کش کی لیکن بے سود چنانچہ عمیر خود مقتول کے بھائی کے ہمراہ اپنے علاقے کی قبائلی حدود کے آخری سرے تک پہنچا تا کہ قیدی بحفاظت کلاب کے ہمراہ اس کے علاقے میں پہنچ جائے۔ یمامہ کی وادی پر پہنچنے کے بعد اس نے اپنے بھائی کو کھجور کے ایک درخت کے ساتھ باندھا اور اس کلابی سے کہا آپ تھوڑی سی مہربانی کریں چونکہ آپ نے خون بہا قبول نہیں کیا ہے تو آپ انتظار کریں حتیٰ کہ میں اپنے گھر پہنچ جاؤں اور اس کے بعد آپ اپنے قیدی کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں وہ کریں۔ لیکن یاد رکھو کہ زندگی بھر مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔''

(ابن حبیب ''المحبر'' ص 351-352)

678: اس علاقے میں ایرانی اثر و رسوخ قبائلی سرداروں پر ایرانی بادشاہوں کی نوازشات اور مہربانیوں کے باعث ممکن ہوا لیکن بنو حنیفہ اب تک کوئی ریاست نہیں قائم کر پائے تھے اسلام کی آمد سے کچھ عرصہ پیشتر تک یمامہ معاویہ ابن حجر کا دارالخلافہ تھا جو کندہ کا بادشاہ تھا جو اپنے بھائی سے کندہ کی سلطنت کی وراثت کے سوال پر علیحدہ ہو گیا تھا (ابن حبیب ص 369) یمامہ کے علاقے میں المشقر کا میلہ اہل عرب کے نزدیک بڑا اہم تھا جو 10 محرم کو شروع ہوتا اور 20 روز تک جاری رہتا تھا۔ (ابن حبیب ''المحبر'' ص 268) اگر بنو حنیفہ کعبہ (مکہ) کی زیارت کے

لیے جاتے تو ممکن تھا کہ کچھ قریشِ مکہ یمامہ اور عمان میں ضرور مستقل رہائش رکھتے۔

(ابن ہشام، ص 283، ابن حبیب "المحبر" ص 168-169)

679: ابن ہشام یمامہ کے دو باشاہوں کی ایک اصطلاح استعمال کرتا ہے جس سے مراد ثمامہ ابن اثال اور یہودہ ابن علی ہے یہ دونوں بنوحنیفہ سے تعلق رکھتے تھے کیا یہ دونوں مشترکہ طور پر سردار تھے؟ لیکن ہم اس قصے کو یہیں چھوڑتے ہیں اور آگے چلتے ہیں "ایک مرتبہ ثمامہ ابن اثال مکہ گیا اس وقت ابھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے غصے کے عالم میں جواب دیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ یہ بات کی تو میں (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دونگا" (ابن ہشام، ص 971 ابن حجر "الاصابہ" نمبر 961) ازاں بعد وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو قتل کرنے پر تیار تھا جو اس کے لیے ایک خط لے کر گئے تھے جس میں اسے قبول اسلام کی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ اپنے چچا کی مداخلت پر ایسا نہ کر سکا (ابن سعد 401,V) ایک مرتبہ ایک مسلمان دستے نے اسے اچانک جالیا اور پکڑ کر مدینہ لے آئے مسجد نبوی کے نزدیک اس کی مشکیں کس کر ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا ابن ہشام کے مطابق (ابن ہشام، ص 996) گشت پر مامور مسلمان سپاہی اسے پہچانتے نہیں تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر کہا کہ تم جانتے ہو تمہارا قیدی کون ہے؟ اور حکم دیا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور اپنے گھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے کھانا بھجوایا۔ وہ اتنا پیٹو تھا کہ ایک اونٹنی کا سارا دودھ پینے کے بعد بھی بھوکا رہا جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب سے گزرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسلام کی دعوت دیتے اور ہر دفعہ وہ انہیں ایک ہی جواب دیتا "اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قاتل کو قتل کرتے ہیں لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ مانگا خون بہا قبول کرو تو بولو کیا چاہتے ہو"؟ (ہم نہیں جانتے کہ یہاں ثمامہ ابن اثال کس خون ریزی کا حوالہ دے رہا تھا) اس جواب پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور سلسلہ کلام روک دیا۔ ثمامہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام کی عظمت کے مظاہرے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ تین دن کے بعد جب ثمامہ نے یہی جواب دیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے بلا تاوان آزاد کر دیا جائے اس کے بعد وہ مسجد سے چلا گیا قریبی جنگل البقیٔ

میں غسل کیا اور واپس حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور اس نے کہا "اب تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دنیا میں سب سے قابل نفرت شخص تھے لیکن اب میں دنیا میں سب سے زیادہ قابل تعریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو سمجھتا ہوں" شام کو جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حسب معمول ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا لے کر آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس نے بہت سا کھانا بچا دیا ہے جو اس کے لیے لایا گیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مزید حیران مت ہوں ایک مسلمان تو صرف ایک آنت سے کھاتا ہے اور ایک کافر سات آنتوں سے" ازاں بعد ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر واپسی کے لیے مدینہ سے چل پڑا اور اسے مکہ سے گزرتے ہوئے کھلے بندوں اسلامی طریقے پر نماز ادا کرتے دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ اہل مکہ نے اسے گرفتار کر لیا اور وہ چاہتے تھے کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ لیکن کچھ لوگوں نے انہیں یہ بتایا کہ مکہ کے لیے کس قدر غلہ یمامہ سے آتا ہے تو اس پر اس کی جان بخشی گئی تاہم اس نے ان سے کہا" آج کے بعد ایک دانہ بھی خوراک کا میرے ملک سے تمہیں نہیں پہنچے گا جب تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں اس طرح مکے میں قحط پڑ گیا اور مکہ کے کفار نے گڑگڑا کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے التجائیں کیں کہ وہ بندشیں اُٹھا لیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ یہ غالباً چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ ابن ہشام کے مطابق "یمامہ کے دو بادشاہ" جن کا ذکر سطور مذکورہ میں سفارت خانے کے حوالے سے ہوا ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ شاید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیغام ہوذہ ابن علی کے نام اپنے نمائندہ ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے ہی ارسال فرمایا تھا کیونکہ سفیر خود بھی مکتوب الیہ کے علاقے کا رہنے والا تھا دوسری وجہ یہ ہے ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا یہ غالباً 7 ہجری کا واقعہ ہے۔

680: جب سلیت ابن عمرو حبشہ سے واپس آیا تو ایلچی کے طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہی کا انتخاب کیا کہ وہ آپ کا خط لے کر ہوذہ ابن علی کے پاس جائے ایسا اس لئے کیا گیا کیونکہ وہ اکثر یمامہ کا دورہ کرتے رہتے تھے (سہیلی II، 253) سہیلی مزید کہتا ہے کہ معروف تاریخ دان وثیمہ کے مطابق ساسانی شہنشاہ نے ہوذہ ابن علی کو ایک تاج بھی عطا کیا تھا مسلم سفیر نے اسے بتایا کہ تم بڑے مضحکہ خیز سردار ہو اور کچھ جانوں کے ایسے آقا ہو جن کی قسمت میں جہنم لکھ

دی گئی ہے حقیقی معنوں میں اچھا سردار وہ ہے جو اپنا تحفظ اپنے ایمان سے کرتا ہو۔ (ایماندار) اور نیکوکار ہو"۔ وہ قیمتی پتھروالا تاج جو اسے ایرانی شہنشاہ کیطرف سے ملا اس پر اسے "ذوالتاج" یعنی تاجدار کا خطاب بھی ملا۔ ھوذہ ابن علی ایرانی شہنشاہ کسریٰ کا اتحادی تھا اور ان قافلوں کا تحفظ کرتا تھا جو نجد سے گزرتے تھے۔ اگلا خط جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ھوذہ کو تحریر کیا اور وہ جواب جو اس نے ارسال کیا تاریخ میں محفوظ ہے ھوذہ نے کہا "واہ واہ! وہ چیز کتنی خوبصورت اور شاندار ہے جس کی طرف تم مجھے دعوت دے رہے ہو جب کہ میں اپنے قبیلے کا شاعر اور مقرر ہوں اہل عرب میری شان وشوکت کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے آپ مجھے اقتدار میں حصہ دار بنائیں میں آپ کی اتباع کروں گا"۔ مگر مادی خواہشات اور غیر مخلص ایمان اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ یمامہ کا معمر سردار تھوڑے ہی عرصے کے بعد وفات پا گیا اور دو سال کے بعد ہی بنوحنیفہ نے شدت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک بڑا وفد تشکیل دیکر مدینہ بھیجا جائے شاید وہ لوگ اسلامی ریاست کی روز بروز بڑھتی ہوئی قوت سے خوفزدہ تھے۔ یہی وجہ ہے ورنہ وہ لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خدائی پیغام پر پختہ یقین نہیں رکھتے تھے (یعنی اللہ کی جانب سے نازل شدہ تسلیم نہیں کرتے تھے)۔

681: مدینہ میں ایک معروف خاتون رملہ بنت الحارث کا گھر بیرونی ممالک سے آئے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سُفراء کے لیے سرکاری مہمان خانے کا کام دیتا تھا۔ صبح اور شام کے کھانے میں جو بنوحنیفہ کے وفد کے اراکین کے لیے پیش کیا جاتا اس میں کبھی کبھی روٹی گوشت، کبھی روٹی اور دودھ اور کبھی کبھی روٹی کیساتھ مکھن کھجور اور دوسرے پھل پیش کیے جاتے تھے۔ (ابن سعد ii/I، ص 56) سُہیلی بیان کرتا ہے کہ وفد کی موثر ترین شخصیت مسیلمہ تھے جو ایک سو اڑتالیس سال کے تھے اور وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم جناب عبداللہ کی پیدائش سے قبل پیدا ہوئے تھے۔ اپنے قبیلے کے نہایت ہی رحمدل فرد تھے۔ غالباً وہ اس خط وکتابت کے تبادلے سے واقف تھے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ھوذہ ابن علی کے مابین ہوئی تھی۔ تاہم مسیلمہ نے بھی ویسی ہی سیاسی مراعات کی عطائیگی کا مطالبہ کیا جیسا کہ پہلے ھوذہ کر چکا تھا۔ اس موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کھجور کی شاخ پڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اٹھائی اور فرمایا اگر تم مجھ سے یہ بھی مانگو تو میں نہیں دونگا۔ (ابن سعد ج ii/I، ص 25، ابن ہشام

ص 946-945) کہا جاتا ہے کہ کے سامنے ملاقات کیلئے کچھ لوگ آئے لیکن مسیلمہ کے آدمیوں نے کپڑے کا ایک پردہ درمیان میں تان دیا یہ بڑی عجیب وغریب حرکت تھی اس سے غالباً مقصود یہ ظاہر کرنا تھا مسیلمہ ایک اہم شخصیت ہے جسے ایرے غیرے نہیں دیکھ سکتے ابن ہشام، ابن سعد کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مسیلمہ بذاتِ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملا اور مہمان خانے ہی میں بیٹھا رہا مذاکرات کے اختتام پر جب وفد نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے ہر ممبر کو تحفے دیئے اور حسب معمول یہ پوچھا کہ آیا کوئی رکن غیر حاضر تو نہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا گیا کہ ان کا عمر رسیدہ (بوڑھا) سردار خیمے میں ہے اور وہ ان کے اونٹوں اور سامان کی رکھوالی کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا شخص عزت وتوقیر میں ہرگز کمتر نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی ایسا ہی تحفہ عطا فرمایا جیسا کہ دوسروں کو عطا فرمایا تھا۔ جب وفد واپس یمامہ پہنچا تو مسیلمہ نے خدا کا پیغمبر ہونے کا دعوٰی کر دیا اور کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیغمبر تسلیم کر لیا ہے اور اس نے ان الفاظ کا حوالہ دیا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدم موجودگی میں اسے تحفہ دیتے ہوئے فرمائے تھے۔ مسیلمہ نے آسمانی وحی شائع کرائیں جس کے متعلق اس نے یہ باور کرایا کہ یہ اس پر اتری ہیں اور وہ سادہ سی قرآنی آیات کی پیروڈی (نقل) تھی۔ اس نے بعض دفعہ خرق عادت کا بھی مظاہرہ کیا بلکہ ایک مرتبہ تو اس نے اپنے جادو سے ایک صحیح وسالم انڈہ بوتل کی گردن سے اس کے اندر دھکیل دیا (سہیلی، II, 340) غالباً لوگوں کے لیے اسلام پر اس کی اصلاحات بڑی دلکش تھیں اس نے شراب پر بندش کو منسوخ کر دیا بدکاری کو جائز قرار دے دیا اور ابن ہشام (ص 946) کے مطابق اس نے نماز پنجگانہ بھی منسوخ کر دی اس کے برعکس سہیلی (سہیلی، II، 41-340) کہتا ہے کہ مسیلمہ نے مؤذن مقرر کیا سہیلی اس کے متعلق اور بھی مزے کی باتیں بتاتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس نے شروع شروع میں نمازوں کی تعداد کم کر دی ہو (یعنی فجر اور عشا کی نمازیں معطل کر دی گئی ہوں)۔ اور ازاں بعد اس نے انہیں سرے سے ہی منسوخ کر دیا ہو۔

682: مسیلمہ نے دراصل شریک نبی (Co-Prophet) ہونے کا ڈھونگ رچایا۔ اور اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے جواب میں تحریر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مخلوط نبوت کی تصدیق فرمائیں اور اس نے اس خدشے کا بھی اظہار کیا کہ اہل قریش کوئی عدل پسند

قوم نہیں تاہم اس کو تحریر کردہ جواب مختصر تھا۔

''اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جھوٹے نبی مسیلمہ کے نام،
''اُس پر سلامتی ہو جو راہِ راست پر گامزن ہو میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اللہ ہی ہے جو اس زمین کا مالک ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ عطا کرتا ہے اور اُخروی بھلائی صرف ان کا حصہ ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

683: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقے کے افسران کو حکم جاری فرمایا کہ وہ مرتدین (جھوٹے مدعیان نبوت) کے خلاف تادیبی کارروائی کریں۔ جلد ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ اور یہ ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھوں پر آن پڑی کہ وہ جعلی نبوت کیخلاف بھرپور جنگ کریں ازاں بعد خون ریز جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور عظیم جرنیل خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنہیں سیف اللہ کا خطاب یعنی اللہ کی تلوار ملا) نے علاقے میں امن وامان قائم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسیلمہ نے اپنی ایک سو پچاس سال عمر کے باوجود تمیم قبیلے کی ایک لڑکی سجاح سے شادی رچالی اور وہ بھی خاتون نبی بن بیٹھی بعدازاں اس نے اپنا دعویٰ نبوت واپس لے لیا اور اس پر مستزاد یہ کہ مسیلمہ کی فوج کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور وہ خود ایک جنگ میں مارا گیا اور اس کے سینکڑوں حامی قتل ہو گئے۔ یہاں ہم ثمامہ ابنِ اثال کا ذکر کرتے ہیں جس کی خدمات اس پُر مصائب دور میں مسلمانوں کیلئے بڑی اہم اور مفید ثابت ہوئیں۔ واقدی (''کتاب الردہ'' مخطوطہ، ص 76) کے مطابق دیگر خدمات کے علاوہ اس نے مسیلمہ کو ایک خط بھی تحریر کیا جس میں اسے اسلام کی حمایت کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

684: بنو حنیفہ کا ایک سردار مجاعہ ابن مرار کوئی عام شخص نہ تھا یہ وہ واحد شخص تھا جسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فے کی زمین عطا فرمائی تھی اس کے بھائی کو بنوذھل نے قتل کر دیا تھا۔ تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط تحریر فرمایا اور لکھا کہ مال غنیمت میں سے اسے اسکے بھائی کے قتل کے خون بہا کے طور پر ادائیگی کی جائے گی۔ حقیقتاً اس قبیلے کے تمام جنگجو جوان کام آ چکے تھے اور محصور قلعے میں بچے اور خواتین ہی باقی رہ گئیں تھیں مجاعہ نے حکم دیا کہ انہیں مرد سپاہیوں جیسا فوجی لباس پہنایا جائے تاکہ مسلمان فوج یہ یقین کر لے کہ دشمن کی فوج میں لڑنے کے لیے تازہ دم فوجی موجود ہیں اور وہ خود درپردہ مصالحت کی پیشکش کرتا رہا ازاں بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے معاف کر دیا جبکہ اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

عمان (اومان)

685: عربیہ کے انتہائی جنوب میں مشرقی ساحل پر عمان ایک ایسی جگہ ہے جس کی جانب اس دور میں مکہ کے تاجر کھنچے چلے آتے تھے دینوری (تیسری ہجری کا ماہر نباتات) اس علاقے کے پودوں کا حوالہ دیتا ہے ہمارے وقتوں میں یہاں سے تیل بھی دریافت ہوا ہے یہ جگہ Bureimi کہلاتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں یہاں دو بھائیوں کی مشترکہ حکومت تھی۔ جن کا نام جیفر بن جلندا اور عبد ابن جلندا تھا۔ ان کے باپ کی نامزدگی ایرانی شہنشاہ نے کی تھی۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں عرب کے دو معروف سالانہ میلے دبا اور صحار کے مقامات پر منعقد ہوتے تھے ابن الکلبی (ابن حبیب "المحبر "ص 265-266) کہتا ہے کہ "ایرانی شہنشاہ اومان کے سردار عمومی طور پر بنو المستکبر کے خاندان کے افراد میں سے نامزد کیا کرتے تھے"۔ یہ سردار وہی فرائض سرانجام دیتے جو دومتہ الجندل کے شہنشاہ سرانجام دیتے میلے کی اشیا پر عُشر نافذ کرتے تھے۔ جہاں تک اومان کے صحار کے مقام پر ہونیوالے میلے کا تعلق ہے تو اس میں لوگ رجب کی بیس تاریخ تک پہنچ جاتے تھے جبکہ بحرین کا میلہ یکم رجب کو ختم ہو جاتا تھا یہ میلہ پانچ دن منایا جاتا تھا الجلندا ابن المستکبر نے یہاں عُشر نافذ کیا ہوا تھا۔ سعودی عرب کی دو مشہور بندگاہوں میں سے ایک کا نام دبا ہے جہاں سندھ ہند اور چین کے علاوہ مشرق اور مغرب سے ہزاروں تاجر آیا جایا کرتے تھے۔ یہ میلہ رجب کی آخری تاریخ کو شروع ہوتا تھا اشیاء کی فروخت کا طریقہ نہایت سادہ تھا مقررہ قیمت پر اشیا خریدی جاتی تھیں الجلندا ابن المستکبر نے یہاں عُشر نافذ کیا تھا حتیٰ کہ اس نے صحار میں بھی عشر نافذ کیا ہوا تھا۔ ان علاقوں میں اس کا رویہ بالکل بادشاہوں جیسا تھا

686: یہ ایک چھوٹی سی کہانی ہے جسے عرب تاریخ دان بڑے مزے لے کر بیان کرتے ہیں۔ یہ کہانی ایک شہزادی کے متعلق ہے جو الجلندا کی بیٹی تھی جو اکثر ایک سمندری کچھوے سے کھیلتی تھی اور جسے وہ بے انتہا پیار کرتی تھی ایک دن اس نے اس کچھوے کو بنایا سجایا اور جو زیورات اس کے پاس تھے اسے پہنا دیے اور اس کے ساتھ کھیلنے کیلئے ساحل سمندر پر چلی گئی اچانک یہ پھسل

کر سمندر میں جا گرا اور پھر نہ ملا شہزادی خوفزدہ ہوگئی۔ بھاگی بھاگی واپس آئی اور سمندر کو اپنے چلوؤں سے خالی کرنا شروع کر دیا اور اپنے مصاحبوں کو آواز دی بھاگو۔دوڑو۔آؤ میری مدد کرو۔ سمندر میں اب تھوڑا سا ہی پانی باقی رہ گیا ہے۔("لسان العرب")

687: عمان کی سمندری تجارت کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیں وہاں ایک جہاز سازی کے کارخانے کے ہونے پر حیران نہیں ہونا چاہیے یہاں کی تیار کردہ چھوٹی کشتیوں کو عدولی کہا جاتا تھا کیونکہ انہیں عدولی شہر میں تیار کیا جاتا تھا۔("لسان العرب") ایرانی شہنشاہ اردشیر بابقان ازد قبیلے سے ملاحوں کو بھرتی کیا کرتا تھا یہ عربی باشندے تھے جو اومان کے شہر شحر میں تقریباً چھ صدیوں سے رہائش پذیر تھے (لیکن حقیقتاً اسلام سے پہلے چار صدیاں) جہاں تک شہر مازون کا تعلق ہے وہاں عموماً یہودی رہتے تھے اور ملاح انہی میں سے بھرتی کیے جاتے تھے۔

688: بازنطینی افواج کے ہاتھوں نینوا کے مقام پر ایرانیوں کی شکست کے بعد یمن کے شہنشاہ اپنے آپ کو طیسیفون (مدائن) کی غلامی سے حقیقی طور پر آزاد سمجھنے لگے تھے بظاہر ساسانی حکمران اومان کے جاگیرداروں کو عرب جاگیرداروں اور سرداران سے بہتر ہرگز نہیں سمجھتے تھے۔جس کے باعث شاید یہ سمجھا جائے کہ اومان اپنے تئیں ایرانی تسلط سے آزاد ہو کر مدینہ کے ساتھ الحاق چاہتا تھا۔

689: جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قرب وجوار کی خودمختار ریاستوں کے بادشاہوں کو مکاتیب تحریر فرما رہے تھے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن 7 ہجری میں ایک مکتوب اومان ارسال فرمایا اور اسے عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کیا وہ مکہ کے عظیم تاجر تھے اور اسلام سے قبل مصر اور حبشہ کے تجارتی سفر کر چکے تھے غالباً وہ اومان کے میلوں میں بھی شرکت کرتے تھے اور حکمران خاندان کے اراکین کو ذاتی طور پر جانتے تھے چونکہ وہ حبشہ کے نجاشی سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے اسی بنا پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ایلچی کے طور اومان بھیجنے کے لیے منتخب فرمایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کا متن ذیل میں دیا جا رہا ہے جب کہ اصل خط بھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جیفر اور عبد پسران الجلندا کے نام

"اس پر سلامتی ہو جس نے صراط مستقیم کو اختیار کیا مزید یہ کہ میں تم دونوں (بھائیوں) کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں یوں تم دونوں محفوظ رہو گے چونکہ میں تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ کا پیغمبر ہوں پس اگر تم دونوں اسلام قبول کر لیتے ہو تو میں اقتدار تم دونوں کے حوالے کر دوں گا اس کے برعکس اگر تم دونوں اسلام قبول کرنے سے انکار کرو گے تو تم دونوں بھائیوں کی بادشاہت ختم ہو کر رہ جائے گی میری افواج تمہارے علاقوں کی سرحد تک پہنچ جائیں گی اور میری نبوت کا ڈنکا تمہاری پوری سلطنت میں بجنے لگے گا۔

محرر: ابی ابن کعب

مہر: اللہ

رسول

محمد

690: اس خط کے ایلچی عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ احکامات ملے تھے کہ وہ امان میں مسلم حکومت کے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھال لیں اور علاقے کی مسلم آبادی کے لیے عاملہ اور عدلیہ کے فرائض کے علاوہ ٹیکس جمع کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیں۔ غیر مسلموں کی دیکھ بھال اور حکومت سازی کا کام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامی حکمرانوں کے ہاتھوں ہی میں رہنے دیا۔ (ابن سعد، 18،ii/I)

691: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نامۂ مبارک اپنی دھمکی آمیز زبان اور ثقہ اسلوب سخن کے باعث خاصہ اہم ہے جس میں مشترکہ حکومت سازی کو تسلیم کیا گیا ہے یوں لگتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نئی ریاست کی تعمیر میں کنفیڈریشن طرز کے آئین کو اختیار فرما رہے تھے کیونکہ زمانہ قدیم میں حکمران کچھ اختیارات مرکز کو دیتے تھے جب کہ بقیہ اختیارات اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔

692: ہمیں معلوم نہیں کہ مذکورہ خط کا کوئی تحریری جواب بھیجا گیا تھا یا نہیں لیکن یہ ضرور ہوا کہ دونوں مشترکہ حکمران بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا اور نئے گورنر عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سرکاری کاموں کی انجام دہی میں سہولتیں پیدا کیں اور وہ ملک بھر میں نئے مذہب کی تبلیغ بھی کر سکتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی اسلام سے پر خلوص وابستگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے اور آس پاس کے علاقوں میں فتنہ وارتداد نے سر اٹھایا تو یہ دونوں حکمران بھائی بڑی مضبوطی سے اسلام کے وفادار رہے اور امن کے قیام اور نظم وضبط کی بحالی میں اپنے گورنر کا ہاتھ بٹایا۔

693: اوراق گزشتہ میں ہم نے اسبذیوں، اللہ کے بندوں اور سلطنت عمان کے شہزادوں کے نام خط کا ذکر کیا ہے جس میں ٹیکسوں اور پون چکیوں کا حوالہ آیا تھا۔ ابوعبید کے مطابق (ابوعبید ''کتاب الاموال'' نمبر 54) جو ایرانی النسل تھے لفظ اسپ کا مطلب فارسی میں گھوڑا ہے۔ اور غالباً وہ لوگ گھوڑے کی پوجا کرتے تھے اور اصطلاح ''عباداللہ'' (خدا کے بندے) سے حوالہ ہے بنوعبداللہ ابن دارم۔ یعنی یہ کہ اسبذ کی بجائے اسے اسد پڑھا جائے اور اس سے مراد قبیلہ ازد ہے جو اس علاقے میں رہائش پذیر تھا ان کے متعلق مزید معلومات نہیں ہیں۔

694: ''ذوالتاج'' لاقیط ابن مالک نے جو ''تاجور دوم'' تھا، نے بھی نبی ہونے کا اس وقت دعویٰ کیا جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے اس سے زیادہ اس کے متعلق اور کچھ معلومات نہیں ہیں۔

سماواہ

695: عرب کے انتہائی شمال میں دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سماواہ کا علاقہ ہے جہاں دِل، دُئل، دُئِل کے مختلف ناموں سے پکارا جانے والا قبیلہ آباد تھا۔ عربی زبان کا پہلا ماہر صرف ونحو ابوالاسود کا تعلق اسی قبیلے سے بیان کیا جاتا ہے۔

696: ابن سعد بیان کرتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نامہ مبارک نفاثہ ابن فروہ، شاہ سماواہ کے نام تحریر فرمایا تھا لیکن اس خط کے مندرجات اور تفصیلات کا کچھ علم نہیں اور نہ ہی یہ کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ لیکن ہمارے ذرائع کے مطابق غالباً شاہِ سماواہ نے اسلام کی اس دعوت پہ زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

697: عرب کا وہ آخری علاقہ جو اس جزیرہ نما میں جنوب مغرب کی جانب واقع ہے اور

جہاں ایرانی اثر ونفوذ محسوس کیا گیا وہ یمن ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ عرب کا یہ حصہ غیر ملکی حملوں اور ازاں بعد قبضوں کی آماجگاہ بنا رہا یہاں کی روایات ہزاروں سال پرانی ہیں۔ یہ علاقہ چند ایک مقامی اور آزاد خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جو اپنی تہذیب وتمدن رکھتی تھیں تاہم اہل یمن کبھی بھی غیر ملکیوں کے سامنے زیر نہیں ہوئے۔ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اہل حبشہ اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد ختم ہو چکے تھے وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ باب المندب کے اس پار کے سیاہ فام افراد سے تنِ تنہا لڑ کر نجات پا لیں اہل یمن نے ایک وفد کسریٰ کے پاس سیاہ فام افراد کے خلاف مدد طلب کرنے کیلئے بھیجا۔ اہل یمن نے یہ سوچا کہ کسریٰ اکیلا یہ درخواست قبول کر سکتا ہے۔ تاہم وہ اس معاملے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا رہا لیکن ازاں بعد اس نے یہ وعدہ ضرور کیا کہ وہ سیاسی اور مذہبی قیدیوں کو جو اسکی جیلوں میں ٹھونسے گئے تھے آزاد کر دیگا بشرطیکہ وہ جنگی خدمات سرانجام دینے کیلئے یمن جائیں وہرز کو اس فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ ابرھہ کے بعد اس کا جانشین یمنی آبادی پر زیادہ بھروسہ نہیں کرتا تھا اور ایرانی حملہ آور جو بحری راستوں سے وہاں پہنچتے تھے با آسانی اس پر قبضہ کر سکتے تھے اور اگر ایک دفعہ اقتدار ان کے ہاتھ آ گیا تو کسی دوسرے مقامی سردار سیف ابن ذی یزن کو اس علاقے کا اقتدار سونپ کر خود واپس ایران جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عربی ان ایرانی آبادکاروں کو ابناء کہتے تھے جس کے لغوی معنی ''بیٹے'' کے ہیں۔

698: صنعاء (یمن کا دارالخلافہ) اور طیسیفون کے مابین سیاسی واقعات کی وجہ سے تعلقات خاصے متاثر ہوئے 6ھ ہجری میں یمن کا ایرانی گورنر باذان تھا۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ باذان پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا جب ان کا ایک وفد مدینہ آیا تھا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا تھا کہ ایرانی شہنشاہ کو گزشتہ رات اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ ہمارے پاس اس واقع کو سچ تسلیم کرنے کی وجوہات موجود ہیں اور کچھ تاریخی حقائق بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ حقیقتاً باذان ایک تاریخی شخصیت ہے حالانکہ وہ غیر عرب ہے تاہم اسلام قبول کرنے کے بعد اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے گورنر کے طور پر برقرار رکھا اور جب کچھ عرصے کے بعد وہ انتقال کر گیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے شہر ابن باذان کو اس کا جانشین مقرر فرمایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد جب جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوئے اور فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا تو اہل یمن نے بغاوت

کردی اور شہر کی فوج کو شکست فاش دی جس میں گورنر خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

699: اب ہم اُس کہانی کیطرف واپس آتے ہیں تاریخ دانوں کے مطابق باذان نے دو ایلچی مدینہ کی جانب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے جو ایک سفارتی پیغام لیکر گئے تا کہ ایرانیوں کے خلاف بغاوت میں انکی مدد حاصل کریں جو یمن میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نینوا میں ایرانیوں کی شکست کے بعد یمن کی ایرانی کالونی اس طرف سے مایوس ہو چکی تھی کہ انہیں طیسفون کی جانب سے کوئی مدد مل سکے گی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ ایرانی یمن میں ہوتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مدد کا وعدہ لینا چاہتے تھے اور فوری طور پر اسلام قبول کر لینا چاہتے تھے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ایرانیوں کے گروپ ہی نہیں بلکہ دوسرے بہت سے لوگ بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس موقع پر قرآن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہونے پر مبارک باد دیتا ہے "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح مع اپنے آثار آپہنچے اور اس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح وحمد کیجئے۔ اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (القرآن 110/1-3)

700: حقیقتاً یمن میں ایرانیوں کے خلاف قوم پرستوں کی تحریک سر اٹھا رہی تھی۔ اس کی شہادت اس خط سے بھی ملتی ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تحریر کیا گیا تھا جس میں قبائل سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے ملک میں دراندازی کرنے والوں کیخلاف ہماری مدد کریں تا کہ ہم مادر وطن کی سرزمین سے انہیں نکال باہر کریں اس خط میں ابناء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے مراد یمن کے ایرانی آباد کار ہیں۔

701: اپنی حکمتِ عملی کے عین مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں ایک تعلیمی پالیسی جاری فرمائی۔ جسکا مقصد یمنی لوگوں میں اسلام کی روح پھونکنا تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے (ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا حکمت ایک یمنی شے ہے اور اسی طرح ایمان بھی) (بخاری 25/68,74/64,1/61)

اس کا کچھ ذکر ہم بعد میں کرینگے اس دور میں اسلام قبول کرنیوالے ایرانیوں کے متعلق کچھ مزید تفصیلات بھی قابل ذکر ہیں۔ مدینہ میں ایک شخص سلمان نامی رہتا تھا اسے جنگی مہمات

میں اسلام سے قبل قیدی بنا لیا گیا اور مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ اسے فروخت کر دیا گیا۔ تقریباً 4ھ میں یہ شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کیلئے آیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے اپنی آزادی میں مدد کی درخواست کی اس کے یہودی آقا نے نہ صرف اس کی آزادی کے عوض کچھ مقدار میں سونا طلب کیا بلکہ انہیں کہا کہ وہ کھجور کے کچھ درخت لگائیں اور جب وہ پھل لے آئیں گے تو انہیں آزاد کر دیا جائیگا اس مقصد کے لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا استعمال فرمایا جو بنو سلیم کی سونے کی کانوں سے آئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معجزہ دکھایا جس سے کھجور کے یہ درخت ایک سال کے بعد ہی پھل دینے لگے مختصر یہ کہ سلمان اسطرح آزاد ہو گئے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں انکا شمار ہونے لگا۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ 5 ہجری میں جنگ خندق کے موقعہ پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے لیے خاندان کے فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (ابن ہشام ص 677)

اس بات کو یہاں چھوڑتے ہوئے ہم اگلی عبارت کو دیکھتے ہیں جو ایک معروف فقہی سرخسی کہتا ہے۔ ("مبسوط" ا، 37)

''ایرانیوں نے اپنے ساتھی سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ وہ انہیں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ لکھ کر ارسال کریں۔ (یہ آیت وہ ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی)۔ تا کہ وہ اسے اپنی نمازوں میں تلاوت کریں چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ترجمہ کیا اور انہیں ارسال کر دیا وہ اسے اپنی نمازوں میں پڑھتے رہے حتیٰ کہ ان کی زبانیں عربی متن کی عادی ہو گئیں۔ اسی حوالے سے ایک اور روایت کے مطابق سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ترجمہ پہلے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال فرمایا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند نہیں فرمایا چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے ساتھیوں کو بھیج دیا۔ ذرائع اس کا ذکر نہیں کرتے کہ یہ تراجم یمن کے ابناء قبیلے کو بھیجے گئے تھے یا دوسرے ایرانیوں کو بھی ارسال کیے گئے تھے ہو سکتا ہے کہ یہ بحرین (جدید الاحساء)، اومان یا کسی دوسرے قبیلے کو بھیجے گئے ہوں تاہم ذرائع یقین سے یہ کہتے ہیں کہ قرآنی آیات کی نمازوں میں فارسی ترجموں کے استعمال کی اجازت محض عارضی تھی حتیٰ کہ عجمی اصلی عربی متن کو زبانی یاد کر لیں اور نمازوں میں اس کی تلاوت کریں۔

702: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کا آخری سال چنداں خوشگوار نہ تھا۔ قرب و جوار کے کم وبیش سات جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے۔ ان میں ایک الاسود تھا جس کا اصل نام عبہلہ ابن کعب جبکہ لقب ذوالحمار تھا اس کے قبیلے کے لوگوں نے اسے تسلیم کرلیا بلکہ اہل نجران نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ تعاون کریں گے اور اسطرح اس نے صنعاء کے شہر پر قبضہ کرلیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک ایرانی کو مرواڈالا اور اسکی بیوی پر زبردستی قبضہ کرلیا جس کا نام آزاد تھا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں بنوتمیم اور قیس قبائل کے سرداروں کو خطوط لکھے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ یمن میں مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچیں۔ یہی مطالبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عرب اور غیر عرب باشندوں سے بھی کیا۔ آزاد ایک مخلص اور پرجوش مسلم خاتون تھی اس نے مقامی مسلمانوں کی بڑی مدد کی اور الاسود کو جس کے گھر میں وہ رہتی تھیں قتل کرنے کی بہت کوشش کی تاہم الاسود کے قتل ہونے کی خبر جب مدینہ پہنچی تو اس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر وصال پر تھے۔ تاہم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت خوشی اور مسرت کی بات تھی وہ ایرانی شخصیات جنہوں نے الاسود کے خلاف جدو جہد کی ان میں تین ممتاز ایرانی شخصیات تھیں یعنی امرا ابن شہر، فیروز اور داذوہ شامل ہیں۔ مسلمان گورنر معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وفادار عناصر موجود تھے اور وہ بدستور حکومت کے سربراہ تھے اور مدینہ کی طرف سے نئی ہدایات کا انتظار کررہے تھے۔

باب 38

شاہان عمان جیفر اور عبد کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا اصل مسودہ

1/bis/702: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان (جنوب مشرقی عرب) کے شریک حکمرانوں (یہ دونوں بھائی مشترکہ طور پر اپنی مملکت کے حکمران تھے) جیفر اور عبد کے نام بھجوایا حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔ اس ضمن میں ابھی کچھ ابہام ہیں اور ابتدائی نوعیت کے اس جائزے میں شاید ان تمام مسائل کو حل نہ کیا جا سکے۔

2/bis/702: جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف روحانی معاملات عقائد، مذہب اور روحانیت بلکہ دنیاوی اور سیاسی امور میں بھی اپنے پیروکاروں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے خطوط کو تاریخ میں محفوظ کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لوگوں کو بھجوائے۔ میری کتاب الوثائق السیاسیۃ میں تین سو سے زائد ایسی دستاویزات شامل ہیں (جن کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے)۔

3/bis/702: 1854ء کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل نامہ ہائے مبارک کے اصل مسودے دریافت ہو چکے ہیں۔

1۔ مقوقس (شاہ مصر) کے نام (بحوالہ JA پیرس 1854، صفحہ 482-516، تازہ تحقیق نمبر 531-548

2۔ منذر بن ساوی (حاکم بحرین) کے نام (بحوالہ ZDMG برلن 1863، صفحہ 385-386، تازہ تحقیق نمبر 646-652)

3۔ نجاشی (شاہ حبشہ) کے نام (بحوالہ JRAS، لندن 1940، صفحہ 50-60 تازہ تحقیق نمبر 516، 524

4۔ کسریٰ (خسرو پرویز شاہ فارس) کے نام (بحوالہ RSO روم، 1965 صفحہ 59-69، تازہ تحقیق نمبر 612-624

5۔ ہرقل (شاہ روم) کے نام (بحوالہ الاتحاد۔ ابوظہبی مورخہ 1974-08-05 تازہ تحقیق نمبر 584-587

4/bis/702: خوش قسمتی سے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چھٹا نامہ مبارک بھی منظر عام پر آیا ہے اور جو اس باب کا موضوع ہے۔ میں نے فرانسیسی جریدے *Connaissance de l'Islam* نمبر 13، پیرس 1981 میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے اور اپنی کتاب *Six Originaux des letters diplimatique due Prophete de I'Islam - 1986*ء میں بھی ایک باب قلمبند کیا ہے۔

دریافت کی تاریخ

5/bis/702: یہ 1980ء کا واقعہ ہے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں پیرس کے نواح میں فیکٹری مزدوروں کی ایک بستی میں مقیم تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو میں دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گیا اچانک ان میں سے ایک اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ واپس آیا تو اسکے ہاتھ میں ایک عربی اخبار کا تراشہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نامہ مبارک کی تصویر تھی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھائیوں جیفر اور عبد کے نام مشترکہ طور پر بھجوایا تھا۔ یہ بھائی الجلندا کے بیٹے تھے دونوں عمان کے مشترکہ حکمران تھے۔ مجھے اس وقت اچھا نہ لگا کہ میں اس سے وہ تراشہ فوٹو کاپی کیلئے مانگ لوں تاہم بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ یہ تیونس کے اخبار الصباح کا تراشہ تھا اور 1975ء کی کسی تاریخ کا تھا۔ میں نے تیونس میں اپنے دوستوں سے رابطہ کیا اور ان سے استدعا کی کہ وہ میرے لئے اخبار کی ایک کاپی حاصل کریں تاہم یہ کوشش بے ثمر ثابت ہوئی جواب ملا کہ حوالہ غلط تھا مجبوراً مجھے اسی فیکٹری ورکر سے ہی تراشہ لے کر اس کی فوٹو کاپی کروانا پڑی۔

6/bis-702: یہ نادر دستاویز اخبار کے چار کالم پر محیط تھی اور اغلباً صفحہ اول پر شائع ہوئی۔ نامہ مبارک کا مطبوعہ سائز 25×20 سینٹی میٹر تھا جب کہ عربی مضمون کے عنوان کی سرخی پانچ کالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ جو اس طرح تھی ''ماہرین آثار قدیمہ نے عمان کے مشترکہ حکمرانوں جیفر اور عبد کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا اصل مسودہ تلاش کرلیا۔''

نیچے اصل مسودے کی تصویر شائع کی گئی تھی۔ اس کی ایک طرف جدید طرز نگارش میں مکمل اعراب کے ساتھ (عمانی یا لبنانی رسم الخط میں) خط مبارک کا متن دیا گیا ہے اور اس کے آخر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے ساتھ کسی نے لکھا ہوا تھا۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک'' اور فوٹو کاپی کی دائیں جانب دو کالم میں ایڈیٹر کا نوٹ تھا۔ میں یہاں اس نوٹ کا ترجمہ دے رہا ہوں۔

''مسودے کی قدامت 1390 سال''

''ماہرین آثار قدیمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نامہ مبارک تلاش کرلیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عمان جیفر اور عبد بن الجلندا کو بھیجا تھا۔ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خط مدینہ سے لے کر گئے تھے۔

''اس کی (اتفاقیہ) دریافت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ عمان کے سابق سفیر برائے ایران پروفیسر الرساسی ایک عرب ملک کے دورے پر گئے جہاں انہوں نے شوقیہ طور پر نوادرات جمع کرنے والے ایک شخص کے پاس یہ مسودہ دیکھا'' ذرائع کی روایت ہے کہ نوادرات کے مالک نے یہ نادر دستاویز عزت مآب سفیر کو دینے سے انکار کردیا تاہم اس کی فوٹو بنانے کی اجازت دے دی۔ ہم نے مسودے کا فوٹو ماہرانہ رائے کے لیے شیخ احمد بن حماد الخلیلی کو بھجوادیا جن کا جواب یہ تھا کہ ''یہ مسودہ بالکل اصلی ہے اور اس کے اہم ثبوت یہ ہیں۔

1۔ مسودہ کا تمام متن معروف اور معلوم ہے۔ مجھے اس سے قبل بھی اس نامہ مبارک کا متن پڑھنے کا اتفاق ہو چکا ہے جو زیر نظر مسودے سے حرف بحرف مشابہ ہے۔

2۔ اعراب سے خالی الفاظ بھی اس کے اصلی ہونے کا اہم ثبوت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اعراب لگانے کی روایت نہ تھی اور اعراب لگانے کا آغاز بعد کے دور میں

ہوا۔

3۔ طرز تحریر میں فرق صاف ظاہر ہے اور پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم مسودہ ہے۔

''مسودہ 1390 سال پرانا ہے کیونکہ یہ 7 ہجری میں لکھا گیا تھا یعنی عام الوفود میں۔ (نیچے ملاحظہ ہو)۔ ماہرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا ایک مسودہ پہلے بھی دریافت کر چکے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے نام لکھا تھا اور اس کے مندرجات بھی کم وبیش اسی طرح کے تھے۔ اس نامہ مبارک کا متن یہ تھا (ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جیفر اور عبد پسران الجلندا کے نام سلام ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد! میں آپ دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ (اگر) اسلام لے آؤ تو آپ سلامت رہیں گے اس لیے کہ میں تمام بنی نوع انسان کے لیے اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو لوگ زندہ ہیں (اللہ کی حکم عدولی کی صورت میں) انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤں۔ اس لیے اگر آپ دونوں اسلام قبول کر لیں تو تم کو اقتدار پر برقرار رکھیں گے اگر آپ نے اس کا انکار کیا تو سمجھ لو عنقریب آپ کی سلطنت مٹ جانے والی ہے اور میرے سوار (کیولری) آپ کے علاقے میں پنجے گاڑیں گے اور میری نبوت آپ کی سلطنت پر غالب آ کے رہے گی۔

مہر اللہ

رسول

محمد

تاثرات

7/ bis702: اس سے پہلے کہ ہم اس دستاویز کی تاریخ، مندرجات اور دوسرے پہلوؤں کا جائزہ لیں یہ حقیقت بیان کرنا ضروری ہے کہ میں نے 1935ء میں اس نامہ مبارک کا ترجمہ شائع کیا تھا (سیرت نگاروں کے بیان کی بنیاد پر) اور اپنی فرانسیسی کتاب ***Documents***

sur la diplomatie musulmane a l'epoque du Prophete et des Khalifes Orthodoxes, I, 77, II, 41 جس کا جرمن ترجمہ بھی دستیاب ہے میں شامل کیا تھا جب کہ عربی متن کے لیے میری کتاب الوثائق نمبر 76، چھٹا ایڈیشن ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے مدد لی گئی۔

ابن طولون۔اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین نمبر 10/اے

القسطلانی۔المواھب اللدنیة جلد ا،صفحہ 294

ابن قیم الجوزیہ،زاد المعاد جلد سوم،صفحہ 62

القلقشندی۔صبح الاعشاء،جلد ششم صفحہ 380

عبدالمنعم خان،رسالت نبویہ،نمبر 35

فریدوں،منشائت السلاطین،جلد اول،صفحہ 33

الزرقانی،شرح المواھب اللدنیة،جلد دوم،صفحہ 353

الحلبی،شرح السیرة،جلد سوم،صفحہ 350

ابن سعد،طبقات،(اقتباسات)

بلاذری،فتوح البلدان (اقتباسات)

ابن الجوزی،وفا (اقتباسات)

اوران کے علاوہ (ڈاکٹر) حمیداللہ،

Six Originanx des Lettres diplomatigues du Prophete de l'Islam, Paris, 1980

نامہ مبارک کا متن جس طرح میں نے پڑھا وہ سطروں کی ترتیب کے ساتھ نیچے دے رہا ہوں۔اور ساتھ نمبر بھی لگا دیے ہیں۔

1. بسم الله الرحمن الرحيم
2. من محمد رسول الله
3. إلى جيفر و عبد ابنى الجلند
4. ى . سلام على من اتبع (كذا) الهدى

5. أما بعد فانى أدعو كما بد =
6. عاية الا سلام . أ سلما تسلما. فا =
7. نى رسول الله الى الناس
8. كا فة لا نذر من كان حيا
9. و يحق القول على الكافرين .
10. فا نكما إن أ قر تما بالا =
11. سلام و ليتكما. و إن أ بيتما
12. فان ملككما ز ايل و خيلى
13. تحل بسا حتكما و تتظهر (كذا) نبو =
14. تى على ملككما

الله
رسول
محمد

اس متن اور تاریخ کی کتابوں میں پائے جانے والے نامہ مبارک کے متن میں تھوڑا سا فرق ہے جو یہ ہے۔

سطر 2۔ میں الزرقانی کی روایت کے مطابق محمد عبد الله و رسوله اور الحلبی کی روات کے مطابق محمد بن عبد الله ہے۔

سطر 4۔ ابن طولون کے نزدیک السلام ہے اور باقی (یہاں سلام ہے) سب کی روایت کے مطابق "اتبع" (اور یہاں اتبع ہے) ہے۔

12 ویں سطر میں الحلبی کے مطابق" زايل عنكما" ہے۔

13 ویں سطر میں باقی سب کا اتفاق ہے کہ "تظهر " ہے۔

14 ویں سطر کے بعد اور اختتام سے قبل ابن طولون کے دیئے ہوئے متن میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

تحریر کنندہ:
ابی بن کعب

نامہ مبارک کی اصل دستاویز کی خصوصیات

8/bis.702 جیسا کہ عرب ایڈیٹر/ پبلشر شیخ احمد بن حماد الخلیلی نشاندہی کر چکے ہیں کہ لکھنے والے نے جو قلم استعمال کیا اس کی ایک نہیں بلکہ دو نوکیں تھیں (غالباً جس طرح نرسل کا قلم بناتے وقت اس کے نوکیلے حصے کو چاقو یا چھری کی مدد سے ضرورت کے مطابق موٹا یا باریک رکھنے کے لیے کاٹ دیتے ہیں اور پھر کاٹے ہوئے حصے کے اندر کی طرف چاقو کی نوک سے دبا کر ہلکا سا چھید ڈال دیتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سیاہی کی قدرے زیادہ مقدار اس میں جذب ہو جائے اور دوات میں قلم ڈبونے کے وقفے نسبتاً طویل ہو جائیں)۔(مترجم)

اس لیے جو سطور تحریر کی گئیں وہ دوہری تھیں (جیسا کہ چھید بڑا ہونے کی صورت میں قلم کی نوک کے دونوں سرے قدرے پھیل جاتے ہیں اور لکھتے وقت دوہری لکھائی لکھی جاتی ہے۔ مترجم) اور یہ صورت اب تک دریافت ہونے والے کسی دوسرے نامہ مبارک میں نہیں اور اس کی وضاحت آسانی سے اس طرح ہو سکتی ہے کہ کاتب اور قلم ہمیشہ ایک نہیں ہوتا تھا۔ میرے ایک مسلمان دوست فساسی ابورین نے جن کا تعلق نائیجر اور نائیجریا کے علاقے دھومائی سے ہے مجھے بتایا کہ دھومائی کے مسلمانوں میں نرسل یا باریک بانس سے بنے ہوئے ایسے قلم کے استعمال کا آج بھی رواج ہے اور یہ قلم صاف تحریر لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو آسانی سے پڑھی جا سکے (برصغیر پاک وہند میں بھی کمپیوٹر کی آمد سے قبل قرآن پاک اور دوسری کتابیں لکھنے کے لیے نرسل اور بانس اور انگریزی لکھنے کے لیے دو سروں والے دھاتی نب استعمال ہوتے تھے۔ مترجم) تاہم جو چیز پریشان کن ہے وہ یہ ہے کہ اس نامہ مبارک پر لگی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک کی تحریر بھی دوہرے حروف پر مبنی ہے۔ (سوال یہ ہے کہ) قلم اور کاتب کی تبدیلی تو ممکن اور قابل فہم ہے لیکن مہر کی تبدیلی تو ممکن نہیں کیونکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں ایک ہی مہر استعمال فرمائی اور دوسرے تمام خطوط پر اس مہر کا نشان یک سطری ہے یعنی حروف دوہرے نہیں اس تاریخی حقیقت کی روشنی میں دو امکانات سامنے آتے ہیں کہ یا تو پہلے دریافت شدہ پانچ خطوط جعلی ہیں یا پھر ان سے مختلف یہ واحد خط اصلی نہیں۔ تاہم ایک اور امکان بھی ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نامہ مبارک پر لگی ہوئی مہر کا نشان مبہم تھا اور پڑھا نہیں جا رہا تھا اس لیے اس دستاویز کے کسی مالک نے اسے واضح کرنے کے لیے ہاتھ

سے مہر کے نشان کی ''ری ٹچنگ'' کر دی اور (اپنی دانست میں) اسے خط کے الفاظ سے ''ہم آہنگ'' کرنے کے لیے دوہری لکھائی والا قلم ہی استعمال کیا (یہ بھی ممکن ہے کہ خط کا لکھنے والا عمانی وفد کا کوئی رکن ہی ہو)۔

مہر کے نشان کی ''ری ٹچنگ'' کے نظریہ کو درج ذیل حقائق سے بھی تقویت ملتی ہے۔
جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ مسٹر ڈنلپ نے جب نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک شائع کیا تو اس کے ساتھ تعارفی مضمون میں انہوں نے مہر کے گول نشان کا بھی تذکرہ کیا اور لکھا کہ نامہ مبارک میں مہر کے تین الفاظ **محمد، رسول، اللہ** تین سطروں میں آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں اور انکی ترتیب نیچے سے اوپر ہے۔ ان کی اس تحریر کے باوجود نامہ مبارک کی جو عکسی تصویر ساتھ شائع کی گئی ہے اس میں مہر کا اوپر کا حصہ انتہائی مبہم ہے اور مہر کے متن کے الفاظ بالکل نظر نہیں آ رہے۔ (بحوالہ، **JRAS**، لندن، جنوری **1940**) اور چونکہ مہر کی سیاہی خط کے متن کی سیاہی سے ہلکی ہے اس لیے فوٹو کی یہ شکل نکل آئی ہے۔ ڈنلپ کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق ''یہ ایک **9** انچ چوڑا اور ساڑھے تیرہ انچ لمبا پارچہ ہے۔ اس کے حروف گولائی لیے ہوئے ہیں اور چونکہ بڑے بڑے لکھے ہیں اس لیے پڑھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ سیاہی کا رنگ خاکستری (براؤن) ہے متن **17** سطور پر مشتمل ہے اور آخر پر ایک گول مہر ہے جو ایک انچ کے گھیر میں ہے جس کے الفاظ ''محمد رسول اللہ'' نیچے سے اوپر کی ترتیب میں تین سطور میں ہیں۔''

(ب) جہاں تک عربی میں حرف ''ت'' کا تعلق ہے اس میں دو موڑ آتے ہیں اور سطر **4** میں اتبع کی بجائے اتبع اور **13** ویں سطر میں تظهر کی بجائے تتظهر کے لفظ کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معمول کی حیثیت رکھتا تھا جیسا کہ آج بھی قرآن پاک میں (**47/51**) بایدٍ کی بجائے بایید لکھا ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط منذر بن ساویٰ کو بھجوایا تھا اس میں کاتب نے غیرہ کی بجائے غییرہ لکھا ہوا ہے۔ اور اگر صدیاں گزر جانے کے باوجود ''یے'' کا حرف باقی رہا ہے تو ''ت'' بھی کیوں نہیں۔
لفظ میں لکھتے ہوئے ت اور یے کی بناوٹ بالکل ایک جیسی ہو جاتی ہے اور صرف نقاط اور اعراب سے ہی ان کی تخصیص ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں اعراب کا استعمال مروج نہیں تھا اور زیر نظر دستاویز میں بالکل استعمال نہیں ہوئے۔

(ج) حرف ہ (جو نامہ مبارک کی چوتھی سطر میں الھدیٰ میں استعمال ہوا) انگریزی حرف T کی طرح لگتا ہے اب تک دریافت ہونے والے تمام خطوط میں اس کی شکل اسی طرح ہے۔

(د) حرف میم کا سرا گر لفظ کے درمیان میں آئے تو یہ لائن سے اوپر رہتا ہے نیچے نہیں جیسا کہ آج کا معمول ہے۔ اس نامہ مبارک میں ایسے بارہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں ''میم'' درمیان میں آتا ہے۔ **الرحمن ، محمد ، أدعو كما، أ سلما، تسلما، فا نكما ، أقرر تما ، و ليتكما ، أ بيتما، ملككما، بسا حتكما، ملككما۔** یہ طرز ان تمام نامہ ہائے مبارک میں یکساں ہیں جو اب تک دریافت ہو چکے ہیں۔

(ڈ) جہاں تک اس مسودہ کی قدامت کا تعین کرنے کے لئے جدید سائنسی ذرائع کے استعمال کا تعلق ہے نیز یہ کہ کس طرح یہ تاریخ کے دھاروں سے گزرتا ہوا یہاں پہنچا ہے، اس کا کھوج لگانا سردست میرے دائرہ عمل اور وسائل سے باہر ہے۔

خط و کتابت کا پس منظر اور حالات

9/bis/702: ان حالات کا جائزہ لینے کے لیے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہان عمان کو خط لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہمیں اس دور کے عرب ایران تعلقات کو زیر نظر لانا ہوگا۔ ابن حبیب کے مطابق (**المحبر**، صفحہ **265**) شاہان فارس **بنو المستكبر** کے خاندان سے عمان کے بادشاہ نامزد کیا کرتے تھے اور اس دستاویز میں جس الجلندا کا ذکر ہوا ہے وہ **المستكبر** کا ہی بیٹا تھا۔ عمان کے یہ حکمران شاہان فارس کے باجگزار تھے تاہم ایک حد تک انہیں خودمختاری حاصل تھی۔ **2** ہجری کے لگ بھگ ذوقار کے مقام پر (عراق کے جنوب میں) شمالی عرب کے عرب قبائل کے ہاتھوں ایران کی غیر متوقع اور عبرتناک شکست اور پھر **6** ہجری میں نینوا میں رومیوں سے زبردست ہزیمت اٹھانے کے واقعات نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی جس کے بعد ایران میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور آئے روز ایوان شاہی کے مکین بدلنے لگے۔ ان واقعات سے عربوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور ایران کی سلطنت اپنی نو آبادیوں کو کنٹرول میں رکھنے کے ناقابل ہو گئی اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ عرب سمجھنے لگے تھے کہ وہ ایرانی استبداد سے نجات پا چکے ہیں۔ یہ ساتویں ہجری کے آغاز کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ فارس کو مکتوب روانہ

فرمایا اور اسلام کی دعوت دی اور اس نے جواب میں انتہائی رعونت کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت پسندانہ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے شاہ فارس کے ماتحت حکمرانوں سے براہ راست رابطے کا فیصلہ فرمایا۔ شیخ الخلیلی کے مطابق (جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے) 7 ہجری کا سال ''وفود کا سال'' (عام الوفود) تھا جبکہ ابن ہشام نے 9 ہجری کو عام الوفود قرار دیا ہے۔

10/bis.702: سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب بحرین (موجودہ الاحساء) کے حکمران منذر بن ساویٰ کو ارسال فرمایا۔ (اس خط میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا عہدہ نہیں لکھا) اس کے بعد بحرین کے ایک ایرانی اُسیجنت نامی ''صاحب''؟ کو اور ہرمزان کو خط لکھا مگر ان پر کسی کا کوئی عہدہ مذکور نہیں اس کے علاوہ بحرین کے ہی الہلال نامی ''صاحب'' (؟) ایک عرب کو بھی مکتوب تحریر فرمائے۔ ان تمام مکاتیب کے متن کے لیے ملاحظہ ہو۔

''الوثائق السیاسیۃ''

11/bis-702: المنذر نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پورے خطہ کا حاکم اعلیٰ مقرر فرمایا۔ بہ تفصیل تذکرہ بخاریؒ کی یہ روایت (11/11) ملاحظہ ہو۔ ''پہلی باجماعت نماز جمعہ جو مدینہ کے باہر ادا کی گئی وہ جواثا (موجودہ ہفوف) کے مقام پر عبد القیس کی مسجد میں ہوئی۔'' یہ جگہ بحرین (موجودہ الاحسا) میں ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران اس مسجد کی باقیات حال ہی میں دریافت ہوئی ہیں۔ (ملاحظہ ہو میرا باتصویر آرٹیکل ***Sur les traces du Saint Prophete dans son voyage en Arabie de l'est (Bahrain et Oman,*** جو ***France-Islam*** نامی جریدے میں نومبر 1974ء، جنوری 1975ء کے پرچوں میں شائع ہوا۔ بظاہر یہ واقعہ 6 ہجری کا ہے۔

12/bis-702: عمان میں براہ راست ایرانی اثر و رسوخ نسبتاً کم تھا اور یہ مملکت بحرین (الاحساء) کی نسبت زیادہ خود مختار تھی۔ بحرین (الاحساء) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں کے نتائج حوصلہ افزاء برآمد ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے مشترکہ حکمرانوں جیفر اور عبد کو جو الجلندا کے بیٹے تھے مکتوب بھجوایا۔ یہ مکتوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتبر صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر گئے جس میں اسلام کی دعوت تھی اور (نہ ماننے کی صورت میں) حملہ کی دھمکی بھی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مکہ اور خیبر کی اسلام دشمنی کے ڈنگ

نکالے جا چکے تھے اور جزیرہ نما عرب کے شمالی، مشرقی اور جنوبی حصے بشمول بحرین (الاحساء) جو عمان کی ہمسایہ ریاست تھی مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر نے عربوں کی بت پرستی اور ایرانیوں کی آتش پرستی کے مقابلے میں بحیثیت مذہب اسلام کی منفرد خصوصیات بھی مکتوب علیہان کے سامنے بیان کی ہوں گی۔ بہرحال دونوں بھائیوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا اور اسلامی سفیر ”ریذیڈنٹ“ (ریاست مدینہ کے نمائندہ) کی حیثیت سے عمان میں مقیم ہو گئے جو وہاں کے مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ کے فرائض بھی سر انجام دینے لگے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بھائیوں کو انکے مناصب پر برقرار رکھا اور وہ اپنی مسلم اور غیر مسلم رعایا پر بدستور حکمرانی کرتے رہے۔

13/bis-702: 11 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد بعض عرب قبائل میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں شاہان عمان کے رویہ کے حوالے سے بعض دلچسپ دستاویزات کا مطالعہ ابھی نہیں کرتے کیونکہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب کے موضوع سے تعلق نہیں۔

باب 39

خطہ کے عرب قبائل

703: انسانی معاشروں کے ذہین اور صاحب بصیرت نباض کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ بنی نوع انسان تین غیر مساوی درجوں میں تقسیم ہیں۔ پہلے درجے پر وہ نیک روحیں ہیں جنہیں راہ ہدایت پر گامزن کرنے کے لیے کسی ترغیب وتحریص یا جبر کی ضرورت نہیں اور نہ انہیں اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے کہنے کی احتیاج ہے۔ دوسرے درجے پر وہ ناقابل اصلاح لوگ ہیں جو کچھ بھی سیکھنا نہیں چاہتے اور جنہیں صرف اپنے ذاتی مفادات ہی عزیز ہیں چاہے اس میں انصاف کا ہی خون کیوں نہ ہو جائے۔ تیسرے درجے پر وہ لوگ ہیں جو اوسط درجے کی خصوصیات کے حامل اور کسی کی نگرانی میں تو معمول کی زندگی گزارتے ہیں تاہم اگر انہیں قانون کی پابندی سے آزاد کر دیا جائے تو وہ موقع کے غلط استعمال سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ایک معلم کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے درجے کے لوگوں کو (محض معمول کے مطابق) راہ ہدایت دکھائیں جب کہ دوسرے درجے کے لوگوں کو ایک ایسی حالت میں رکھیں جن میں وہ کوئی شرپسندی کا مظاہرہ نہ کر سکیں۔ اور تیسرے درجے کے لوگوں کو توجہ کا مرکز بنائیں کیونکہ یہی لوگ اکثریت میں ہیں۔

704: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نتیجہ پر بھی پہنچ چکے تھے کہ بہت زیادہ مثالی تعلیمات سے عام لوگوں کے خوفزدہ ہو کر بدک جانے کا اندیشہ ہے اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کی اصلاح کا مقصد فوت ہو جائے گا دوسرے لفظوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطمح نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکوتی خصوصیات کی حامل مختصر سی جماعت بنانے کی بجائے اوسط درجے کی صلاحیتوں کے حامل سماجی اخلاقیات کی مناسب خوبیوں سے بہرہ مند لوگوں کی بڑی تعداد کو ساتھ ملانے کو ترجیح دینی

چاہیے کیونکہ فرشتوں جیسی خوبیوں کے مالک لوگ بہت جلد معاشرے میں گم ہو جائیں گے۔ تند خو اور سفاک انسانوں کے ہجوموں سے دامن بچاتے ہوئے یہ لوگ عام انسانوں سے ہر قسم کے رابطے ترک کر کے انسانی آبادیوں سے دور صحراؤں کی راہ لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے کہ ایک منصف مزاج بادشاہ تارک الدنیا انسانوں اور راہبوں کی جماعت سے بہتر ہے۔ (کنز العمال، III، نمبر 2813، 2814) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک عالم شخص شیطان کے لیے ایک ہزار تارک الدنیا لوگوں کے مقابلے میں برداشت کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے (ابن ماجہ۔ مقدمہ باب، 17۔ نمبر 222)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ ایک عالم شخص نہ صرف سماجی اخلاقیات پر خود بھی عمل کرتا ہے بلکہ دوسروں کو اچھائی برائی سے باخبر کر کے سیدھے راستے کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ ایسا شخص اس کی نسبت قابل ترجیح ہے جو صرف اپنی ذات کو تو درست رکھتا ہے مگر عوام الناس کی اصلاح و ہدایت کے لیے کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس صورت میں یہ (غیر ہدایت یافتہ) لوگ سفاک درندوں کا روپ اختیار کر لیں گے۔ ان کا نہ کوئی اصول ہوگا اور نہ ہی ضمیر کی خلش انہیں غلط راستے سے روکنے والی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف نتائج ہی نہیں نیتوں اور مقاصد پر بھی انعام دیتا ہے۔

اس لیے دوسروں کی خدمت (خاص طور پر سماجی برتاؤ کے حوالے سے سیدھے راستے کی جانب رہنمائی) کرنے والے ان لوگوں کی نسبت قابل احترام ہیں جو اپنی ذات کو روحانی اعمال کی بجا آوری تک محدود کر کے اپنے تئیں "بسم اللہ کے گنبد" میں بیٹھ جاتے ہیں۔ درج ذیل حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی کیفیت کا اندازہ ہو سکے گا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی بنیاد کیا تھی۔

705: ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو بتایا (نسائی۔ باب جہاد نمبر 22) کہ یوم حساب کو تین شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے استفسار پر پہلا شخص کہے گا، 'پروردگار میں نے اپنی ساری زندگی نماز، روزے اور تیرے دین کی تبلیغ میں گزار دی اور جو کچھ آپ نے فرض کیا تھا اسے بجا لاتا رہا۔' اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا 'نہیں، بلکہ تم نے یہ سب اس لیے کیا کہ لوگ تم کو پارسا شخص کہیں اور تمہاری یہ

خواہش پوری ہوگئی' (یعنی تم نے پارسا شخص کی حیثیت سے شہرت پائی)۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے لے جا کر جہنم میں ڈال دو۔ اسی طرح دوسرا شخص کہے گا کہ 'اے اللہ میں نے دینی علوم سیکھے اور پھر دینی تعلیم اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں زندگی صرف کر دی۔' اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'نہیں۔ بلکہ تم نے یہ سب اس لیے کیا کہ لوگ تمہیں بڑا عالم کہیں اور تمہاری یہ خواہش دنیا میں پوری ہوگئی۔' پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے لے جا کر جہنم میں ڈال دو۔ تیسرا شخص کہے گا کہ اللہ تعالیٰ 'میں نے آپ کے لیے جہاد کیا اور جنگوں میں جرأت اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور پوری زندگی آپ کی راہ میں جہاد و قتال کی نذر کر دی اور شہادت کی موت پائی۔' لیکن اس کا مقصد بھی دنیا میں اپنی بہادری کی دھاک بٹھانا تھا اور اس نے اپنا مقصد پا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی دوزخ میں ڈال دینے کا حکم دے گا۔

706: اس کے برعکس، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث (صحیح مسلم باب نمبر 155-154,39، ابن حنبل II، 507) میں فرمایا کہ ''روز قیامت ایک طوائف کو بھی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا جس کی پوری زندگی گناہوں میں گزری ہوگی اور اس کے نامہ اعمال میں کسی کے لیے ایک بھی نیکی نہیں ہوگی۔ بظاہر اس کی بخشش کی کوئی امید نہیں ہوگی مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ 'فلاں دن تم ایک کنویں کے پاس کھڑی تھیں کہ ایک پیاس سے بے حال کتا وہاں آ گیا جو کسی طور پانی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کنویں پر نہ بالٹی تھی نہ ہی رسا۔ تمہیں کتے کی حالت پر ترس آ گیا اور تم نے اپنا جوتا اتارا اور تم نے اپنے کپڑے سے رسی بنائی اور اس کتے کی پیاس بجھائی۔ تمہارا یہ عمل مجھے پسند آیا۔' پھر اللہ تعالیٰ جنت کے فرشتوں کو طلب فرمائے گا اور کہے گا کہ اس عورت کو لے جا کر جنت میں داخل کر دو۔

707: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے تھی کہ طاقت کے بغیر اخلاقیات (کا درس) معاشرے کے لیے خطرناک ہے جیسا کہ بغیر اخلاقیات کے طاقت خطرناک ہوتی ہے۔ حسن اخلاق سے عاری لوگوں میں گھرے ہوئے نیک اور پارسا لوگوں کی چھوٹی سی جماعت بہت جلد ظلم اور خوف خدا سے عاری رویہ کا نشانہ بن جائے گی۔ اخلاقیات اور زندہ ضمیر کے بغیر طاقت کے حاصل ہو جانے کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ (سوال یہ ہے کہ) پھر کیا کیا جائے؟ ایسے مواقع پر (میدان عمل چھوڑ کر گھر بیٹھے ہوئے) نیک اور پارسا لوگوں کو اپنے ''ذاتی

مفاد' کی کچھ قربانی دینا ہوگی (اس کا مطلب ہے انہیں اپنی روحانی دنیا سے باہر نکلنا ہوگا) اور دنیاوی معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر سیاسی میدان (اور ایوان اقتدار) سے غیر منصف مزاج لوگوں اور طالع آزماؤں کو نکال باہر کرنا ہوگا۔

مکہ میں تیرہ سال تک دین حق کے لیے پرامن جدوجہد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں یہ حکمت عملی واضح ہوگئی معلوم ہوتی ہے۔ قرآنی آیات میں (256/2) واضح انداز میں دین کے معاملات میں زبردستی اور جبر کی ممانعت کی گئی ہے جب کہ بعض دیگر آیات میں (مثلاً 39/8) اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک زمین پر اللہ کی حاکمیت مستحکم نہ ہو جائے۔ اس صورتحال میں جو حتمی اور یقینی نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ (ایک طرف) آزادی عمل اور (دوسری طرف) زبردستی (جنگ جاری رکھنے کا حکم) کے دوہرے نظریے کی روشنی میں انسان کو تبدیلی مذہب اور جارح کی سیاسی غلامی کے مابین انتخاب کرنا چاہیے۔ بلاشبہ ضمیر کی آزادی یا مذہب کے انتخاب کی آزادی ہر شخص کا اہم ترین استحقاق ہے لیکن ایک ظالم شخص کو دباؤ اور جبر کے ذریعہ اپنی اصلاح پر آمادہ کرنا یا (طاقت نہ ہونے کی صورت میں) وہ جگہ چھوڑ کر (دوسری جگہ جہاں حالات سازگار ہوں) چلے جانا اس شخص، جماعت حتیٰ کہ پوری انسانیت کے مفاد میں (بھی) ہے۔ ریاستی سیاست کا خلاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں یہ ہے کہ "قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔"

("صحیح مسلم"، خطیب البغدادی، "تاریخ بغداد")

عرب معاشرے کی ایک اور منفرد خصوصیت بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں جزیرہ نما عرب میں کوئی (باضابطہ) حکومت نہ تھی۔ قبائل تھے جن میں سے بیشتر خانہ بدوش تھے اور ہر قبیلہ بلکہ قبیلے کی ہر شاخ چاہے کتنی چھوٹی ہوا پنے آپ کو مکمل خود مختار حکومت اور سلطنت کے ہم پلہ سمجھتی تھی جس کا نتیجہ سوائے ہر طرف پھیلی ہوئی شورش اور طوائف الملوکی کے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا تھا اور جس میں ہر شخص اپنے آپ کو دوسرے کے خلاف حالت جنگ میں پاتا تھا۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا اصول ہی سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ بات ان قبائل کے مفاد میں تھی کہ انتشار اور محاذ آرائی کی اس صورتحال کا خاتمہ ہو اور اس مقصد کے لیے ضرورت پڑنے پر دلیل اور (بہ امر مجبوری) طاقت کا استعمال بھی بروئے

عمل لایا جائے۔ایک نشتر کار (معالج) کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے اتفاق کرتے تھے کہ ایک بڑی برائی کی راہ روکنے کے لیے چھوٹی برائی کو برداشت کر لینا چاہیے۔ درج ذیل الفاظ میں اسی اصول کی صدائے بازگشت سنی جا سکتی ہے۔ "اگر خدا لوگوں کی بھلائی چاہے تو وہ انہیں اچھے حاکم اور اچھے وزیر (اچھے اہلکار) دے دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی بھلائی مقصود نہ ہو تو ان پر برے حاکم اور برے وزیر (اہلکار) مسلط کر دیتا ہے۔"

(کنز العمال III،2785 ابو یوسف، خراج ،ایڈیشن بلاق ص 5)۔

(اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔انسان کو کچھ علم نہیں کہ اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے اور قیامت کے روز اللہ کی نظر میں نتائج نہیں بلکہ (اچھے) نتائج کے حصول کے لیے کوشش اور حسن نیت کا شمار ہوگا) (مطلب ہے کہ انسان کا کام محض یہ ہے کہ وہ نیک مقاصد کے لیے خلوص نیت سے کوشش اور جدو جہد کرے خواہ اس کا حسب خواہش نتیجہ نکلے یا نہ نکلے کیونکہ اللہ تعالیٰ محض حسن نیت پر بھی انعام دیتا ہے)۔

708: اصلاحی تحریک کے لیے پہلے طاقت کا حصول ضروری ہے (بلاشبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسین اتفاقات سے بھی مدد ملی۔ہم نے دیکھا کہ کس طرح مدینہ میں پانچ قبائل (تین یہودی اور دو عرب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متفق ہو گئے اور اس طرح مدینہ کی ریاست کا وجود عمل میں آیا مگر حالات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے باہر کے معاملات میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا کیونکہ قریش مکہ عرب قبائل کو اسلام کے خلاف صف آراء کرنے کے لیے بھڑکاتے رہتے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عملیت پسند شخص تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ سب سے پہلے مدینہ کی مختلف الخیال قوموں اور قبائل کو اپنی کمان میں متحد کرنا ہوگا اور پھر آگے بڑھ کر نئے دوست بنانے اور دیگر قوتوں اور قبائل سے معاملات کرنا ہوں گے۔ یہ معاملہ قبل ازیں زیر بحث آ چکا ہے کہ قریش مکہ کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن پر معاشی دباؤ ڈالنے کی پالیسی اختیار کی اور اس مقصد کے لیے قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کے لیے شمال کی طرف جانے والا راستہ بند کر دیا۔یہ راستہ مدینہ اور بحیرہ احمر کو جدا کرنے والی تنگ پٹی سے گزرتا تھا۔پہلے ہم ان قبائل کا ذکر کریں گے جو اس خطے کے مکین تھے۔

ضمرہ، مدلج، جُہینہ اور مزینہ کے قبائل

709: مدینہ کے مغرب میں کم از کم چار بڑے قبائل رہتے تھے۔ ضمرہ اور مدلج بدر کے قریب، مزینہ، ینبوع کے قریب جب کہ جہینہ کے ٹھکانے مدینہ کے شمال میں تھے۔ جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے یہ یقین سے کہنا مشکل ہے کہ آیا مدینہ کے لوگوں کے اسلام سے قبل ان قبائل کے ساتھ کوئی معاہدے تھے جو مدینہ میں اسلامی ریاست وجود میں آنے کے بعد اسے ورثے میں ملتے۔

709/bis: جہاں تک جہینہ کا تعلق ہے اس حوالے سے ایک یہ روایت ملتی ہے مگر اس پر شاید ہی توجہ دی گئی ہو۔

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آباد ہوئے۔ تو جہینہ قبیلے کے اکابرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب ترین ہمسائے بن گئے ہیں ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کرلیں تاکہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات تسلیم کرلی۔ تاہم یہ لوگ (اس وقت) مسلمان نہ ہوئے (ابن حجر، ''مطالب''، نمبر 971) یہ ابھی بہت قبل از وقت تھا کہ مسلمان جہینہ قبیلہ کو اپنا ساتھی اور اتحادی شمار کریں اس لیے درج ذیل واقعہ پر تعجب نہیں ہونا چاہیے جب مندرجہ بالا معاہدے کی موجودگی میں جہینہ قبائلیوں نے اپنے انداز میں معاملے کو نمٹایا۔

710: مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئے 6 ماہ ہو چکے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک شہری ریاست کے قیام کے لیے اقدامات کا آغاز کیا مثلاً مہاجرین کی بحالی، شہری ریاست کے آئین کی تیاری اور نفاذ، شہر کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ معاملات پر مفاہمت کرنا وغیرہ۔ ان معاملات سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیں مضبوط و توانا جوانوں پر مشتمل مہم اپنے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں جہینہ کے علاقے میں واقع العیص کے مقام کی طرف روانہ فرمائی تاکہ اس علاقے سے گزرنے والے ایک مکی قافلے کا رستہ روکا جا سکے۔ علاقے کا رئیس جہینہ سردار مجدی بن عمرو کا بیک وقت دونوں فریقوں یعنی مسلمانوں اور قریش مکہ سے معاہدہ تھا اس لیے اس نے جنگ کو روکنے کے لیے مداخلت کی۔ جس کے نتیجہ میں دونوں فریق ایک دوسرے سے تصادم کیے بغیر واپس چلے گئے۔ (ابن ہشام صفحہ 419-421، ابن سعد، II،

صفحہ 2)۔اس اتحاد کے بارے میں دوسری تفصیلات میسر نہ ہونے کے سبب بہت سے مفروضے زیر بحث آسکتے ہیں مثلاً کیا جہینہ سردار کی طرف سے مداخلت محض اپنے علاقے میں جنگ روکنے کی خواہش کا نتیجہ تھی؟ یا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مدنی قبائل سے اسلام کی آمد سے قبل کے کسی معاہدے کے تحت ایسا کیا؟ (یہ امر قابل ذکر ہے کہ جو مہم روانہ کی گئی اس میں کوئی مدنی رضا کار شامل نہیں تھا بلکہ اس کے تمام ارکان مہاجرین مکہ میں سے تھے) اور اگر کوئی معاہدہ تھا تو کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کے بعد عمل میں آیا؟

711: یہ مدینے میں اہل اسلام کی آمد کے بعد پہلی مہم تھی جو کیم ہجری ماہ رمضان میں بھیجی گئی۔ اگلے مہینے 60 سے 80 افراد پر مشتمل ایک اور مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور چچا عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں رابغ کی بندرگاہ کی طرف روانہ کی گئی۔ اس مہم کا مقصد بھی ایک اور مکی قافلے کو روکنا تھا جو عکرمہ بن ابی جہل (یا مکراز بن حفص) کی قیادت میں سامان تجارت لے کر جا رہا تھا۔ دونوں گروپوں کا آمنا سامنا قدید جانے والے راستے پر جحفہ سے 10 میل دور الاحیاء کے مقام پر ہوا۔ طرفین نے تیروں کا تبادلہ کیا لیکن دشمن نے مسلمانوں سے تعداد میں تین گنا ہونے کے باوجود جنگ سے گریز کرتے ہوئے پسپائی اور بچ نکلنے کی حکمت عملی کو ترجیح دی (ابن ہشام 411-418، ابن سعد II، صفحہ 2-3)۔ اس تصادم کے دوران مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی دونو جوان دشمن کے کیمپ سے بھاگ کر مسلمانوں کی پناہ میں آگئے (ابن ہشام صفحہ 416) یہ دونوں مسلمان تھے اور ہجرت کر کے حبشہ جانے والے مسلمانوں کے ساتھ بھی مقیم رہے تھے۔ تاہم اب مکہ واپس آچکے تھے اور وہیں رہ رہے تھے۔ (ابن ہشام صفحہ 210، 211) وہ بڑی حکمت سے شام جانے والے اس قافلے میں شامل ہو کر اس طرح بخیر و عافیت مدینہ پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ پہلی مہم کی طرح اس میں بھی صرف مہاجرین مکہ ہی شامل تھے۔

712: ایک ماہ بعد اسی علاقے میں خرار کی طرف ایک اور مہم روانہ کی گئی جو خم (جحفہ / رابغ) کے قریب واقع ہے۔ اس مہم کے تمام 20 ارکان بھی مکی مہاجر تھے اور ان کے کمانڈر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ مہم محض ایک نگران مہم تھی جو اپنا مشن مکمل کر کے لوٹ گئی۔ سمہودی کے مطابق (دوسرا ایڈیشن صفحہ 1001، 1018) قدید، رابغ، خم اور جحفہ ایک ہی خطے میں واقع

ہیں۔ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے پہلے ابوا کا مقام آتا ہے پھر وہاں سے 13 میل دور جحفہ ہے۔ جحیل خم جحفہ سے 4 میل کے فاصلے پر ہے۔ مزید مکہ کی طرف کچھ فاصلے پر قدید کا مشہور میلہ لگا کرتا تھا اور اس کے نواح میں منات دیوی کا بت خانہ تھا۔ اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں ام معبد کے خیمے کے پاس بکری کا دودھ دوہا تھا۔ اس کے بعد مرالظہر ان، پھر سرف اور پھر تنعیم آتا ہے۔)

713: ان تمام مہموں کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ قریش مکہ کو خبردار کر دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کے زیر اثر علاقے سے مزید نہیں گزر سکتے۔ مورخوں نے ان چھاپہ مار پارٹیوں میں انصار مدینہ کی عدم شرکت کا یہ جواز پیش کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے معاہدہ کے تحت انصار مدینہ صرف ان دفاعی کارروائیوں میں حصہ لینے کے پابند تھے جو مدینہ پر دشمن کے حملہ کی صورت میں بروئے عمل لائی جاتیں۔ لیکن یہ احتیاط اتنی بھی ضروری نہ تھی انصار مدینہ سچے مسلمان تھے اور ایسے امتیاز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔ اور پھر مدینہ کے گردونواح میں آباد غیر مسلم قبائل سے موزوں، مستحکم اور مستقل بنیادوں پر تعلقات کے قیام کا معاملہ زیادہ اہم تھا جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنفس نفیس موجودگی ضروری تھی اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنوغفار کے علاقے میں تشریف لے گئے تو یہ بلاوجہ نہ تھا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

بنوغفار اور بنوضمرہ

714: درحقیقت غفاری قبیلے کے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (غفاری) مکہ میں ہی بالکل ابتدائی ایام میں دولت اسلام سے مالا مال ہو چکے تھے۔ وہ اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تھے اور یہ عین فطری تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوست کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔ (ابن ہشام صفحہ 415-416، ابن سعد II، صفحہ 3) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفر 2 ہجری میں مدینہ سے روانہ ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ 60 رضا کاروں کا دستہ تھا جو تمام مہاجرین تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوا کی طرف گئے (اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ 50

سال پہلے مدفون ہوئی تھیں) شاید یہی وہ موقع تھا جب وہ مشہور واقعہ ہوا جس کا ذکر سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرانی قبر کے پاس کھڑے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر آنسو بہہ رہے ہیں۔ لوگوں کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میری والدہ کی قبر ہے اور جب میں نے اللہ تعالیٰ سے قبر پر آنے کی اجازت کی استدعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی۔ لیکن جب میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کی بخشش کے لیے دعا مانگنے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں ملی۔ جس کے باعث میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن پر اس مادرانہ شفقت کے اثرات کا غلبہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے بچے تھے۔

6 میل مزید آگے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنوضمرہ کے علاقے ودان پہنچے (بنوضمرہ، بنوغفار کے قریبی رشتہ دار تھے) یہ مقام مدینہ سے جنوب کی طرف صرف تین دن کے سفر پر واقع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہفتے کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا ایک ہفتہ ودان میں وہاں کے مکینوں خصوصاً غیر مسلموں کے ساتھ گفت و شنید میں گزارا جس کے نتیجے میں ایک معاہدہ عمل میں آیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہلا بین الاقوامی معاہدہ تھا اور اس سے ہمیں اس دور کی اسلامی سفارت کاری کا انداز دیکھنے کا بھی موقع ملتا ہے۔ معاہدے کا متن ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنوضمرہ بن عبدمنات بن کنانہ کے لیے تحریر ہے۔ یہ لوگ اپنی جان اور مال کے بارے میں محفوظ و مامون رہیں گے اور جو ان پر ناروا حملہ کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی اور یہ لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے پابند ہوں گے۔ یہ معاہدہ اس وقت تک موثر ہوگا جب تک سمندر (میں اتنا پانی ہو جو) صوفہ (بال یا گھونگا؟) کو تر کر سکے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیونکہ کم از کم اتنا پانی تو سمندر میں ہمیشہ ہی ہوگا)۔ سوائے اس صورت میں کہ مسلمان اپنے دین کے لیے لڑیں (یعنی اسی صورت میں اہل ضمر مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑنے کے پابند نہ ہوں گے)۔ اس کے علاوہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

انہیں اپنی مدد کے لیے آواز دیں گے تو انہیں آنا ہوگا اور اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضامن ہوں گے۔ اگر وہ معاہدے پر دیانتداری سے عمل پیرا رہے تو انہیں مسلمانوں کی مدد حاصل رہے گی۔ (الوثائق نمبر 159)

715: ابن سعد کی درج ذیل روایت (ابن سعد i/II، صفحہ 3) شاید اسی سفر کے احوال پر مبنی ہے لیکن اسے مختصراً روایت کیا گیا ہے:

''مدینہ میں اپنی آمد کے 12 ماہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے روانگی کا قصد کیا اور ضمری سردار مخشی بن عمرو کے ساتھ معاہدہ کیا۔ معاہدے میں تحریر کیا گیا کہ نہ تو مسلمان ضمرہ پر حملہ کریں گے اور نہ ہی اہل ضمرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمن کے ساتھ مل کر ان کی تعداد بڑھائیں گے اور نہ (در پردہ رہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔''

اس کے بعد ابن سعد اگرچہ واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ اس مہم میں انصار شامل نہیں تھے تاہم وہ مزینہ قبیلے کے کچھ رضا کاروں کی موجودگی کی تصدیق کرتے ہیں (جو انصار میں سے نہیں تھے)۔

716: بظاہر اس موقع پر ضمری مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ معاہدے کی ایک شق انہیں مسلمانوں کی اپنی دین کے لیے جنگ کی صورت میں ان کی مدد سے مستثنٰی کرتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک فوجی معاہدہ تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل ضمر نے قریش مکہ سے تعلقات منقطع کر کے ان کے غیظ وغضب کو دعوت کیوں دی حالانکہ ان کے نئے حلیف، مسلمان نہ تو تعداد میں زیادہ تھے اور نہ ہی اتنے دولت مند تھے کہ قریش مکہ کے تجارتی قافلوں سے پہنچنے والے مالی مفادات سے محرومی سے ہونے والے اہل ضمر کے نقصانات کا ازالہ کر سکیں۔ ایک بات تو یہ تھی کہ ودان کا علاقہ مدینہ سے تین اور مکہ سے نو دن کے سفر پر تھا اور ممکنہ طور پر ایک وجہ یہ تھی کہ مدینہ ضمریوں کے لیے واحد منڈی تھی۔ (ابن ہشام صفحہ 430-432 نے قتل کی ایک واردات کا بھی ذکر کیا ہے جس کے باعث مکہ سے ان کے تعلقات بگڑ گئے تھے)۔ اور وہ ضروریات زندگی مدینہ سے ہی خریدتے تھے۔ بہرحال اس معاہدے میں (تمام ضمری نہیں) قبیلے کے کچھ خاندان (غالباً ودان کے مکین) ہی شامل تھے کیونکہ قبیلے کی ایک اور شاخ بنوعبد بن عدی کے لوگ (جو ان سے مزید جنوب کی

طرف مکہ کے قریب حدود حرم میں رہتے تھے) نہ صرف اس معاہدے سے لاتعلق رہے بلکہ انہوں نے برسہابرس تک کوئی وفد بھی مدینہ بھیجنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور جب بھیجا بھی تو یہ شرط رکھی کہ معاہدہ کی صورت میں وہ مسلمانوں اور قریش مکہ کی لڑائی میں غیر جانبدار رہیں گے۔

(ابن سعد، ii/I، صفحہ 48)۔

717: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوغفار سے جو معاہدہ کیا وہ یہ تھا۔

بنوغفار مسلمان شمار ہوں گے (ایسے جملے کہ ''مسلمان شمار ہوں گے'' اور سوائے اس کے کہ وہ اپنے مذہب کے لیے لڑیں، معاہدے کے غیر مسلم فریق کے شک وشبہے کے باعث شامل کیے جاتے تھے۔) ان کے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ اس معاہدے کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضامن ہوں گے اور یہ کہ ان کی جانیں اور اموال (مسلمانوں کے حملوں سے) محفوظ و مامون ہوں گے۔ مزید برآں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مدد کے لیے بلائیں گے تو انہیں آنا ہوگا اور سوائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کے لیے لڑیں (باقی تمام صورتوں میں) بنوغفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے پابند ہوں گے اور یہ معاہدہ اس وقت تک موثر رہے گا جب تک سمندر (میں اتنا پانی ہو کہ) صوفہ (بال یا گھونگھا) تر کر سکے (یعنی ہمیشہ موثر ہوگا)۔ یہ بات طے ہے کہ اس معاہدے کا اطلاق مجرموں پر نہیں ہوگا۔

718: جیسا کہ بنوضمرہ اور بنوغفار سے ہونے والے معاہدوں کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں معاہدے 2 ہجری میں ہوئے۔ اس وقت عرب سیاسی طور پر انتشار اور بدامنی کی گرفت میں تھا۔ یہاں تک کہ ایک ہی قبیلے کی مختلف شاخیں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتی تھیں۔ مثلاً بنوضمرہ (جنہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا) بنوبکر کی ایک شاخ تھے اور یہ ذکر پہلے گزر چکا ہے کہ بنوبکر صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کے حلیف بن گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم حکمت عملی اور ناقابل یقین صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے گروہوں اور طبقات کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا تا کہ ان کو ایک باقاعدہ ریاست کے نظام میں لایا جائے جہاں ہر ایک کو نسل اور خاندانی امتیاز سے بالا رہ کر انصاف فراہم کیا جائے اور ملک میں نظم وضبط قائم کیا جائے۔

719: ضمرہ اور غفار کے ساتھ معاہدوں کا معرکہ سر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں قبائل کی وفاداری کو بڑی اہمیت دیتے اور ان پر انحصار کرتے تھے اور کسی مہم پر روانگی کے موقع پر اکثر و بیشتر آپ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرماتے اور حدیبیہ کی مہم کے دوران ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اماء بن رحضہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دستوں کے کمانڈر تھے۔ (مقریزی، ''امتاع''، 373,I) اور اسی مہم کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ غفار کے علاقے سے گزر رہے تھے تو اہل قبیلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سو بھیڑیں اور اتنا دودھ نذر کیا جسے لادنے کے لیے دو اونٹوں کی ضرورت پڑی (مقریزی، امتاع، I، 277)۔

8 ہجری میں ذات اطلاح (شام) کے مکینوں کو ان کی شرپسندی کی سزا دینے کے لیے (غالباً جنگ موتہ کے بعد) جو مہم روانہ کی گئی اس کے کمانڈر ضمرہ قبیلے کے ہی کعب رضی اللہ عنہ بن عمیر تھے۔ اس مہم میں مسلمانوں کو بھاری نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ (ابن ہشام، 983، ابن سعد، II، 92) 9 ہجری میں غزوہ تبوک کے موقع پر غفاری نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے مسلمان فوج کے لیے خدمات پیش کیں مگر سواریوں کی شدید کمی کے باعث ان سے معذرت کرنا پڑی جس سے وہ لوگ آہ و بکا کرنے لگے (جس سے ان کا نام بنو البکہ (آہ و بکا کرنے والوں کی اولاد) پڑ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہو کر بدکاری کا اعتراف کرنے والے مشہور کردار مائز (بن مالک) کا تعلق اسی خاندان بنو البکہ سے تھا حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسلام میں اس گناہ کی سزا سنگساری ہے۔ (بخاری 25/86)

720: غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور قابل رشک کامیابیاں حاصل کرنے والے مسلمان سفیر عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق بھی ضمرہ قبیلے سے ہی تھا۔ ان کے کارناموں کی تفصیل ایک الگ باب کی متقاضی ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بے پناہ اعتماد کرتے تھے اور ان کے دور کفر میں بھی انہیں سفارتی مہمات پر مامور فرماتے رہے۔)

قبیلہ جہینہ

721: قبیلہ ضمرہ سے معاملات طے ہونے کے چند ہفتے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہم لے کر بواط تشریف لے گئے جو ینبوع کے قریب کوہ رضوئی کے ساتھ مدینہ شام شاہراہ پر واقع ایک

مقام ہے۔ ہم پہلے (پیرا 710 میں) مسلمانوں اور اہل جہینہ کے مابین ہجرت کے ابتدائی ایام سے دوستانہ تعلقات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس قبیلے کے قابل ذکر تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں آ چکے تھے اور اپنا علاقہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے میں ایک مسجد کی تعمیر بھی منظور فرمائی تھی مدینہ میں مسجد نبوی کے بعد قبائلی مہاجرین کی آبادی میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی مسجد تھی۔

ہمارے پاس ایک معاہدے کی دستاویز ہے جس کے متن کے الفاظ ضمرہ اور غفار سے ہونے والے معاہدے سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ زیر نظر معاہدہ بھی انہی ایام میں انجام پایا۔ جن میں ضمرہ اور غفار سے معاہدے طے پائے۔ گمان غالب یہ ہے کہ معاہدہ بواط کے مقام پر ہی ربیع الاول 2 ہجری میں ہوا، معاہدے کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

''بنو زرعہ اور بنو الربعہ کے لیے جو قبیلہ جہینہ کی شاخیں ہیں۔ انہیں اپنی جان و مال کا تحفظ حاصل ہوگا اور جو ان سے لڑے گا اور ان پر ظلم کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ ماسوائے اس کے جس میں دین (مذہب) کا معاملہ ہوگا اور اس کا اطلاق قبیلے کے تمام افراد پر ہوگا اور ان پر بھی جو قبیلے کے افراد ہیں مگر خانہ بدوش ہیں اور جنہوں نے اپنی ذمہ داریاں ادا کی ہیں اور جو خلاف ورزی سے بچیں گے۔ قبیلے کے مقیم (شہری) لوگوں پر بھی معاہدے کا اطلاق ہوگا اور خدا ہی مددگار ہے۔ (الوثائق نمبر 151)

722: معاہدے کا متن صرف ایک راوی نے دیا ہے اور اس میں کچھ جھول محسوس ہوتے ہیں جیسا کہ یہ الفاظ اور ''یہ معاہدہ (تمام) اہل قبیلہ کے لیے ہے'' کے بعد اگلے ہی جملے کے شروع میں پھر یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں (یعنی یہ لکھنے کے بعد کہ اس معاہدے کا اطلاق قبیلے کے تمام افراد پر ہوگا پھر یہ تکرار غیر ضروری تھی کہ ''ان پر بھی جو قبیلے کے افراد ہیں مگر خانہ بدوش ہیں'')۔ بظاہر نقل کرنے والے نے بے خیالی میں ''الاہل'' کا لفظ دہرا دیا ہے۔ ہماری رائے میں ''ماسوائے'' سے پہلے کچھ الفاظ آنے چاہیں تھے۔ مثلاً یہ جملہ اس طرح ہو سکتا تھا ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی مدد کے لیے بلائیں تو ان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہنا ضروری ہوگا ماسوائے۔۔۔۔

723: اس کے چھ ماہ بعد بدر کی عظیم جنگ ہوئی جس میں جہینہ قبیلے کے دو افراد نے سکاوٹ

کے فرائض سرانجام دیئے (ابن ہشام، صفحہ 434، ابن سعد II صفحہ 7) جب کہ کچھ نے لڑائی میں بھی حصہ لیا۔ یہی صورت احد میں بھی تھی (ابن ہشام 609)، اس لیے جنگ احد کے موقع پر انہیں جس طرح نوازا گیا وہ تعجب انگیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسجہ بن ہرملہ الجہینی کو جوذوالمروہ کا مکین تھا ایک وسیع قطعہ اراضی عنایت کیا جو بلکاثہ، المسنعہ، الجفلات کی آبادیوں کے درمیان الجد جبل (پہاڑ؟) تک پھیلا ہوا تھا (وثائق نمبر 154)۔ یہ قطعہ اراضی کب دیا گیا اس بارے میں علم نہیں شاید ذوالمروہ کے انتخاب کا مقصد قریش مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے ہو۔ (جیسا کہ ہم مسلمان مفرور ابوبصیر سے متعلق بیان کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو گزشتہ اوراق میں باب مکہ)۔ دوسرے بعض قطعات اراضی بنو شمخ (یا بنو شمخ) کو دیئے گئے (وثائق نمبر 155)۔ ایک اور فرمان کے ذریعہ بنوالجرمز کو ان کی جانوں اور اسلام لانے کے وقت جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا اس کے تحفظ کی یقین دہانی کروائی گئی (الوثائق 153) اس دستاویز کے تحریر کنندہ کا نام مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیا گیا ہے۔ جنہوں نے 6 ہجری سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس دستاویز کی تکمیل کے وقت کے تعین میں ہمیں ایک اور معاہدے سے مدد ملتی ہے جس کی تفصیلات اور بھی دلچسپ ہیں جس میں جہینہ کی دو شاخوں (بنوالجرمز اور بنوالحراقہ) کے اجتماعی قبول اسلام کا واقعہ مذکور ہے اور جس میں درج شرائط بھی طے کی گئی تھی۔

(الف)۔ یہ کہ اہل قبیلہ کافروں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیں گے۔ (رشتہ دار بھی مستثنیٰ نہیں ہیں)

(ب) یہ کہ وہ اہل قبیلہ تمام اسلامی فرائض بشمول روحانی وسیاسی، پابندی اور دیانت داری سے ادا کریں گے جس کا مطلب ہے کہ تمام نمازیں ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے اور اسلامی قانون کے مطابق مال غنیمت کا حصہ حکومت کے حوالے کریں گے۔

(ج) اور یہ کہ وہ اپنے قرض کی رقم پر مزید سود کا مطالبہ نہیں کریں گے اور وہ اصل زر کے سوا کسی اور رقم کے حقدار نہیں ہوں گے۔

(د) جو اور لوگ اس معاہدے میں ان کے ساتھ شامل ہوں گے انہیں بھی برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔

724: متن (الو ثائق 152) سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری برسوں سے ہے جو 9 ہجری ہوسکتا ہے کیونکہ معاہدے کی شق اول سے ہی یہ ظاہر ہورہا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجبوری سے بے نیاز ہو چکے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلموں سے بھی معاہدے کرنے کی ضرورت محسوس ہورہی تھی اور سود کے خاتمے کی عظیم معاشی اصلاح کا بھی اسی میں ذکر ہے۔ آخری شق ظاہر کرتی ہے کہ اس قبیلے کو کافی حد تک خودمختاری حاصل تھی کیونکہ انہیں دوسرے قبائل اور آبادیوں سے معاہدے کرنے کا حق دیا گیا تھا (یہ پسندیدہ ترین قوم ہونے کی شق تھی کہ دوست کے دوست کو پوری امت مسلمہ کا دوست تصور کیا جائے گا)۔

725: اپنے وصال سے دو ماہ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر قبیلہ جہینہ کے لیے ایک پیغام ارشاد فرمایا ”جانوروں کی سڑی ہوئی لاشوں سے کوئی چیز نہ استعمال کرو نہ ہی کھال اور نہ پٹھے“ (الو ثائق 156) یہ حکم حفظان صحت کے حوالے سے تھا۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قبیلہ کے بحدم بن فضالہ نامی شخص کو ایک خط بھی بھیجا تھا (الو ثائق 158)۔ مگر اس کا متن ہم تک نہیں پہنچ پایا تاہم قبیلہ جہینہ کے لیے جہم بن مرہ کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کا حوالہ ملتا ہے (الو ثائق۔ 157) یہ خط مویشیوں کے ریوڑوں پر ٹیکس کے قواعد وضوابط سے متعلق تھا۔ اور اس میں بیلوں سے کاشت کی جانی والی زرعی اراضی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دینے کی اجازت بھی مذکور تھی۔ یاد رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج میں قبیلہ جہینہ کے 800 رضا کار شامل تھے (مقریزی امتاع، 1، 373)

قبیلہ مدلج

726: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ کے گرد ونواح میں آباد غیر مسلم قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ اس مہم کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم 150 افراد کی جمعیت کے ساتھ 2 ہجری کے وسط میں قریش مکہ کے قافلے کے تعاقب میں بنو مدلج کے علاقے عشیرہ بھی تشریف لے گئے۔ مدلج قبیلے کے سراقہ نے اس موقع پر رسول اللہ اوران کے ساتھیوں کو ایک شاندار ضیافت دی (یاد

رہے کہ بنی مدلج کے سراقہ بن مالک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری اور نقصان پہنچانے کے ارادوں میں (خدائی مدد سے) ناکامی کے بعد جب سمجھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ اور بھیڑیں بطور زادراہ دینے کی پیشکش کی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تھا)۔ سراقہ کو وہ واقعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار یاد تھا اس لیے اس نے دعوت کا اہتمام کیا۔ دعوت اتنی شاہانہ تھی کہ اس کے دوران قریش مکہ کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمان اس کا تعاقب نہ کر سکے (بلاذری، انساب، ا نمبر 651)۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوجی معاہدہ کرنے کے لیے بھی تشریف لائے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب رہے (ابن سعد II صفحہ 3۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مدلج اور ان کے اتحادیوں سے معاہدے کیے (یعنی بنو ضمرہ)۔ اس معاہدے کا متن ہم تک پہنچا ہے اور بلاشبہ اس کا متن ضمرہ، غفار اور جہینہ قبائل سے ہونے والے معاہدوں سے ملتا جلتا ہے جو انہی ایام میں کیے گئے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے اور یقیناً یہی صورتحال ضمرہ قبیلے کے بارے میں بھی ہوگی کہ بنو مدلج نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کے باوجود 9 ہجری تک بدستور حالت کفر میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں سے تمام معاہدے ختم کر دینے کا اعلان کیا (ابوعبید، الاموال نمبر 448)۔ جہاں تک سراقہ کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ تاہم سراقہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشہور فرمان کے متعلق حتمی طور پر نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جملہ کب ارشاد فرمایا تھا کہ:

''سراقہ! تم اس پر حیران ہو! اس دن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جب کسریٰ ایران کا تاج تمہارے سر پر رکھا جائے گا اور اس کے کنگن تمہیں پہنائے جائیں گے۔'' (سہیلی، ا، 6،II،51)۔ یاد رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایران کی فتح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔ جنگ بدر کے موقع پر پیش آنے والا بنی مدلج سے متعلق ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ قریش مکہ کو یقین تھا کہ مدلج قبیلہ کے لوگ ان کے خلاف حملے میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں مگر عین اسی لمحے شیطان سراقہ کی شکل میں ان کے سامنے آیا اور انہیں

یقین دلایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا (ابن ہشام صفحہ 432, 474) آخر کار سراقہ نے اسلام قبول کرلیا اور ایک دفعہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے اونٹوں کے لیے حوض میں پانی بھرتا ہوں لیکن دوسروں کے اونٹ بھی وہاں سے پانی پی لیتے ہیں اور میں ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا کیا مجھے اس کا کوئی اجر ملے گا؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

''یقیناً کسی بھی جاندار کو جو پیاسا ہو، اسے پانی پلانا اللہ کی نظر میں بڑا درجہ رکھتا ہے۔'' (ابن ہشام صفحہ 332) سیاست اور اخلاقیات اسلام میں الگ الگ نہیں ہیں۔

727: اسلام کے پہلے ''امیر البحر'' کا تعلق قبیلہ بنو مدلج سے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں 9 ہجری کے آغاز میں جو واحد بحری مہم بھیجی گئی اس کے کمانڈر علقمہ بن مجزز تھے جنہوں نے حبشی ڈاکوؤں کا کامیاب تعاقب کیا تھا (ابن سعد، II صفحہ 117-118)۔ تاہم حتمی طور پر یہ نشاندہی کرنا مشکل ہے کہ وہ جزیرہ کونسا تھا جہاں سے یہ بحری مہم بھیجی گئی تھی کیونکہ ہمارے واحد راوی نے نہ تو اس جزیرے کا نام دیا ہے اور نہ ہی اس علاقے کا ذکر کیا ہے جس میں یہ جزیرہ واقع تھا۔ بلکہ صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا کہ (ڈاکوؤں کی کارروائیوں سے) اہل جدہ (ساحلی علاقے کے مکین) میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اگر اس سے جدہ کی بندرگاہ مراد تھی تو وہ اس وقت موجود نہیں تھی۔ بلکہ اس علاقے میں واقع واحد بندرگاہ شعیبہ تھی۔ اندازہ ہے کہ حبشی ڈاکوؤں کی یہ سرگرمیاں جاری رہیں کیونکہ خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمانڈ میں ایک بحری مہم ان ڈاکوؤں کے خلاف روانہ کی گئی مگر اس مہم کے تمام ارکان کمانڈر سمیت بظاہر جہاز تباہ ہونے سے ڈوب کر جان بحق ہو گئے۔ عذرہ قبیلے کے ایک شاعر نے اس المناک واقعہ پر ایک طویل مرثیہ لکھا جس کا آخری مصرعہ یہ تھا کہ:

''علقمہ نقوش قدم پر آدمی کو تلاش کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔'' (بلاذری، انساب، مسودات استنبول، II، صفحہ 721، طبری، I، 2595)

قبیلہ مزینہ

728: ضمرہ قبیلہ کے رشتہ دار (کزن) مزینہ قبیلہ کے لوگ مدینہ سے مغرب کی طرف آباد

تھے۔ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا تاہم 5 ہجری میں اس قبیلے کے سینکڑوں افراد نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے علاقے میں ہی مقیم رہنے کی اجازت دے دی اور ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہوں جب کہ ان کا علاقہ مدینہ سے صرف 20 میل دور واقع تھا۔

(ابن سعد، ii/I، صفحہ 38)

729: ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرامین پہنچے ہیں جو مزینہ قبیلے کے بلال بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوئے تھے (الوثائق ۔ 163-164) ان میں سے ایک کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے القبلیہ کی کانیں الاٹ کی تھیں جو علاقہ الفرع میں واقع تھیں۔ اس کے علاوہ قدس کے علاقے کی تمام قابل کاشت زمین بھی اسے دے دی گئی۔ دوسرے فرمان کے ذریعے تقریباً نصف درجن زرعی جائیدادیں اسے تحفتاً دی گئیں۔ اس واقعہ کے بارے میں روایات میں ابہام پایا جاتا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن سعد (ii/I، صفحہ 25) کے مطابق اصطلاح ''قدس'' سے مراد مسافر کا تھیلا ہے اور اس تناظر میں اس کا کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں معاوضہ دے کر ایسی بہت سی زرعی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی تھیں جن کو کاشت نہیں کیا جا رہا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ورثا نے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کارروائی کے خلاف) ثبوت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل فرمان پیش کیا۔ حال ہی میں مدینہ میں مقیم ایک سوڈانی نے جو سعودی عرب میں زرعی مشن کے سربراہ مسٹر ٹوچل کے سیکرٹری کے طور پر کام کر چکا تھا راقم السطور کو بتایا کہ اس نے ینبوع کے نواح میں واقع قبیل کے گاؤں میں ایک پرانا کتبہ دیکھا جس پر مندرجہ بالا کانوں کا تحفہ دینے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا متن موجود تھا لیکن اس سوڈانی نے نہ تو اس کتبے کی کوئی تصویر لی اور نہ ہی ہاتھ سے اس کی نقل تیار کی۔ اس بارے میں ہماری معلومات اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ ممکن ہے کہ قبیل (جس کو مقامی لوگ مہد الذہب کہتے ہیں) رسول اللہ کے دور میں قبلیہ کہلاتا ہو۔

730: یہ 9 ہجری کا ذکر ہے جب مزینہ قبیلے کے عظیم شاعر کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا باپ، اس کے بھائی اور بہنیں بھی شاعرہ تھیں۔ (مقریزی، امتاع،

ا،494) جب اس کے بھائی بجیر نے اسلام قبول کہا تو اس کے والدین سخت غصے میں آ گئے اور خود کعب نے برافروختہ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سخت قسم کی ہجو لکھی۔ 9 ہجری میں مزینہ قبیلے سمیت عرب کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور مزینہ قبیلے نے کعب کو قبیلے سے نکال دیا۔ جس پر وہ مدینہ آ کر مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک شاندار نظم کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لپیٹے ہوئے تھے شاعر کو عطا کر دی۔ اس قصیدہ کو عظیم شہرت حاصل ہوئی اور قصیدہ بردہ شریف کے نام سے اسے شہرت دوام حاصل ہے اسے بے شمار زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور اس کی تشریح و توضیح پر بیسیوں مضامین لکھے گئے۔ (ڈاکٹر حمید اللہؒ نے یہاں اُس ''قصیدہ بردہ شریف'' کی خصوصیات بیان کر دی ہیں جو دراصل امام شرف الدین بوصیریؒ کا تحریر کردہ ہے: مترجم)۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شعری مجموعہ 1950 میں کرکوکے مقام پر منظر عام پر آیا اس طویل نظم میں مدینہ میں قبل از اسلام کی جنگوں میں مزینہ قبیلے کے کارناموں کا ذکر بھی ملتا ہے ایک اور روایت کے مطابق (مقریزی، ا، صفحہ 494) کعب بن زہیر نے ام ہانی بنت ابو طالب کے خلاف بھی ایک نظم لکھی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو مردود قرار دیا تھا تاہم اسلام لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔

731: ہم دیکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ضرورت محسوس کرتے ہوئے مدینہ کے گردونواح میں آباد قبائل کے ساتھ معاہدے کیے اور اس طرح نیا مذہب اور نئی اسلامی ریاست کو جو مشکلات ابتدا میں پیش آ رہی تھیں اس کے ازالہ کی کوشش کی اور ان کی سلامتی کو یقینی بنایا۔ ان تمام تفصیلات کا تعلق مدینہ کے مغرب میں آباد قبائل سے متعلق ہے۔ کسی اور موضوع پر لکھنے سے قبل ہم ایک باغ و بہار شخصیت کا تذکرہ کریں گے۔

باب 40

سفیرِ بے نظیر، عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

732: دراصل قبیلہ بنوضمرہ کے عمر ابن امیہ ابن خویلہ ابن عبداللہ بن ایاس ابن عبد (یا عبید) ابن ناشیرہ ابن کعب ابن جودی ابن ضمرہ ابن بکر ابن عبدمنات ابن علی ابن کنانہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں سفارت کاری کے شعبے میں ایک انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ ہم انہیں اسلام کا پہلا پیشہ ورانہ سفارت کار بھی کہہ سکتے ہیں:

733: اگرچہ ان کی تاریخ پیدائش کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی صحیح معلومات دستیاب ہیں تاہم خیال یہ ہے کہ آپ کی ولادت سن ہجری سے 25 سال قبل ہوئی تھی۔ ان کی شادی جس لڑکی سے ہوئی وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی رشتے دار تھیں۔ (سخیلہ بنت عبیدہ ابن الحارث ابن المطلب) آپ کے سُسر عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام آغاز ہی میں قبول کر لیا تھا، اور سن 2 ہجری میں جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ہمارے ذرائع کے مطابق عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آل اولاد مکے کے قبیلے بنوعبدشمس کے حلیف تھے۔ (ابن حبیب ''المنمق'' ص 302) آپ نے 60 ہجری سے قبل وفات پائی۔ (ابن حجر تہذیب التہذیب، VIII، 6) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوامیہ تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بھتیجے الزبریقان ازاں بعد معروف راویان (حدیث) میں شمار کیے گئے۔ معروف دانشور الشعبی بھی عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے شاگرد رشید تھے اور ان کے علم کا تمام تر دارومدار ان کے استاد کی فراہم کردہ معلومات پر ہی ہوتا تھا، خصوصاً حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے سوانح کے حوالے سے جن میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دسترس تامہ حاصل تھی عمر ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مدینہ میں ہوا (ابن عبد

البر، "استیعاب" II، نمبر 1889)

734: عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبدالشمس کے خاندان کے ساتھ اتحاد کی داستان بڑی دلچسپ ہے کیونکہ اس قصے سے عمرو بن اُمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حبشہ کے ساتھ گہرے تعلقات کا علم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ الا یلاف کے معاہدے کی رو سے عبد شمس اور ان کی آل اولاد کو مکہ اور حبشہ کے مابین تجارت میں اجارہ داری حاصل تھی (بالکل اسطرح جیسے بنو ہاشم کو شام، المطلب کو یمن اور نوفل کو عراق کے ساتھ تجارت میں اجارہ داریاں حاصل تھیں) (ابن سعد i/I، ص 43-46) عبد شمس کے اتحادی ہونے کے ناتے عمرو ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ کی جانب، جانے والے کاروانوں میں شریک رہتے تھے۔ ہم قبل ازیں اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی اصحمہ کو اسکے چچا نے اوائل عمری میں ہی بیچ دیا تھا لیکن اصحمہ ابھی نابالغ ہی تھا کہ تخت کا وارث بن گیا اسکا چچا قائم مقام بادشاہ بنا۔ اصل حکمران (وارث) سے نجات پانے کے لئے اسکے چچا نے اُسے ضمرہ جو عرب کا ایک قبیلہ تھا کے ہاتھوں بیچ ڈالا اور یہ غلام بن گیا۔ عمرو ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق بھی اسی ضمرہ قبیلے سے تھا اور ممکن ہے کہ وہ اس شہزادے کو ذاتی طور پر بھی جانتے ہوں ازاں بعد یہ شہزادہ واپس حبشہ پہنچا اور اس نے اپنا تخت دوبارہ چھین لیا۔

735: شروع شروع میں عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غالباً اسلام کی جانب بے اعتنائی برتتے رہے بلکہ بدر اور اُحد کے غزوات میں تو عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل مکہ کی فوج میں کھڑے نظر آتے ہیں (ابن سعد i/IV، ص 182-3) جنگ احد کے بعد اہل مکہ کی واپسی کے موقع پر آپ مشرف بہ اسلام ہوئے اور کھلم کھلا اس کا اعلان بھی کیا۔ جنگ بدر اور جنگ احد کے دوران آپ نے مسلمانوں کے خلاف کوئی فوجی اقدام نہیں کیا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ مہمات میں محض رسماً اور برائے نام ہی شرکت کی کیونکہ عبد شمس قبیلے کے اتحادی ہونے کے ناتے انہیں ہر اس جنگی مہم میں شرکت کرنی لازمی تھی۔ جس میں ان کے آقا یا سرپرست شریک ہوں کیا یہاں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ عمرو ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ کیونکہ اسلام سے قبل آپ بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تجارتی قافلوں کے امیر رہ چکے تھے۔ ذیل میں درج واقعہ کی بناء پر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کا ہمارے پاس جواز موجود ہے، کہ واقعتاً دونوں اصحاب گہرے

دوست تھے۔

736: معروف سوانح نگار الشامی ("سبل الھدیٰ و الرشاد" شامی، 111،IV) کے مطابق جنگ بدر میں اہل مکہ پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح حاصل کرنے کے بعد، انہوں نے اپنی شکست کا انتقام لینے کی خاطر ایک سفارتی مشن نجاشی کے پاس روانہ کیا کہ وہ حبشہ میں پناہ گزیں مسلمانوں کو اپنے ملک سے جلا وطن کرے لیکن جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش اور خفیہ منصوبہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کے پاس مسلمانوں کی سفارش کرنے کے لئے بھیجا۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ (بقیہ کہانی ہم پیراگراف نمبر 498 میں بیان کر چکے ہیں) یہ بظاہر چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم ہے کہ اس۔ سے ایک طرف تو اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ عمر ابن امیہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ دوسرے وہ انتہائی قابل اعتماد بھی تھے باوجود اس حقیقت کے کہ موصوف جنگ بدر میں مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی فوج کے ہمراہ تھے۔ اس سے اس امر کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارتی فرائض کے لیئے ایک غیر مسلم تک کی خدمات سے استفادہ فرمانے میں بھی تامل نہ فرمایا: یہاں ہمیں عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارتی صلاحیتوں اور ان کی سفارت کاری میں اعلیٰ اہلیت، قابلیت اور مہارت کا بھی علم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ نجاشی کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات بھی تھے۔ اس سے یہ امر بھی صاف عیاں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کی حرکات وسکنات، منصوبہ سازی اور سازشوں سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے تاکہ انہیں ناکام بنا سکیں اور ان کا توڑ کر سکیں۔

737: یہ چار ہجری کا واقعہ ہے کہ ایک بدی سردار ابو براء، ملاعب الاسنہ مدینہ آیا۔ ہم نہیں جانتے کہ کیوں؟ اور اپنے ہمراہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ تحفے بھی لایا تاہم وہ اسلام قبول کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ اسکی ضمانت پر چند ایک مبلغین اسکے قبیلے کو روانہ کئے جائیں جو اسکے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وفد کے رکن تھے۔ بئر معونہ کے قریب ابو براء کے بھتیجے عامر ابن طفیل نے اچانک وفد پر حملہ کر دیا اور سوائے ایک مدنی انصاری اور عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

سب کھیت رہے کہ یہ دونوں وفد کے جانوروں کو چرانے باہر چراگاہوں میں لے کر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس لوٹے تو دشمن کا گھوڑ سوار رسالہ ہنوز وہاں موجود تھا۔ (ابن ہشام ص 648)

عمرو ابن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیدی بنا لئے گئے جبکہ ان کے ساتھی مدنی انصاری قتل کر دیئے گئے۔ اس موقع پر حملہ آور امیر ابن اطفیل نے اعلان کیا کہ اسکی ماں نے یہ عہد کیا تھا۔ (منت مانی تھی) کہ وہ ایک غلام آزاد کرے گی اور پھر اُس نے اپنے قیدی عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہا کر دیا: ہمارے ذرائع کے مطابق اُس نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی کے بال رہائی کی نشانی کے طور پر کاٹ ڈالے۔ یہ واقعہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کرنے کے لئے مدینہ کی جانب پیادہ پا ہی چل پڑے۔ ابھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے ہی میں تھے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاتل قبیلے کے دو افراد ملے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کسی نہ کسی طرح قابو کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان دونوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفظ اور پُر امن سفر کی ضمانت عطا کی تھی (اور شاید وہ دونوں اسلام بھی قبول کر چکے تھے) عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی تمام حالات معلوم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں افراد کے لواحقین کو خون بہا حسب معمول روانہ فرمایا جو سہواً قتل کر دیئے گئے تھے۔ (ابن ہشام ص 650۔ ابن سعد II/i ص 38)

738: ابوسفیان نے ایک کرائے کا قاتل بدوی مدینہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی غرض سے بھیجا۔ ابوسفیان نہ صرف اپنے چند قریبی رشتہ داروں کی جنگ بدر میں ہلاکت کا بدلہ لینا چاہتا تھا بلکہ وہ مکہ کے تجارتی قافلوں پر مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا توڑ بھی کرنا چاہتا تھا۔ خوش قسمتی سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسکے وار سے محفوظ رہے۔

اس دوران الرجیع کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا جس میں چند ایک مسلمان مبلغین کو تبلیغ کے بہانے بلوا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا جبکہ چند ایک کو قیدی بنا کر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا جنہوں نے انہیں بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری کو ابوسفیان کے قتل کا مشن سونپ کر مکہ روانہ کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے پہچان لیا اور ادھر ابوسفیان کا ماتھا ٹھنکا اور وہ اپنے اس کٹر اور زبردست دشمن کی مکہ میں موجودگی کا مقصد اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اس نے

اپنے حفاظتی اقدامات ہی سخت نہیں کیے بلکہ انہیں فرار کے دوران قابو کرنے کی بھی کوشش کی عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ کی ایک غار میں چھپ گئے۔ اور جب ان کا پیچھا کرنے والے واپس لوٹ گئے تو اگلے روز یہ پھر شہر جا پہنچے اور خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش سولی سے اتاری جسے کفار نے پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ ازاں بعد انہوں نے اس علاقے کے تین افراد کو قابو کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، ایک کو قیدی بنالیا اور بخیر و سلامتی مدینہ لوٹ آئے تا کہ تمام واقعات سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کریں:

(ابن ہشام ص992 ابن سعد II/i ص68، ابن حجر "مطالب" 4344)

739: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار پھر شمال مشرقی عرب کے ایک قبیلے بنوالدئل کے پاس ایک مبلغ اور ایلچی کی حیثیت سے روانہ کیا۔ لیکن وہاں وہ کچھ کامیابی حاصل نہ کر پائے اور واپس مدینہ لوٹ آئے۔ انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ بیان دیا: "جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ لوگ بکھرے ہوئے تھے اور اپنے ریوڑ چرانے چراگاہوں کو نکلے ہوئے تھے۔ اور جب میں دوبارہ ان کے پاس گیا تو وہ اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ میں نے انہیں خدا اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے واضح طور پر انکار کر دیا"۔ اس وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں موجود لوگوں نے فوری طور پر ایک تادیبی مہم روانہ کیے جانے کا مطالبہ کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "انہیں پرامن ہی رہنے دو! اگر ان کا سردار اسلام قبول کر لیتا ہے، نماز قائم کرتا ہے اور اپنے لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے تو کوئی بھی انکار نہیں کرے گا" لیکن اس ذریعہ سے دستیاب معلومات مشکوک ہیں۔ (یعقوبی، II، ص70)۔

740: غالباً 6 ہجری کے دوران عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر نجاشی کے پاس حبشہ روانہ فرمایا۔ اس مرتبہ ان کا مشن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک کے انتظامات کرنا تھا۔ یہ شادی ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی جن کے پہلے شوہر عبیداللہ ابن جحش اسلام ترک کر کے عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی پر عیسائیت قبول کرنے کے لئے بڑا دباؤ ڈالا لیکن اس شیردل خاتون نے کوئی دباؤ قبول نہ کیا یہ شادی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں وقوع پذیر ہونا تھی طبری کے

مطابق عبیداللہ نے کثرت شراب نوشی کے باعث وفات پائی۔

(بلاذری" انساب الاشراف" ا،نمبر 529 ص 903-04)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ خاتون کو اسکی اسلام سے وفاداری کا صلہ اور انعام دینا چاہتے تھے۔نجاشی کو ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضامندی سے آگاہ کیا گیا اور حقیقتاً کوئی بھی مسلمان خاتون اس عظیم عزت افزائی اور توقیر سے کبھی انکار ہی نہیں کرسکتی تھی چنانچہ یہ شادی دھوم دھام سے منعقد ہوئی (ابن سعد ii/I،ص 15-16،ابن ہشام،ص 144) عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت نجاشی سے حاصل کی بلکہ اس شادی مبارک کے انتظامات بھی نجاشی نے کیے۔نجاشی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مسلمان مہاجرین جو حبشہ میں پناہ گزیں تھے واپس مدینہ بھیج دیئے۔نجاشی نے ان مہاجرین کی واپسی کے لئے دو کشتیاں حاصل کیں۔ اسطرح عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشن بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

741: اسلامی تاریخ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نامہ ہائے مبارک محفوظ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے دو مختلف نجاشیوں کے نام تحریر فرمائے تھے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔دونوں مرتبہ خطوط کی ترسیل کی ذمہ داری عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی سونپی گئی۔

742: جنگ خندق کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ ہمدردی، شفقت اور دل جوئی کی حکمت عملی اختیار فرمائی اور جب مکہ میں قحط پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 500 اشرفیاں غرباء میں تقسیم کرنے کے لئے وہاں بھیجیں۔عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مرتبہ بھی شریک ایلچی کی حیثیت سے مکہ گئے ابن سعد اس مشن کے متعلق بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے (ابن سعد ii/IV،ص 32-33) اس مشن کی روانگی کا وقت جنگ خندق کے بعد کا بتایا جاتا ہے لیکن غالباً یہاں نقل نویس یا راوی کو مغالطہ ہوا ہے جبکہ اس سلسلہ میں ابن سعد کہتا ہے "جب یہ رقم مکہ پہنچی تو ابوسفیان بڑبڑایا اور کہنے لگا "اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نوجوانوں کو ورغلا رہے ہیں" اس واقعہ کے متعلق درست وقت کے تعین کے لئے دراصل پڑھنا ہمیں کیا یوں پڑھنا چاہیے؟ جنگ خندق کے بعد" یا "صلح حدیبیہ سے پہلے یا فتح مکہ سے پہلے" لیکن بہرحال یہ دور سیاسی سطح پر انسانی ہمدردی اور باہمی اشتراک و تعاون کا عہد کہلاتا ہے علاوہ ازیں اس روایت سے

عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار کا ایک اور پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے اور ان کی ایک کمزوری کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ دراصل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل رقم عمرو ابن الفغواء الغزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کی اور ان سے کہا کہ وہ اپنے لئے کسی ساتھی کا انتخاب کر لیں یہ گویا ایک انتظامی واحتیاطی اقدام تھا تا کہ قومی دولت کسی لالچ کے زیر اثر خرد برد نہ ہو جائے۔ اور دوسرا پہلو تحفظ کا بھی تھا کیونکہ ان کے ہمراہ کوئی محافظ نہیں بھیجا جا رہا تھا اس موقع پر عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خدمات پیش کیں جنہیں فوری طور پر قبول کر لیا گیا۔ اسکا علم جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن الفغواء رضی الہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''جب تم بنوضمرہ (عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ) کے علاقے سے گزرو تو محتاط رہنا۔ کیونکہ تمہارے اور ان کے قبیلوں کے مابین چپقلش چلی آ رہی ہے۔'' یوں لگتا ہے کہ کسی طرح عمرو ابن الفغواء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان کے علاقے میں موجودگی کی خبر ان تک پہنچ گئی۔ جب وہ لوگ اکٹھے ہو کر پارٹی سے ''ملاقات'' کے لئے آئے عمرو ابن الفغواء رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو پہلے ہی ان کی پہنچ سے دور جا چکے تھے کیونکہ انہیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبردار کیا ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اونٹ کی رفتار تیز کی اور جلد ہی محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔ جلد ہی عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے آ ملے۔ وہ جانتے تھے کہ ان سے مصالحت کیسے کی جائے۔ غالباً وہ انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کے قبیلے کے لوگ تو ان کے پاس مہمان نوازی کے خیال سے آئے تھے اور وہ انہیں چنداں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ ازاں بعد آمد و رفت کا تمام سفر بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

743: 9 ہجری میں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے تبوک کی مہم لے کر روانہ ہوئے تب آپ نے ایک جنگی رسالہ سیف اللہ خالد ابن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں شاہ دومتہ الجندل اکیدر کے خلاف بھی بھیجا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہ کو ایک شکاری مہم کے دوران گرفتار کر کے حیران کر دیا۔ انہوں نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ یہ خبر پہنچانے کے لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔ ان کے ہمراہ وہ مال غنیمت اور شکاری پارٹی کے ارکان بھی روانہ کر دیئے جو اس موقع پر ہتھے چڑھے تھے خصوصاً شاہ کے بھائی کا ریشمی چوغہ جو انتہائی قیمتی تھا بھی بھیجا گیا۔

744: ابن الکلبی، حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مزید ایک اور سفارتی مشن کی انجام دہی منسوب کرتا ہے۔ جب **10** ہجری کو انہیں مسیلمہ کذاب (جھوٹا مدعی نبوت) کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لے جانے کا مشن سونپا گیا۔ یہاں مصنف کہتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانچ مرتبہ سفارتی ذمہ داریاں سونپیں۔ سب سے پہلے نجاشی کے نام خط دے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا گیا جس میں اُسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی، دوسری مرتبہ بھی نجاشی کے پاس مشن بھیجا گیا جسکے سربراہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اس مرتبہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارکہ کے انتظامات کرنے کے لئے نجاشی کو کہا گیا تھا۔ نیز اسی مشن میں مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ بھی شامل تھا۔ تیسری مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حبشہ بھیجا گیا جس میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر مہاجرین کی واپسی کے انتظامات کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ چوتھی مرتبہ مسیلمہ کذاب کے نام آپ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے اور پانچویں مرتبہ انہیں ابوسفیان کے قتل کا مشن سونپا گیا جس کے دوران آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبیب ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد مبارک کو سولی سے اتارا تھا جنہیں قریش مکہ نے پھانسی دے دی تھی۔ جہاں تک مسیلمہ کے ساتھ خط و کتابت کا تعلق ہے تو اسکا ہم پہلے ہی گزشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جواب ان لوگوں کے حوالے نہیں کیا جو مسیلمہ کا خط لے کر آئے تھے اور غالباً اس خدشے کے پیش نظر کہ وہ بدنیتی سے اسمیں کوئی کم بیشی نہ کریں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذمہ داری اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک کو سونپی۔ یہاں بنوحنیفہ کو اسلام کی حقانیت کی وضاحت بھی کرنا تھی چنانچہ اس خط کی ترسیل کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔ تاہم عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آخری مشن میں کامیابی نہیں ہوئی اور مسیلمہ بدستور کفر پر ڈٹا رہا اور الٹے سیدھے بہانے گھڑتا رہا اور ازاں بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مرا۔

745: بعد ازاں عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور خراطین کے مقام پر رہنے لگے جہاں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاصی طویل عمر پا کر فوت ہوئے۔

(ابن سعد IV/i، ص183)

746: عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسحور کن شخصیت نے بہت سے ناول نگاروں کے تخیلات کو سحر زدہ کئے رکھا۔ یہاں تک کہ ''داستانِ امیر حمزہ'' میں بھی ''عمرو عیار'' کے نام سے کئی داستانیں منسوب ہیں جن میں ان کی چالاکی، سفارت کاری اور دیگر ذاتی صفات کو سنسنی خیز تکنیک کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

باب 41

دوسرے عرب قبائل

747: سرزمین عرب کے ایک طاقتور قبیلے ہونے کے ناتے خزاعہ نے ابتدائے اسلام کی تاریخ میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا مادر وطن یمن تھا مگر قدیم یمن کی تاریخ کے ایک اہم سانحہ یعنی مارب ڈیم کے ٹوٹنے کے بعد جو تباہی آئی اس سے بچنے اور نئی بود و باش کی تلاش میں یہ قبیلہ دوسرے بہت سے قبائل مثلاً غسان، ازد، وغیرہ کے ہمراہ وطن سے نکل کھڑا ہوا۔ ابن حبیب کے مطابق (المحبر ،صفحہ 372) یہ نقل مکانی اس وقت عمل میں آئی جب روم پر DECIUS کی حکمرانی تھی (وفات 251ء)۔ مکہ کے قریب پہنچ کر آل غسان مزید شمال تک سفر جاری رکھتے ہوئے سرزمین شام تک پہنچ گئے اور ازد، مشرق کی طرف مڑ گئے اور عُمان پہنچ گئے جب کہ خزاعہ نے عارضی ٹھکانے کے لیے مضافات مکہ کا انتخاب کیا اور ان کے سردار نے اہل مکہ کو پیغام بھجوایا کہ انہیں عارضی پڑاؤ کی اجازت دے دی جائے تاکہ وہ بہتر جگہ کی تلاش تک یہاں قیام کر لیں۔ مکہ پر ان دنوں بنو جُرہُم کا تسلط تھا۔ خزاعہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور ان کی کثرت تعداد نے بنو جرہُم کو گوناگوں خدشات میں مبتلا کر دیا۔ جس کے باعث انہوں نے پڑاؤ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جس سے خزاعہ بھڑک اٹھے اور انہوں نے اشتعال میں آ کر بنو جُرہُم پر حملہ کر دیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد خزاعہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور انہوں نے بنو جُرہُم کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ (آغانی، 110/XII) اس کے بعد خزاعہ نے مکہ پر مکمل تسلط حاصل کر لیا اور علاقے میں موجود بچے کھچے بنو جرہم قبائلیوں کو بھی نکال باہر کیا وہ لوگ بھی خزاعہ کی چیرہ دستی سے محفوظ نہ رہ سکے جو جنگ میں غیر جانبدار رہے تھے۔ تاہم خزاعہ نے آل اسماعیلؑ سے کوئی تعرض نہ کیا جن کی ایک قلیل تعداد مکہ میں آباد تھی۔

748: مکہ جسے بیت اللہ یعنی کعبہ کے باعث ہمیشہ سے اعزاز و تکریم حاصل ہے۔ حج بیت

اللہ کا سلسلہ بھی ہزاروں سال سے جاری ہے۔ مگر بنو جُرہم نے حاجیوں پر ایک ٹیکس لگا رکھا تھا جس کے باعث وہ بہت بدنام ہو گئے تھے اور عام لوگ انہیں ناپسند کرتے تھے۔ خزاعہ نے اپنے دور اقتدار میں کعبہ میں بت پرستی کو رواج دیا اور خزاعہ کے سردار ربیعہ نے بیت اللہ کو بتوں سے بھر دیا۔ (بعض دیگر سیرت نگاروں نے اس خزاعی سردار کا نام عمرو بن ربیعہ المعروف لُحَی لکھا ہے۔ مترجم)۔ وہ ایک دفعہ فلسطین گیا تو وہاں موآب کے علاقے میں عمالقہ کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا تو ان سے ھبل نامی بہت بڑا بت مانگ کر لے آیا اور اسے عین بیت اللہ کے اندر نصب کر دیا۔ (ابن ہشام صفحہ 51)۔ ربیعہ حاجیوں کو ھبل کے نام پر بہت پرتکلف ضیافت دیا کرتا تھا (اور بعض اوقات 10،10 ہزار اونٹ اس مقصد کے لیے ذبح کیے جاتے۔ مترجم) تا کہ ان کے دلوں میں ھبل کی عظمت بٹھائی جا سکے۔ اس نے بیت اللہ کی بیرونی دیواروں پر بیش قیمت کپڑے کے غلاف چڑھا دیئے (سہیلی، I، 62)۔

749: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قُصی نے مکہ کے والی حلیل خزاعی کی صاحبزادی حُبیٰ سے شادی کر لی تھی اور اپنے سسر کے انتقال کے بعد قُصی نے بیت اللہ کی چابیاں قبضے میں کر لیں (اس سے قبل قصی نے بے پناہ اثر ورسوخ حاصل کر لیا تھا) بنو خزاعہ نے قصی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس پر قصی اور بنو خزاعہ میں لڑائی چھڑ گئی۔ قصی کو اس لڑائی میں بنو قضاعہ اور بنو اسد کی حمایت حاصل تھی۔ (منمق صفحہ 278، ابن ہشام صفحہ 79، ابن سعد I/i صفحہ 38) اس لڑائی میں قصی فتح یاب ہوا اور بنو خزاعہ نے مکہ سے نکل کر مضافات میں ڈیرے جما لیے۔ چونکہ قصی کی بیوی کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا اس لیے اندازہ ہے کہ بنو خزاعہ نے جلد ہی قصی سے مصالحت کر لی کیونکہ اس کے فوراً بعد قصی کے صاحبزادے عبد مناف نے بھی بنو خزاعہ میں ہی شادی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شریک حیات حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ عبد مناف بھی اسی خزاعی بیوی کی اولاد میں سے تھیں۔ اس کے علاوہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آل قصی کے دوسرے لوگوں کی جدی مائیں تمام خزاعہ سے ہی تھیں۔

("المحبر" صفحہ 18,48، 47، 52، 402، 403)۔

ابن ہشام نے ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر خزاعی بدیل بن ورقا کے خاندان کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ابن ہشام صفحہ 803۔ خزاعہ کے غلام اور ... سے زیر اثر

افراد جنگ بدر میں قریش کی حمایت میں شریک ہوئے۔ بحوالہ ابن ہشام صفحہ 563، 611، بلاذری، ا، صفحہ 696) ابن حبیب کے مطابق (''المحبر'' صفحہ 178-179) مکہ میں قریش کے ان خاندانوں کو جو قصی کی اولاد میں سے تھے ارکان حج کی ادائیگی کے حوالے سے خصوصی مراعات اور استحقاق حاصل تھے جن میں سے بعض میں خزاعی بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔ قریش ان خصوصیات کی بناء پر ''الحمس'' کہلاتے تھے۔ (قریش کا دعویٰ تھا کہ چونکہ ہم آل ابراہیم علیہ السلام، حرم کے شہری اور بیت اللہ کے متولی ہیں اس لیے ہمیں ارکان حج کی ادائیگی میں وہ تمام پابندیاں اپنے اوپر لاگو نہیں کرنی چاہیں جو باہر سے آنے والوں پر فرض ہیں ورنہ ہم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے گا اور وہ ہمارا احترام نہیں کریں گے کہ ''اہل حرم کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔'' اس طرح اہل مکہ نے حج کے لیے عرفات جانا موقوف کر دیا جب کہ باہر سے آنے والوں کے لیے وقوف عرفات لازمی تھا۔ اس طرح اپنے آپ کو ''بالا'' بہادر، گرمجوش ''پاکباز'' قرار دے کر وہ اپنے آپ کو ''حمس'' کہلانے لگے۔ بنو کنانہ اور بنو خزاعہ بھی ''حمس'' ہی شمار ہوتے تھے۔ مترجم)

یاد رہے کہ ''احابیش'' کے معاہدہ میں قصی اور بنو خزاعہ کی بعض شاخیں مل کر بنو بکر کے خلاف صف آراء ہوئی تھیں۔

750: یہ معاہدہ دوستی صدیوں تک قائم رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے دور میں اس میں نئی جان پڑ گئی۔ عبدالمطلب نے پانی کے کچھ کنوؤں پر اپنے چچا نوفل سے تنازع کے بعد خزاعہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ جب کہ نوفل پہلے ہی عبدشمس کی حمایت حاصل کر چکا تھا۔ اس معاہدے کا متن یہ ہے۔

''اللہ کے نام سے۔ یہ معاہدہ عبدالمطلب بن ہاشم اور قبیلہ خزاعہ کے مابین ہے۔ معاہدہ اس قبیلہ (خزاعہ) کے بڑوں اور صاحبان فہم و فراست کی تحریک پر ہوا جو چل کر اس کے (عبدالمطلب) کے پاس آئے۔ جو لوگ اس موقع پر موجود نہیں تھے۔ (انہیں چاہیے کہ) وہ ان لوگوں کا فیصلہ تسلیم کر لیں جو موجود تھے۔ آپ اور ہمارے مابین اللہ اور اس کی ضمانت موجود ہے۔ کوئی یہ بات نہ بھولے کہ ''ہاتھ'' ایک ہوگا (کارروائی مشترکہ ہوگی) اور کامیابی بھی ایک ہوگی (کامیابی کا اعزاز مشترکہ ہوگا)۔ (معاہدہ اس وقت تک موثر ہوگا) جب تک کوہ ثبیر (پر سورج

چمکے گا اور کوہ حرا اپنی جگہ کھڑا رہے گا اور سمندر میں اتنا پانی رہے گا کہ جس سے صفہ (بال یا گھونگھا) تر ہو سکے۔ اور اگر اس معاہدے کی جگہ دوسرا معاہدہ نہ ہوا تو ہمارے اور آپ کے مابین ابد تک کچھ (کوئی نزاع وغیرہ) نہیں ہوگا۔"

ایک اور روایت میں اس معاہدے کے آخری حصہ کا متن اس طرح تھا "یہ (کارروائی) ایک معاہدہ کے لیے ہے جو بوڑھے کو بوڑھے سے، جوان کو جوان سے اور حاضر کو غائب سے ملانے (متحد کرنے) کے لیے ہے جدا کرنے کے لیے نہیں۔ اس لیے وہ متحد ہو گئے ہیں اور ایک ایسے معاہدے میں یقین کامل کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں جس میں رخنہ پڑنے یا ٹوٹنے کا کوئی خدشہ نہیں اور یہ معاہدہ اس وقت تک موثر ہوگا جب تک کوہ ثبیر پر سورج چڑھتا رہے گا، جب اونٹ صحرا میں بلبلائے گا (اونٹ صحرا میں ہمیشہ خوش رہتا ہے اور کبھی (درد سے) نہیں بلبلاتا یعنی معاہدہ ہمیشہ رہے گا) اور جب تک اخشبین یا اخشبان (مراد ابوقبیس اور قیقعان۔ اس وقت مکہ کی آبادی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان تھی۔ مترجم) کے دونوں پہاڑ کھڑے رہیں گے اور لوگ حج کے لیے مکہ آتے رہیں گے۔ یہ معاہدہ تمام آنے والے وقتوں کے لیے ہے جسے ہر نیا دن مضبوط اور نئی رات لمبا کرتی رہے گی۔ اس معاہدے کے تحت عبدالمطلب، ان کی اولاد اور ان کے تمام ساتھی قبیلہ خزاعہ کے ساتھ مل کر چلیں گے اور ان کے ساتھی بنیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ یہ خود عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ دشمن کے خلاف ان کا (بنو خزاعہ) کا ساتھ دیں اور (اسی طرح) خزاعہ پر لازم ہوگا کہ وہ عبدالمطلب، ان کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کا عربوں کے خلاف ساتھ دیں چاہے وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، پہاڑ پر ہوں یا میدان میں۔ دونوں فریق خدا کو (اپنے درمیان) ضامن بناتے ہیں۔ اور کیسا ضامن ہے وہ (اور کس قدر اچھا انتخاب ہے) اس کارروائی کے لیے" (الوثائق نمبر 171)

751: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تبلیغ شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم وطنوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا خصوصاً بعض خزاعی اس مخالفت میں پیش پیش تھے مثلاً ابن الطلاطلہ (جس کا نام مالک تھا (بلاذری، ا، نمبر 333) عمرو (المحبر صفحہ 24) یا حارث (ابن ہشام صفحہ 272) نہیں جیسا کہ بعض کی ہے۔ ایک ابو بردہ اسلمی تھا جو "قریش کا شیطان" کے نام سے مشہور تھا (المحبر صفحہ 390، اسی طرح ایک اور شیطان نوفل بن خویلد تھا جس کا تذکرہ ابن

ہشام نے کیا ہے صفحہ 177)۔عدی بن حمرا بھی ایک ایسا ہی ملعون تھا (بلاذری نے اسے خزاعی، ا، نمبر 248) جبکہ ابن ہشام نے (صفحہ نمبر 276) ثقفی قرار دیا ہے۔اس کا گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں تھا۔اغلباً ان افراد کا تعلق ان خاندانوں سے تھا جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان (بنو ہاشم) سے پیمان نہیں تھا۔یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ فراہم کی تھی وہ ایک خزاعی (مطعم بن عدی) ہی تھا۔(ابن سعد، ا، صفحہ 142، مقریزی، ا، 28)۔اور ہجرت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت ام معبد پر ہوا اس کا تعلق بھی خزاعہ سے ہی تھا۔یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد سے دودھ مانگا مگر اس نے معذرت کی کہ ساری بکریاں چرنے گئی ہوئی ہیں اور جو بکری موجود ہے وہ کمزور، بیمار اور بوڑھی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کی اجازت سے بکری کو دوہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کی بدولت ڈھیروں دودھ حاصل ہو گیا۔ان (بابرکت) مسافروں کے جانے کے بعد ام معبد کا شوہر واپس آیا تو بیوی سے تمام واقعہ تفصیل سے سنا۔اس سے متاثر ہو کر ام معبد اور اس کا شوہر مسلمان ہو گئے۔(ابن ہشام صفحہ 330۔ابن سعد، ا، صفحہ 155-156) یہ اسی ام معبد کے بیٹے کا ہی ذکر ہے جب غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمرالاسد کے مقام تک قریش کا پیچھا کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معبد الخزاعی کے بارے میں استفسار کیا۔معبد ابھی تک شرک پر ہی قائم تھا (تاہم اس کی ہمدردیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں کیونکہ بنو ہاشم اور بنو خزاعہ میں حلف موجود تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قریش کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سے کہا کہ اس کی ملاقات اگر قریشی لشکر سے ہو جائے تو انہیں مسلمان فوج کی کثرت اور تعداد اور طاقت سے مرعوب کر دے چنانچہ اس نے ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان میں قریش کے تعاقب میں آنے والی فوج کی تعداد اور قوت کو زور بیان سے اس قدر بڑھا کر پیش کیا کہ کفار مکہ جو پلٹ کر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے خوفزدہ ہو کر واپس چلے گئے (مقریزی ا، 169) اس واقعہ کی باقی تفصیلات معروف ہیں۔

752: بنو خزاعہ جنگ کی صورت میں 10 ہزار جنگجو سپاہی جمع کر سکتے تھے (ابن ہشام صفحہ

812)۔ ان کی آبادی مکہ کے جنوب سے رابغ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی بندرگاہ کے قریب قبیلہ اسلم اور مصطلق کی آبادیاں تھیں۔ یہ خزاعہ ہی کی شاخیں تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اہم کردار ادا کیا۔

753: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف آوری کے بعد مختلف قبائل سے معاہدے فرما رہے تھے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ قبیلہ اسلم سے بھی کیا۔ اس سے قبل کرز بن جابر کا ذکر آچکا ہے جس نے مکہ سے آکر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ میں لوٹ مار کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا صفوان کے مقام تک تعاقب کیا تھا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بنو غفار بلکہ بنو اسلم کے ساتھ بھی معاہدے کیے (الحبیب، ''المحبر'' صفحہ 111)۔ یہ واقعہ جنگ بدر (رمضان 2 ہجری) سے ایک ماہ پہلے کا ہے۔ ابن حبیب نے بنو اسلم کی ایک عورت کُعَیبہ بنت سعد کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کی مسجد میں رہتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی (المحبر صفحہ 410-411)۔ کچھ دیگر شہادتوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ بنو اسلم کے بعض لوگوں نے ابتدا میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہمیں ایک دستاویز بھی دستیاب ہوئی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحصین بن اوس الاسلمی کو الفر غین اور ذات اعشاش کے علاقے میں زرعی زمینیں عطا کی تھیں (وثائق ۔ 167) بنو اسلم کے بارے میں ایک اور فرمان مزید مطالعے کا متقاضی ہے۔

''(قبیلہ) اسلم کے لیے جو خزاعہ کا حصہ ہیں یعنی کہ بنو اسلم کے وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں پرخلوص کام کرتے ہیں جو کوئی ان پر ناجائز حملہ کرے گا۔ اس میں ان کی مدد کی جائے۔ (دوسری طرف) ان کا فرض ہوگا کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بلائیں تو انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے آنا ہوگا۔ خانہ بدوشوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مقیم لوگوں کے ہیں اور جہاں کہیں بھی وہ ہوں گے (اسلامی حدود میں) انہیں مہاجرین کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔'' تحریر کنندہ العلی بن حضرمی (جو گواہ (بھی) ہے) (وثائق 165).

754: تحریر کنندہ العلی کے نام سے ہمیں اس دستاویز کی تاریخ کا تعین کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ بنو امیہ کے غلام کی حیثیت سے مکہ میں ہی اس نے بالکل ابتدا میں اسلام قبول کر لیا تھا تاہم

اس میں زکوٰۃ کے تذکرے سے 9 ہجری کا تصور ذہن میں آتا ہے جب زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے کارندوں کی تقرری عمل میں آئی لیکن دستاویز میں مہاجرت (مدینہ آ کر آباد ہونے کی پابندی) سے استثنٰی کا بھی ذکر موجود ہے اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کے لیے اپنے علاقے چھوڑ کر مدینہ میں آ کر آباد ہونے کی جو پالیسی اپنائی تھی وہ 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد ترک کر دی گئی تھی (تاہم ایک استثنٰی موجود ہے جب 5 ہجری میں مزینہ قبیلے کو اپنے ہی علاقے میں مقیم رہنے کی اجازت دی گئی تھی)۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ واقدی کی روایت میں (وثائق نمبر 166) اسلمیوں کے وفد کے سربراہ کا نام بریدہ بن الحصیب دیا گیا ہے جب کہ ملاقات کی جگہ کا نام غدیر الاشطاط ہے جو عسفان اور مدینہ سے مکہ اور جدہ جانے والی شاہراہ کے مقام اتصال کے درمیان مکہ سے تین دن کے سفر پر واقع ہے (مقریزی I، 42)۔ تاہم اس متن میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے البتہ لکھنے والے کا نام وہی ہے جو پہلی روایت میں ہے اور الفاظ بھی کم و بیش ایک جیسے ہیں۔

''ان کے لیے جن میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہوگی (اور) جنہوں نے یہ شہادت دی ہوگی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان ہے۔ یقیناً ہمارا اور آپ کا مقصد ایک ہے۔ جو کوئی ہم پر ناجائز حملہ کرے گا اس کے خلاف ہمارا ہاتھ ایک ہوگا (کارروائی مشترکہ ہوگی) اور کامیابی بھی مشترکہ ہوگی اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی مقیم لوگوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے اور جہاں کہیں بھی وہ رہیں ان کو مدینہ آ کر آباد ہونے والوں کے برابر مقام ملے گا۔''

755: سوائے اس کے کہ یہ صورت ہو کہ یہ (دوسری) دستاویز پہلی دستاویز والے قبیلے سے الگ کسی اور قبیلے کے لئے ہو ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ دراصل پہلی دستاویز دو مختلف دستاویزات کا مجموعہ ہے جو دو مختلف اوقات میں تیار کی گئیں اور ممکن ہے کہ وہ حصہ جس میں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے اس کا تعلق بعد کے دور سے ہو اور جس میں ایک دوسرے کی مدد کا عہد کیا گیا وہ پہلے دور سے متعلق ہو مثلاً یہ کہ یہ دستاویز 5 ہجری سے پہلے کی بھی ہو سکتی ہے۔

756: واقدی نے بنو اسلم کے جس سردار بریدہ کا ذکر کیا وہ اس حوالے سے معروف ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہے تھے تو سفر کے دوران بریدہ اور اس کا پورا خاندان مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت بھی کی تھی۔ اسی سفر کے دوران ایک اور اسلمی اوس بن حجر نے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضی طور پر دیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی طویل سفر سے تھک گئی تھی۔ یہ اونٹ ایک غلام مسعود بن ھنیدہ لے کر آیا تھا (ابن ہشام صفحہ 333، سہیلی، II، 9-10، مقریزی I، 43)

757: بنو غفار اور بنو اسلم کے ساتھ ایک ہی وقت میں معاہدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں قبائل ایک دوسرے کی ہمسائیگی میں آباد تھے اور اس تاثر کو اس حقیقت سے مزید تقویت ملتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم کے سردار بریدہ کو اسلم اور غفار دونوں قبائل پر ٹیکس کلکٹر متعین فرمایا تھا (مقریزی I، 433) اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو احادیث معروف ہیں۔

1۔ جو لوگ مجھے بہت محبوب ہیں ان میں مہاجرین (مکہ)، انصار (مدینہ) غفار اور اسلم (شامل) ہیں۔

2۔ اسلم سلمه الله ، غفار غفره الله (خدا (بنو) اسلم کو محفوظ رکھے اور خدا (بنو) غفار کو بخش دے۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ اور غفرہ کی قبائل کے ناموں سے مماثلت پیدا فرما کر خوبصورت حسن لطیف کا مظاہرہ کیا۔ (مقریزی I، 173 (ایک اور واقعہ کے لیے صفحہ 511) بخاری 1/2/15)۔

758: یہ بات تعجب انگیز ہے کہ بنو اسلم کے خزاعہ کی ایک اور شاخ بنو المصطلق سے تعلقات اکثر مشکلات کا شکار رہے اور اس کی معقول وجہ تھی۔ بنو مصطلق کی آبادی چشمہ المریسیع پر الفرع کے مقام سے ایک دن کے سفر پر واقع تھی اور بنو مصطلق ''احابیش'' کے اتحاد (قریش مکہ کے حلیف قبائل) میں شامل تھے۔ جنگ احزاب (5 ہجری) سے قبل مدینہ میں اطلاعات آئیں کہ بنو مصطلق کا سردار اپنے قبیلے اور دوسرے عربوں کو مدینہ پر حملہ کے لیے اکسا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ ابن الحصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مصطلق سردار حارث بن ابی ضرار کا رشتہ دار تھا۔ تحقیقات کے لیے روانہ فرمایا۔ بریدہ نے واپس آ کر جنگی تیاریوں کی تصدیق کر دی۔ (ابن سعد II۔ صفحہ 45، مقریزی I، 195)۔ مصطلق سردار نے مسلمانوں کی نقل و حرکت معلوم

کرنے کے لیے ایک جاسوس روانہ کیا جسے مسلمانوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر مہم کی تیاری کی اور بنو مصطلق کو بے خبری میں جا لیا۔ ان کے 10 افراد مارے گئے اور ایک سو سے زیادہ عورتیں قیدی بنا لی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصطلق سردار حارث کی بیٹی جویریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو جو قیدی بن کر آئی تھیں آزاد کر کے شادی کر لی جس کے جواب میں تمام مسلمانوں نے اپنے قیدی (مرد عورتیں) آزاد کر دیئے اور بنو مصطلق نے اسلام قبول کر لیا۔ راویوں نے قیدیوں کی رہائی کے حوالے سے مختلف روایات نقل کی ہیں۔ ابن ہشام نے دو روایات دی ہیں۔

1۔ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے شادی کی، مہم میں شامل لوگوں نے مال غنیمت میں ملے ہوئے غلام اور لونڈی آزاد کر دیئے۔

2۔ غلام اور لونڈیاں مدینہ میں لائے گئے اور مصطلق سردار حارث اپنی بیٹی کو معاوضہ دے کر چھڑانے کے لیے مدینہ گیا اور وہاں (متاثر ہو کر) اسلام قبول کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا جسے اس نے قبول کر لیا۔ (ابن ہشام صفحہ 729-30، 3-1002) جب کہ ابن سعد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے طور پر تمام قیدی یا چالیس قیدی رہا کر دیئے (ابن سعد i/II، صفحہ 46) جب کہ ایک اور روایت کے مطابق (کچھ قیدیوں کی رہائی کے بعد) باقی ماندہ قیدی جذبہ خیر سگالی یا پھر معاوضہ لے کر رہا کر دیئے گئے (ایک عورت یا بچہ بعوض 6 اونٹ) یہ امر کوئی تعجب انگیز نہیں کہ قیدی بریدہ اسلمی کی تحویل میں دے دیئے گئے تھے (ابن سعد، II، I، صفحہ نمبر 46، مقریزی I، 197)

759: جہاں تک اس کے وقوع پذیر ہونے کے ماہ و سال کا تعلق ہے تو اس بات پر سب راوی متفق ہیں کہ مہینہ شعبان کا تھا جہاں تک سال کا تعلق ہے تو بخاری، موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے سن 4 ہجری بتاتے ہیں، واقدی 5 اور ابن اسحاق 6 ہجری پر اصرار کرتے ہیں (قابل غور امر یہ ہے کہ) 5 ہجری میں جنگ احزاب ہوئی جس میں عرب کی تمام قابل ذکر قوتوں نے 10 ہزار کی فوج کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی اور جس ہزیمت سے وہ دوچار ہوئے سب نے دیکھا۔ اس کے بعد چند سو مصطلق مسلمانوں پر حملہ کی جرأت کیسے کر سکتے تھے اس لیے ہم 5 ہجری کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی رائے ابن سعد اور بلاذری کی بھی ہے اور یہی سال ان حالات اور واقعات سے

مطابقت رکھتا ہے جو جنگ احزاب اور کفار کے عظیم اتحاد کے وجود میں آنے سے متعلق ہیں۔ (وقوع کے سال کے بارے میں اختلاف غالباً سن ہجری کے آغاز کے حوالے سے بعض اوقات گنتی کے طریق کار میں فرق کے سبب ہے جیسا کہ بیہقی نے "دلائل" II، 127 (ب) میں بحث کی ہے۔

760: یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ احزاب (یا خندق) کے لیے کفار مکہ کی روانگی کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خزاعہ کے کچھ لوگوں نے پہنچائی جنہوں نے مدینہ تک اس تیز رفتاری سے سفر کیا کہ جس سفر میں عام طور پر بارہ روز لگتے ہیں وہ انہوں نے صرف چار دن میں طے کیا۔
(مقریزی، I، 219)

761: قبیلہ ہذیل کے سفیان بن نبیح کو احابیش کی سرپرستی کرنے پر قتل کرنے کے لیے عبداللہ بن انیس القضاعی کا جو مشن بھیجا گیا اس کی تاریخ کا تعین بھی اسی دور سے کیا جا سکتا ہے {(مندرجہ بالا 759) میں دیئے گئے دلائل کی بنا پر ہم سن 5 ہجری کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ابن سعد سن 4 ہجری اور مقریزی 6 ہجری کے راوی ہیں)}

سفیان نخلہ یا عرانہ میں رہتا تھا اور یہ دونوں مقامات مکہ کے مشرق میں تھے (جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مشن کتنا خطرناک تھا) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضاعی اور خزاعی کے مابین جو صوتی مماثلت پائی جاتی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہدف تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنا مشن مکمل کیا۔ (ابن سعد II/i، صفحہ 35-36، مقریزی، I، 254 ابن ہشام صفحہ 981-982۔ اس ہذیلی سردار کے نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بلاذری کے مطابق (انساب پیرا نمبر 780 اس کا نام خالد بن نبیح تھا یا اس کا بیٹا، سفیان بن خالد بن نبیح تھا)۔ اور اس طرح اس ہذیلی کو جہنم واصل کر کے مکہ پر مسلمانوں کے حملہ کے خلاف قریش کے ایک اور حلیف قبیلے کو بے اثر بنا دیا گیا۔

762: اس حوالے سے سب سے قابل ذکر حقیقت 6 ہجری میں ہونے والے معاہدہ حدیبیہ میں خزاعہ کا کردار ہے۔ وہ اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ ثابت قدم رہے لیکن مسلمانوں کے حلیف خزاعہ خاندانوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اگر ایک طرف عمرو بن سالم اور بسر نے جو دو خزاعی سردار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹوں اور بھیڑوں کا تحفہ بھیجا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کے جواب میں ریوڑ لے کر آنے والے چرواہے کو اپنا چوغہ عطا فرمایا اور بعد میں (ان اونٹوں اور بھیڑوں کو ذبح کر کے) اپنی پوری فوج کی دعوت کی) تو دوسری طرف بدیل الخزاعی قریش کے سفیر کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے گیا اور وہاں مسلمانوں کو خوب دھمکایا اور اس موقع پر اس کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تلخ کلامی بھی ہوئی (ابن ہشام صفحہ 742۔ ابن سعد i/II صفحہ 70)۔ اور پھر دو سال کے بعد فتح مکہ کے موقع پر یہی بدیل (بن ورقاء) ہی تھا جو ابوسفیان کے ساتھ مسلمان فوج کی جاسوسی کر رہا تھا (مقریزی، I، 368)۔

763: اس موقع پر اس عظیم خزاعی سردار کے کردار کے ایک اور پہلو کا جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حدیبیہ پر مذاکرات کے دوران وہ قریش مکہ کا سفیر بن کر آیا لیکن صلح کے معاہدہ میں وہ اور اس کے قبیلے کے افراد مسلمانوں کے حلیف بنے۔ ایک سال کے بعد جب قریش مکہ نے خزاعہ پر حملہ کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو یہی بدیل ہی تھا جو اپنی قوم کا ایک وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کر کے قریش کے خلاف فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ مدینہ سے واپسی پر اس کی ملاقات ابوسفیان سے ہوگئی اور جب ابوسفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ وہ مدینہ گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد جلد ہی جب ابوسفیان نے جو بدیل کے ہمراہ مکہ کے باہر گشت کر رہا تھا اچانک مسلمان فوج کو دیکھا (فتح مکہ کے موقع پر مکہ کے مضافات میں مسلم فوج کا پڑاؤ) تو بدیل نے اس موقع پر یہ کہہ کر کہ یہ مسلمان نہیں بلکہ خزاعہ قبیلے کے لوگ ہو سکتے ہیں ابوسفیان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان دونوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

764: یہ امر کچھ تعجب خیز نہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری مہم کے موقع پر ایک جاسوسی مشن پر ایک خزاعی کو مامور فرمایا (سہیلی II، 226)۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبیلہ اسلم کا ایک بڑا فوجی دستہ اپنے سردار ناجیہ کی کمان میں آیا تھا جو اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لایا تھا (مقریزی I، 276) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لیے مکہ جانے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے کچھ حصے کے لیے اسلم قبیلے کے گائڈ مقرر کیے تا کہ وہ مسلم فوج کو غیر معروف راہوں سے منزل پر لے جا سکیں۔ (مقریزی، I، 282) تاہم مقریزی کی یہ روایت بہرحال بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ

حدیبیہ کے موقع پر ایک اسلمی کی نگرانی میں بیس اونٹ بھجوائے۔ جنہیں مروہ پہاڑی کے نزدیک ذبح کر کے گوشت مکہ کے غریبوں میں تقسیم کر دیا گیا (مقریزی ا، 300)۔ روایت میں اشتباہ کا پہلو اس لیے در آیا ہے کہ دوسرے راویوں کا کہنا ہے کہ قریش مکہ نے نہ صرف مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ یہ بھی کہ قربانی کے جانور بھی حدیبیہ کے مقام سے اندر نہ لائے جائیں۔ بلکہ معاہدے میں بھی یہ بات مذکور ہے کہ ''قربانی کے جانور اسی مقام پر ذبح کیے جائیں گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہیں'' (یعنی حدیبیہ کے مقام پر۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بدیل بن ورقاء الخزاعی کی مداخلت پر اسلم قبیلے کے جانور اندر لا کر کعبہ کے پاس قربان کرنے کی اجازت مل گئی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا ہو)۔

765: جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے کہ معاہدہ حدیبیہ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگ کر آنے والوں کی واپسی سے متعلق قریش کا یکطرفہ مطالبہ تسلیم کر لیا تھا مگر (ایک فنی سقم کا سہارا لے کر) عورتوں کی واپسی سے انکار کر دیا۔ بیشتر سیرت نگاروں کا اس بات پر کم و بیش اتفاق ہے کہ کلثوم بنت عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے حدیبیہ گئی تھیں۔ مقریزی نے بھی اس کی تائید کی ہے (مقریزی، ا، 300) مگر قدرے مختلف بیان کے ساتھ (مقریزی، ا، 305) وہ اس واقعہ کو بعد کا حصہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک خزائی اسے اپنے اونٹ پر مدینہ لے گیا تھا۔

766: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ مبارک پہنچا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خزاعہ کے نام لکھا تاہم اس کے موقع محل کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔ نامہ مبارک کے مندرجات درج ذیل ہیں۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بدیل بن ورقا، اور بسر کے ساتھ ساتھ بنو عمرو (خزاعہ) کے اکابرین کے نام

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں مجھے یہ کہنا ہے کہ میں نے (کبھی) اس چیز کو چھوا تک نہیں جو تمہاری ملکیت میں ہے اور نہ ہی آپ لوگوں کے علاقے میں مداخلت کی ہے اور تہامہ کے مکینوں میں آپ وہ لوگ ہیں جن کو میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں

اور رشتہ داری میں (بھی) آپ اور " مُطیبّون" مجھے سب سے زیادہ قریب ہیں اور اس سے نیچے (وہ لوگ عزیز ہیں) جو آپ کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

''علاوہ ازیں آپ میں سے جو مہاجر ہیں ان پر بالکل انہی پابندیوں کا اطلاق ہوگا جو میں نے اپنے اوپر لاگو کی ہیں اور وہ یہ کہ جس نے بھی اپنے علاقے سے ہجرت کی وہ ماسوائے عمرہ اور حج کے مکہ میں قیام نہیں کر سکتا۔ اور جب سے میرا آپ سے امن (معاہدہ) ہو گیا ہے میں نے آپ کو نہیں چھیڑا۔ اس لیے آپ کو میری طرف سے کسی قسم کا خوف یا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔

''مجھے مزید یہ کہنا ہے کہ علقمہ بن علاثہ اور ہوذہ کے دو بیٹے عدا اور عمرو، خالد بن ہوذہ کے دو بیٹے جن کا تعلق عامر بن عکرمہ کے قبیلے سے ہے اسلام قبول کر چکے ہیں، انہوں نے ہجرت کی ہے اور عکرمہ قبیلے کے ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے (اسلام قبول کیا ہے) وفاداری کی یقین دہانی کرائی ہے۔ یہ کہ ہم سب ان معاملات میں جن کی اجازت ہے اور ان میں (بھی) جن کی ممانعت ہے یکساں پابندی کریں گے اور یہ کہ میں نے (اس بیان میں) کسی قسم کی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔

خدا آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ اور (ایک اور بیان کے مطابق) خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے۔ یحیکم : یحبنکم" (وثائق نمبر 172)

767: ہم نے دیکھا کہ بدیل نے نہ ہی حدیبیہ اور نہ ہی فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور مندرجہ بالا دستاویز میں ''السلام علیکم'' (اسلامی سلام) کی عدم موجودگی بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک بدیل بدستور حالت کفر میں ہوگا۔ اور یہ امر قابل ذکر ہے کہ حالت شرک کے باوجود خزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ (واقعات سے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریش مکہ اگرچہ بدیل پر اعتماد کرتے تھے مگر (مسلمانوں سے رابطہ کی بنا پر) خزاعہ کو یہ احساس ہونا شروع ہو گیا کہ وہ دونوں فریقوں کا اعتماد کھو دیں گے۔ قریش مکہ کا اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے اور مسلمانوں کا اس لیے کہ وہ بدستور اپنے دین پر تھے (شرک پر)۔ اور شاید اپنے ان خدشات کا اظہار خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا خط انہیں بھجوایا اور انہیں اپنی مخلصانہ دوستی کا یقین دلایا اور "مطیبون" کا ذکر کر کے زمانہ قبل از اسلام کے تعلقات کا حوالہ بھی دیا یاد رہے کہ قصی کے انتقال پر اس کے بیٹوں کے مابین (کعبہ کے

عہدوں کی تقسیم پر) جھگڑا پیدا ہو گیا جس پر قریش مکہ دو گروہوں "حلیف" اور "مطیبون" میں بٹ گئے۔ "مطیبون" کا نام اس لیے پڑا کہ اس گروپ کے لوگ جب ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا حلف اٹھاتے تو اپنی انگلیاں خوشبو میں ڈبوتے تھے۔ اس گروپ میں بنو ہاشم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان) بنو زہرہ، بنو حارث بن فہر، بنو تیم اور بنو اسد شامل تھے (ابن سعد، I/ii، صفحہ 25، ابن ہشام صفحہ 84-85)۔

حج اور عمرہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بیت اللہ کی حاضری حج کے دنوں یعنی ماہ ذوالحج میں ہو تو یہ حج اور اس کے سوا کسی اور مہینے خصوصاً رجب میں حاضری دی جائے تو یہ عمرہ کہلاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط میں علقمہ اور بنی عامر اور بنی کلاب کے مسلمان ہو جانے والے افراد کے تذکرے کا مقصد شاید خزاعہ کو یہ ترغیب دینا تھا کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیں۔ (ان میں سے عداء کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک چشمہ عطا کیا تھا۔" وثائق "نمبر 223-225، ابن سعد، I/7، صفحہ 35)۔

768: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب 7 ہجری میں عمرہ قضا کے لیے روانہ ہوئے تو اسلمی سردار ناجیہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھا اور قربانی کے جانور اس کے سپرد تھے (مقریزی، I، 337)۔ اس موقع پر تو اس قبیلہ کے حوالے سے کوئی قابل ذکر معاملہ نہیں ہے تاہم اس کے کچھ عرصہ بعد یعنی 8 ہجری کے وسط میں ایک سنگین صورتحال پیدا ہو گئی جس کا براہ راست تعلق ان سے تھا۔

769: خزاعہ اور بنو بکر کے مابین نسل در نسل چلتی ہوئی مخاصمت ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی تھی جس کا خاتمہ معاہدہ حدیبیہ کے نتیجے میں ہوا لیکن اس کے کچھ ہی عرصہ بعد کسی وقت بنو بکر کے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے حوالے سے گستاخانہ کلمے کہے۔ اس موقع پر خزاعہ کے ایک شخص نے (چونکہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے) اشتعال میں آکر اس شخص کو پکڑ لیا اور مار پیٹ کر زخمی کر دیا (بلاذری، I، 740، مقریزی I، 357) جس کے جواب میں بنو بکر نے رات کے وقت وتیر کے مقام پر خزاعہ پر حملہ کر کے ان کے بہت سے افراد کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔ راویوں کے مطابق (ابن فہد، "تاریخ مکہ"، صفحہ 144، 146۔ ابن ہشام صفحہ 803، ابن سعد، I/ii، صفحہ 97) اس لڑائی میں قریش مکہ میں سے کچھ لوگوں نے حملہ آور ں کو ہتھیار اور

خوراک فراہم کر کے ان کی مدد کی اور بعض نے خفیہ طور پر خود بھی عملی طور پر لڑائی میں حصہ لیا حملہ آوروں نے بعد میں مکہ میں پناہ لے لی جہاں انہیں مکمل تحفظ فراہم کیا گیا۔ اس ظلم کے خلاف فریاد کے لیے خزاعہ نے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ بھیجا جس کے قائد (عمرو بن سالم خزاعی) نے ظلم کی یہ داستان شعروں کی زبان میں بیان کی۔

''اے پروردگار! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
اپنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے مابین اتحاد کی دہائی دے رہا ہوں۔
قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پختہ پیمان کو توڑ دیا ہے
انہوں نے میرے لیے کداء میں گھات لگائی
اور یہ سمجھا کہ میں بے آسرا ہوں (میں کسی کو (مدد کے لیے) نہ بلاؤں گا)
حالانکہ وہ ذلیل اور تعداد میں قلیل ہیں۔
انہوں نے ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا''

(ابن ہشام، صفحہ 806)

770: ''فریاد'' کا آخری مصرعہ ہمارے اس تاثر کی تائید کرتا ہے کہ خزاعہ کے جن لوگوں پر حملہ کیا گیا وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ ایک اور وفد بھی مدینہ روانہ ہوا جس کا سردار بدیل الخزاعی تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 806) وہی بدیل جو فتح مکہ کے موقع پر ابو سفیان کے ہمراہ مسلمان فوج کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے مکہ کے مضافات میں گشت کرتا پایا گیا (ابن ہشام صفحہ 811، ابن سعد، ii/I، صفحہ 97)۔ اس واقعہ کی دیگر تفصیلات معلوم و معروف ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا تو پہلے مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بکر (بنو نفاثہ) کو اس میں شامل نہیں کیا تھا (جس کا مطلب یہ لیا گیا کہ) خزاعہ ان سے اپنا انتقام لینے میں آزاد تھے۔ لیکن فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم واپس لے لیا اور خزاعہ نے اس دوران بنو بکر پر حملہ کر کے ان کے کچھ لوگوں کو مار ڈالا تھا اس پر انہیں سرزنش کی (مقریزی، I، 377، 388، 389) فتح مکہ کی مہم میں قبیلہ اسلم کے لوگوں نے پوری قوت سے شرکت کی اور ان کی تعداد اتنی تھی کہ دو الگ الگ دستے بن گئے جن کے پاس علیحدہ علیحدہ جھنڈے

تھے جن میں ایک ناجیہ اور دوسرا بریدہ کے ہاتھ میں تھا۔ (مقریزی، I، صفحہ 373)

771: مکہ کو سلطنت اسلامیہ کا حصہ بنانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم بن اسد الخزاعی کو مامور فرمایا کہ وہ حدود حرم کی نشاندہی کرنے والے نشانات کو پختہ کر دیں (ابن سعد، I/2 صفحہ 99، II/4، صفحہ 33، ازرقی صفحہ 357)۔ اس مہم کے دوران ایک اسلمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھیڑیں پیش کیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیں اور پھر (جوابی طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھیڑوں کا پورا ریوڑ عطا کیا اور بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلمی کی بھی کئی بار عزت افزائی فرمائی۔ 9 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غزوہ تبوک کے لیے اپنے قبیلے کے رضا کار بھرتی کرنے کے لیے الفرع کے علاقے میں بھیجا (مقریزی، صفحہ 446) 10 ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشن پر یمن گئے تو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی دیانتداری کے باعث مال غنیمت کا نگران بنایا گیا (مقریزی صفحہ 502) 11 ہجری میں جب لشکر اسامہ کو رومیوں کے خلاف روانہ کیا گیا تو بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلمی کو مسلمانوں کے پرچم بردار کا منصب سونپا گیا (مقریزی صفحہ 539,537)

772: خزاعہ بڑے فیاض لوگ تھے۔ خشک سالی کے دوران ان کی طرف سے تمام قبائل کو دعوت عام تھی کہ وہ ان کے علاقے میں قیام کریں۔ بنوتمیم کا ذکر پہلے آچکا ہے جو قبول اسلام سے قبل خزاعہ کے علاقے میں مقیم تھے اور ٹیکس کی ادائیگی سے انکاری تھے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے میں ایک اور ٹیکس کلکٹر بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلمی کو مامور فرمایا جو بیک وقت اسلم اور غفار، دو قبائل سے ٹیکس وصولی کے ذمہ دار تھے (مقریزی، 433) دوسرے ٹیکس کلکٹرز کے ہمراہ انہیں بھی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقرر نامہ عطا کیا گیا جس میں ٹیکس کی شرحوں کی تفصیلات (بھی) تھیں (ابن سعد، ii/I، صفحہ 82)

بنوسُلیم

773: بنواسلم کے ہمسائے بنوسُلیم کی آبادیاں وسطی عرب میں مدینہ سے جنوب مشرق میں تھیں اور ان کا علاقہ حجاز اور نجد تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کے علاقے میں وسیع چراگاہیں، لوہے، سونے اور چاندی کی کانیں اور نخلستان تھے۔ یہ جنگجو لوگ تھے اور خصوصاً ان کے خطرناک گھڑ سواروں کی

بڑی شہرت تھی۔ سوارقیہ، ربذہ اور صفینہ ان کے مشہور شہر تھے۔عرب کی نامور شاعرہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا جس کا بیٹا عباس بن مرداس عرب شاعری کا بہت بڑا نام شمار ہوتا ہے۔مکہ سے ان کے تعلقات بہت ابتداء سے قائم ہو چکے تھے (الا ستیعاب (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات زندگی پر مبنی کتاب) میں الخنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حالات بڑی خوبصورتی سے قلمبند کیے گئے ہیں۔ابن عبدالبر "استیعاب" میں لکھتا ہے کہ "بنوسلیم کا جو وفد مدینہ قبول اسلام کے لیے گیا الخنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں شامل تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی صلاحیتوں سے آگاہ تھے اس سے اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران زبان اور ہاتھ کے اشاروں سے شاعرہ کو داد دی۔ وہ انتہائی مخلص اور پرُ جوش مسلمان تھی۔ خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں الخنساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے چار صاحبزادوں کے ہمراہ قادسیہ کی تاریخ ساز جنگ میں حصہ لیا اور انہیں اپنے پر جوش شعروں سے گرما کر جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھانے کے لیے تیار کیا۔اس کے چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے اسلام کی آن پر قربان ہو کر حیات جاوداں پا گئے اور جب بھی اسے اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر ملتی وہ بڑے سکون سے کہتی "سبحان اللہ تمام تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے شہید کی ماں ہونے کا درجہ دیا اور مجھے یقین ہے کہ پروردگار ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں ایک بار پھر اکٹھا کرے گا" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے جذبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے حکم جاری کر دیا کہ ان کے چاروں صاحبزادوں کی تنخواہ تاحیات انہیں جاری رکھی جائے۔

774: اسی طرح نخلہ میں عزیٰ کا بت تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع تھا۔قریش مکہ بھی اہل غطفان کی طرح اس کی پوجا کرتے تھے۔ جبکہ یہ غنی اور باہلہ قبیلوں کی معبود بھی تھی اور اس کے مجاور کبھی بنوغطفان سے ہوتے (ابن حبیب، **المحبر**، صفحہ **315**۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ تھا کہ بنو صرمہ بن مرہ سے ہوتے تھے) اور کبھی بنوسلیم سے (بلاذری۔ **انساب** ۔ا، نمبر **241**۔ ابن ہشام صفحہ **55**)۔

775: یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے کہ "میں عاتکاؤں کا بیٹا ہوں" (سہیلی، ا، **77**) جب کہ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں قبیلہ سلیم کی عاتکاؤں اور فاطماؤں کا بیٹا ہوں" (بلاذری، پیرا **1071-1080**) اور درحقیقت

وہب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے سسر یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا)، ہاشم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا) اوران کے والد عبد مناف جو دونوں آباءِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کی والداؤں کے نام عاتکہ اور تعلق بنوسلیم سے تھا۔ (سہیلی I، 76-77، ابن حبیب، ''محبر'' صفحہ 48، ایضاً، امہات النبیؐ، صفحہ 11، بلاذری 1071-80، ''طبقات'' ابن سعد I/i، صفحہ 34)۔ (ہاشم کی والدہ کا نام عاتکہ، عبد مناف (بن قصی) کی والدہ کا نام حُبیٰ اور وہب کی والدہ کا نام قیلہ ہے بحوالہ ''رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم'' از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مترجم)۔

776: دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے بنوسلیم کی ایک شاخ سے حلیفانہ معاہدہ کیا تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 55)

777: مگر نہ تو یہ معاہدہ جو بدستور موثر تھا اور نہ ہی صدیوں پرانی رشتہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام آئی اور بنوسلیم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔ یہ سب کیوں ہوا؟

778: بنوسلیم کی اسلام دشمنی کے پس پردہ عوامل کے بارے میں بھی یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے بلاشبہ بنوسلیم کے علاقے میں عُزیٰ کا بت کدہ شرک کا ایک بڑا مرکز تھا اور اسے کعبہ جیسی قدر و منزلت حاصل تھی مگر سرزمین عرب پر ایسے اور بھی بت خانے تھے۔ جنگ فجار جس میں قریش مکہ اور قبیلہ قیس کے لوگوں کا بہت خون بہا۔ اس کو بھی اگر بنوسلیم کی اسلام دشمنی کی وجہ یا دوسری وجوہ میں سے ایک شمار کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس میں بہت سے دوسرے قبائل بھی شریک تھے۔ مگر بنو سلیم اور بنوغطفان ہی کیوں مسلم دشمنی میں اتنے آگے چلے گئے۔ اس کی یقیناً کوئی مادی یا نفسیاتی وجوہ ہوں گی مگر ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم ایک اہم حقیقت یقیناً نظرانداز نہیں کی جا سکتی۔ یہ مالک بن خالد بن صخر بن شرید کا معاملہ ہے۔ جو الحازمی کے مطابق (الاماکن (مخطوطہ استنبول) الشمشاتی، الانوار و محاسن الاشعار کویت ایڈیشن، (1977ء)۔ I، 120-126) بنوسلیم کا سردار بن گیا تھا اور اس نے کئی کامیاب جنگوں اور مہمات میں اپنے قبیلے کی قیادت کی اور بنوسلیم نے اسے اپنا بادشاہ بنا لیا تھا جس کی بنا پر اسے ذوالتاج (تاج والا) کہا جانے لگا لیکن برزہ کی جنگ میں بدقسمتی اس کے آڑے آئی اور وہ مارا

گیا۔اس کے بعد اسلام کی آمد سے بنو سلیم کی فتوحات اور پورے عرب پر بالا دستی حاصل کرنے کی کوششوں کا خاتمہ ہو گیا۔

779: یہ بھی ممکن ہے کہ سلیم کے کچھ خاندانوں کی باہمی مناقشت اور کچھ کے قبول اسلام نے دوسروں کی اسلام دشمنی کو مہمیز لگا دی ہو مثلاً حلاج بن لات السلیمی مکہ میں آباد ہو گیا تھا اور اس نے وہیں شادی بھی کر لی تھی (ابن حبیب منمق صفحہ 306) اور اس نے بعد ازاں اسلام بھی قبول کر لیا جس کا قریش اور اس کے اہل قبیلہ کو سخت صدمہ ہوا (ابن ہشام صفحہ 770)۔ایک اور سلیمی قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن نشبہ ایک جانثار صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیر بنو سلیم (بنو سلیم میں بہترین) کا خطاب عطا کیا تھا (ابن حبیب منمق 164-166) اسی راوی کا کہنا ہے کہ ''نشبہ انجیل مقدس کی تلاوت کرتے تھے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل وہ مسیحیت کے پیروکار تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب ابرھہ اپنی فوج لے کر کعبہ کو ڈھانے آیا تھا تو بنو سلیم کے دو افراد اس کی رہنمائی کے لیے ساتھ آئے تھے (ابن حبیب منمق صفحہ 70)۔اگر یہ واقعہ اہل مکہ کے خلاف ان کی دشمنی اور نفرت کا ثبوت ہے تو تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ معاہدوں کے بھی پابند نہ تھے۔اس سلسلے میں ایک چھوٹے سے واقعہ کا بھی تعلق ہے۔

''مدینہ کا قبیلہ اوس بنو سلیم کے ساتھ معاہدہ کرنے کا خواہش مند تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اب (غیر مسلموں سے) مزید معاہدے نہیں ہوں گے اور جہاں تک پرانے معاہدوں کا تعلق ہے اسلام انہیں اور بھی مضبوط کرے گا۔''

(ابن حبیب منمق۔صفحہ 316)

ہم آگے چل کر بنو سلیم کی شورش پسند فطرت کا بھی مشاہدہ کریں گے اور یہ بات قابل امر ہے کہ ابن حبیب کے مطابق (محبر صفحہ 234-235) قبل از اسلام بعض قبائل کو ''اثافی'' (تین پارے کا چولہا) کہا جاتا تھا۔جن کا ایک حصہ سلیم اور ھوازن، دوسرا حصہ غطفان اور تیسرا حصہ اعصر اور محارب سے مل کر بنتا ہے۔ان کا نسب نامہ اس طرح بنتا ہے۔
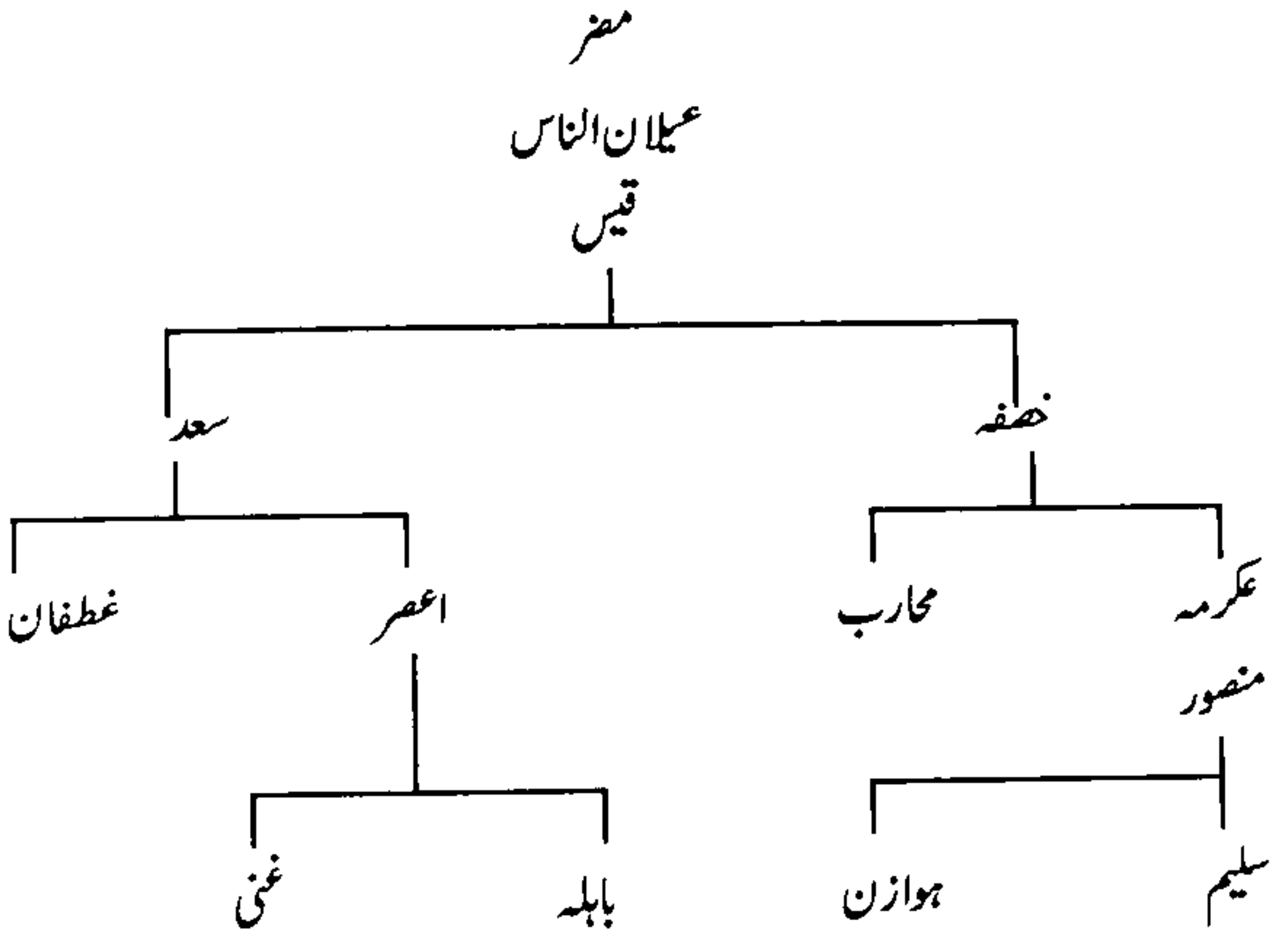
اور ''تین پارے کے چولہے'' کی یہ ''مثلث'' اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے مضبوطی سے جڑی ہوئی تھی۔

780: یاد رہے بنوسلیم ہجرت سے قبل ہی منظر میں داخل ہو چکے تھے اور یہ بات تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ جب عُزّیٰ کے بت کدے کا مجاور افلح السلیمی بستر مرگ پہ تھا تو ابولہب اس سے ملنے گیا اور اس سے خیریت پوچھی اس نے بڑے دکھ سے ابولہب سے کہا:

''افسوس میرے بعد عزیٰ کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔''

ابولہب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''تم فکر نہ کرو میں اس کا خیال رکھوں گا۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غالب بھی آ گئے۔ تو وہ عزیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ آخر کار وہ میرا بھتیجا ہے (اور میں اسے عزیٰ کو کوئی نقصان پہنچانے سے باز رکھوں گا) اور اگر عزیٰ کو کامیابی ہوئی تو پھر کسی پریشانی کی ضرورت ہی نہیں۔ میں اس کی برکات کا مستحق بننے کے لیے اس کی خدمت کروں گا۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔۔۔'' (سورۃ 111) ابن الکلبی نے عزیٰ کے مجاور کا نام دبیہ بن حرمی سلیمی

بتایا ہے(بلاذری، انساب نمبر 241)اس کے کچھ عرصہ بعد نبوت کے دسویں سال (ہجرت سے تین سال پہلے) جب ایام حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے علاقوں سے آنے والے زائرین سے رابطے کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرین کی ایسی پندرہ جماعتوں سے گفتگو فرمائی اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دی۔ان میں بنوسلیم کے لوگ بھی تھے اور یہ بات کسی تعجب کا موجب نہیں کہ انہوں نے بت پرستی ترک کرنے سے انکار کر دیا۔

781: ہجرت مدینہ کے بعد قریش مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلی مہم روانہ فرمائی وہ عبداللہ بن جحش کی قیادت میں بنوسلیم کے مقدس مقام نخلہ کے لیے تھی (جہاں انہوں نے قریش کے تجارتی قافلے کے لیے گھات لگانا تھی)۔یہ مہم بحران میں سے گزر کر گئی جو بنوسلیم کا علاقہ تھا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسُلیم کے تالیف قلب کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ اس مہم کے دوران ان کے مفادات کو نقصان پہنچا تھا (غالباً ان کی اسلام دشمنی کی بنا پر)اس کے دو ماہ بعد جنگ بدر کا موقع آ گیا جس میں بنوسلیم کے رویہ کے باعث ان کے خلاف تادیبی کارروائی کا فیصلہ کیا۔اس سلسلہ میں روایت ہے کہ:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس مدینہ تشریف لائے تو صرف سات دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک مہم لے کر بنوسلیم کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم الکدر کے چشمہ پر 3 دن تک منتظر رہے لیکن ان کا کوئی نشان نہ پا کر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔'' (ابن ہشام۔صفحہ 539-540 (ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ واقعہ تین ماہ بعد محرم میں پیش آیا۔اس اختلاف کا ماخذ وہی مہینوں کے ردوبدل کی روایت ہے جس کی تفصیلات اس سے قبل ایران سے متعلق باب میں گزر چکی ہیں۔واقدی اور ابن سعد کا معمول ہے کہ سن ہجری دینے کی بجائے وہ لکھ دیتے ہیں کہ ''ہجرت کے اتنے ماہ بعد'' اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان دو واقعات کے مابین (یعنی ہجرت کا آغاز اور اختتام) تین ماہ کا وقفہ تھا۔

اس مختصر سی حکایت میں غور و فکر کی گنجائش موجود ہے اور مزید تفصیلات کی عدم موجودگی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جنگ بدر کے حوالے سے بنوسلیم کا کردار اتنا گھناؤنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف الگ سے تادیبی کارروائی کی ضرورت محسوس کی۔ابن سعد کی روایت میں ''سلیم اور غطفان کے اجتماع'' کا ذکر ہے۔کیا وہ بدر میں قریش کی مدد کے لیے جانے

کی تیاری کر رہے تھے؟ بنوسلیم کے خلاف مہم کے دوران ایک غلام چرواہا مسلمانوں کے ہتھے چڑھ گیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے رہا کر دیا۔

782: درج ذیل یہ روایت بھی غالباً اسی مہم سے متعلق ہے جس میں قدرے افسانوی رنگ کی آمیزش بھی معلوم ہوتی ہے۔اس روایت کے مطابق اسلامی پرچم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور جغرافیہ دان ابن مجاور کے مطابق (ابن مجاور، المستبصر، ا، 14-15 (لائڈن، 1951) اس قبیلے کے علاقے میں کھجور کا ایک مقدس درخت تھا جس میں شہد کے ان گنت چھتے لگے ہوئے تھے اور جب کبھی کوئی دشمن قبیلے پر حملہ آور ہوتا تو ان چھتوں کے نیچے دھواں دے دیا جاتا جس سے مشتعل ہو کر مکھیاں چھتے چھوڑ کر دشمن پر حملہ کر دیتیں اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیتیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلیم کے خلاف نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ فرمایا کہ اپنی تلوار سے اس درخت کو کاٹ ڈالیں۔جب بنوسلیم نے یہ منظر دیکھا تو خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے کہ مقدس درخت کی بے حرمتی پر نہ جانے کون سی خدائی آفت آ جائے اور درخت کو کٹتا دیکھ کر شہد کی مکھیاں بھی چھتوں سے نکل آئیں مگر اس دفعہ وہ دشمن پر حملہ آور ہونے کی بجائے بھاگتے ہوئے بنوسلیم پر پل پڑیں جس سے بنوسلیم کو جلد ہی احساس ہو گیا کہ سچا خدا کون ہے جس کے بعد وہ پلٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ابن حبیب نے اس میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے (محبر صفحہ 499-500) کہ جب سلیمی وفد نے قبول اسلام کا اعلان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ ''آپ میں سے سردار کون ہے؟'' تا کہ یہ یقین کر لیں کہ سردار نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ سلیمیوں نے جواب دیا کہ ''بھگوڑا ابن بھگوڑا جو ہمیشہ ہمارے آگے چلتا ہے۔'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار یہی سوال کیا تو انہوں نے کہا ''حبان بن الحکم۔'' راوی نے ''بھگوڑا'' کی عرفیت کی وضاحت کی ہے کہ یہ لقب اسے اس وقت دیا گیا جب اس نے بنوعوف کے مقابلے میں پسپائی اختیار کی اور اسے اس پر (شرمندگی نہیں بلکہ) فخر تھا کہ اس کے نزدیک جان بچانے کا بہترین طریقہ یہی تھا۔یاد رہے کہ نخلہ میں طائف کے نزدیک واقع عُزّیٰ کے بت کدہ کا مجاور قبیلہ بنوشیبان سے تھا جو بنوسلیم کا ذیلی قبیلہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا حلیف تھا (ابن ہشام صفحہ 55) لیکن اس قبیلہ کے دوسرے (بنوسلیم کے ذیلی) قبائل پر

قابل ذکر اثرات نہ تھے۔

783: قرقرۃ الکدر کے خلاف یہ غزواتی مہم کسی قسم کی خونریزی کے بغیر اپنے انجام کو پہنچی لیکن ایک روایت میں (بلاذری، انساب ا، نمبر 679) 500 اونٹوں کے مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یقیناً اس سے بنو سلیم سے تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا ہوئی ہو گی اس لیے یہ بات باعث تعجب نہیں اگر بنو سلیم اور بنو غطفان نے جمع ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کی۔ جاسوسوں کی طرف سے اس کی اطلاع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری کارروائی کی اور پیش بندی کے طور پر 450 افراد پر مشتمل مہم لے کر ذوالقصہ اور ذوامر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع پا کر دشمن منتشر ہو گئے اور جس طرف جس کا منہ ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہم کا مقصد سیاسی مفاد حاصل کرنا نہ تھا اور واقعات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس دوران دشمن کا ایک آدمی پکڑا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے اجتماع کی جگہ بھی بتا دی۔ حملے کے روز بارش ہونے لگی۔ دشمن کے منتشر ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش سے گیلے ہو جانے والے کپڑے خشک ہونے کے لیے درخت پر ڈال دیئے اور خود آرام فرمانے کے لیے درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ دشمن سردار دعثور المحاربی ایک پہاڑی پر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تنہا آرام فرماتے دیکھ کر اس نے سوچا موقع اچھا ہے اور تلوار لیے پہاڑی سے نیچے اتر آیا اور اور اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر پہنچ گیا اور کڑک کر بولا "(بتاؤ) اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور بڑے سکون سے فرمایا "میرا خدا" دعثور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرسکون لب ولہجہ نے اتنا رعب طاری کر دیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ خوف سے کانپنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر تلوار اٹھا لی اور فرمایا" اور (اب تم بتاؤ) تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟"

"کوئی نہیں سوائے خدا کے" وہ لرزتے ہوئے بولا اور بے اختیار کہہ اٹھا "اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (یہ بھی) گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

رسول اللہ نے اس کی تلوار اسے واپس کر دی اور اس کے بعد سے وہ اسلام کا جانثار سپاہی شمار ہونے لگا (بلاذری۔ انساب ا، پیرا680)

:bis/783 یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات میں بعض راویوں میں اختلاف ہے اور اس حوالے سے یہ سوال سامنے آتے ہیں مثلاً

(الف) کیا یہ واقعہ 2 یا 3 یا 7 ہجری کا ہے؟

(ب) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کی کوشش ذوامر کے مقام پر ہوئی یا ذات الرقاع کے موقع پر؟

(ج) کیا یہ واقعہ دعثور بن حارث سے متعلق ہے یا اس کے بھائی غورث سے متعلق؟

(د) جب دشمن نے تلوار بلند کی تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محوخواب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیداری میں تھے اور یہ کہ جب دشمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار مانگی تو آپ نے خاموشی سے اس کے حوالے کر دی۔ بخاری (2/32/64 اور 8,1,0/31/64) راوی ہیں کہ یہ واقعہ 7 ہجری کا ہے۔ اور (ب) قاتلانہ حملہ کی کوشش ذات الرقاع کے موقع پر ہوئی۔ (ج) واقعہ غورث کے بارے میں ہے اور (د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ کے وقت محوخواب تھے لیکن دشمن نے حملہ سے قبل زور سے بول کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کر دیا۔

جہاں تک 2 یا 3 ہجری کے سوال کا تعلق ہے یہ وہی مہینوں کے ردو بدل کے باعث شمار میں فرق آ جانے کا حصہ ہے جس کی وضاحت ہم نے پیرا759 میں کر دی ہے اور 7 ہجری بخاریؒ کی رائے ہے۔ جو انہوں نے اخذ کی ہے کیونکہ ان کی روایت میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کے دوران صلوٰۃ الخوف پڑھی جس کا طریقہ قرآن پاک میں مذکور ہے (2-101/4) اور یہ کہ اس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو 7 ہجری میں اسلام لائے تھے۔ لیکن اس کی وضاحت یہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الخوف ایک ہی دفعہ نہیں پڑھی بلکہ جب بھی ایسی صورت پیدا ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے نماز ادا فرمائی۔ دیگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطے میں متعدد بار مہمات لے کر تشریف لائے۔ جہاں تک جگہ کا تعلق ہے بخاریؒ خود وضاحت کرتے ہیں کہ ذات الرقاع کسی جگہ کا نام نہیں بلکہ

اس کا مطلب ہے کپڑے کا ٹکڑا اور اس غزوہ کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس مہم پر جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں ننگے تھے اور پتھریلی زمین پر چلنے سے پاؤں زخمی ہو گئے تھے جس پر انہوں نے کپڑوں کے چیتھڑے پاؤں پر باندھ لیے تھے اور ذوامر کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ دشمن کے نام پر جو اختلاف ہے اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محوخواب تھے یا بیدار تھے۔ یہ صرف راوی کے قیاس ہیں اور دونوں روایات کے نفس مضمون میں کوئی فرق نہیں۔

784: چند ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار پھر ایک مہم لے کر بنو سلیم کے علاقے میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے خطے الفرع میں واقع علاقہ بحران کا رخ کیا اور ربیع الثانی اور جمادی الاول کے دو مہینے وہاں قیام فرمایا مگر اس موقع پر دشمن منتشر ہو گئے اور سامنے نہ آئے جس کے باعث تصادم کی نوبت نہ آئی (ابن ہشام صفحہ **544**، ابن سعد **1/II**، صفحہ **24**)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل قیام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلے سے مصالحت کے خواہاں تھے تاکہ کوئی معاہدہ کر لیا جائے تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کامیاب نہ ہوئی (ابن سعد کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دس روزہ تھا)۔

785: اس غزوہ کے فوراً ہی بعد صفر **4** ہجری میں **70** صحابہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آ گیا۔ جنہیں تبلیغ کے نام پر لے جا کر عامر بن طفیل نے دھوکے سے بئر معونہ کے مقام پر شہید کر دیا۔ یہ المیہ بنو سلیم کے علاقے میں پیش آیا (یقیناً یہ لوگ اپنے علاقے میں مسلمانوں کی پے در پے مہمات سے خوش نہ تھے اور انہوں نے ممکنہ نتائج سے بے پروا ہو کر انتقام لینے کے پہلے ہی موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ان قاتلوں کو سزا نہ دی جا سکی کیونکہ مسلمان ان دنوں اور کئی پریشانیوں میں گھرے ہوئے تھے)۔ عامر بن طفیل کی ماں کا نام کبشہ تھا جو مشہور جنگجو عروہ الرحال کی بیٹی تھی۔ عامر کی شہرت حدود عرب سے باہر سلطنت روم تک پھیلی ہوئی تھی اور جب کسی عرب سردار کی ملاقات قیصر روم سے ہوتی تو وہ یہ ضرور پوچھتا کہ "تمہارے خاندان کے عامر سے کیسے تعلقات ہیں۔ انہی وجوہ سے علقمہ بن علاثہ (ملاحظہ ہو باب خزاعہ) کو جو عامر کا رشتہ دار تھا اس سے حسد پیدا ہو گیا جو دونوں کے تعلقات میں کشیدگی کا سبب تھا۔ بعد ازاں جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ملاقات سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کا طاعون سے انتقال ہوا۔ (بخاری 6/28/64)
اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ وہ بستر پر مرنا نہیں چاہتا اس لیے اسے گھوڑے پر لٹا دیا جائے چنانچہ اس نے آخری سانس گھوڑے کی پشت پر لئے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی ملاقات بہت ناخوشگوار رہی۔ عامر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین کو بے بال گھوڑوں سے روند دوں گا جن پر بے ریش مرد جری سوار ہوں گے اور اس ملک میں جتنے کھجوروں کے درخت ہیں میں اتنے ہی گھوڑوں سے یلغار کروں گا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (غالباً اس کے جانے کے بعد) فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر یہ شخص اور اس کا قبیلہ بنو عامر اسلام قبول کر لیں تو مساجد کے منبروں پر ان کی تعداد قریش سے بڑھ جائے گی" (احسان العباسی نے شرح دیوان لبید میں صفحہ 15 پر یہ روایت "فصل المقال فی شرح الامثال" (صفحہ 61-62) کے حوالے سے قلمبند کی ہے بخاری کی روایت میں اس کی کچھ مزید تفصیلات دی گئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ماموں، ام سلیم کے بھائی کو 70 آدمیوں کے ہمراہ اونٹوں پر بھجوایا۔ دراصل کفار کے سردار عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الٹی میٹم دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین میں سے ایک راستہ چن لیں۔

1- یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم "میدانوں" (بادیہ) کے لوگوں (خانہ بدوشوں) کی سرداری لے لیں اور میں خشک گارے کے لوگوں (شہری علاقوں اور مکانوں میں رہنے والے) کا حکمران بن جاتا ہوں۔

2- یا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بن جاتا ہوں۔

3- یا پھر میں غطفان کے ایک ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاقے پر یلغار کروں گا جن کے پیچھے ایک ہزار مزید گھڑ سوار آ رہے ہوں گے۔" قیاس یہ ہے کہ یہ ملاقات بئر معونہ کے المیہ سے پہلے ہوئی تھی۔ ابن الجوزی (وفا، صفحہ 755-756) نے بھی اس کی کچھ تفصیلات دی ہیں۔ ایک وفد عامر بن طفیل، ارباد بن قیس اور جبار بن سلما (پر مشتمل آیا)

۔۔۔عامر نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''خدا کی قسم میں نے ایک دفعہ قسم کھائی ہے کہ جب تک (تمام) عرب میرے پیچھے نہیں آ جاتے میں لڑتا رہوں گا۔ کیا مجھے اب اس نوجوان (رسول اللہ) کے پیچھے چلنا چاہیے؟'' پھر اس نے ارباد سے کہا ''جب ہم اس شخص کی جگہ پر پہنچیں گے میں تم سے اس کا چہرہ چھپالوں گا تم تلوار لے کر اس پر پل پڑنا۔'' جب وہ آئے تو عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو شروع کر دی۔۔۔اور آخر کار اس نے کہا خدا کی قسم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدینہ کو چھوٹے بالوں والے گھوڑوں سے بھر دیں گے جن پر بے ریش و بروت مردان جری سوار ہوں گے اور میں اتنے گھوڑے یہاں چڑھالاؤں گا جتنے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ملک میں درخت ہیں۔۔۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی روانگی کے بعد فرمایا ''اگر یہ شخص اور اس کے ساتھ عامر بن صعصعہ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنے منبروں (مساجد کے) پر قریش کے مدمقابل ہوں گے۔'' عامر کی موت کے بعد اس کے قبیلہ والوں نے اس کی قبر سے ایک مربع میل کے علاقے کو متبرک قرار دے دیا جہاں سے کوئی مسافر، پیدل یا سوار گزر نہیں سکتا تھا اور نہ ہی کوئی مویشی چر سکتا تھا۔ (''دیوان عامر ابن الطفیل'' ص 90، 91)

786: اس کے ایک سال بعد خندق کا معرکہ پیش آ گیا اور خیبر کے یہودیوں نے جو مسلمانوں کے خلاف اتحاد بنانے کے لیے کوشاں تھے ایک وفد بنوسلیم کے پاس بھی بھیجا اور ان سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت بنوسلیم کے سات سو مردان جنگی مرالظہر ان کے مقام پر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جانے والی قریش مکہ کی فوج سے آ کر مل گئے (ابن سعد، i/II، صفحہ 47۔ بنوسلیم نے اس جنگ میں بہت زیادہ نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کی اور جب قریش مکہ نے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تو ان کے ساتھ ہی یہ بھی پسپا ہو کر رخصت ہو گئے)۔

787: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الثانی 6 ہجری میں بنوسلیم کے خلاف جموم کے مقام پر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حارثہ کی کمان میں ایک اور سریہ روانہ کیا جو مدینہ سے چار دن کے سفر پر واقع تھا۔ تاہم اس سریہ کی غرض و غایت کا علم نہیں ہو سکا۔ اس مہم میں کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا اور مہم واپس آ گئی (ابن سعد i/II، صفحہ 62، ابن ہشام صفحہ 975)

788: 7 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی اور سلیمی شاعر عباس بن مرداس نے یہ خبر مکہ پہنچائی اور یہ پیش گوئی بھی کی کہ مسلمان اس مہم میں ناکام ہوں گے۔ چنانچہ

بہت سے لوگوں نے اس پر شرطیں لگالیں۔ دوسری طرف ایک اور سلیمی شاعر اور تاجر حجاج بن علاط عین خیبر کے مقام پر مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا اس کے بعد وہ مکہ چلا گیا جب کہ ابھی مسلمانوں کی فتح کی خبر نہیں پہنچی تھی قبول اسلام کے نتیجے میں اپنی جائیداد کے ضبط کیے جانے کے خدشہ کے پیش نظر اس نے ایک ترکیب لڑائی۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ خیبر سے آرہا ہے اور مسلمانوں کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا ہے اور (نعوذ باللہ) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قیدی بنا لیا گیا ہے اور یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ مکہ بھجوا رہے ہیں۔ (خدا نخواستہ) اور چونکہ یہودی مال غنیمت بیچ رہے ہیں اور میں بھی فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں جس کے لیے مجھے رقم چاہیے۔ اس طرح جن جن لوگوں سے اس نے ادھار لینا تھا انہوں نے (مسلمانوں کی ''شکست'' کی خوشی میں) فوراً سے ادائیگی کر دی اور (اس نے اپنی جائیداد بھی اچھے داموں بیچ دی) وہ رقم سمیٹ کر چلتا بنا۔ چند روز بعد جب مکہ میں حقیقت کھلی تو قریش کو دوہرے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ایک تو حجاج کے ہاتھوں بے وقوف بننے اور دوسرا اپنے حلیفوں کی شکست کا غم۔

(ابن ہشام صفحہ 770-772، صفحہ 626۔ مقریزی I، 125۔

789: چند ماہ بعد (7 ہجری کے آخر پر) ایک سلیمی مسلمان اخرم بن ابی العوجاء کو 60 مسلمانوں کے ہمراہ تبلیغ کے لیے اپنی ہی قوم یعنی بنو سلیم کی طرف بھیجا گیا مگر میزبانوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی یہ سب لوگ شہید ہو گئے سوائے امیر یعنی ابن ابی العوجاء کے جنہیں زخمی حالت میں مدینہ لے جایا گیا (ابن سعد i/II، صفحہ 89)

790: (ایک طرف اسلام دشمنی کی یہ انتہا تھی) مگر اگلے ہی سال فتح مکہ کے لیے مدینہ سے آنے والی مسلم فوج میں بنو سلیم کا ایک مضبوط فوجی دستہ قدید کے مقام پر آکر شامل ہوا۔ (ابن سعد i/II صفحہ 97) ان کے ہمراہ بڑی تعداد میں گھوڑے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کے فوجی دستے کو خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں دے دیا تاہم چونکہ ابھی تک ان کی تبدیلی قلب کی کیفیت مکمل تسلی بخش نہ تھی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی مہم کی تیاری کا خفیہ طور پر حکم دیا (لیکن یہ نہیں بتایا کہ منزل کون سی ہوگی) اس لیے ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا، کیا تمہیں کچھ علم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہاں کا قصد رکھتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا'' مجھے علم نہیں، شاید بنوسلیم کی طرف یا شاید کہیں اور (مقریزی، I،361)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ راز اپنے باپ کے سامنے بھی بے نقاب نہ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتا چکے تھے تاہم بنوسلیم کا نام انہوں نے اس لیے لے دیا کہ اس وقت مسلمانوں کی ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتا تھا۔ (مسلمان عمومی طور پر بنوسلیم کے خلاف کارروائی کا گمان رکھتے تھے)

فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن کے مخاصمانہ رویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا قصہ نمٹانے پر آمادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ مقریزی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس غزوہ میں بنوسلیم کے رویہ کا جائزہ لیا ہے (مقریزی، I، 413, 406-405) جنگ کے دوران بھاگنے والا سب سے پہلا بنوسلیم کے رسالے کا دستہ ہی تھا اور جب ایک مشکل فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم دیا تو نہ صرف یہ کہ سلیمی دستے نے خود تعمیل نہ کی بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکا۔ قدرتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رویہ سے شدید صدمہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درج ذیل فرمان غالباً اسی واقعہ سے متعلق ہے **عصیّہ عصت الله و رسوله** (بنوعصیہ نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی) (ابن حنبل نمبر 5108) بخاری 61:7/(2)۔ اس جنگ کے مال غنیمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے نئے مسلمان ہونے والوں کو فیاضانہ مال دیا جن میں ابوسفیان اور بنوسلیم کے عباس بن مرداس بھی شامل تھے۔ موخر الذکر کو جو کچھ دیا گیا وہ اس سے مطمئن نہ تھا جس پر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو لکھ دی (مقریزی I، 424) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کوئی انضباطی کارروائی کرنے کی بجائے حکم دیا کہ اسے اتنا ہی مال مزید دے دیا جائے۔

چند روز بعد ہوازن کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور استدعا کی کہ مال غنیمت میں لوٹا گیا ان کا مال اور قیدی بنائے گئے مرد، عورتیں اور بچے بھی چھوڑ دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدی چھوڑ دینے کا حکم دیا مگر کچھ لوگوں نے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا جن میں عباس بن مرداس بھی شامل تھا اور کہا ''میں اور میرا قبیلہ یہ حکم نہیں مانے گا۔'' مقریزی کی روایت ہے (مقریزی، I، 429) کہ بنوسلیم

کے دوسرے لوگوں نے اس انکار کو توہین آمیز خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کے قبیلے کے لوگوں کو آزاد نہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے اصرار کیا کہ بنو سلیم کے لوگ بھی اپنے قیدی چھوڑ دیں۔ عباس بن مرداس اس پر برافروختہ ہو گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں پر غداری اور توہین کا الزام لگایا۔

791: اسی مہم کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغی مشن پر جذیمہ کی طرف بھیجا جن کی آبادی مکہ سے جنوب کی طرف کوہ یلملم کے قریب تھی۔ سلیم کا گھڑ سوار دستہ ان کی کمان میں تھا۔ کسی غلط فہمی کے سبب خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ صرف متعدد ایسے افراد کو جو پہلے ہی اسلام لا چکے تھے گرفتار کر لینے بلکہ انہیں موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا۔ رواج کے مطابق قیدیوں کو نگرانی کے لیے مہم میں شامل افراد میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ان میں سے صرف بنو سلیم کے لوگوں نے حکم پر عمل کیا جب کہ باقی نے پہچان لیا کہ یہ لوگ بے گناہ اور مخلص مسلمان ہیں چنانچہ انہیں آزاد کر دیا۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب حقیقت کھلی تو بہت پشیمان ہوئے۔ واپسی پر جب معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخت سرزنش کی اور مرنے والوں کی بھاری دیت روانہ فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک وفد بھجوایا تاکہ ان لوگوں کو خون بہا بھی ادا کیا جائے بلکہ اس برتن کے ٹوٹنے کا معاوضہ دینے کی بھی ہدایت کی جہاں کتے آ کر پانی پیا کرتے تھے۔ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو خون بہا ادا کیا بلکہ جو نقصان بھی ہوا تھا سب کا زرتلافی ادا کیا جس سے اہل قبیلہ کا صدمہ کسی حد تک کم ہو گیا۔

(ابن سعد، i/II، صفحہ 106-108، ابن ہشام 833-9)

792: اگلے سال (9 ہجری) میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک بھر میں مرکزی حکومت کے لیے ٹیکس نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدنی صحابی عباد بن بشر اشہلی کو سلیم اور مزینہ قبائل کے لیے ٹیکس کلکٹر مقرر فرمایا (مقریزی I، 433) مگر بنو سلیم کی سونے کی کانوں سے ٹیکس 5 ہجری سے ہی وصول ہو رہا ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیم کی کانوں سے آنے والے سونے سے کچھ مقدار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تھی کہ وہ اپنے یہودی مالک کو ادا کر کے غلامی سے آزادی حاصل کر لیں (بلاذری، I، 985

(بعض کی روایت ہے کہ یہ سونا مال غنیمت سے جمع ہوا تھا زکوٰۃ سے نہیں)

793: اس وقت تک سلیم کے سب لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور دریں اثناء بنو تمیم خزاعہ کے علاقے میں مسلمان ٹیکس کلکٹر کو دھمکانے اور ہراساں کرنے کے بعد سلیم کے پاس پناہ گزین ہو گئے تھے۔ (مقریزی، I، 434)

794: چند ماہ بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی سرگرمی سے غزوہ تبوک کی تیاری فرما رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیم قبیلہ سے فوجی رضا کار جمع کرنے کا کام مشہور شاعر عباس (بن مرداس) کے سپرد کیا تھا۔ (مقریزی، I، 446)

795: یہ امر قابل ذکر مگر تعجب انگیز نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیم کو دو قطعات اراضی عطا کیے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس پہلے سے موجود املاک کی توثیق فرما دی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوارقیہ کے کھجوروں کے درخت اور اس کا شاہی محل سعید بن سفیان الریعلی کو دے دیئے۔ (وثائق 231)۔

مدفو کے علاقے کی جاگیر و دستاویزات میں دو مختلف افراد کو دیئے جانے کا ذکر ہے۔ سلمہ بن مالک اور عباس بن مرداس ("وثائق" نمبر 208-210)۔ ایک اور حکم کے ذریعے سلمہ بن مالک کو کچھ دیگر قطعات اراضی بھی عطا کیے گئے ("وثائق" 207) اگر یہ دونوں سلمہ بن مالک ایک ہی شخصیت ہیں تو شاید یہ دوسری اراضی پہلی کے بدل میں دی گئی ہو (یعنی پہلے مندرجہ اراضی انہیں دی گئی پھر سیاسی یا کسی دیگر وجہ سے عباس کو دے دی گئی اور انہیں اس کی جگہ دوسری اراضی دے دی گئی مگر دستاویز میں منسوخ نہیں کی گئی) الجفر کا پورا علاقہ ہوذہ بن نبیشہ کو دے دیا گیا جس کا تعلق بنو عصیہ سے تھا ("وثائق" نمبر 211)۔ اس قسم کی دس دستاویزات موجود ہیں ("وثائق" نمبر 207-15)

796: اس باب کے اختتام پر ایک روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو سلیم کی ایک لڑکی سنا بنت صلت سے شادی کی تھی لیکن وہ مدینہ جاتے ہوئے راستے میں فوت ہو گئی (محبر صفحہ 93) ایسی ہی ایک روایت بنی کلاب کی دو عورتوں کے بارے میں ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ شاید ان میں سے ایک روایت درست ہو مگر نام سے متعلق الجھاؤ کے باعث روایت میں کئی بیویوں کا ذکر آ گیا جو راستے میں ہی فوت ہو گئیں۔

باب 42

قبیلہ ہوازن اور شہر طائف

797: زمانہ قبل از اسلام کے عرب میں بدامنی اور شورش کے ذمہ دار قبائل میں جن کا شمار ہوتا تھا ان میں بنو سلیم کے ساتھ بنو ہوازن بھی شامل تھے اور قبل ازیں مذکور ''تین پارے کے چولہے'' یعنی ''چولہے کے تین پتھروں'' میں سے ایک ہوازن بھی تھے۔ یہ ایک تندخو اور جنگجو قبیلہ تھا جس کی آبادیاں مکہ اور نجد کے درمیان مشرق کی جانب اور جنوب میں یمن کی جانب پھیلی ہوئی تھیں۔ ہوازن میں سے بنو ثقیف کے لوگ طائف شہر میں مقیم تھے جب کہ دوسری شاخ عامر بن صعصعہ کے لوگ خانہ بدوش تھے۔ ایک وقت میں کندہ کی یمنی حکومت نے ہوازن کو مغلوب کر لیا تھا لیکن نفراوات کی مشہور لڑائی میں ہوازن نے غلامی سے نجات حاصل کر لی تھی مگر جلد ہی وہ شمالی عرب کے قبائل سے جنگ میں الجھ گئے جن میں عبس اور ذبیان کی مشترکہ فوج نے ہوازن کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔ یہ لوگ مکہ کے قریب آباد تھے اور انہوں نے چار دفعہ اللہ کی نافذ کردہ حرمت کی خلاف ورزی کی تھی۔ جس کے نتیجے میں جنگ فجار شروع ہوئی تھی۔ (جنگ فجار یعنی فاجروں کی جنگ۔ یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس جنگ میں حرم اور حدود حرم کی حرمت چاک کی گئی) اس کی وجہ یہ بنی کہ ایک دفعہ ہوازن کے ایک شخص نے بنو کنانہ کے ایک شخص کو مکہ کے سالانہ میلے ''عکاظ'' کے موقع پر کوئی چیز فروخت کی مگر کئی سال تک کنانہ کے شخص نے اس کی قیمت ادا نہ کی جس سے لڑائی چھڑ گئی تاہم دوسرے قبائل نے بروقت مداخلت کر کے بیچ بچاؤ کرا دیا جس سے لڑائی نے سنگین صورت اختیار نہ کی۔ ایک اور موقع پر شاہ حیرہ نے ہوازن کے ایک شخص عروہ کو جو الرحال (بہت زیادہ سفر کرنے والا) کے نام سے مشہور تھا، اپنا ایجنٹ بنایا کہ وہ مکہ کے بازار عکاظ میں اس کا سامان تجارت فروخت کر دیا کرے۔ وہ شاہی تجارتی قافلہ لے کر مکہ آ رہا تھا کہ بنو کنانہ کے

البراد نامی ایک شر پسند نے عروہ کو قتل کر دیا۔ جس سے ایک اور لڑائی پھوٹ پڑی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وہ دور لڑکپن میں تھے اپنے خاندان کے ہمراہ حصہ لیا۔ یہ لڑائی وقفے وقفے سے کئی سال ہوتی رہی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ چونکہ قریش مکہ کنانہ کے حلیف تھے اس لیے وہ کنانہ کے ساتھ شریک جنگ ہوتے تھے اور ان کے مدمقابل ہوازن اور سلیم باہم حلیف ہوتے تھے اس لیے ہوازن اور سلیم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت کی ایک وجہ ماضی کی یہ محاذ آرائی بھی ہو سکتی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش میں سے تھے۔

798: ہوازن کی شان و شوکت کا مظہر شہر طائف بھی تھا جو سطح سمندر سے کئی ہزار میٹر بلند ہونے کے باعث بے آب و گیاہ عرب کی بجائے سرسبز و شاداب سرزمین شام کا حصہ گردانا جاتا تھا۔ مکہ اور طائف کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور خچر سوار ایک روز میں ہی اسے طے کر سکتا تھا۔ جبکہ اونٹ کے سفر میں دو دن لگتے تھے۔ ان دونوں کی حیثیت ''جڑواں شہر'' کی سی تھی۔ طائف کی زرعی اجناس اور پھل مکہ میں فروخت ہوتے جب کہ اہل مکہ کے لیے طائف کی فرحت بخش آب و ہوا گرمیوں میں نعمت غیر متوقبہ سے کم نہ تھی۔ مکہ کے بہت سے لوگوں کی طائف کے خطے میں زرعی جائیدادیں تھیں اور طائف کے بعض تاجر مکہ میں ہی آباد ہو گئے تھے۔ خوشحالی، فارغ البالی اور پرفضا ماحول نے طائف کو ایک ثقافتی مرکز بھی بنا دیا تھا اور اس کے مکینوں کی ذہنی سطح بھی دوسرے عربوں سے بلند تھی۔ اس حوالے سے چند مثالیں پیش ہیں۔

799: ابتدائے اسلام میں جزیرہ نما عرب کے اس خطے میں طبی علم کے حوالے سے واحد معروف نام حارث بن کلدہ کا تعلق طائف اور قبیلہ بنو علاج سے تھا (محبر 460) اس نے اپنی میڈیکل کی تعلیم ایران میں جندیسابور کے مدرسہ سے مکمل کی تھی (ابن خلکان نمبر 831)۔ معالج کی حیثیت سے اس کی شہرت حدود عرب سے باہر تک پھیلی ہوئی تھی ایک دفعہ ایرانی گورنر نوشجان بیمار پڑ گیا اور ایرانی ڈاکٹر علاج میں ناکام ہو گئے تو حارث بن کلدہ کی خدمات حاصل کی گئیں جس کے علاج سے وہ صحت یاب ہو گیا (یاقوت، بلدان، ابن الکلبی، جمھرہ (مسودات لندن) a/37,b/36، بلاذری، انساب I، نمبر 989، ابن خلکان نمبر 831)

800: شہنشاہ فارس کی ایک دفعہ قبیلہ ثقیف کے ایک شخص سے ملاقات ہو گئی۔ اس کی گفتگو سے شہنشاہ اس قدر متاثر ہوا کہ جو کچھ وہ مانگے گا عطا کیا جائے گا، والی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس ثقفی

کی فرمائش پر شہنشاہ نے ایک ایرانی انجینئر کو طائف بھیجا جس نے وہاں شہر پناہ اور قلعہ تعمیر کیا (آغانی، XII، 48-49) (اس کے بعد ہی اس شہر کو طائف کہا جانے لگا کیونکہ طائف کے لفظی معنی ہیں چار دیواری۔ یہ مقام وج کہلاتا تھا اور آج بھی جس وادی میں شہر طائف واقع ہے وج ہی کہلاتی ہے)۔ یہ قلعہ بندیاں اتنی مضبوط تھیں کہ 8 ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر حملہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت کے زور پر شہر پر قبضہ نہ کر سکے جس کا ذکر ابھی آگے آرہا ہے۔ جہاں تک شہر کی ثقافتی زندگی کا تعلق ہے مکہ کے مشہور میلہ عکاظ میں غیلان بن سلمہ ثقفی ''ٹریبونل آف جسٹس'' کا سربراہ ہوتا تھا جہاں وہ ایک روز انصاف کے معاملات کا نگران ہوتا تھا تو کسی اور دن وہ اپنی نظمیں سناتا تھا اور کسی روز افسر مہمانداری کے فرائض انجام دیتا تھا۔ (محبر 135) النابغہ الجعدی جس کا شمار عرب کے نامور ترین شعراء میں ہوتا تھا اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور عکاظ کا مشہور میلہ بھی اسی علاقے میں لگتا تھا اور اس میلہ کو تجارت، کھیل، ''بین الاقوامی'' جھگڑوں کے فیصلوں، ادبی سرگرمیوں (نثر، شاعری) سماجی و مذہبی اصلاحات کی تحریکوں کے حوالے سے قدیم عرب میں ایک مثالی حیثیت حاصل تھی (احمد امین، فیض الکثیر، قاہرہ 1949، IV, 265-88) طائف میں بڑی تعداد میں یہودی بھی آباد تھے۔ (بلاذری۔ فتوح صفحہ 56)۔ سودخوروں کا کاروبار بھی خوب پھیلا ہوا تھا اور رقم یا اشیائے خوردنی 100 فیصد شرح سود پر ایک سال کے لیے قرض دی جاتی تھیں اور اگر سال کے آخر پر وہ رقم واپس نہ کر سکتا تو انہی شرائط پر اگلے سال کے لیے بھی معاہدہ کرنا پڑتا جس کا مطلب تھا کہ قرض لیے گئے ایک سو درہم ایک سال بعد دو سو درہم بن جاتے اور دو سال بعد یہی رقم چار سو درہم تک بڑھ جاتی اور علی ھذا القیاس (مالک، موطا :83/31)

801: عرب کے دوسرے شہروں کے برعکس طائف کی آبادی ملی جلی تھی۔ اس میں جہاں ہوازن (ثقیف) قبیلے کے لوگ تھے وہاں ان قبائل کے باہر کے حلیف بھی آباد تھے (جنہیں ہمارا راوی ''احلاف'' لکھتا ہے)۔ ان دو بڑے گروپوں کے علاوہ مکہ کے لوگ بھی تھے، یہودی بھی تھے اور غلاموں کی بھی قابل ذکر تعداد تھی۔ عام طور پر عرب بت پرست تھے اور طائف میں ایک پہاڑی چٹان پر لات دیوی کا بت کدہ تھا جس کی دیواروں پر پردے لگائے جاتے تھے اور ان کا انتظام چلانے اور دروازے کھولنے اور بند کرنے کے لیے خاندانی (وراثتی) مجاور تھے۔ بت کدہ

کے اردگرد کی جگہ کو تقدس حاصل تھا اور یہاں نہ صرف کسی کو ہراساں نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ اس کی حدود میں دشمن اور قاتل کو بھی تحفظ حاصل تھا اور نہ ہی کسی چیز کا شکار کیا جا سکتا تھا اور قریب کی وادی میں سے کوئی درخت کاٹنے کی بھی ممانعت تھی۔ بت کدہ کی (مذہبی) رسومات ثقیف کے یسار بن مالک کے خاندان کے ابولعاص کے گھر میں ادا کی جاتی تھیں (محبر، صفحہ 124، 312-5)۔
ہمارا راوی ایک اور بت 'جہار' کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس کا تعلق بھی ہوازن سے ہی تھا۔ اس کا مقام عکاظ تھا اور اس کے مجاوروں کا تعلق بنونصر کے خاندان کے گھرانے العوف سے تھا اور اس میں ان کے ساتھ محارب قبیلہ بھی شریک تھا۔ یہ بت کوہ اطحل کے دامن میں نصب تھا (اس سے عکاظ کا محل وقوع معلوم کیا جا سکتا ہے)۔

802: جب ابرہہ کعبہ کے خلاف فوج لے کر نکلا تو اسے راستے میں ایسے قبائل سے بھی واسطہ پڑا جنہوں نے اس کی مہم کی مزاحمت کی۔ پہلے یمن میں اور پھر خثعم قبیلے کے علاقے میں اسے روکا گیا ابرہہ نے طاقت کے زور پر یہ مزاحمتیں کچل دیں بلکہ خثعم قبیلے کے سردار نوفل کو گرفتار بھی کر لیا جس نے ابرہہ کا بدرقہ بننا قبول کر کے جان بچائی۔ جب حملہ آور طائف پہنچے تو مسعود بن معطب ثقفی نے ابرہہ سے ملاقات کی اور اپنے قبیلے کی مکمل حمایت کا یقین دلایا اور مکہ تک رہنمائی فراہم کرنے کی پیش کش بھی کی بشرطیکہ لات دیوی کے بت خانہ کو نہ چھیڑا جائے۔ ابرہہ رضامند ہو گیا اور ابورغال کو اس کے بدرقہ کے طور پر ساتھ کر دیا گیا (ابن ہشام صفحہ 32-33، ابن کثیر، تفسیر، 229 القرآن، 78/7)۔ ایک روایت مشہور ہے کہ بدرقہ بننے والا ابورغال جب فوج کو لے کر مکہ کے نواح میں المغمس کے مقام پر پہنچا تو اچانک مر گیا اور اسے وہیں دفن کر دیا گیا مکہ کے لوگ اس سے اتنی نفرت کرتے تھے کہ اس کی قبر پر آتے جاتے پتھر برساتے تھے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ''سنہری درخت کی دوشاخیں'' جو اسے اس ''خدمت'' کے معاوضے کے طور پر ملنا تھیں اس کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں قبر کشائی کر کے اندر مدفون خزانہ نکالنے کا حکم دیا (سہیلی 43،1)

803: اہل طائف کی ذہانت معروف تھی اور دیگر ہمسایہ قبائل کے لوگوں سے ان کی فہم و فراست اور خواندگی کا معیار بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیائے آب وگل میں تشریف آوری کے ایام میں ایک بار طائف کی آبادی کے قریب شہاب ثاقب بڑی تعداد میں

گرے۔اہل طائف قبیلہ علاج کے عمرو بن امیہ (نامور سفارت کار عمرو بن امیہ ضمری سے اس کا کوئی تعلق نہیں) کے پاس گئے اور اس بارے میں مشورہ کیا کہ اس غیر معمولی آسمانی منظر نامہ کا مطلب کیا ہے۔اس نے جواب دیا کہ ''اگر یہ وہ ستارے ہیں جن سے ہم سمندر اور خشکی پر راستوں کی رہنمائی لیتے اور بارش کی پیشگوئی کرتے ہیں تو پھر دنیا اپنے انجام کو پہنچ چکی لیکن اگر یہ نامعلوم ستارے ہیں تو پھر پریشانی اور فکر کی کوئی بات نہیں خدا نے تمہارے لیے کچھ تخلیق کیا ہے لیکن اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' (ابن ہشام صفحہ 131)

804: طائف کے نواح میں پہاڑی چٹانوں پر زمانہ قبل از تاریخ کی کھدی ہوئی جانوروں وغیرہ کی تصاویر دریافت ہوئی ہیں جو یہاں آباد قدیم قوموں کی تاریخ کے بہت سے راز بے نقاب کرتی ہیں تاہم ہمارے موضوع کے حوالے سے ان سے کوئی زیادہ مدد نہیں ملتی۔

805: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہوازن کا عمل دخل بچپن سے ہی شروع ہو گیا تھا۔طائف میں عبد یالیل (قبیلے) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں رہتے تھے (معارف، ابن قتیبہ صفحہ 43، ابونعیم، دلائل النبوۃ باب XX) مکہ کے صاحب ثروت لوگ طائف کے لوگوں کو رقوم قرض دیا کرتے تھے۔(ابن ہشام صفحہ 273) اور کوئی تعجب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسا کرتے ہوں۔اپنے خطبہ وداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لوگوں کی طرف واجب الاداسود معاف کر دیا تھا (ابن ہشام صفحہ 968)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دوسرے چچاؤں نے اپنی بیٹیاں ثقیفیوں یا ہوازن کی کسی دوسری شاخ میں عقد میں دی تھیں (محبر صفحہ 64-65)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کا تعلق بھی ہوازن سے ہی تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی سال تک پرورش پاتے رہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمیشہ اپنی رضاعی والدہ اور ان کے اہل خانہ کا بڑا احترام رہا اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے وقتاً فوقتاً مکہ آیا کرتی تھیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے بعد بھی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا متعدد بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور بعض روایات کے مطابق وہ طویل عمر پا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئیں (ابن سعد، 1/I صفحہ 71-72) اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔بعض دیگر روایات کے مطابق ان کا

انتقال 8 ہجری سے قبل ہوا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور ایک اونٹ، کچھ کپڑا اور 200 درہم ان کی ایک خاتون رشتہ دار کو بھجوائے (مقریزی ا، 397)۔

806: نبوت کے پہلے دس برس کے دوران طائف یا ہوازن کے حوالے سے کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد جب خاندان کے نئے سربراہ ابولہب نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا بھی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاندان کے تحفظ سے محروم کر دیا جو عملاً کسی کے حقوق شہریت ختم کر دینے کے مترادف تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ حاصل کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموؤں یعنی عبد یالیل خاندان کا شہر تھا (معروف سیرت نگاروں کا موقف ہے کہ عبد یالیل (خاندان نہیں بلکہ فرد) مسعود اور حبیب (ابنائے عمرو بن عمیر ثقفی) تین بھائی تھے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی تھی۔ مترجم) لیکن اس خاندان کے لوگوں نے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کا پیغام سنا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے پر آمادہ ہوئے بلکہ اس کے برعکس انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی اور اوباش لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسانے شروع کر دیئے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اور پاؤں مبارک زخمی ہو گئے (سہیلی، ا، 260، مقریزی ا، 27) اسی اثناء میں (شہر سے باہر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں انگوروں کا باغ نظر آیا جو مکہ کے لوگوں، (عتبہ، شیبہ ابنائے ربیعہ) کی ملکیت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں ستانے کے لیے ٹھہر گئے۔ یہاں درد اور غم سے نڈھال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''یا الٰہی! میں آپ کے دین کے لیے ہی کام کر رہا ہوں لیکن میں اپنی کمزوری اور بے بسی کا شکوہ کرتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھوں لیکن مجھے ان سختیوں کی کوئی پروا نہیں اگر یہ (سختیاں) تیرے غضب کے باعث نہیں آئیں تاہم تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

باغ کے مالک نے ترس کھا کر اپنے غلام عداس کے ہاتھ جو باغ کا نگران تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انگوروں کا گچھا بھجوایا۔ یہ غلام نینوا کا رہنے والا اور دین عیسوی کا پیرو کار تھا۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چکھا لیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے لگے۔ عداس یہ الفاظ سن کر حیران ہو گیا اور آپ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں جیسے کہ آپ کے ہم وطن یونس علیہ السلام تھے۔" یہ سن کر عداس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت افزائی کی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے لوگوں سے مایوس ہو کر واپس مکہ آ گئے۔

807: باہمی رقابتوں اور مخاصمتوں کے باوجود مکہ اور طائف اسلام دشمنی میں ایک تھے۔ مکی سردار عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ جنگ احد سے واپسی پر (3 ہجری) سیدھا طائف چلا گیا۔ جہاں سے اس نے جنگ کے نتیجے سے متعلق اطلاع اپنے دوستوں کو مکہ بھجوائی (مقریزی، I، 160)۔ جنگ خندق کے موقع پر بنو ثقیف قریش مکہ کے ساتھ مدینہ گئے تھے (بلاذری، I، 730) لیکن اگلے ہی سال (6 ہجری) ثقیفیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر دیکھا جا سکتا ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی سفیروں کا استقبال کر رہے تھے تو مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ کی حیثیت سے مامور تھے (ابن ہشام صفحہ 744) ابو بصیر جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے پاس پناہ لی وہ بھی ثقفی الاصل تھے۔ قریش مکہ نے جو وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کے لیے بھجوائے ان میں سے ایک کی قیادت عروہ بن مسعود نے کی تھی۔ جو مغیرہ بن شعبہ کا چچا تھا۔ عروہ بن مسعود ماہر سفارت کار تھا اور اس کا کہنا تھا کہ وہ روم، فارس اور حبشہ کے بادشاہوں کے درباروں میں بھی جا چکا ہے۔ مذاکرات سے واپسی پر اس نے قریش مکہ کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اعتدال کا رویہ اپنائیں۔ (ابن ہشام صفحہ 744-745)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قریش مکہ کے شمال کی طرف جانے والے جن تجارتی قافلوں پر پابندیاں لگائی تھیں ان سے اہل طائف کے قافلے بھی متاثر ہوئے تھے اس لیے معاہدہ حدیبیہ میں طائف کا بطور خاص ذکر کیا گیا "جو کوئی حج یا عمرہ پر مکہ جائے یا یمن یا طائف جاتے ہوئے مکہ میں عارضی قیام کرے اسے امان حاصل ہو گی" (ابو عبید، اموال، نمبر 441)

808: ہوازن کی خانہ بدوش شاخوں نے اپنے آپ کو کسی معاہدے کا پابند نہیں کیا جس کی بنا پر ان میں سے بعض کو سزا دینے کے لیے معاہدہ حدیبیہ سے گیارہ ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک سریہ ترابہ کی طرف روانہ کیا جو مکہ سے جنوب کی طرف چار دن کے سفر پر واقع ہے۔ لیکن وہ مسلم فوج کی آمد کی اطلاع پاتے ہی علاقہ خالی کر کے تتر بتر ہو گئے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی تصادم کے بغیر واپس مدینہ چلے گئے۔ (ابن سعد 2/I صفحہ 85، ابن ہشام صفحہ 973)۔ تاہم روایت میں (واضح طور پر) اس مہم کے مقاصد ظاہر نہیں کیے گئے۔ اسی ماہ میں ایک اور سریہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں بنوکلاب کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا گیا عامر بن صعصعہ کی اس شاخ کی آبادی نجد میں ضریہ کے علاقے میں تھی۔ رات کے وقت حملہ کر کے دشمن کے کچھ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ایک نوجوان عورت کو قیدی بنا لیا گیا تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے خطے میں کچھ مسلم قیدیوں کے تبادلے میں اسے رہا کر دیا (ابن سعد 2/I، صفحہ 85)۔

ہوازن کی ان دو شاخوں کے خلاف ترابہ اور ضریہ کے دور دراز علاقوں میں سرایا بھیجنا یقیناً باعث تعجب ہے۔ یہ مدینہ کے خلاف بتدریج منظم ہوتی ہوئی مضبوط مزاحمت کا توڑ کرنے کی تیاری ہو۔ اس کے چند ماہ بعد، ربیع الاول 8 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مہم شجاع بن وھب کی سرکردگی میں عامر بن صعصعہ کے خلاف بھیجی جو رکبہ کے قریب "سی" کے علاقے میں کانوں کے علاقے کے باہر آباد تھے۔ اس مہم میں بڑی تعداد میں لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا جنہیں بعد میں رہا کر دیا گیا جب اس قبیلے کے وفد نے مدینہ حاضر ہو کر غلطیوں کی معافی مانگی اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا (مقریزی، I، 344، ابن سعد 2/I، صفحہ 91-92) تاہم اس کی مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کے چند ہی ماہ بعد ہوازن کے تمام لوگ مسلمانوں کے خلاف حنین کی جنگ کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ اس حوالے سے فتح مکہ کے لیے تیاریوں کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے والد کو مبہم جواب قابل غور ہے جب ان کے استفسار پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کا قصد رکھتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا تھا کہ "میں (حتمی طور پر) نہیں جانتی ہو سکتا ہے سلیم کی طرف ہو۔ شاید ہوازن کی طرف یا پھر ثقیف کی جانب۔"

(مقریزی، I، 361).

مقریزی کے مطابق (1 ,366) مسلمانوں کے ایک گھڑ سوار دستے نے جسے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے العرج سے مکہ جانے والی شاہرہ پر ہراول کے طور پر بھیجا تھا ہوازن کے ایک جاسوس کو پکڑ لیا جس نے تفتیش کے دوران اعتراف کر لیا کہ ہوازن مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو رہے ہیں اور ان کا کمانڈر مالک بن عوف ہے اور یہ کہ بنو عامر کے کعب اور کلاب قبیلوں نے حصہ لینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قیدی کو مہم کی تکمیل تک (فتح مکہ) خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحویل میں دے دیا۔ مسلمانوں کے رویہ سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا فتح مکہ کے تین روز بعد (رمضان 8 ہجری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اردگرد کے علاقوں میں بتوں کو مسمار کرنے کے لیے بہت سے سرایا بھجوائے۔ ان میں سے ایک نخلہ کے لیے تھا جو خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں روانہ کیا گیا۔ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کامیابی سے مہم مکمل کی اور عزیٰ کا مشہور بت مسمار کر دیا (ابن سعد I/2 صفحہ 105) اس سے اہل طائف میں اشتعال پھیل گیا کیونکہ انہیں اپنے بت لات کے لالے پڑ گئے۔ ہوازن پہلے ہی کوچ کر چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے گئے ایک جاسوس نے اوطاس کے مقام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط بھجوایا جس میں ادھر ہونے والی تیاریوں سے مطلع کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تصدیق کے لیے مکہ سے ایک جاسوس روانہ کیا جس نے واپس آ کر اطلاعات کی تصدیق کر دی۔ (ابن ہشام صفحہ 842، کتانی، I، 363۔ اس نے اوطاس میں ایک خفیہ ایجنٹ ہونے کی روایت بھی کی ہے)۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوری طور پر مکہ سے روانہ ہوئے تا کہ دشمن سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ (ابن سعد کے مطابق) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن۔ طائف مہم پر روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کے ھبیرہ بن شبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر مکہ مقرر کیا جب کہ مدینہ واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر مکہ کی ذمہ داری سونپی۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر راستے میں ہی تھا کہ دشمن نے اچانک علی الصبح حنین کے مقام پر ان پر گھات لگا کر حملہ کر دیا۔

(Battlefields صفحہ 178-187)

809: حنین کا ذکر کر کے قرآن نے اسے امر کر دیا ہے (قرآن۔ 9/25-26) لیکن ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باعث وہ تمام آثار مٹ گئے جن سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ

حنین دراصل کس جگہ واقع تھا۔ بعض کا اندازہ ہے یہ مکہ سے اونٹوں کے ایک دن کے سفر پر اور بعض کے خیال میں دو، تین حتیٰ کہ بعض چار دن کا بھی کہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صحرائی اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا۔ جو اس وقت سے کبھی بھی آباد نہیں ہوا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو اچانک جا لینے کا منصوبہ بناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق بالواسطہ راستہ منتخب کرتے لیکن چونکہ (اطلاعات کے مطابق) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف پہلے سے رواں دشمن کا راستہ روکنا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا روک ٹوک سیدھے چلتے گئے۔ کچھ دیگر تفصیلات کی مدد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے بعد اختیار کیے جانے والے راستے کا تعین کرنا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اوطاس گئے جہاں دشمن نے اپنے جانوروں، عورتوں اور بچوں کو ٹھہرایا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جنگ کے خاتمے کے بعد) جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت کے ہمراہ واپس آئے۔ یہ مقام مکہ سے شمال کی جانب پندرہ کلو میٹر یا کم و بیش دور واقع ہے اور آج بھی معروف ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر طائف کا محاصرہ کر لیا جہاں حنین کے لوگوں نے بھاگ کر پناہ لے لی تھی۔ ہمیں حنین اور اوطاس کو اسی طرف نہیں سمجھنا چاہیے جس طرف طائف واقع ہے (طائف مکہ سے جنوب مشرق کی طرف ہے) تاہم ان تمام مقامات کے راستوں کا اتصال جعرانہ پر ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں حنین اور اوطاس کو مکہ کے شمال مشرق میں تلاش کیا جانا چاہیے مکہ اور طائف کے درمیان نہیں۔ ابن ہشام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کردہ راستے کی تفصیلات دیتے ہیں، ان کا موقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے روانہ ہو کر پہلے نخلہ پہنچے اور وہاں سے قرن (منازل) کی راہ لی۔ (نخلہ، جعرانہ سے مشرق کی جانب اور قرن، نخلہ سے جنوب مشرق میں ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیہ سے ہوتے ہوئے طائف پہنچے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ لیہ طائف سے دس کلو میٹر دور مشرق، جنوب مشرق میں شہر کے مضافات میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ، حنین اور طائف کے درمیان ایک نیم دائرے کی شکل کا راستہ اختیار کیا۔

:810 جو صورت بھی ہوئی (واقعہ یہ ہوا کہ) بارہ ہزار مسلم فوج پر حنین کے مقام پر اچانک حملہ ہو گیا اور گھڑ سوار دستے پر تیروں کی اس طرح بارش ہوئی کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا اور باقی فوج بھی تا دیر

زوردار حملے کا مقابلہ نہ کر سکی (اور اس نے بھی راہ فرار اختیار کی) شکست اور تباہی یقینی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضر دماغی اور بروقت حکمت عملی نے مسلمانوں کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ مٹھی بھر جانثاروں کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور بھاگ جانے والوں کو دوبارہ جمع کیا۔ جلد ہی صورتحال الٹ ہوگئی اور دشمن شکست کھا کر وادیوں اور گھاٹیوں میں پسپا ہونے لگے۔ مسلمان ان کا تعاقب کر رہے تھے قرآن نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہیں فتح دی ہے اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ ان کفار کا بدلہ یہی تھا۔'' (26-25/9)

811: یہ واقعہ جسے ابن حنبل نے روایت کیا ہے (III, 435) بدترین حالات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار کا غماز ہے۔ غزوہ حنین کے روز دشمن کے تعاقب میں جو دستہ بھیجا گیا اس کے ہاتھوں کچھ بچے بھی مارے گئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سخت سرزنش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا ''مگر یا رسول اللہ! وہ کافروں کے بچے تھے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آپ میں سے بعض بہترین مسلمان بھی کافروں کی ہی اولاد ہیں۔ خبردار، بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، خبردار! بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا۔ ہر روح فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ زبان سے اپنے انتخاب کا اعلان کرے اور یہ والدین ہیں جو روح کو (بچوں کو) یہودی یا عیسائی بناتے ہیں۔''

812: سیرت نگاروں نے مسلم فوج میں بعض خواتین جنگجوؤں کی موجودگی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (سہیلی، II، 290، سرخسی، شرح سیر الکبیر، I، 124) اور ان میں سے ایک نے جس نے جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھائے تھے بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ جن لوگوں نے جنگ سے فرار ہو کر بزدلی کا مظاہرہ کیا انہیں موت کی سزا دی جائے۔ اوطاس کی مہم آسانی سے سر ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا رخ کیا روایت ہے

(مقریزی ، I ، 423، طائف کی جنگ کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب Battlefields نمبر188-202) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمائندہ کو مکہ بھیجا کہ وہاں سے کپڑا خرید کر لائے اور اوطاس کے تمام قیدیوں کو ایک ایک لباس دیا جائے۔لیہ پہنچ کر مسلمان فوج نے دشمن سپہ سالار مالک بن عوف کی ملکیت ایک قلعہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا اور اسے مسمار کر دیا (مقریزی، I، 416) طائف کی جنگ میں مسلمانوں نے قلعہ کی دیواریں توڑنے کے لیے منجنیقیں اور دشمن کے تیروں سے بچنے کے لیے بیلوں کی کھالوں سے ڈھکی ہوئی گاڑیاں (اس دور کی بکتر بند گاڑیاں) استعمال کیں۔مسلمانوں کی ایک جماعت دبابہ کے اندر گھس کر آگ لگانے کے لیے دیوار تک پہنچ گئی۔(مگر ان پر اوپر سے جلتے ہوئے لوہے کے ٹکڑے پھینکے گئے) مسلمانوں نے شب خون سے بچنے کے لیے بھی پختہ انتظامات کیے اور کیمپ کے ارد گرد لکڑی کے تختے زمین میں گاڑ کر کھڑے کر دیئے اور ان کے ساتھ ساتھ (یا صرف دروازوں کے سامنے کانٹے دار درختوں کی شاخیں کاٹ کر ڈال دیں تا کہ دشمن آسانی سے اندر نہ آسکے)۔(ابن ہشام صفحہ 872-3، ابن سعد، I/2 صفحہ 114 سطور، سہیلی II، 301-303) مگر محاصرہ شدہ شہر کے اندر وسائل کی کوئی کمی نہ تھی تاہم مسلمان فوج کے پاس جو وسائل تھے وہ انہیں زیر کرنے کے لیے ناکافی تھے۔

813: ''سرد جنگ'' زیادہ موثر ثابت ہوئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو غلام قلعہ سے اتر کر مسلمان ہو جائے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔بلاذری کے مطابق (بلاذری I، 989) ایسے افراد کی تعداد 80 تھی اور انہوں نے شہر کے اندر گڑ بڑ کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ان کی تعداد کم ہے۔اور کہا کہ آپ لوگ بس مسلمان فوج میں شامل ہو جائیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ دشمن سپہ سالار مالک بن عوف اگر ہتھیار ڈال دے تو نہ صرف اس کے خاندان کو آزاد کر دیا جائے گا بلکہ خود اسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و برکت حاصل ہو گی۔مالک نے ہتھیار ڈال دیئے۔(ابن ہشام صفحہ 879) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو ان کے انگوروں کے باغات کاٹ دیئے جائیں گے اور پانی کے ذرائع تباہ کر دیں گے۔فوری جواب آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تباہ کرنے کی بجائے خود استعمال کرلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو واسطے دیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کریں۔تاہم قلعہ میں بند لوگوں نے ہتھیار نہ ڈالے اور چالیس روز گزر گئے اور ابھی کوئی نتیجہ نکلتا نظر نہ آ رہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی کونسل کا اجلاس بلایا۔نوفل بن معاویہ الدئلی نے رائے دی کہ اگر طائف کو چھوڑ دیا جائے تو یہ اسلامی ریاست کی سلامتی کے لیے کسی خطرے کا موجب نہیں بن سکتا کیونکہ اردگرد تمام علاقہ اب مسلمانوں کا مفتوحہ ہے اور اسے طاقت سے فتح کرنے کے لیے لمبے صبر کی ضرورت ہے اور یہ مہم ''بل میں گھسی ہوئی لومڑی کو پکڑنے کے مترادف ہے۔'' (ابن سعد I/2، صفحہ 114-115)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ قبول فرمایا اور محاصرہ اٹھا کر مکہ واپس آ گئے۔

814: طائف سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں فیصلے کے منتظر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے جن میں اوطاس سے پکڑے گئے ہوازن قیدی مرد، عورتیں بھی شامل تھے۔ مال غنیمت آسانی سے تقسیم کر دیا گیا۔قیدیوں کی تعداد 6 ہزار تھی (ابن ہشام صفحہ 877) اور اسلامی حکومت کے لیے لامحدود عرصے کے لیے ان کی خورد و نوش کا بندوبست کرنا ممکن نہ تھا۔کافی انتظار اور سوچ و بچار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی بھی اپنے آدمیوں میں غلاموں کی حیثیت سے تقسیم کر دیئے۔

815: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور جعرانہ میں جس مصالحانہ طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس کی خبر آہستہ آہستہ ہوازن سے بھاگ کر اردگرد پناہ لینے والوں تک بھی پہنچ گئی۔ہوازن قیدیوں میں سے ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق کے بعد اپنی دودھ شریک بہن سے بے حد احترام سے پیش آئے اور پوچھا کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہے تو انہیں مکمل عزت اور احترام سے رکھا جائے گا تاہم اگر وہ واپس جانا چاہے تو آزاد ہے۔اس نے گھر واپس جانا پسند کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے سواری کا بندوبست فرمایا اور زادراہ اور فیاضانہ تحائف دے کر رخصت کیا۔شیما نے موقع دیکھ کر اپنے ایک رشتہ دار کی بھی سفارش کی جسے ایک مسلمان کو زندہ جلانے پر پکڑا گیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ کرم اسے بھی معاف کر کے آزاد کر دیا (ابن ہشام صفحہ 856-57)

816: چند دن بعد ہوازن کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے جعرانہ پہنچ

گیا۔ وفد نے اپنے سابقہ رویہ پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی رشتے کا واسطہ دے کر فریاد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا کہ اگلی نماز کے بعد اپنی معروضات سب کے سامنے بیان کریں۔ جب نماز کے بعد انہوں نے فریاد کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ کا قبول اسلام آپ کو مبارک ہو۔ ہمارے لیے تو اس میں خوشی ہے مگر آپ بہت تاخیر سے آئے ہو میں کتنے دنوں سے آپ کا منتظر تھا اور مال غنیمت بھی روکے رکھا۔ تاہم (اب تم آگئے ہو تو) اب دو میں سے ایک کا انتخاب کر لو اپنے بال بچے یا مال۔'' یہ بات فطری اور قابل فہم تھی کہ ارکان وفد نے اپنے قیدیوں کو واپس لینے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو اب میں لشکر میں تقسیم کر چکا ہوں۔ جہاں تک میرے اور میرے خاندان کے حصے میں آنے والے قیدی ہیں میں انہیں بغیر کسی معاوضے کے آزاد کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر اپنے اور اپنے خاندان کے قیدی آزاد کرنے کا اعلان کیا اور زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ (کم وبیش) سب نے اپنی قیدی رہا کر دیئے (ابن ہشام صفحہ 876-879، ابن سعد i/II صفحہ 72-73، i/I صفحہ 110-113)۔ اس موقع پر ہوازن سپہ سالار مالک کے ساتھ اضافی مہربانی کی گئی کہ نہ صرف اس کے بال بچے رہا کر دیئے گئے بلکہ اس کا مال بھی اسے واپس کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 100 اونٹ اسے تحفہ کے طور پر عطا کیے۔ اس فیاضانہ برتاؤ سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے جوش وخروش کی انتہا نہ رہی اور بعد میں اس نے اسلامی فوج میں شامل ہو کر اپنے طائف کے مشرک رشتہ داروں کے خلاف بڑھ چڑھ کر جنگ میں حصہ لیا۔ (ابن ہشام صفحہ 879، مقریزی I،430)

817: عروہ بن مسعود جس کا تعلق طائف سے تھا۔ حدیبیہ مذاکرات میں وہ قریشی وفد کا سربراہ بن کر آیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جذبہ اطاعت اور احترام سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوا اور اسے خوف لاحق ہو گیا کہ اتنے جانثار لوگوں نے اگر طائف پر حملہ کر دیا (تو شکست یقینی ہے) چنانچہ وہ فوراً ایک اور سرکردہ شخص کے ساتھ یمن چلا گیا تا کہ جدید ہتھیاروں مثلاً منجنیق، بکتر بند گاڑیوں (کھال سے چاروں طرف سے بند کی ہوئی) وغیرہ کی تیاری سیکھ کر آئے (ابن ہشام صفحہ 869) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے

محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئے تو عروہ نے اسلام قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی ملاقات یا تو مدینہ کے راستے میں یا پھر مدینہ پہنچ کر ہوئی۔ مسلمان ہونے کے بعد عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طائف میں تبلیغ کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا توقف فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ اہل طائف کی اسلام دشمنی سے عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا ہے مگر عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصرار کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (تاہم وہی ہوا جس کا ڈر تھا)۔ عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اگرچہ اپنے شہر میں بے پناہ اثر ورسوخ تھا مگر ان کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات پر کھلے بندوں عمل کو اہل طائف برداشت نہ کر سکے اور ایک دن ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں شہید کر دیا (ابن ہشام صفحہ 914) تاہم ایک نیک اور شریف شخص کے خون نے اپنا اثر دکھایا اور اہل طائف کو اپنی حرکت پر شدید پچھتاوا لاحق ہو گیا اور انہیں اپنی مکہ کی اہم منڈی سے محروم ہو جانے اور ہمسایہ مسلم قبائل کی دشمنی کی پریشانی سے بھی زیادہ یہ شرمندگی ستانے لگی کہ انہوں نے کیوں ایک بے گناہ کا خون کیا۔ انہوں نے باہم صلاح مشورے کیے اور قبیلہ علاج کے عمرو بن امیہ نے جو انتہائی فہیم اور صائب الرائے شخص تھا پہل کی۔ اس کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے رشتہ دار اور شہر کے بااثر شخص عبد یالیل کے مابین تعلقات کافی عرصہ سے کشیدہ تھے۔ ایک روز عبد یالیل کو اطلاع ملی کہ عمرو اس سے ملنے آیا ہے۔ یہ امر اس کے لیے حیرت کا باعث تھا تاہم اس وقت وہ مزید حیران ہوا جب دوران ملاقات عمرو نے اسے کہا کہ ''صورتحال اتنی سنگین ہو گئی ہے کہ اب ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ممکن نہیں۔ تم نے دیکھا اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا ہے اور تم دیکھ رہے ہو اسلام کس طرح ہر طرف پھیلتا جا رہا ہے یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔''

انہوں نے ایک وفد مدینہ بھیجنے کا فیصلہ کیا جس میں آبادی کے تمام طبقات کی نمائندگی ہو۔ بنو مالک اور احلاف نے اپنے نمائندے چن لیے۔ عبد یالیل کو وفد کا سربراہ بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ابھی تبوک سے واپس تشریف لائے تھے جب رمضان 9 ہجری میں اہل مدینہ نے نواح میں طائف کے قافلہ کو دیکھا۔ ان کی آمد کی کسی کو بھی توقع نہ تھی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں پہچان کر اطلاع دینے تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ راستے میں انہیں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مل گئے۔ جب انہیں پتہ چلا تو انہوں نے مغیرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت پا ہی کہ اس اہم واقعہ کی اطلاع وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائیں۔ اہل طائف کی آمد انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد سے انتہائی احترام اور فیاضی کا برتاؤ کیا اور انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ وفد کے ارکان نے کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے تیار ہیں مگر ان کی کچھ شرائط ہیں۔ جو شرائط انہوں نے پیش کیں وہ یہ تھیں۔

1- اہل طائف پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوں گے۔

2- ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی پابندی بھی نہ ہوگی۔

3- شہر طائف کو مکہ کی طرح تقدس حاصل ہوگا (ممکن ہے انہوں نے حج سے استثنیٰ کی بھی شرط پیش کی ہو)۔

4- طائف کے لوگ (لازمی) فوجی خدمات (جہاد) سے بھی مستثنیٰ تصور ہوں گے۔

5- ان کے شہر کا بت خانہ مسمار نہیں کیا جائے گا (تاکہ وہ بت پرستی بلا روک ٹوک جاری رکھ سکیں)۔

6- ان کے لیے فحبہ گری کی بھی ممانعت نہیں ہوگی۔

7- انہیں سود پر قرض دینے کی بھی اجازت ہوگی۔

8- ان پر شراب نوشی نہ کرنے کی بھی پابندی نہیں ہوگی۔

(ابن ہشام صفحہ 916، ابن الاثیر، "اسد الغابہ"، ا، 116، ابوداؤد، 26/19)

818: روایت ہے کہ وہ یہ تمام شرائط پہلے سے لکھ کر لائے تھے اور چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے خالی جگہ پر اپنی مہر ثبت فرما دیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا ان کی فہرست میں رمضان کے روزے رکھنے سے استثنیٰ کی بھی شرط شامل تھی؟ کیونکہ فہرست تو اسی طرح "مکمل" ہو سکتی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے لیے تیار تھے بشرطیکہ ان پر اسلام کی کوئی شق لاگو نہ کی جائے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اسلام کا تصور ایک سیاسی وابستگی کا تھا کہ محض ایک شخص کو حاکم اعلیٰ تسلیم کر کے اسلام کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی شان و شوکت کا وسیلہ تھا۔

819: (ان مضحکہ خیز شرائط کے جواب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارکان وفد کو حقارت کے ساتھ دھتکار سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی متانت اور نرمی سے ان کو معاملے کی تمام نزاکتوں سے آگاہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ نماز اللہ کو ماننے اور اس کی اطاعت کا ظاہری اور عملی اظہار ہے اور جو مذہب نماز کے ذریعہ اللہ کی عبودیت کا اظہار نہیں کرتا اس کا نام (اسلام) کیسے ہوسکتا ہے۔ جہاں تک بدکاری (کی اجازت) کا تعلق ہے تو معاشرے میں اس سے قابل نفرت کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ آپ میں سے کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کی بیوی، بہن یا بیٹی سے کوئی بدکاری کا ارتکاب کرے اور اسی طرح دوسرے بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ آپ میں سے کوئی اس کی بیوی، بہن یا بیٹی سے بدکاری کرے۔

راویوں نے شراب سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کا ذکر نہیں کیا۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب (خانہ خراب) سے انسانی اخلاقیات اور وقار پر مرتب ہونے والے برے اثرات کی طرف ارکان وفد کی توجہ دلائی۔ جہاں تک طائف کے علاقے کا تقدس برقرار رکھنے اور انہیں فوجی خدمات سے مستثنیٰ رکھنے کی شرط کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے تیار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی مستثنیٰ کر دیا۔ سود کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی طور پر ارکان وفد کے اطمینان کے لیے اس کی اجازت دے دی۔ تاہم اس معاملے پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ بت کے انہدام سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملے کی جڑ پر ضرب لگائی اور فرمایا: اگر بت میں کوئی طاقت ہے تو اسے سب سے پہلے اس شخص کو سزا دینا چاہیے جو اس کو نقصان پہنچائے۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے کہ آپ اسے مسمار کریں بلکہ ہم یہاں سے لوگوں کو بھجوائیں گے جو اسے منہدم کریں گے تاکہ اگر بت نے کسی غیظ وغضب کا اظہار کرنا ہو تو اس کا نشانہ (آپ نہیں) وہی بنیں جو اسے ڈھانے آئے ہوں۔

820: اس کے بعد ارکان وفد نے باہم صلاح مشورے کے لیے مجلس برخاست کر دی اور کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا کہ وہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر مطمئن ہیں۔

821: اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی نزاکتیں کیا

تھیں اور کیسے کیسے نازک مراحل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرنا پڑتا تھا۔ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بت پرستی کی ممانعت کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا سی بھی لچک نہیں دکھائی اور نہ ہی انسانی اخلاقیات کے منافی کسی برائی کو قبول کرنے پر تیار ہوئے اور باقی شرائط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے اصرار نہیں کیا اور اس قوم (قبیلہ) کو زکوۃ کی ادائیگی اور لازمی فوجی خدمات سے مستثنیٰ کر دیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابوداؤد کی روایت کے مطابق وفد کی واپس روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت میں پڑے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے وضاحت کی کہ یہ دو اسلامی فرائض بھی ساقط نہیں کیے گئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امید پر انہیں ان سے مستثنیٰ کیا ہے کہ جب وہ اسلام میں ذرا پختہ ہو جائیں گے تو از خود ہی ان پر عمل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ہمارے کہے بغیر شروع کر دیں گے۔ فوج اور وسائل پوری قوم کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ سربراہ ریاست کے لیے اور درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات درست ثابت ہوئی اور صرف دو سال بعد جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کے خلاف فوج کشی کی تو مسلم فوج میں اہل طائف ان کے دوش بدوش تھے (طبری ا، 1871-1988 اور ٹیکسوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان میں سے ایک کو ٹیکس کلکٹر مقرر فرمایا۔

(بلاذری ا نمبر 1067)

جہاں تک طائف کی وادی کو مقدس قرار دینے کی شرط کا تعلق ہے کہ یہاں سے درخت نہ کاٹے جائیں یا یہاں سے شکار نہ کیا جائے، ان سے اسلام پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی حیثیت ایک طرح سے ''نیشنل پارک'' کی سی تھی جس کے جاری رہنے سے اسلام پر کیا فرق پڑ سکتا تھا (آب و ہوا اور زمین کی زرخیزی کے حوالے سے طائف سے بہتر ''نیشنل پارک'' پورے عرب میں کہیں اور نہیں بن سکتا تھا جس میں جانوروں اور پودوں کا تحفظ ہو سکے اور مذہبی رنگ آ جانے سے انتظامی حکم پر عملدرآمد میں مزید شدت پیدا ہو گئی)۔ طائف کو کبھی بھی مکہ اور مدینہ کی طرح تقدس حاصل نہ ہوا اور جلد ہی خود اہل طائف اپنے شہر کے ''تقدس'' کو فراموش کر بیٹھے۔ تعلیم و تدریس کا شعبہ مرکز نے اپنے پاس رکھا اور اہل طائف کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے استاد مدینہ سے بھجوائے جاتے تھے۔

822: اس بارے میں معاہدہ کی دستاویز تیار کی گئی جس میں متفقہ نکات درج کر دیے گئے۔ یہ دستاویز ذیل میں دی جا رہی ہے۔ نکات وار نمبروں کے ساتھ تقسیم کی کاوش ہماری ہے۔

1- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

2- یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اہل ثقیف کے لیے ہے۔

3- آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں: جو کچھ اس (دستاویز) میں لکھا ہے اس (پر عملدر آمد) کی ضمانت اللہ کی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد بن عبد اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ہے۔

4- ان کی پوری وادی مقدس ہے اور اللہ کے نام پر اس علاقے میں درخت کاٹنے، شکار کرنے، کسی قسم کی زیادتی کرنے، چوری کرنے اور برے کام کرنے کی پابندی ہے۔

5- اہل ثقیف کو "وج" کی وادی میں ملکیت کا سب سے زیادہ حق حاصل ہوگا۔ دیوار کے اندر کے شہر (طائف) سے (طاقت کے زور پر) کوئی نہیں گزرے گا اور کوئی مسلمان قبضہ کرنے کے لیے شہر کے اندر داخل نہ ہوگا۔ اہل ثقیف، شہر کے اندر اور وادی میں تعمیر کرنا چاہیں تو انہیں اجازت ہوگی۔

6- انہیں (فوجی خدمات وغیرہ کے لیے) جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان پر کوئی ٹیکس لگے گا۔ نہ ہی ان کے مال، جائیداد یا جان پر کوئی پابندی عائد ہوگی۔

7- وہ مسلمانوں کا حصہ شمار ہوں گے اور وہ جہاں سے چاہیں مسلمانوں میں شامل ہو سکتے ہیں اور جس جگہ چاہیں ایسا کر سکتے ہیں۔

8- جو قیدی ان کی تحویل میں ہوگا وہ انہی کی ملکیت شمار ہوگا کیونکہ اسے رکھنے کا حق سب سے زیادہ انہیں حاصل ہوگا تاکہ وہ جس طرح چاہیں اس سے کام لے سکیں۔

9- ایسا قرض جس کی کوئی (رہن وغیرہ) ضمانت نہ دی گئی ہو (سہیلی کی بھی یہی رائے ہے) اور واجب الادا ہو اس پر قرض دار (جو نادہندہ ہو) کو سود ادا کرنا ہوگا جس سے اللہ (اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بری الذمہ ہیں۔ جب کہ وہ قرضے جو عکاظ کے بعد واجب الادا ہیں (یعنی سالانہ میلہ عکاظ کے انعقاد کے بعد تک مہلت ہے) اور ان کی ضمانت کے طور پر رہن موجود ہے ان کے صرف اصل زر واپس کرنا ہوں گے لیکن ان کی ادائیگی عکاظ کے موقع پر کر دی جائے۔

10- اہل ثقیف کا کوئی قرض جوان کے قبول اسلام کے روز لوگوں کی طرف واجب الادا تھا اور ان کے ریکارڈ میں موجود ہے وہ اس کی وصولی کے حقدار ہوں گے (طے شدہ شرائط کے مطابق)

11- اگر اہل ثقیف میں سے کسی کی رقم، جائیداد یا غلام کسی کی تحویل (بطور ضمانت) میں ہو اور وہ اسے مال غنیمت کے طور پر ضبط کر لے یا اس سے ضائع ہو جائے تو وہ مالک کو واپس کرنا ہو گی۔

12- اہل ثقیف کے اس شخص کو بھی جو یہاں حاضر نہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہاں حاضر ہونے والوں کے ہیں اور اس جائیداد کو بھی جو (اس وقت) ان کی تحویل میں نہیں تحفظ حاصل ہوگا۔ مزید برآں کہ جوان کا مال جائیداد ''لیہ'' میں ہے اسے بھی وہی تحفظ ملے گا جو ''وج'' میں مال اور جائیداد کو ملے گا۔

13- ثقیف کے حلیفوں اور (مہمان) تاجروں (ثقیف کے پاس مقیم غیر ملکی تاجر) سے بھی وہی برتاؤ ہوگا جو ثقیف کے لیے ہے۔

14- اگر کوئی الزام لگانے والا ثقیف پر کسی قسم کا الزام عائد کرے یا کوئی ظالم ان پر کسی قسم کا ظلم کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی چاہے یہ (ثقیف کی) جائیداد کے بارے میں ہو یا کسی شخص کے بارے میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ظالم کے خلاف ان کی مدد کریں گے۔

15- کوئی شخص جس کو وہ نہیں چاہتے کہ ان کے علاقے میں آئے، وہ ان کے علاقے میں داخل نہیں ہوگا۔

16- بازاروں کا انعقاد اور خرید وفروخت گھروں کے صحنوں میں (بھی) ہوگی۔

17- ان کے سردار انہی میں سے منتخب کیے جائیں گے یعنی بنو مالک کا سردار اپنا (الگ) ہو گا اور احلاف کا سردار اپنا (الگ) ہوگا۔

18- انگوروں کے وہ باغ جو قریش کی ملکیت ہیں مگر ان کو پانی اہل ثقیف دیتے ہیں، ان کی نصف پیداوار پانی دینے والوں کو ملے گی۔

19- وہ قرض جو رہن پر دیا گیا اور اس پر (ابھی تک) کوئی سودا نہیں کیا گیا۔ اگر قرض دار

کے پاس (اصل زر کی فوری) ادائیگی کے وسائل موجود ہوں تو وہ ایسا کر دیں (فوری طور پر صرف اصل زر ادا کریں) اور اگر ان کے پاس ادائیگی کے وسائل نہیں ہیں تو (اس صورت میں) ادائیگی اگلے سال جمادی الاول کے مہینے تک موخر کر دی جائے۔ جب ادائیگی کا وقت آ جائے اور قرض دار ادا نہ کرے (یعنی مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھائے) تو پھر اس پر سود (بھی) واجب الادا ہوگا۔

-20 جو قیدی ان کے پاس ہے، اگر اس کے مالک نے اسے فروخت کیا تھا تو وہ (موجودہ مالک) اس کی رقم (اس کی قیمت خرید کے مطابق) کا حقدار ہے اور اگر اسے بیچا نہیں گیا تھا (تبادلے میں یا کسی اور انداز میں اس کی ملکیت میں آ گیا) تو اس کی قیمت چھ اونٹنیاں ہوں گی۔ ان میں سے نصف (تین) چار سال کی عمر کی ہوں اور نصف (باقی تین) تین سال کی عمر کی ہوں اور صحت مند اور موٹی تازہ ہوں۔

-21 جس کسی کو کوئی چیز ملے گی (گمشدہ وغیرہ) اس پر اس کا حق ہوگا۔ (وثائق نمبر 181)

:823 اس سے پہلے کہ مندرجہ بالا دستاویز کے بعض ایسے نکات کی وضاحت کی جائے جن میں کسی قسم کا ابہام پایا جاتا ہے آیئے ایک اور دستاویز کے متن پر ایک نظر ڈال لیں جو وادی ''وج'' کو تقدس عطا کرنے کا فرمان عام تھا۔ جس کا حوالہ مندرجہ بالا دستاویز کے پیرا 4 میں بھی دیا گیا ہے۔ یہ متن اس طرح تھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مومنوں کے لیے ہے۔

''وج'' کی وادی میں نہ ہی کانٹے دار درخت، نہ ہی جھاڑیاں (وصید) جو یہاں پائی جاتی ہیں کاٹی جائیں گی۔ یہاں شکار بھی نہیں کیا جائے گا۔ جو کوئی ایسا جرم کرتا پکڑا گیا اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کے کپڑے (اس سے) لے لیے جائیں گے۔ اور اگر (پھر بھی) کوئی زیادتی کرے گا تو اسے گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم ہے (وثائق نمبر 182۔ اس دستاویز کے گواہوں کا ذکر صرف ایک روایت میں ہے)۔

تحریر کنندہ: خالد بن سعید بحکم محمد بن عبداللہ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص

اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرے ورنہ وہ محمد، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم نہ ماننے پر (جو سزا ملے گی اس کا) خود ذمہ دار ہوگا۔

گواہان: علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب، حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حسینؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

824: معاہدہ کی متفقہ شقوں کو قانونی شکل دے دی گئی اور شق 4 میں وادیء طائف کے تقدس کو تسلیم کرتے ہوئے، جیسا کہ ہم نے ابھی ملاحظہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ثقیف کے وفد کو مطمئن کر دیا بلکہ اس کے لیے مسودہ قانون تیار کر کے فرمان عام کی شکل میں مشتہر کر دیا جس میں اس کی خلاف ورزی پر سزا بھی مقرر کر دی گئی۔

825: معاہدہ کی شق 6 کے تحت اہل طائف کو لازمی فوجی خدمات اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ یہ دوہری رعایت صرف اہل طائف کو نہیں دی گئی بلکہ ہمارے راوی ایسی کئی مثالیں ضبط تحریر میں لائے ہیں جن میں عرب کے کئی قبائل سے ایسے معاہدے کیے گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رعایات انہیں بھی دیں۔

(وثائق نمبر 189,181,122,94,90,84,48,34)

(ii) دوسرا معاملہ ٹیکسوں کا ہے اور سیرت نگاروں نے واضح انداز سے لکھا ہے کہ رعایت صرف باغوں اور انگوروں کے کھیتوں پر تھی (یحییٰ بن آدم، خراج صفحہ 111) اور ابو یوسف راوی ہیں کہ اہل طائف کو شہد کی پیداوار پر معمول کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔

(ابو یوسف، خراج صفحہ 40 بلاق ایڈیشن)

826: شق 8 اور 20 میں اہل طائف کی ملکیت قیدیوں (غلاموں) کا ذکر ہے۔ جہاں مالکوں کے ان قیدیوں پر حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قیمت لے کر) انہیں آزاد کرنا لازمی قرار دیدیا اور قیمت بھی مقرر کر دی (اور) انہیں (آئندہ) غلام بنانے کی ممانعت کر دی۔

827: شق 9 کا ترجمہ کرتے وقت ہم نے دو جگہ چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے ان میں سے ایک ''اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے اور اس ضمن میں جو روایات ملتی ہیں ان میں سے ایک

اضافہ میں یہ لفظ موجود بھی ہیں اوراس سے معانی اور نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ اصل اہمیت دوسرے اضافے کی ہے۔ یہ الفاظ ہیں ''جو نادہند ہو'' کیونکہ اس اضافہ کے بغیر معنویت واضح نہیں ہوتی اور خوش قسمتی سے شق 19 میں دوبارہ اس مسئلے کو زیر بحث لایا گیا جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں رہنے دیا گیا کہ جب وعدے کی تاریخ بھی گزر جائے اور قرض دار قرضہ ادا نہ کرے تو پھر وہ (اصل زر کے علاوہ) سود (بھی) ادا کرنے کا سزاوار ہوگا۔

اس پر بحث کرتے ہوئے ابن الاثیر نے لکھا ہے (ابن الاثیر، کامل ، I، 246) ''ادائیگی کے لیے میلہ عکاظ تک مہلت دے دی گئی'' ایک اور شارح کی رائے زیادہ واضح مگر کچھ نئے سوالات اٹھانے والی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس شق میں یہ الفاظ بھی شامل تھے ''اور عکاظ کے موقع پر سودی لین دین کے معاملات نمٹائے جاسکتے ہیں (یلاط بی عکاظ) اور یہ لین دین موخر نہیں کیا جاسکتا'' (ابن عبدالربہ، عقد، بلاق، I،135) معاہدے پر ماہ رمضان میں دستخط ہوئے۔ کیا ہم یہ باور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت بینکاروں (قرض دینے والوں) کے مفاد میں (میلہ عکاظ تک) دی جو آئندہ تین ماہ میں منعقد ہونے والا تھا یا پھر ہم یہ تصور کریں کہ اس اضافہ کے راوی اس حوالے سے غلطی یا غلط فہمی کا شکار ہوئے؟

828: شق نمبر 13 میں طائف میں (مقیم) بیرون طائف کے تجارتی قافلوں کا ذکر ہے۔ کیا ان سے مراد ''بین الاقوامی'' قافلے یا غیر عرب تاجر مثلاً یہودی مراد ہیں؟ راویوں نے اس حوالے سے کوئی وضاحت نہیں کی۔

829: شق 18 میں زرعی شراکتوں کا ذکر ہے جہاں مالک اور ہیں اور کاشتکار اور (یعنی زمین کا مالک اسے کاشت نہیں کرتا) اور وہ پیداوار میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ (سوال یہ ہے کہ) معاہدے میں اس شق کا شامل کرنا ایک پہلے سے مروج طریق کار کے تسلسل کی توثیق تھا یا محاصرہ کے دوران (جب اہل طائف نے مسلمانوں کو پیشکش کی تھی کہ وہ باغات تباہ کرنے کی بجائے انہیں خود سنبھال لیں) حاصل ہونے والے انگوروں کے باغات کو نئے انتظام میں دیا جارہا تھا اور اس حوالے سے مالک (اسلامی حکومت) اور کاشتکاروں کے مابین تعلقات (کار) کا باضابطہ تعین کیا جارہا تھا۔ ایسے شواہد دستیاب نہیں ہیں جن سے ان دونوں احکامات میں سے صحیح کے بارے میں یقین سے کچھ کہا جاسکے۔ جہاں تک مالک اور کاشتکار میں پیداوار آدھی آدھی تقسیم

ہونے کا مسئلہ ہے تو یہ طائف میں مروج اصول کے مطابق تھا۔ (سہیلی، II، 302)

830: معاہدے کی شق 17 کے تحت اگرچہ طائف کا گورنر انہی میں سے ہونا تھا مگر اس کا انتخاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استحقاق تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کے سب سے کم عمر رکن عثمان بن ابی ءالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علاقے کا حاکم مقرر کیا: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے تھی کہ ان کے مشاہدے کے مطابق یہ نوجوان سب سے باصلاحیت ہے۔ اس نے (چند ہی روز میں) قرآن پاک کا معتد بہ حصہ حفظ کر لیا ہے اور وہ دین کے احکام پر عمل کرنے اور سیکھنے میں دوسروں سے کہیں زیادہ ذوق شوق رکھتا ہے۔

جب وفد ثقیف نے واپسی کا قصد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان گورنر کو درج ذیل ہدایات دیں: ''نماز باجماعت کے سلسلے میں نرمی سے کام لینا اور موقع پر موجود لوگوں میں سے کمزور ترین کی ضروریات کو مدنظر رکھنا مثلاً بوڑھے لوگ، چھوٹے بچے، بیمار اور کاروبار میں پھنسے ہوئے لوگ'' (ابن ہشام، صفحہ 917)

831: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد ہی طائف کے بڑے بت لات کے انہدام کے لیے جماعت روانہ فرما دی۔ مغیرہ بن شعبہ جو خود ثقیف میں سے تھے جماعت میں شامل تھے۔ جماعت کی آمد ثقیف کے لیے بے حد صدمہ کی بات تھی اور خصوصاً توہم پرست عورتیں بہت زیادہ خوف کا شکار تھیں کہ بت کے ڈھانے سے نہ جانے کیا آفت ٹوٹے گی۔ مغیرہ کو اپنی قوم کی نفسیاتی کیفیت کا پورا اندازہ تھا اس لیے انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ ''ٹھہریں میں آپ کو تماشا دکھاتا ہوں۔'' انہوں نے بت پر پہلا گرز چلایا اور چیخ مار کر ڈھیر ہو گئے اور ہاتھ پاؤں رگڑنے لگے (جیسے تڑپ رہے ہوں) تو ہمات کے مارے ہوئے نیم مسلم ثقفی چلانے لگے۔ ''اوہ! دیوی نے مغیرہ کو مار ڈالا۔'' جب تھوڑا سا تماشا بن چکا تو مغیرہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بت کو منہدم کرنا شروع کر دیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بت خانہ کو مکمل طور پر منہدم کر دیا اور نیچے سے چڑھاووں کا جو خزانہ برآمد ہوا وہ بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیر رقم میں سے ابوالملاحیح بن عروہ (کے اہل خانہ) کی مدد کرنے کا بھی حکم دیا جو شہید ہو گئے تھے اور ان پر بھاری قرضہ تھا۔ (ابن ہشام صفحہ 918)

832: یہ بات قابل ذکر ہے کہ وفد نے جو سب سے پہلا استثنیٰ مانگا تھا وہ شراب نوشی کا تھا اور

مندرجہ بالا دونوں دستاویزات میں اس حوالے سے کچھ بھی مذکور نہیں لیکن ہمارے پاس اہل طائف کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور تحریر موجود ہے جو اس کے بعد کے دور کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''غبیرا (مکئی یا جو کی شراب) ممنوع ہے'' (''وثائق'' نمبر 183) جس سے یہ نتیجہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں انہیں کوئی رعایت نہیں دی تھی اور شراب کی ممانعت کا قانون اہل طائف پر بھی لاگو ہوتا تھا۔ یہ لوگ انگور سے بنی ہوئی شراب سے تو گریز کرتے تھے کہ ان میں سے بعض نے قرآن میں شراب کے لیے مذکور لفظ خمر کی یہ خود ساختہ توضیح کر لی کہ اس سے مراد صرف انگوروں سے بنی ہوئی شراب ہے اور اس میں دوسری اشیاء سے بننے والی شراب شامل نہیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً نیک نام گورنر کی درخواست پر وضاحت سے فرما دیا کہ (صرف انگور سے بننے والی شراب ہی نہیں بلکہ) غبیرا (Beer) بھی ممنوع ہے۔

833: آخر پر چند لفظ اس معاہدے کے گواہوں کے بارے میں۔ ہمارے راویوں کا کہنا ہے کہ دوسروں کے ساتھ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی گواہ بنایا گیا۔ (ابن سعد، i/II، صفحہ 33؛ اموال، نمبر 507) اس وقت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر صرف چار برس تھی اور وہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے تھے۔ کیا ہم یہ باور کریں کہ ثقیف کے مطالبے پر دونوں بچوں کی انگلیوں کے نشانات اس دستاویز پر لیے گئے یا کسی نے محض ان کے (ثقیف کے) کہنے پر ان تقدس مآب بچوں کے نام اس پر لکھ دیے؟

834: اب سماجی حوالے سے ایک قابل ذکر اور دلچسپ واقعہ: طائف کے ایک مکین غیلان بن سلمہ کی دس بیویاں تھیں۔ قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے جو پسند ہوں چار رکھ لو اور باقی کو طلاق دے دو (سہیلی، 303)۔ غیلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی کے زیورات اور جواہرات عرب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے (ابن ہشام)۔ اگر ہم ابن حبیب (محبر۔ صفحہ 357) کی روایت کو درست تسلیم کر لیں تو طائف میں (کم از کم) پانچ دیگر افراد ایسے رہتے تھے جن کی قبول اسلام کے وقت دس دس بیویاں تھیں۔

باب 43

دوسرے قبائل

اَز داور شہر جُرَش

835: اب کچھ ذکر طائف کے ہمسایوں کا ہو جائے۔ بالائی نجد میں طائف کے جنوب میں بہت سی وادیوں کے پانی کی گزرگاہ خطہ جرش میں سے تھی۔ ہمدانی کے الفاظ میں یہ ''قلعوں اور سر سبز کھیتوں'' یا ''انگور کے باغوں اور کنوؤں کی سرزمین'' تھی (ہمدانی صفحہ 117-118)۔ جرش قلعہ بند شہر تھا (مدینہ مغلقہ) اوراس کے مکین قدیم خانہ بدوش تھے جن کا تعلق مختلف قبائل سے تھا اور اب انہوں نے شہری زندگی اختیار کر لی تھی (ابن ہشام صفحہ 954) شہر میں یغوث کا عظیم معبد بھی تھا اور یہ مذحج قبیلے کا معبود بت تھا۔(ابن ہشام صفحہ 52، ان کے دوسرے بتوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ 54-55، 56، 254 (ذوالکفین اور ذوالخلصہ نامی مشہور بت تھے)۔ اس علاقے میں ایک خاص قسم کی بھیڑ پالی اور برآمد کی جاتی تھی۔ جس کے کان ہوتے تھے نہ دم اور نہ ہی ان کے جسموں پر بال تھے۔ یہ چھوٹے جسم اور قد کی بھیڑ حذف کہلاتی تھی (لسان) عرب کے عظیم شاعر لبید نے اپنی شاعری میں جرش کی اونٹنیوں کا ذکر کیا ہے (لسان) اس زمانے کے جدید جنگی ہتھیار یعنی منجنیق اور کھالوں سے ڈھکی گاڑیاں جو کفار عرب میں عام مستعمل تھیں اور مسلمانوں نے بھی انہیں طائف کے محاصرہ میں استعمال کیا، جرش میں ہی تیار ہوتی تھیں۔(ابن ہشام صفحہ 869، ابن سعد، 2/I، صفحہ 114)

836: اسلام اس خطے میں ابتدا میں ہی پہنچ گیا تھا بنی دوس کے طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد وہ اپنی قوم میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دیگر لوگ انہی کی

کوششوں سے مسلمان ہوئے تھے (ابن ہشام صفحہ 252-5) تاہم اس شہر کے سب ہی مکین صالح خیالات کے حامل نہیں تھے۔ بہت سے مشرک ہی رہے۔ 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طفیل بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے علاقے میں موجود ذوالکفین نامی بت کو جلا کر مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔

(ابن ہشام صفحہ 252-5، ابن سعد 2/I، صفحہ 113-114)

837: 10 ہجری کے لگ بھگ قبیلہ ازد کا پندرہ آدمیوں پر مشتمل وفد مدینہ آیا اور اپنے قبیلے کے قبول اسلام کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص صرد کو ان کا امیر بنایا اور انہیں جرش کے علاقے میں (اسلام کے لیے) لڑائی کا حکم دیا۔ صرد اپنے قبیلے میں واپس گئے اور جرش کے خلاف مہم لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اسی اثناء میں اہل جرش نے دو افراد کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کیے۔ وہ واپسی کی تیاری میں تھے کہ صرد نے جرش پر حملہ کر دیا جس سے کچھ لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے جس پر انہوں نے اسلام کے بارے میں رویہ تبدیل کر کے مسلمان ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے فوراً ایک وفد مدینہ روانہ کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے ایک فرمان حاصل کیا۔ جس کی تحریر یہ تھی:

'' قبول اسلام کے وقت جو چراگاہیں ان کی ملکیت میں تھیں وہ بدستور ان کے پاس رہیں گی اور جو شخص ان کی اجازت کے بغیر یہاں اپنے جانور چرائے گا۔ اس سے اس کی اراضی (بطور سزا) ضبط کر لی جائے گی۔ اور زہیر بن حماطہ کا جو بیٹا خثعم کے قبضے میں ہے وہ (ان سے) واپس لے لے کیونکہ یہ ان کی فتح مندی (کی علامت) ہے۔

گواہان، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس نے یہ دستاویز تحریر کی ہے۔)۔ (''وثائق'' نمبر 185)

838: ابن ہشام اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کے لوگ اپنے ازد ہمسایوں پر حملے کرتے رہتے تھے اور حرام مہینوں کی خلاف ورزی کرتے تھے (ابن ہشام صفحہ 954-955) اور مندرجہ بالا دستاویز کا آخری حصہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرد کو جس حملے کا حکم دیا تھا اس کا تعلق بھی اس قبیلے کی ایسی ہی بداعمالیوں سے تھا۔

ابن ہشام نے واضح طور پر نشاندہی کی ہے کہ جرش میں قبیلہ خثعم کے لوگ بھی آباد تھے۔

839: اس کے فوراً بعد قبیلہ خثعم کے لوگوں نے بھی ایک وفد مدینہ بھیجا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک فرمان حاصل کیا جس کے تحت ان کے علاقے میں مکمل امن بحال ہو گیا۔

''یہ فرمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبیلہ خثعم کے لوگوں کے لیے ہے اس کا اطلاق بیشہ کے شہری اور تمام خانہ بدوش لوگوں پر ہوگا۔

''تمام خون جو آپ لوگوں نے اسلام سے قبل بہایا معاف کر دیا جائے گا اس کے علاوہ جو اسلام قبول کرے گا، طوعاً و کرہاً، اور جو کوئی نرم قطعہ اراضی کا مالک ہوگا اور جو سخت قطعہ اراضی کا مالک ہوگا جو بارش سے یا شبنم سے سیراب ہوتی ہو اور جس میں کاشت کاری ہو رہی ہو۔ اور سوائے ان دنوں کے جب خشک سالی ہو یا زمین بنجر ہو اسے (مالک کو) پہلی فصل یا اس کا پہلا پھل لینے کا حق ہوگا جب کہ اگر زمین کو پانی ندی سے دیا جاتا ہو تو وہ پیداوار کا دسواں حصہ (حکومت کو) دے گا اور اگر زمین کو پانی ڈول کے ذریعے (یعنی کنوئیں سے) دیا جائے گا تو اس سے پیداوار کا اس سے نصف (یعنی بیسواں حصہ) وصول کیا جائے گا۔''

گواہان: جریر بن عبداللہ اور حاضرین

("وثائق" نمبر 186)

840: اس دستاویز کے متن سے دوسری چیزوں کے علاوہ زرعی ٹیکس کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشمندانہ پالیسی کا پتا چلتا ہے۔ ابوسفیان کو جرش کا گورنر مقرر کیا گیا جس سے اس علاقے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (قدامہ بن جعفر، خراج باب 19)

841: اس فرمان میں بیشہ کا ذکر بھی ہے اس کی زرخیز زمینوں میں دوسرے قبائل بھی جیسے باہلہ) آباد تھے۔ جس کا اظہار درج ذیل فرمان سے ہوتا ہے۔

''مطرف بن کاہن کے لیے جس کا تعلق قبیلہ باہلہ سے ہے۔ اس میں بیشہ میں رہنے والے دوسرے باہلی بھی شامل ہیں۔

''جو کوئی زمین کو قابل کاشت بناتا ہے اور اسے درختوں سے پاک کر دیتا ہے اور جس میں اونٹوں کا باڑہ ہو اور جانوروں کے آرام کی جگہ ہو اسے اس زمین کے حقوق ملکیت حاصل ہوں گے اور ان پر ہر تیس جانوروں پر (گائے بیل وغیرہ) تین سال کا ایک بچھڑا یا اس سے زیادہ عمر کا

بطور ٹیکس وصول کیا جائے گا اور ہر 40 بھیڑوں پر ایک مینڈھا بطور ٹیکس لیا جائے گا۔ اور ہر 5 اونٹوں پر ایک جوان بھیڑ بطور ٹیکس حاصل کی جائے گی۔ اور ٹیکس کلکٹر کو چراگاہوں کے سوا کسی اور چیز پر ٹیکس وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔'' (وثائق 188)

842: کم ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوش مذکورہ مثال میں صاف نظر آ رہی ہے۔

843: ایسی ہی ایک اور دستاویز قبیلہ باہلہ کی شاخ بنی وائل کے لیے لکھی گئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف نمازوں اور ٹیکس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا بلکہ مشرکوں سے تعلقات منقطع کرنے کا بھی حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحفظ کی یقین دہانی کروائی اور انہیں فوجی خدمات اور زرعی ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا اور ان کا گورنر انہی میں سے مقرر کرنے کا مطالبہ بھی تسلیم کر لیا۔ اس دستاویز کے لکھنے والے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مذکور ہے۔

بنو غطفان

844: سُلیم کی طرح غطفان بھی ''تین پارے کے چولہے'' یعنی ''چولہے کے تین پتھروں'' میں سے ایک کی حیثیت سے کم و بیش آخر تک اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے اور وجو بات بھی بڑی حد تک وہی تھیں جنہوں نے سلیم کو مسلم دشمنی پر ثابت قدم رکھا۔

845: یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عرب کے سب سے بڑے قبائل میں شمار ہونے کے باوجود غطفان خانہ بدوش تھے اور ان کی کوئی شاخ یا حصہ شہروں میں مقیم نہ تھا۔ ان کی آبادیاں خیبر سے جنوب میں مکہ کے مضافات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ نجد بھی ان کی آبادی کے بیچوں بیچ واقع تھا۔ ان کی تاریخ ان کے سردار عیینہ بن حصن کے خصوصی ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتی جسے یقیناً جنگجوئی ورثے میں ملی تھی۔

ابن حبیب لکھتے ہیں (محبر صفحہ 248-249) کہ بکر بن وائل کے ساتھ غطفان کی معرکہ آرائی کے دوران ''یوم خنان'' پر ان کی قیادت عمرو بن جنیہ نے کی جب کہ اس کے بیٹے بدر بن عمرو نے بنو اسد کے خلاف لڑائی میں اپنی قوم کی قیادت کی اور اس کا بیٹا حذیفہ بن بدر الفصار

اور الجفار کی لڑائیوں میں اپنی فوج کا کمانڈر تھا جو آخر کار داحس کی جنگ میں دشمن سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ عیینہ جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اسی عظیم حذیفہ کا پوتا تھا۔ غطفان عورتیں بھی میدان جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھاتی تھیں۔ بدر بن عمرو کی پوتی ام قرفہ فاطمہ اور اس کی بیٹی ام زمل جنگجویانہ خصائل میں کسی طور مردوں سے کم نہ تھیں۔

(محبر صفحہ 461-462، 490، طبری، I، 1991-2)

846: عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح دوسرے قبائل کے لوگ بھی غطفان کی آبادیوں میں مقیم تھے اور اسی طرح غطفان بھی مختلف قبائل کی آبادیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ مثلاً عوف بن لوی ء جس کا تعلق مکہ سے تھا غطفان میں آباد تھا اور لقیط بن عبد قیس مدینہ میں بنوظفر کے پاس مقیم تھا۔ (محبر صفحہ 169، 412) غطفان نخلہ کے مشہور بت عزیٰ کی پوجا کرتے تھے۔ اس بت کدہ کے مجاور کا تعلق بنوصرمہ بن مرہ کے خاندان سے تھا (محبر صفحہ 315-267) عکاظ کا مشہور میلہ وہاں قریب ہی لگتا تھا اور قدرتی طور پر میلے کے شرکاء میں غطفان کی بڑی تعداد شامل ہوتی تھی۔

847: غطفان کی مختلف شاخوں میں فُزارہ، اشجع، محارب، ثعلبہ اور مرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نمایاں اور معروف تھے۔ فزارہ تعداد کے حوالے سے، سب سے بڑے شمار ہوتے تھے۔ اپنی طاقت کے حوالے سے بھی مشہور تھے اور ان کے گھڑسواروں کا چارسو چرچا تھا عیینہ بن حصن الفزاری عربی ادب میں دو ناموں سے معروف تھا: ابن اللقیطہ (چھوڑی ہوئی لڑکی کا بیٹا) اور ''احمق المطاع'' احمق سردار یا (احمق جس کی اطاعت کی جائے)۔ پہلے نام کی توضیح کئی انداز سے کی گئی ہے اور اتنی اہم نہیں اور دوسری عرفیت جس کا خالق کوئی گمنام شخص تھا اس کی پوری زندگی اور کیریئر کا حوالہ ہے۔ اس حوالے سے ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں۔ (سہیلی، II، 187-188) ایک روز وہ (غالباً بغیر اجازت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہو گیا اور وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا اور بولا ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ خوبصورت گلاب (حمیرا) مجھے دے دو اور اس کے بدلے میں میری جس بیوی پر ہاتھ رکھ دو تمہاری ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ''احمقانہ'' تجویز فوراً مسترد کر دی۔

848: نبوت کے دسویں سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر مختلف علاقوں سے آنے والی زائرین کی جماعتوں سے اپنے لیے پناہ طلب کی تو ان میں فزاری بھی شامل تھے مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا بھی حوصلہ افزائی نہ کی۔ (ابن سعد، i/I، صفحہ 145) ہجرت کے بعد تیسرے سال کے اوائل کا ذکر ہے کہ اہل مدینہ کو معلوم ہوا کہ محارب اور ثعلبہ، محارب سردار دعثور کی کمان میں مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 450 افراد کی ایک مہم لے کر جس میں متعدد گھوڑے بھی تھے، ذوامر کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں دشمن کا ایک شخص ہاتھ لگ گیا یہ جبار ثعلبی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے ہی قبیلہ کے خلاف مسلم فوج کی رہنمائی کی جنہوں نے اچانک دشمن کو جا لیا تاہم یہ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس مقام پر (ذوامر) ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کی کوشش ہوئی جس کا ذکر ہم پیرا 783 اور 783bis میں کر چکے ہیں۔

849: 4 ہجری کے اواخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محارب اور ثعلبہ کے خلاف کارروائی کے لیے غزوہ ذات الرقاع کے لیے روانہ ہوئے۔ (ابن ہشام۔ 5-661) دشمن نے بڑی تعداد میں فوج جمع کر رکھی تھی مگر دونوں فریق ایک دوسرے سے خوفزدہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اس حالت میں نماز پڑھی کہ ایک جماعت نماز ادا کرتی تھی تو دوسری ہتھیار بند چوکس کھڑی رہتی تھی (صلوٰۃ الخوف) جس کا طریقہ خود قرآن پاک میں بتایا گیا ہے۔
(4-101/4)

واپسی کے سفر میں دشمن کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں کبھی کبھی آ کر مسلم فوج کو ہراساں کرنے کی کوشش کرتیں۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا وہ قدرے خطرناک تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو افراد عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہرے پر مامور فرمایا جو باری باری ڈیوٹی دے رہے تھے۔ ایک نے نماز شروع کر دی۔ دشمن نے موقع دیکھ کر تیر کھینچ مارا جو نماز پڑھتے ہوئے پہریدار کو لگا مگر اس نے نماز جاری رکھی۔ دشمن نے یہ سمجھ کر کہ اس کا نشانہ خطا ہو گیا ایک اور تیر چلا دیا یہ بھی اس کے جسم میں پیوست ہو گیا مگر نماز میں اس کی محویت ختم ہوئی نہ ہی اس نے کوئی ایسی حرکت کی کہ دشمن کو اندازہ ہوتا کہ اسے تیر لگ چکا ہے

چنانچہ اس نے تیسرا تیر چلایا۔ تیسرا تیر کھانے کے بعد اس نے ساتھی کو آواز دیکر بتایا اور کہا کہ اگر اس کے ذمہ پہریداری جیسا نازک کام نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی نماز نہ روکتا چاہے تیروں کی بارش اس کے لئے موت لے آتی۔

راوی اس سفر کے دوران پیش آنے والے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ دوران سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ طویل سفر کے باعث علیل ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توجہ فرمانے سے وہ بعدازاں ٹھیک ہوگیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ تفنن جابر سے کہا ''جابر کیا یہ اونٹ مجھے بیچتے ہو''

''ضرور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے مگر اس شرط پر کہ میں مدینہ واپس پہنچ کر اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوں گا۔''

''قیمت کیا لو گے؟''

''اس کا فیصلہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کریں گے۔''

''ایک درہم کافی ہوگا؟''

جابر سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مزاح کے موڈ میں ہیں اس لئے اسی انداز میں جواب دیا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لوٹنا چاہتے ہیں؟''

''اچھا تو چلو دو درہم لے لو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل ظاہری سنجیدگی سے کہا

آہستہ آہستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیمت بڑھاتے بڑھاتے ایک اونس چاندی یعنی 40 درہم تک چلے گئے جس پر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مان گئے اور سودا طے ہوگیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے گھر کے متعلق باتیں شروع کر دیں اور پوچھا کہ آیا ان کی شادی ہو چکی ہے؟۔

''جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔''

''دلہن کنواری تھی یا شوہر دیدہ؟''

''نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری تو نہیں تھی'' جابر بولے

''تم نے کم عمر لڑکی سے شادی کیوں نہ کی تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے؟'' رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جانتے ہیں میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور میری سات بہنیں یتیم رہ گئی تھیں میں ایک ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جو گھر کے معاملات کو بخوبی سنبھال سکتی ہو اور میری بہنوں کی بھی دیکھ بھال کر سکے'' جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت کی ''تم نے بہت اچھا کیا جابر'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''واپسی پر ہم تمہاری شادی کی خوشی منائیں گے اور چند اونٹنیاں ذبح کر کے دوسروں کی ضیافت کرینگے۔''

واپسی پر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ اپنی بیوی کو سنایا۔ اس نے اصرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو مذاق نہ سمجھیں جس پر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا اونٹ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے جابر کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر اپنے ذاتی خزانچی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت کی کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنی رقم دے دیں اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اونٹ بھی اپنے پاس ہی رکھیں۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقررہ سے کچھ زیادہ ہی رقم دے دی۔ یہ اونٹ بعد میں 40 سال زندہ رہا۔ راوی نے اس حوالے سے مزید تفصیل تو نہیں بتائی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً ضیافت کا بھی اہتمام کیا ہوگا۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر کسی کو یہ کہانی سناتے ایک دن جب انہوں نے ایک یہودی کو ساری تفصیل سنائی تو بقول ابن راھویہ اور ابویعلیٰ ''بحوالہ ابن حجر، مطالب نمبر 3827'' وہ کہنے لگا۔ ''کیا؟ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت بھی دیدی اور اونٹ بھی واپس کر دیا؟۔''

850: غطفان کی دو شاخیں اشجع اور عامر بن عکرمہ تجارتی قافلوں کی گزرگاہ پر آباد تھیں اور یہ قافلے ان کی روزی کا وسیلہ تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمال کی طرف جانیوالے قریش مکہ کے قافلوں پر مدینہ کے پاس سے گزرنے پر پابندی عائد کر دی تو یہ قبائل بھی بحران کی زد میں آ گئے چنانچہ انہوں نے وفود مدینہ بھجوائے اور مسلمانوں سے حلیفانہ معاہدے کیے۔

(ابن سعد، ii/I، صفحہ 48-49)

قبیلہ اشجع سے جو معاہدہ کیا گیا اس کا متن اس طرح تھا۔

''یہ وہ (معاہدہ) ہے جن پر حلف کے تحت نعیم بن مسعود بن رخیلہ الاشجعی (رضی اللہ

تعالیٰ عنہ) نے رضامندی ظاہر کی ہے۔

وہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ضرورت پڑنے پر) آپ کی مدد کو پہنچنے اور مخلصانہ مشورہ دینے پر مان گیا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت تک موثر ہوگا جب تک کوہ احد اپنی جگہ پر قائم ہے اور سمندر میں صوفہ (بال یا گھونگا) تر کرنے کے لیے کافی (بوند بھر) پانی باقی رہے گا"

تحریر کنندہ: علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (وثائق نمبر 162)

851: مذکورہ تحریر میں یہ حوالہ نہیں کہ یہ کس موقع پر لکھی گئی۔ تاہم نفس مضمون سے ہجرت کے ابتدائی برسوں کا اندازہ ہوتا ہے اور نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ خندق کے موقع پر دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کا جو شاندار کارنامہ انجام دیا ہے وہ معروف ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غطفان کے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے تاہم اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام پر ثابت قدم رہے ("وثائق" نمبر 271,270)

بستر وصال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسعود کو مرتدین کے خلاف ایک اہم مہم کی کمان سونپی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر جب مسلمانوں کے خلاف قریش اور یہودی گٹھ جوڑ کر چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دومۃ الجندل کے خلاف غزوہ کی کمان کر رہے تھے تو غطفان کا علاقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں پڑتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد تھا کہ چند ہفتے قبل جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق کے خلاف مہم لے کر جارہے تھے تو شدید خطرہ محسوس کیا جارہا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر غطفان سردار عیینہ بن حصن مدینہ پر حملہ کردے گا کیونکہ مدینہ فوج سے خالی تھا (مقریزی، ا، 204) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرہ ٹالنے کے لیے معاہدہ دوستی کرنے کے لیے غطفان سے رابطہ کیا۔ اگرچہ مقریزی کا اصرار ہے کہ اس موقع پر معاہدہ ہوگیا تھا (مقریزی صفحہ 194) تاہم انہوں نے اس کی کوئی تفصیل نہیں دی۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت اور مصلحت کے تحت اس نوعیت کا کوئی تاثر دیا ہو کیونکہ عیینہ ایک بے اصول اور غیر ذمہ دار شخص تھا اور اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اس کے چند ہی روز بعد (جنگ خندق میں) عیینہ اپنے فوجی دستے لے کر مدینہ پہنچ گیا اور محاصرے میں شریک ہوگیا۔ غطفان کا پڑاؤ احد کے نزدیک بنو حارثہ کی آبادی کے بالمقابل تھا۔ (مقریزی 229)۔ غطفانی فوج میں تین سو شہ سوار بھی تھے' ور ایک مرحلہ پر تو عیینہ اپنے چند

ساتھیوں کے ہمراہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق عبور کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ یاد رہے اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ کے ساتھ الگ سے معاملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

852: جنگ خندق کو ابھی چار ہی ماہ گزرے تھے کہ غطفان نے مدینہ کے نواح میں ایک چھاپہ مار کارروائی کر کے مسلمانوں کی بیس اونٹنیاں پکڑ لیں نگران چرواہے کو (جو ابوذر غفاریؓ کے بیٹے تھے) قتل کر دیا اور اس کی بوڑھی والدہ کو پکڑ کر لے گئے۔ اس کارروائی کے لیے 40 غطفانیوں کی قیادت عیینہ (یا اس کے بیٹے) نے کی۔ شاید یہ چھاپہ مار کارروائی جنگ خندق میں اس کے ساتھ معاہدہ کی بات چیت کے دوران اس کی شرائط تسلیم نہ کیے جانے کے خلاف انتقاماً کی گئی جس کا ذکر ہم باب 25 میں کر چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابی کارروائی کی جس کے دوران سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی ایک مسلمان نے بڑی شجاعت اور ناموری دکھائی انہوں نے گھوڑوں پر بھاگتے ہوئے دشمن کا پیادہ پا تعاقب کیا اور وہ اتنے تیز رفتار تھے کہ دشمن کو جا لیا اور ان پر تیروں کی اس طرح بوچھاڑ کی کہ وہ نصف اونٹنیاں چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔ تعاقب کے دوران مسلمانوں نے صلوٰۃ الخوف ادا کی اور شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے واپس لی جانے والی کچھ اونٹنیاں ذبح کر کے ساتھیوں کے کھانے کا انتظام کیا۔ پانچ روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ چند روز بعد ابوذر کی بیوی بھی موقع پا کر دشمن کی قید سے آزاد ہو کر ایک مسروقہ اونٹنی پر واپس آ گئیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا ماجرا سنایا۔ کہنے لگیں "یا رسول اللہ! میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے زندہ سلامت واپس لے گیا تو میں اس اونٹنی کو ذبح کر کے اس کا جگر کھاؤں گی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا "کیسی بری قسم کھائی ہے تم نے، اونٹنی تو تمہاری ہے بھی نہیں اور پھر تم کو یہ (دشمن سے) بچا کر لائی ہے اور تم اسے ذبح کرنے پر تلی بیٹھی ہو۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ۔ ایسی قسموں کی پابندی ضروری نہیں"۔

(مقریزی صفحہ 262۔ ابن ہشام 619)

مقریزی کی روایت ہے کہ کچھ عرصہ بعد عیینہ کا ایک بھتیجا مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اونٹنی تحفہ میں پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہ اونٹنی ان اونٹنیوں کے ساتھ تھی جو عیینہ چھاپہ مار کارروائی کے دوران بھگا لے گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تبسم فرمایا تاہم اونٹنی قبول کر لی اور مہمان کو کچھ رقم عطا کر دی۔

(مقریزی I،263)

853: رمضان 6 ہجری میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تجارتی قافلہ لے کر جا رہے تھے کہ غطفان کے علاقے میں ان پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا۔ ان کے تمام ساتھی شہید کر دیئے گئے اور سامان لوٹ لیا گیا۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی حالت میں واپس مدینہ پہنچے اور بعد میں جب وہ صحت یاب ہو گئے تو اس کارروائی کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سریہ روانہ کیا اس کی کمان حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی سونپی۔ دشمن سے ٹکراؤ وادی القریٰ میں ہوا لڑائی کے دوران مسلمانوں نے ان کی نامور جنگجو ام قرفہ اور اس کی بیٹی جاریہ کو قیدی بنا لیا۔ ام قرفہ قبیلہ کے سردار عیینہ کی عم زاد تھی (کزن)۔ اس کے تیرہ بیٹے تھے۔ اور غطفان میں اسے اس قدر احترام حاصل تھا کہ جب اس کا نقاب (اوڑھنی) غطفانیوں کے سامنے لایا گیا تو ان کے پاس جنگ بند کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ام قرفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور وہ اپنے قبیلے والوں کو اکثر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بھڑکاتی رہتی تھی۔ اس لیے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر اسے سزائے موت دے دی گئی۔ اس کارروائی سے قدرتی طور پر غطفان کو سخت صدمہ پہنچا۔ (محبر، صفحہ 461-462,490، ابن سعد I/2 صفحہ 65، ابن ہشام 797-8، سہیلی II،360-61)

اس کے بعد ابو رافع نے جو خیبر کا ایک سر کردہ شخص تھا غطفان سے مل کر انہیں مدینہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی ترغیب دی۔ اس کا علم ہونے پر مدینہ سے خفیہ طور پر ایک ایجنٹ کو روانہ کیا گیا (جو خیبر کے علاقے کو بہت اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اس کی رضاعی ماں کا تعلق اسی شہر سے تھا)۔ جس نے ابو رافع کو قتل کر دیا (ابن سعد کے مطابق (I/2 صفحہ 66) یہ ایجنٹ عبداللہ بن عتیک عبرانی زبان بولتا تھا۔ مقریزی، 186)۔ اس کے چند ماہ بعد اسیر بن زارم نے جو خیبر کا ہی ایک اور سر کردہ یہودی تھا اس کا بدلہ لینے کے لیے غطفان کے کچھ لوگوں کو لالچ دے کر مامور کیا مگر اس دوران وہ خود ہی مارا گیا۔ (ابن سعد I/2 صفحہ 66-67، مقریزی I، 271)۔

(سمہودی کے مطابق یہ واقعہ خیبر کے نواح میں شہر سے چھ میل دور شبار کے مقام پر ہوا۔

دوسرا ایڈیشن صفحہ 1165)

854: 7 ہجری کے اوائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے خلاف کارروائی کی۔ خیبر کا راستہ غطفان کے علاقے سے جاتا تھا۔ (مسلمانوں سے دشمنی کی بنا پر) یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ غطفان فوری طور پر یہودیوں کی مدد کے لیے پہنچے۔ ان کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان کو غیر جانبدار رکھنے کی بڑی کوشش کی اور اس کے بدلے میں کچھ مفادات کی بھی پیش کش کی لیکن غطفان پر جذبات غالب آ چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہ سنی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تدبیر کی کہ غطفان کو شبہ ہوا کہ مسلمان غطفان کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے واپس آ گئے اور پھر فتح خیبر تک انہیں اپنے علاقے سے نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (طبری، I، 1576، مقریزی I، 313)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ گئے تو عیینہ بھی پہنچ گیا اور ان مفادات کا مطالبہ کیا جن کی پیش کش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غیر جانبدار رہنے کی صورت میں کی تھی۔ مگر اس کا مطالبہ منظور نہ ہوا اور اس کی یہ مہم بے سود ثابت ہوئی۔

855: اسی سال شوال میں غطفان کے مسلمان ہو جانے والے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچائی کہ ان کے قبیلے کے لوگ مدینہ پر حملہ کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور عیینہ نے ساتھ شامل ہونے کا وعدہ کیا ہے چنانچہ ان کی راہ روکنے کے لیے بشیر بن سعد (بعض سیرت نگاروں کے مطابق بشیر بن کعب مترجم) انصاری کی کمان میں ایک مہم روانہ کی گئی اس کا رخ خیبر اور وادی القریٰ کے درمیانی علاقے (یمن اور جبار الجناب) کی جانب تھا۔ یہ دشمن کے دو آدمیوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے جنہیں مدینہ لایا گیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا (مقریزی، I، 335-336).

یہ تو حقیقت ہے کہ ایسا اسلام قابل اعتبار نہیں ہوتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ایک اصول تھا اور پھر یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوسرا راستہ نہ تھا۔ خطرہ مول لینا ہی تھا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی سے سخت دل بدو بھی موم ہو جاتے تھے تاہم اب عیینہ کی مخاصمانہ روش زیادہ دیر جاری نہ رہ سکی اور اس نے خود ہی اسلام قبول کر لیا۔

856: شعبان 8 ہجری میں 15 افراد پر مشتمل ایک مہم قبیلہ محارب کے سرکشوں کو سزا دینے کے لیے ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں خضرہ کے علاقے کو روانہ کی گئی (ابن سعد I/2، صفحہ 95-96، مقریزی I، 335) چند ہفتے بعد انہیں ایک بار پھر بطن اضم کے علاقے میں بھیجا گیا (ابن سعد، I/2، صفحہ 96) جو مدینہ سے شام جانے والی سڑک پر تقریباً تین دن کے سفر پر واقع ہے۔ اس سریہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی توجہ ادھر مبذول ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ پر لشکر کشی کی تیاری کر رہے تھے۔

857: اس کے اگلے مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑی فوج لے کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس مہم کی راز داری کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سے زیادہ اہتمام فرمایا تھا اور راستے میں جن فوجی دستوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شمولیت کرنا تھی انہیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر تیاری کی حالت میں منتظر رہیں انہیں موقع پر ساتھ لے لیا جائے گا۔ عیینہ، العرج کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملا مگر اس کے ساتھ اپنے قبیلے کا کوئی فوجی دستہ نہ تھا جس کا بعد میں اسے بہت قلق ہوا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگ اپنے ساتھ قابل ذکر تعداد میں رضا کار لے کر آئے انہیں ہی ان پر سردار مقرر کر دیا تھا۔ (مقریزی، I، 365-366) مکہ پر پرامن قبضہ کے بعد جلد ہی مسلمانوں کو مکہ سے نکل کر دفاعی کارروائی کے طور پر ہوازن کے خلاف جانا پڑا۔ جنگ کے دوران عیینہ نے مطالبہ کر دیا کہ اسے اپنے ساتھی (عامر بن الاضبط الشجعی) کا خون بہا دیا جائے کیونکہ بطن اضم کی مہم کے دوران اسے مسلمان ہونے کے باوجود قتل کر دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (اس کا) یقین دلایا۔ (مقریزی، I، 356، 414)۔ س کے چند روز بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو عیینہ نے اپنے ایک ساتھی کے سامنے بڑ ماری کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آیا ضرور ہے مگر اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ مال غنیمت میں اسے (لونڈی کے طور پر) ایک ثقفی لڑکی ہاتھ آ جائے (ابن ہشام صفحہ 874)۔ طائف سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کا مال غنیمت تقسیم کر دیا تھا کہ ان کے وفد کی آمد پر جب ان کی استدعا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدی واپس کرنے پر رضامند ظاہر کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر تمام

مسلمانوں نے اپنے اپنے قیدی واپس کر دیئے مگر دو افراد نے انکار کر دیا جن میں سے ایک عیینہ تھا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا کہ تمام قیدی بلا استثنیٰ واپس کیے جائیں اور جن لوگوں کو اعتراض تھا ان سے وعدہ کیا کہ ان کے نقصان کی تلافی سرکاری خزانہ سے کر دی جائے گی۔ (ابن ہشام 878)

858: اگلا سال یعنی 9 ہجری اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی مصروفیت کا سال تھا کہ پورے عرب سے مختلف قبائل کے وفود کا تانتا بندھ گیا جو جوق در جوق آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور اپنے قبیلہ کے قبول اسلام کی اطلاع دے کر وفاداری نبھانے کا عہد کرتے۔ ان میں غطفان کا وفد بھی تھا جو خارجہ بن حصن کی سرکردگی میں آیا تھا۔ یہ شخص عیینہ کا قریبی عزیز تھا۔ وفد نے اپنے علاقے میں قحط اور خشک سالی کی شکایت کی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی۔ (ابن سعد، II/I صفحہ 42) اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ملک میں ٹیکس نافذ کر دیئے اور عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاص کو غطفان کے لیے ٹیکس کلکٹر بنا کر بھیجا (مقریزی I، 433) اسی دوران بنو تمیم نے ٹیکس وصولی کی مزاحمت کی اور ٹیکس کلکٹر کے خلاف مسلح ہو کر کھڑے ہو گئے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی تو عیینہ نے جو وہاں موجود تھا منکرین زکوٰۃ (ٹیکس) کو سزا دینے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی جس پر عیینہ اپنے قبیلے کے 50 مسلح افراد کو لے کر مہم پر روانہ ہو گیا۔ اس کی تفصیلات باب ''تمیم'' (باب 35) میں گزر چکی ہیں۔

859: اس کے ایک سال بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو عیینہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا اور طلیحہ اسدی کی جھوٹی نبوت پر ''ایمان'' لے آیا۔

تاہم اس کے ارتداد کا عرصہ طویل نہ تھا اور اس کا دوبارہ مسلمان ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوش ایمانی اور استقامت کا مرہون منت تھا جنہوں نے ہر قسم کی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر منکرین اسلام اور زکوٰۃ کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کی اور ان کی کمر توڑ دی اور اس طرح یہ فتنہ ابتدا میں ہی دب گیا۔

خالد سیف اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین کے خلاف کارروائی کے دوران عیینہ کو گرفتار کر لیا اور اسے مدینہ بھجوا دیا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے سزائے موت دینا چاہتے تھے مگر

عیینہ نے چرب زبانی سے انہیں اس کارروائی سے باز رکھا۔ اس نے کہا "ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری منافقت کے باوجود مجھے برداشت کیا لیکن اب میں سچے دل سے توبہ کرتا اور اسلام قبول کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو اجر دے گا۔" ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رحم کھا کر اسے معاف کر دیا اور آزاد کر دیا۔

860: یہ تھی اس قبیلے کی بوقلموں کہانی جس نے ابتدا میں اسلام کے لیے اس قدر پریشانیاں پیدا کیں۔

قبیلہ طے

861: اس قبیلے کا تعلق یمن سے تھا اور عربوں کے ترک وطن کی تاریخ میں سب سے سنسنی خیز مہمات اس قبیلے سے منسوب کی جاتی ہیں اور قبیلہ کے نام "طے" سے تازی، تاجک، تاشی جیسے کتنے ہی نام نکلے ہیں جو وسطی اور مشرقی ایشیا کی زبانوں میں عربوں کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ 9 ہجری سے قبل اسلام اور اس قبیلے میں کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

قبیلے کے کچھ لوگ وسطی عرب خصوصاً نجد میں آباد تھے اور دو پہاڑی سلسلے سلما اور اجاء قبیلہ طے کے پہاڑ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ عربوں کے حرمت والے مہینوں پر یقین نہیں رکھتے تھے اور ان کی رہزنی اور لوٹ مار کی وارداتیں ایام حج میں بھی نہیں رکتی تھیں جس کی بنا پر عرب انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی ہے کہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کے اس قبیلے نے ہی حاتم طائی جیسے شخص کو جنم دیا جس کی فراخدلی اور فیاضی کی داستانیں عرب کے طول و عرض میں لوک کہانیوں کی طرح مشہور تھیں۔

862: فتح مکہ کے بعد بہت سے قبائل کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب ملی اور انہوں نے اپنا مستقبل اسلامی مملکت سے وابستہ کر لیا۔ 9 ہجری میں جسے تاریخ میں عام الوفود (وفود کا سال) کا نام دیا گیا ہے جو قابل ذکر وفود مدینہ آئے ان میں قبیلہ طے کا وفد بھی تھا اور اس وفد میں ایک شخص زید بھی تھا جو زید الخیل (زید گھوڑا) کی عرفیت سے مشہور تھا۔ اس کا یہ نام کیوں پڑا اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی خاص خاص باتیں بتائیں اور وہ مسلمان ہو

گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سابقہ نام کا ہم وزن نیا نام زید الخیر تجویز کیا اور اس موقع پر یہ بھی فرمایا ''جب بھی کسی عرب کی کسی وجہ سے فضیلت سنی اور بعد میں اس سے ملاقات ہوئی تو مجھے یہ ہمیشہ محسوس ہوا کہ اس سے یہ خصوصیت منسوب کرتے وقت مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے لیکن تمہاری خصوصیت میں مجھے کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا۔'' (ابن ہشام صفحہ 947)۔ (روایت ہے کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نام ان کی شہ سواری پر دیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے علاقہ فید سمیت کافی زرعی زمین عطا فرمائی جو بہت زرخیز تھی (''وثائق'' نمبر 201)

زید کی کہانی دو روایات پر مبنی ہے۔

ایک کے مطابق زید نے خود اپنا بت جس کا نام فلس تھا مدینہ جانے سے قبل ہی منہدم کر دیا تھا اور اس کے چڑھاووں میں سے دو تلواریں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کی تھیں۔ (سہیلی II، 342) جب کہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ جائیں اور بت منہدم کر کے اس کا خزانہ ضبط کر کے ساتھ لے آئیں۔ (ابن ہشام صفحہ 56، ابن سعد I/2، صفحہ 118)۔ بعض روایات کے مطابق زید کو قبول اسلام کے بعد زیادہ دیر جینا نصیب نہ ہوا بلکہ مدینہ سے واپسی پر راستے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا جب کہ بعض دیگر روایات میں ہے کہ وہ تا دیر زندہ رہے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مرتدین کے خلاف لڑائیوں میں سرگرم حصہ لیا۔

863: قبیلے طے کے مشہور سردار حاتم کے بیٹے عدی نے اس وقت راہ فرار اختیار کر لی تھی جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ پر چڑھائی کی۔ وہ مسیحی مذہب کا پیروکار تھا اس لیے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ شام کے زیر نگیں فلسطین میں آباد ہو گیا تاہم فرار ہوتے وقت وہ اپنی بہن (غالباً صفانہ) کو ہمراہ نہ لا سکا جو قیدی بنا لی گئی اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی مدینہ لایا گیا۔ جب اس کا سامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو اس نے کہا ''میرا باپ فوت ہو چکا ہے۔ اور بھائی اپنی جان بچانے کے لیے مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میرے ساتھ احسان کیجئے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کرے گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اسے آزاد کر دیا اور ایک قافلے کے ہمراہ جو ان کے علاقے میں جا رہا تھا سواری کے لیے اونٹ اور زاد راہ دے کر رخصت کر دیا۔ بعد میں وہ اپنے بھائی کے پاس شام چلی گئی اور اسے چھوڑ کر بھاگ آنے پر

لعنت ملامت کی اور پھر اپنے ساتھ بیتنے والا واقعہ سنا کر اصرار کیا کہ وہ بھی مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اس نے کہا ''اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی پیغبر ہوئے تو ان کے ماننے والے جلد ہی سرفراز ہوں گے اور اگر محض بادشاہ ہوئے تو تمہارے اظہار اطاعت سے تمہاری کوئی توہین نہیں ہوگی۔''

عدی رضامند ہو گیا اور مدینہ کی راہ لی۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے وہ وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنا تعارف کرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور نماز کے بعد عدی کو اپنے حجرے میں لے گئے۔ گھر میں داخل ہونے سے قبل ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک کر کوئی مسئلہ بیان کیا اور بڑی طوالت میں بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دل جوئی کی خاطر بغیر ماتھے پر بل لائے اس کی بات سنتے رہے۔ عدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن عمل سے سمجھ گیا کہ یہ بادشاہوں کا طریق تو نہیں ہوتا کہ راہ چلتے انہیں کوئی بھی روک لے جب اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں موجود واحد گدا عدی کو دے دیا اور خود فرش پر تشریف فرما ہو گئے۔ عدی یہ دیکھ کر اور بھی مائل ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا اور اس کی تعلیمات کی وضاحت کی اور پوچھا کہ ''اسلام قبول کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ اگر تم سمجھتے ہو کہ مسلمان غریب ہیں تو جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے کہ (وہ اتنے خوشحال ہو جائیں گے) ان میں کوئی صدقات لینے والا نہ ہوگا اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کمزور ہیں تو تم جلد ہی دیکھو گے کہ ایک اکیلی عورت حج کے لیے قادسیہ (عراق) سے مکہ کا سفر کرے گی اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ (بعض روایات میں قادسیہ کی جگہ حیرہ آتا ہے یہ دونوں شہر ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور نہیں ہیں۔ مترجم) اور اگر تم سمجھتے ہو کہ دوسروں کے پاس مسلمانوں سے بڑی سلطنتیں ہیں تو تم جلد ہی دیکھ لو گے کہ بابل کے سفید محلات کے دروازے مسلمانوں پر کھلنے والے ہیں''۔

عدی نے اسلام قبول کر لیا اور طویل عمر پائی اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح لوگ (اسلام کی برکت سے) ان علاقوں میں جہاں کبھی قبیلہ طے کے لٹیروں کا راج ہوتا تھا بے خوف و خطر سفر کرتے ہیں اور پھر اس نے یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسلمانوں نے کس طرح ساسانی سلطنت پر قبضہ کیا (ابن ہشام) صفحہ 947، 950 بخاری 23/25/61)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب قبیلہ طے کے ذیلی قبیلے بنومعن نے اسلام قبول کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ کیا اس کے تحت نہ صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کی پابندی ان پر لازمی قرار دی گئی بلکہ سڑکوں پر امن وامان کے قیام کا بھی انہیں ذمہ دار قرار دیا گیا تھا اور انہی شرائط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس قبول اسلام کے وقت موجود املاک کی توثیق بھی فرمائی تھی۔("وثائق" نمبر 196)

864: اس قبیلے کی مختلف شاخوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختلف فرامین جاری فرمائے ان میں سے دس ریکارڈ پر موجود ہیں("وثائق" نمبر 193-201)۔ان میں سے پانچ کے متن کم وبیش یکساں ہیں۔جن میں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحفظ کی یقین دہانی کرائی اور جو املاک قبول اسلام کے وقت ان کے تحویل میں تھیں وہ بدستور ان کے پاس رہنے کی توثیق فرمائی تو دوسری طرف ان سے نماز ادا کرنے ،ٹیکس (زکوٰۃ) دینے اور رشتہ داروں سمیت مشرکین سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ کیا۔

بنواجا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستاویز دی اس میں شہریوں اور اہل بادیہ (خانہ بدوشوں) کے مساوی حقوق کو تسلیم کیا گیا۔ان میں سے تین فرامین میں ''بھیڑوں کے صبح کو چرنے کے لیے نکلنے والے ریوڑوں کو رات ان کے علاقے سے باہر (بھی) گزارنے کی اجازت عطا کی گئی''۔اس کا شاید مفہوم یہ تھا کہ طائی اپنی بھیڑیں اپنے مخصوص علاقے سے باہر کی چراگاہوں میں چرنے کے لیے لے جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حدود کا تعین اس طرح کیا کہ فاصلہ اس قدر رہو کہ بھیڑیں صبح سے شام تک جہاں پہنچ سکیں (یعنی اتنی وسیع چراگاہیں عطا کیں کہ اگر رات باہر گزارنا چاہیں تو مشکل درپیش نہ ہو)۔

بنواسد

865: بنواسد طے کے ہمسایہ تھے۔یہ بھی ایک بڑا قبیلہ تھا۔یہ قدرے ترقی یافتہ قبیلہ تھا اور ان کا تہذیبی معیار بھی نسبتاً بلند تھا کیونکہ یہ بنواسد ہی تھے جن میں عرب بادیہ نشینوں کے پہلے لوہار ہالک بن اسد نے جنم لیا جو عرب کے مشہور قبیلے بنوالقین (لوہار کے بچے) کا جد امجد تھا (لسان)

866: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کو جو فرمان عطا کیا وہ انتہائی اہمیت کا حامل

ہے۔اس کے مندرجات یہ تھے:

''مزید برآں طائیوں کے پانیوں اوران کی زمینوں کے قریب مت جانا اس لیے کہ ان کا پانی تمہارے لیے جائز نہیں اوران کی زمینوں تک رسائی کی اجازت صرف ان کو ہے جن کو وہ خود دعوت (اجازت) دیں اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کی ضمانت ساقط ہو جائے گی۔۔۔۔'' (''وثائق'' نمبر 202)

867: جب ایک دوسرے کی حدود میں مداخلت کا سلسلہ آہنی ہاتھ سے روک دیا گیا تو ایک دوسرے کے خلاف حملوں اور جوابی حملوں کی کارروائیاں بھی قدرتی طور پر موقوف ہو گئیں جس سے امن اور اچھی ہمسائیگی کی ایسی فضا پیدا ہو گئی جس سے یہ لوگ نہ جانے کب سے نا آشنا تھے۔ (ابن حنبل، IV ,III، نمبر 6) یہ صرف اسلام کی برکات کا اعجاز تھا کہ ان لوگوں نے اپنا ماضی فراموش کر کے ایک نئی زندگی کی ابتداء کی۔

بنو قضاعہ

868: قضاعہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔اس کی ذیلی شاخیں مثلاً جہینہ، عذرہ، بلی اور کلب اپنی جگہ اتنی بڑی اور طاقت ور تھیں کہ انہیں مکمل قبیلہ شمار کیا جا سکتا تھا۔روایات کے مطابق قضاعہ کا تعلق سرزمین عرب کے جنوب سے تھا اور وہ اس وقت اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے جب (یمن کا) مشہور مأرب ڈیم ٹوٹا۔یہ لوگ جان بچانے کے لیے نکلے اور مدینہ کے شمال میں آکر آباد ہو گئے۔ان کا علاقہ فلسطین کی حدود تک پھیلا ہوا تھا یہ ایک قابل ذکر حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قصی کی والدہ کا تعلق قضاعہ قبیلے سے تھا اور بیوہ ہونے کے بعد اس نے اپنے قبیلے میں ہی دوسری شادی کی جہاں اس کے پہلے شوہر کے بیٹے قصی نے بھی پرورش پائی اور اپنے سوتیلے بھائی اور اس کے قبیلے سے قریبی تعلقات قائم کیے اور پھر جوان ہونے پر جب اس نے مکہ میں اقتدار کی جنگ لڑی تو قضاعہ نے اس کی بھرپور مدد کی (محبر صفحہ 251، ابن ہشام صفحہ 75-76)۔

اس حوالے سے ایک دلچسپ روایت بھی مذکور ہے کہ غوث بن مرجوج حج کے انتظامات کا نگران اعلیٰ تھا، عرفات میں خطبہ کے وقت کہا کرتا ''پروردگار میں ارکان حج کی ادائیگی طے شدہ

طریقہ پر ہی کرتا ہوں اگر اس میں کوئی کمی رہ جائے تو اس کا گناہ قضاعہ پر ڈالنا'' (ابن ہشام صفحہ 76، سہیلی ا،84-85) یہ روایتاً معروف ہے کہ قضاعہ حرام مہینوں کی حرمت کی پابندی نہیں کرتے تھے اور حاجیوں کو بے دریغ لوٹ لیتے تھے اور سات نسلوں کے بعد بھی جب قصی مکہ کے سیاہ وسفید کا مالک بنا اس صورتحال میں بلاشبہ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور (اس پر طرہ یہ کہ) قضاعہ اپنے آپ کو ''حمس'' میں بھی شمار کرتے تھے۔ (محبر صفحہ 179) یاد رہے کہ ہجرت سے تین سال قبل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل سے پناہ طلب کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاعہ کی شاخ عذرہ سے بھی رابطہ کیا تھا (ابن سعد 1/1، صفحہ 145)

869: اگرچہ قضاعہ نے بالکل ابتداء میں اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر بظاہر ان کے تعلقات اسلام سے اچھے بلکہ دوستانہ رہے۔ قبل ازیں قضاعہ کی شاخ جہینہ کا ذکر ہوا ہے۔ دومتہ الجندل کی مہم کے دوران (5 ہجری) بنو عذرہ کے ایک شخص جس کا نام مذکور تھا دومتہ الجندل کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی (ابن سعد، 2/I، صفحہ 44) واقعات کی ترتیب سے قطع نظر یہ امر قابل ذکر ہے کہ بنو عذرہ کی ایک عورت ام کبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ میں زخمیوں کی خبر گیری کے لیے ساتھ جانے کی اجازت چاہی۔

(ابن حجر، مطالب، نمبر 1970، بحوالہ ابن ابی شیبہ، ابویعلٰی اور طبرانی)۔

جنگ موتہ میں مسلم فوج کے میمنہ (دایاں بازو) کی کمان بنو عذرہ کے ماہر جنگ قطبہ بن قتادہ کے ہاتھ میں تھی (ابن ہشام صفحہ 794) اور اس کے فوراً بعد جب عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاص کو ایک سفارتی مہم پر اس علاقے میں بھیجا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی کام کے لیے بنو عذرہ سے مدد حاصل کرنے کی تلقین کی۔ (ابن سعد 2/I، صفحہ 95)۔ اس کے ایک سال بعد (9 ہجری) غزوہ تبوک کے موقع پر بنو عذرہ کے مسلمان بڑی تعداد میں مسلم فوج میں شامل تھے اور ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑا بھی نذر کیا۔ (مقریزی ا، 461-63)۔ 11 ہجری میں اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مہم کے دوران گائڈ کے طور پر بنو عذرہ کے ہی ایک شخص حریث کا انتخاب کیا (مقریزی صفحہ 504)

870: ان حالات میں 9 ہجری میں دوسرے وفود کے ساتھ بنو عذرہ کے وفد کی مدینہ آمد باعث استعجاب نہیں۔ ان کے سردار زمل بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں

قصیدہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قبیلہ پر حاکمیت کی علامت کے طور پر ایک جھنڈا حوالے کیا اور ایک تقرر نامہ بھی جس میں اسے قبیلہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور اس پر تبلیغ اسلام کی ذمہ داری بھی ڈالی تھی (محبر صفحہ 293، ابن سعد II/1، صفحہ 66-67، "وثائق" نمبر 179) لیکن 6 ہجری سے قبل رسول اللہ اور ان کے مابین ایک اور خط و کتابت بھی ہوئی۔ اس حوالے سے ابن سعد کی روایت ہے کہ (ابن سعد ii/I، صفحہ 33) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نامہ مبارک بنو عذرہ کو بھجوایا اور اسے لے جانے والا بھی بنو عذرہ کا ہی ایک شخص تھا۔ راستے میں ورد بن مرداس (قبیلہ سعد ہذیم) نے اس کے قافلے پر حملہ کر دیا اور خط پھاڑ دیا۔ تاہم بعد میں ورد بن مرداس نے اسلام قبول کر لیا اور وادی القریٰ یا القردہ کی مہم کے موقع پر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں لڑائی کے دوران منصب شہادت حاصل کیا۔"

(قردہ کا سریہ 3 ہجری کے وسط میں وقوع پذیر ہوا اور اس میں اس کی شہادت کا ہونا اس لیے صحیح نظر نہیں آتا کہ یہ بہت ابتدا کی بات ہے جب کہ سریہ وادی القریٰ جو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں بھجوایا گیا 6 ہجری میں ہوا اور ابن ہشام بھی اسی سریہ میں ان کی شہادت کا ذکر کرتے ہیں)

(ابن سعد I/2، صفحہ 64، ابن ہشام صفحہ 979-980) ابن ہشام کی روایت کے مطابق اس سریہ میں شہید ہونے والے سب سے نمایاں شخص کا نام ورد بن عمرو بن مداش تھا۔ مذکورہ خط کے مندرجات کا علم نہیں ہو سکا۔

871: ربیع الاول 9 ہجری میں بلی کا ایک وفد مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا اور وہاں سے مطمئن و شاداں لوٹا۔ (ابن سعد، ii/I، صفحہ 65-66)۔ وفد کو جو فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا وہ غیر معمولی نوعیت کا ہے جس کا متن درج ذیل ہے ("وثائق" 48)

"بنو جعیل کے لیے (جو بلی کی شاخ ہیں)

وہ قریش کی ہی ایک شاخ ہیں خصوصاً بنو عبد مناف کی۔ انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو موخر الذکر کے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہیں۔ مزید برآں انہیں (فوجی خدمات کے لیے) جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان پر ٹیکس عائد ہوگا۔ جو املاک ان کے پاس قبول اسلام کے

وقت ہیں وہ برقرار رہیں گی اور جو ٹیکس قبائل نصر، سعد بن بکر، ثمالہ اور ہذیل سے جمع کیے جائیں گے وہ اس قبیلہ کو دیئے جائیں گے۔" (گواہان۔ابوسفیان اور دوسرے)

872: بلی قبیلہ کی آبادیاں خلیج عقبہ کے قریب عرب کے شمال بعید میں تھیں۔کیا ان کی شاخ بنو جعیل مکہ کے خطے میں آباد تھی یا یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ان کا تعلق محض ایک فوجی حلیف کی حیثیت سے تھا اور جس کے باعث انہیں رومی سرحد کے قریب آباد نہ ہونے کی کوئی ممانعت نہ تھی؟ اگر پہلا قیاس درست مانا جائے تو اس صورت میں ان کی تعداد بہت کم ہو گی اور یوں چار قبائل کی ٹیکسوں کی آمدنی جس میں ہذیل جیسا بڑا قبیلہ بھی شامل ہے انہیں دیئے جانے کا جواز نظر نہیں آتا اور اس صورت میں کہ وہ رومی سرحد پر آباد ہوں تو پھر انہیں ان کی ہمسائیگی میں واقع علاقوں کی آمدنی دی جانی چاہیے تھی جب کہ قبیلہ ہذیل کا علاقہ وہاں سے بہت دور تھا جو مکہ سے قریب آباد تھے۔ یہ ابہام اپنی جگہ مگر غزوہ تبوک کے موقع پر بلی قبیلہ نے قابل ذکر مدد فراہم کی۔(مقریزی I، 477) چونکہ انہوں نے موتہ کے وقت کی مخاصمت کو اب دل سے نکال دیا تھا۔

(ابن ہشام صفحہ 792-797 بتعلق مالک بن زافلہ)

873: 9 ہجری میں مدینہ آنے والے وفود میں سعد۔ہذیم کا وفد بھی تھا۔وفد کے ارکان نے تین روز قیام کیا، خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے اور واپسی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد میں سے ایک کو علاقہ کے گورنر کی حیثیت سے پروانہ تقرری عطا کیا اور ارکان وفد کو فیاضانہ تحائف بھی دیئے۔وفد کی واپسی پر تمام اہل قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔

(ابن سعد، ii/I، صفحہ 65)

874: یہ حقیقت قابل ذکر ہے کہ عربی ادب میں بنو عذرہ کے عشاق ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔زمانہ قبل از اسلام میں قبیلہ سعد۔ہذیم اور قضاعہ کی دوسری شاخیں ماسوائے بنو وبرہ، ساعیدہ اور منات کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔منات کا بت کدہ بحیرہ احمر کے قریب تھا۔ازد قبیلہ کے لوگ بھی انہی دو بتوں کے پجاری تھے اور بنو وبرہ، وَدّ کی پوجا کرتے تھے جس کا بت کدہ دومتہ الجندل میں تھا۔ان کے خاندانی مجاوروں کے نام تاریخ میں مذکور ہیں اور پوجا پاٹ کے طریقے بھی معلوم و معروف ہیں (محبر صفحہ 312 تا 316 ابن ہشام صفحہ 52)

بنوکلب اور دومتہ الجندل

875: بنوکلب بھی قضاعہ ہی کی شاخ ہیں ان کا سب سے بڑا شہر دومتہ الجندل تھا جو اب جوف کہلاتا ہے اور عرب کے دور شمال میں واقع ہے شمال اور جنوب کو جانے والے قافلوں یعنی ارم اور بابل کو جانے والی شاہراہوں کا سنگم ہونے کے باعث ان دنوں اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور اس لیے بھی کہ مصر اور ہندوستان کو جانے والے راستوں کا نقطہ اتصال بھی تھا۔ مکہ کے شام اور عراق جانے والے قافلے دومتہ الجندل سے ہی الگ راستے پکڑتے تھے (قلقشندی، صبح IV، 292)۔ آج یہ بات بڑی عجیب نظر آتی ہے کہ دومتہ الجندل میں ایک مشہور قلعہ مارد (لسان) اور وَدّ کا بت خانہ واقع تھا۔

اس حوالے سے روایت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے دور میں جن بتوں کی پوجا کی جاتی تھی انہیں سیلاب بہا کر جدہ لے آیا جہاں سے خثعم قبیلے کے عمرو بن ربیعہ نے اپنے دور میں انہیں ایک جن کی نشاندہی پر برآمد کیا اور انہیں عرب کے مختلف قبائل میں تقسیم کر دیا۔ اور اس طرح بنو کلب کے عوف بن کنانہ بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن کلب کے حصے میں وِدّ نامی بت آیا۔ اس نے اسے دومتہ الجندل میں نصب کر دیا جہاں قضاعہ کے تمام لوگوں نے اسے اپنا لیا اور اس کی تعظیم و تقدیس کرنے لگے (منمق صفحہ 405-407)۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ دومتہ الجندل میں ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا تھا اور اس جگہ کی ملکیت کے بارے میں بھی نسل در نسل تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اس خطے کے میلوں اور معاشی زندگی کے بارے میں اہم اور کچھ دلچسپ تفصیلات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔

''اس علاقے میں زمانہ قبل از اسلام کے مشہور میلے لگتے تھے اور اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان میں دومتہ الجندل کا میلہ بھی تھا۔ اس کا مقام شام اور حجاز کے درمیان واقع تھا میلہ یکم ربیع الاول سے شروع ہو کر پورا مہینہ جاری رہتا۔ میلہ اتنا مشہور اور مقبول تھا کہ لوگ سال بھر اس کا انتظار کرتے تھے۔ قبائل کلب اور جدیلہ (قبیلہ طے کی ایک شاخ) اس کے نواح میں آباد تھے۔ میلہ کے انعقاد کی ذمہ داری بذریعہ مقابلہ باری باری سے دومتہ الجندل کے سردار اکیدر اور بنو کلب کے قنافہ کو منتقل ہوتی رہتی جب قبیلہ عباد کو برتری حاصل ہوتی تو میلے کا ''چوہدری'' اکیدر ہوتا اور اگر غسانیوں (بنوکلب؟) کو کامیابی ملتی تو چوہدراہٹ قنافہ کو منتقل ہو جاتی۔ مقابلے کا طریقہ

دلچسپ تھا کہ دونوں سردار ایک دوسرے سے پہیلیاں بجھواتے اور اس مقابلے میں جو جیت جاتا وہ میلے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور اسے دوسرے سردار کی طرف سے میلے میں من مانی کی کھلی چھٹی ہوتی۔

میلے میں کوئی بھی چیز سردار کی اجازت کے بغیر فروخت نہ ہو سکتی تھی اور کسی دوسرے کو کوئی چیز فروخت کرنے کی اجازت اس وقت ہی مل سکتی تھی جب سردار اپنی مرضی کے مطابق اپنی چیزیں فروخت کر چکا ہوتا تھا۔ بنو کلب کے لوگ بڑی تعداد میں اپنی طوائفیں میلے میں لے کر آتے جو اونی خیموں میں اپنا کاروبار کرتیں۔ بنو کلب اس حوالے سے بدنام تھے وہ اپنی نوجوان عورتوں سے پیشہ کراتے تھے اور عرب کے تمام بڑے میلوں کے شرکاء میں اس قبیلے کے لوگوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ چیزوں کی خریداری کا طریقہ یہ تھا کہ خریدار کو ایک کنکر پھینکنا پڑتا تھا اس طرح کہ بعض اوقات ایک ہی چیز کے کئی خریدار ہوتے جو مالک کے ساتھ بھاؤ تاؤ کرتے جس کا سودا بن جاتا وہ اپنا کنکر پھینک دیتا بعض اوقات کئی لوگوں کے لیے قیمت قابل قبول ہوتی اور وہ بیک وقت اپنے اپنے کنکر پھینک دیتے۔ اس صورت میں وہ سب اس چیز میں حصہ دار بن جاتے۔ بعض اوقات خریدار ایک دوسرے کے ساتھ طے کر کے کنکر پھینکنے سے گریز کرتے اور اس طرح مالک اپنی چیز کی قیمت کم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ یعنی یہ بولی دینے کی طرح کا طریقہ ہوتا تھا۔

یمن یا حجاز سے آنے والے کم و بیش تمام تاجر میلے میں آنے کے لیے قبیلہ مضر کے علاقے سے گزرنے کے لیے قریش میں سے ایک بدرقہ کا انتخاب کرتے کیونکہ مضر قبیلہ کا کوئی شخص کسی دوسرے مضری کو ہراساں نہیں کرتا تھا اور قبیلہ مضر کے تمام حلیف بھی اس روایت کی پابندی کرتے تھے اس طرح بنو کلب بنو تمیم کے حلیف ہونے کی بنا پر ان سے تعرض نہیں کرتے تھے اور اسی بنا پر قبیلہ طے کے لوگ بنو اسد کے حلیف ہونے کی وجہ سے ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے تھے۔ اگر تاجروں کو عراق جانا ہوتا تو وہ بدرقہ (رہنما) کا انتخاب بنو عمرو بن مرثد میں سے کرتے جو بنو قیس بن ثعلبہ کی شاخ تھی۔ اس انتخاب سے وہ ربعہ قبیلے کی تمام شاخوں کے علاقوں میں محفوظ و مامون ہو جاتے۔

اس میلے سے فارغ ہو کر وہ ہجر میں المشقر کے میلے کے لیے چلے جاتے جو جمادی الآخر کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر پورا مہینہ لگا رہتا۔ اس میلے میں شرکت کے لیے سمندر

پار سے اہل فارس بھی آتے اور میلے کے اختتام پر سب لوگ اگلے سال پھر آنے کے ارادے اور وعدے پر اپنے اپنے علاقوں کو چلے جاتے۔ عبدالقیس اور تمیم قبائل کی آبادیاں اس کے نواح میں تھیں۔ ان کے بادشاہ تمیمی تھے جن کا تعلق ایک شاخ بنو عبداللہ بن زید سے تھا اور جو منذر بن ساوئی کے خاندان میں سے تھے۔ ان کے تقرری کے پروانے شاہان فارس سے آتے تھے جیسا کہ انہوں نے حیرہ میں بنو نصر اور عمان میں بنو مستکبر کے خاندانوں کو حکمرانی دی تھی۔ شاہان مشقر کو دومتہ الجندل کے حکمرانوں کی طرح ٹیکس وصول کرنے کا اختیار تھا اور وہ اپنے علاقوں میں آنے والے زائرین کی میزبانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ جس تاجر کو بھی وہاں جانا ہوتا وہ بدرقہ کے طور پر قریش کی خدمات حاصل کرتا کیونکہ وہاں تک پہنچنے کا واحد راستہ مضر کے علاقے سے ہو کر گزرتا تھا۔'' (محبر صفحہ 263)

876: دومتہ الجندل کے بادشاہ کا انتخاب کرنے کے لیے پہیلیاں بھجوانے کا پر امن اور معصومانہ طریقہ عربوں کی عمومی روایت اور معمول کے خلاف تھا جہاں ہر شخص بات بات پر بھڑک اٹھنے اور جنگ کی زبان میں بات کرنے کا عادی تھا۔

877: آگے بڑھنے سے قبل اس خطے میں آبادی کے مختلف طبقات پر ایک نظر ڈال لیں اوپر ابن الکلبی کے طویل اقتباس میں کلب، جدیلہ اور عباد۔ سکون قبائل کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان تمام کا تعلق یمن سے تھا اور یہ عرب کے انتہائی جنوب سے آنے والوں میں شامل تھے اور قیاس اغلب یہ ہے کہ یہ وہاں قدیم ابتدائی زمانے میں بس گئے ہوں گے۔ چونکہ ان دنوں اس علاقہ میں ان کا غلبہ تھا اور شمالی عرب سے تعلق رکھنے والا کوئی قبیلہ وہاں موجود نہ تھا۔ جہاں تک کلب کا تعلق ہے، کلب کے لفظی معنی کتے کے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ٹوٹم (کتے کی قسم) کی پوجا کرتے تھے یا وہ اپنے آپ کو کتے کی جد میں سے تصور کرتے تھے (بلکہ اصل میں یہ نام عربوں کے ایک معمول اور روایت کا حصہ تھا، مشاہدے میں آیا ہے کہ) عربوں کے ناموں کی تین طرح سے درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔ (یعنی ان کے نام تین چیزوں پر رکھے جاتے تھے) (اول) پودے (دوم) پہاڑیاں (سوم) جانور اور اس کے ساتھ اعلیٰ انسانی خصوصیات کے حامل ہونے کے لاحقے (یا سابقے) لگائے جاتے تھے مثلاً فیاض، بہادر، فاتح وغیرہ۔ کتے میں مالک سے وفاداری اور اجنبیوں کے خلاف چوکسی (اور شک) کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ کلب کا دادا (جد امجد؟) تغلب یعنی فاتح

کہلاتا تھا۔ایک ایسے خطے میں جس کا طرہ امتیاز مسلسل لڑائیاں ہی ہوں وہاں کتے ،شیر، چیتے ، پہاڑ کی خصوصیات ہی ایک نومولود بچے کے باپ کے ذہن کو گرفت میں لیے رکھتی ہیں (اور شاید ایسی ہی خصوصیات سے متاثر ہو کر اس نے اپنے بیٹے کا نام یا لقب کلب رکھ دیا جس سے بنو کلب خاندان کا سلسلہ چل پڑا۔مترجم) جیسا کہ قبیلہ عباد (عبادت کرنے والے) تھا۔روایت ہے کہ وہ لوگ گھوڑے کی پوجا کرتے تھے۔گھوڑا اس معاشرے میں ایک قیمتی جانور شمار ہوتا تھا خصوصاً جنگ میں انتہائی کارآمد تھا۔اسی طرح ٹھنڈے ممالک کے لوگ سورج کی سکون آمیز حرارت کی وجہ سے اس کی پرستش کرتے تھے۔

878: کلب،عباد اور طے قبائل کی بعض شاخیں مسیحیت کی پیروکار تھیں مگر یہ بھی نہیں کہ ان شاخوں کے سب لوگوں نے مسیحیت قبول کر لی تھی۔قبیلے طے میں فلس اور دومتہ الجندل میں ودّ کے بت خانوں کی موجودگی اس قیاس کی تصدیق کرتی ہے۔نبوت کے دسویں سال (ہجرت سے تین سال قبل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبداللہ (کلب کی ایک شاخ) کو تبلیغ فرمائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' آپ لوگوں کا کتنا خوبصورت نام ہے،عبداللہ،اللہ کی عبادت کرنے والے۔تم پر سب سے زیادہ حق ہے کہ تم ایک خدا پر یقین کرنے والے ہو جاؤ اور عقیدہ توحید پر عمل پیرا ہو جاؤ'' مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا (ابن ہشام صفحہ 282-283)۔

ان کا علاقہ کافی دور،مکہ سے 27 اور مدینہ سے 15 روز کے سفر پر واقع تھا۔اس لیے مدینہ کی اسلامی ریاست اور دومتہ الجندل کے اس قبیلے میں براہ راست رابطے میں تاخیر ہوئی۔ مسعودی کے مطابق (مسعودی،تنبیہ،صفحہ 248 ،ابن سعد 2/I ،صفحہ 44) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 5 ہجری میں ایک مہم لے کر دومتہ الجندل کے حکمران اکیدر کو سزا دینے کے لیے تشریف لے گئے جو قیصر روم ہرقل کے زیر اثر تھا اور مدینہ آنے والے قافلوں کو ہراساں کیا کرتا تھا۔'' (مقریزی کے مطابق (467,I) اکیدر بعد میں عراق میں آباد ہو گیا جب کہ ابن عساکر (482،I) راوی ہیں کہ اکیدر نے شاہ فارس سے خلعت اعزاز حاصل کی تھی تو کیا اس کا مطلب تھا کہ اس نے اپنی وفاداری تبدیل کر لی تھی؟)

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس مہم کا وقت کم و بیش وہی تھا جب اس عظیم سازش کے تانے بانے بنے جا رہے تھے جو آخر کار جنگ خندق پر منتج ہوئی۔اس حوالے سے جو معاملہ حل

طلب ہے وہ یہ ہے کہ اہل خیبر نے کون سی ترغیب یا حربہ استعمال کیا جس نے اکیدر کو ان کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا۔ ایک بات تو بہر حال مسلمہ ہے کہ نبطی تاجر مدینہ کی روز افزوں آبادی کے لیے غلہ بہم پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے (ابن ہشام صفحہ 911، ابوعبید، اموال، نمبر 1397 مقریزی 1،194) اور شاید یہ نبطی ہی تھے جو میسوپوٹیمیا (عراق) سے سامان لے کر شام جاتے ہوئے دومتہ الجندل کے حکمران کے مہمان بن گئے تھے (شاید یہودیوں کے ایما پر یہ سارا سامان نبطیوں نے یہودیوں کی مدد کی شرط پر اس کی نذر کر دیا ہو۔)

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کی جو تاریخ اس مہم کے لیے چنی وہ بہت اہم تھی۔ دومتہ الجندل کا میلہ اسی مہینے لگا کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ اکیدر اور اس کے حواری اس میلے پر ضرور موجود ہوں گے۔ مذکور العذری کو بدرقہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار جنگجوؤں کی جماعت لے کر پہنچ گئے اور یہ نا قابل تصور تھا کہ اس وقت دومتہ الجندل میں کوئی بھی نہ مل سکے جیسا کہ ابن سعد کا دعویٰ ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں ابن ہشام کی رائے کو وقیع سمجھنا چاہیے جن کی رائے اس سے مختلف ہے۔ (ابن ہشام صفحہ 668 ابن سعد 1/2 صفحہ 44-45) ابن سعد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منزل پر پہنچے بغیر واپس مدینہ تشریف لے گئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان کا علاقہ عبور کر لیا تھا اور اگر ہم ابن سعد کی روایت پر اعتماد کریں تو اسی مہم کے دوران غطفان کے سردار عیینہ بن حصن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ دوستی کیا اور تغلمین تک جو اسلامی علاقہ تھا۔ اپنے ریوڑ چرانے کی اجازت حاصل کر لی۔ عیینہ نے اس سے قبل مدینہ پر حملہ میں بعض مفادات کے عوض شریک ہونے کی خیبر کے یہودیوں کی دعوت قبول کر لی تھی۔ کیا کچھ غطفانیوں نے ہی (اپنی قوم سے غداری کر کے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملے کے منصوبے سے باخبر کر دیا تھا؟ قیاس اغلب یہی ہے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تیزی سے واپس مدینہ آئے اور دومتہ الجندل کے خلاف مہم ادھوری چھوڑ دی اور یہ اطلاع درست ثابت ہوئی کہ کچھ ہی عرصہ بعد دشمن فوجیں مدینہ پر چڑھ دوڑیں اور محاصرہ کر لیا۔ پھر جنگ خندق سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کی مہم سر کی۔

879: جنگ خندق میں دشمنوں کی شکست اور اس کے نتیجے میں وقتی طور پر کسی اور حملے کے

خدشات سے آزاد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر 6 ہجری میں دومتہ الجندل کی مہم مکمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کو جو بہت بڑے تاجر تھے 700 افراد کی ایک جماعت کا کمانڈر بنا کر روانہ کیا۔

(ابن ہشام صفحہ 991-992، ابن سعد I/2، صفحہ 64)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی کہ پہلے بنو کلب کے سردار اصبغ کے پاس جائیں جو عیسائی تھا اور اسے اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ اسلام قبول کرے تو اس سے اپنے لیے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیں۔ اصبغ نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے اپنی بیٹی تماضر بھی عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کے عقد میں دینا قبول کر لی جو بعد ازاں ان کے بچوں کی ماں بنی۔ اس رشتے کی اہمیت یہ تھی کہ کلبیوں اور اکیدر میں دیرینہ عداوت تھی اور اس طرح کلبیوں سے تعلق قائم ہونے سے اکیدر کے خلاف ان کی حمایت بھی حاصل کر لی۔ اس مہم کے دوران سوائے اس کے کہ مسلمانوں کی طاقت کا ایک مرکز اس علاقے میں قائم ہو گیا کوئی اور کامیابی حاصل نہ ہوئی گو کہ ابھی اسلامی ریاست کی حدود اور اس نئے دوست قبیلہ کے درمیان غطفان کا دشمن علاقہ بدستور حائل تھا۔

880: ابن حنبلؒ نے خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے (ابن حنبل III، 133، نمبر 2) کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کو نامہ مبارک ارسال کیا تھا جس میں اسے اور اس کے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔'' مگر راوی نے نہ تو اس خط کے مندرجات کی تفصیل بتائی ہے اور نہ ہی تاریخ کا کوئی تذکرہ کیا ہے جب کہ اور کسی راوی نے سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ 7 ویں ہجری کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے نام خطوط ارسال فرمائے تھے۔ اکیدر کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کا (اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوایا تھا) کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اسی دوران دو برس گزر گئے۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد کے حالات نے دومتہ الجندل کو بھی پالیسی تبدیلی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے قبل فتح خیبر سے بھی اسلامی مملکت کی حدود دومتہ الجندل کے قریب پہنچ گئی تھیں چنانچہ 9 ہجری کے دوران کلبیوں کا ایک وفد حارثہ بن قطن اور حمل بن سعدانہ کی قیادت میں مدینہ آیا اور اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کو فوجی کمان کی علامت

کے طور پر ایک پرچم عطا کیا اور دوسرے سردار کو ایک فرمان دیا جس کے متن میں کچھ ابہام در آئے ہیں۔

"یہ فرمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے دومتہ الجندل اور اس کے نواح کے مکینوں کے لیے ہے۔ جہاں بنو کلب کے کچھ لوگ رہتے ہیں جن کے سردار حارثہ بن قطن ہیں۔

زیر زمین وسائل سے سیراب ہونے والی ساری زمین ہماری ہے اور کھجوروں کے تمام درخت تمہارے ہیں۔ ندی سے سیراب ہونے والی زمین پر ٹیکس عائد ہوگا اور حوض سے (اغلباً بارش کا پانی حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہوگا) سیراب ہونے والی اراضی پر آدھا یعنی **1/20** ٹیکس ہوگا۔ تمہارے مویشیوں کو چراگاہوں سے روکا نہیں جائے گا اور نہ چھوٹے چھوٹے ریوڑوں پر ٹیکس لاگو ہوگا آپ لوگ بروقت نماز پڑھنے اور احسن طریقہ سے زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہوں گے تم پر چراگاہیں ممنوع نہیں کی جائیں گی اور تمہارے گھریلو برتن بھی ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس کے لیے آپ کو مکمل ضمانت اور یقین دہانی فراہم کی جائے گی اس کے بدلے میں آپ لوگوں کو ہماری طرف مائل ہونا ہوگا اور ہم سے مکمل وابستگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور اس پر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکمل ضمانت ہوگی اور اس پر اللہ اور موقع پر موجود مسلمان گواہ ہوں گے۔"

("وثائق" نمبر **191**)

881: یہ بات بہر حال باعث تعجب ہے جبکہ راوی بھی معتبر ہے مگر نہ تو جنگ ہوئی اور بنو کلب کا وفد بھی اپنی مرضی سے مدینہ گیا اس لیے بظاہر ان کی زمینیں ضبط کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا اور مزید برآں یہ کہ ہم ابھی دیکھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کے ساتھ اس کے شکست کھانے اور قیدی بن جانے کے بعد جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ بھی یہی تھے اور یہ بھی اتفاق ہے کہ اسی راوی یعنی ابن سعد نے کلب کی شاخ "بنو جناب" کو دیئے جانے والے فرمان کا صرف خلاصہ دینے پر اکتفا کی ہے۔ حالانکہ اس کا مکمل متن بھی مختلف روایات میں موجود ہے۔ ("وثائق" نمبر **192**)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان قطن بن حارثہ کو عطا کیا (مذکورہ بالا کا فرزند (حارثہ بن قطن) یا پھر وہی۔ اس میں باپ اور بیٹے میں ابہام ہے)۔ مگر اس میں زمینوں کی ضبطی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرمان کی دستاویز میں فرماتے

ہیں کہ غلہ کی نقل وحمل میں استعمال ہونے والے اونٹ ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوں گے۔'' قیاس غالب یہ ہے کہ یہ معاہدہ 9 ہجری میں ہوا۔

882: اس کے چند ماہ بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی مہم پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ولید کی کمان میں ایک مہم روانہ کی جس نے آسانی سے اکیدر کو زیر کر کے قیدی بنا لیا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ اکیدر جو عیسائی تھا اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوا مگر اپنی جان بخشی کے بدلے میں کچھ رقم ادا کرنے اور قلعہ سے دستبردار ہونے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ جب کہ یہی راوی جس معاہدے کا متن دیتے ہیں اس میں اس کے قبول اسلام اور بت پرستی کی مذمت کا ذکر ہے (بلاذری کا کہنا ہے کہ اکیدر نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا مگر جونہی مسلمان واپس گئے تو وہ مرتد ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ولید اس علاقے میں ایک بڑی فوج لے کر آئے تو انہوں نے اکیدر کو ایک بار پھر قیدی بنا لیا اور پھر موت کے گھاٹ اتار دیا) ابن سعد کی روایت میں مزید کہا گیا ہے کہ اکیدر رات کے وقت شکار کے لیے نکلا تو مسلمانوں نے پکڑ لیا اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کہا کہ اگر وہ جان بچانا چاہتا ہے تو قلعہ کا دروازہ مسلمانوں کے لیے کھول دے اس کے عوض وہ (خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیں گے جو اس کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیدر کی ملاقات مدینہ میں ہوئی۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چارٹر عطا کیا۔ (ابن سعد I/2، صفحہ 119، 120، بلاذری، فتوح صفحہ 62، مقریزی I، 463، ابن ہشام صفحہ 903-904)۔ اسی راوی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستاویز پر مہر لگانے کی بجائے اپنے ناخن مبارک سے ایک خط کھینچ دیا۔

(یہ طریقہ اہل بابل کے ہاں قدیم زمانے سے مروج تھا)

دستاویز کا متن درج ذیل ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اکیدر کے لیے جب اس نے اسلام قبول کیا اور بتوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ خالد بن ولید، سیف اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی اس

وقت موجود تھے۔ یہ دستاویز دومتہ الجندل اور گردونواح کے لیے ہے۔

''ایسی تمام زمینیں جن کو پورا پانی نہیں ملتا اور بے آباد اور غیر مذروعہ پڑی ہوئی ہیں ہماری ہونگی جب کہ تمام زرہیں اور ہتھیار بھی ہمارے (ہمیں دینا) ہوں گے۔ ناخن والے (کھر والے) تمام جانوروں اور قلعہ سے بھی دستبرداری اختیار کرنا ہوگی۔

''جہاں تک تمہارا تعلق ہے۔ کھجوروں کے تمام جھنڈ اور زیر کاشت علاقے میں پانی تمہارا ہوگا۔ تمہارے مویشیوں کو چرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ جانوروں کے چھوٹے ریوڑ ٹیکس شماری میں نہیں گنے جائیں گے۔ چراگاہیں تمہارے لیے بند نہیں کی جائیں گی (البتہ گہری جڑوں والے کھجوروں کے درختوں پر ٹیکس عائد ہوگا۔ (یہ صرف مقریزی کی رائے ہے)۔ آپ مقررہ اوقات پر نماز پڑھنے اور حسب ضابطہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے پابند ہوں گے۔ اس معاہدہ پر اللہ ضامن ہے اور اس کے عوض تمہیں مکمل طور پر ہماری طرف مائل ہونا ہوگا اور مکمل وابستگی ظاہر کرنا ہو گی۔ اس پر اللہ جل شانہ اور جو مسلمان موقع پر موجود ہیں گواہ ہوں گے۔''

(''الوثائق'' نمبر 190)

883: اگر چہ ابوعبید کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے خود اصل دستاویز سے جو اس وقت دومتہ الجندل کے ایک معمر شخص کے گھر میں موجود تھی نقل کی تھی (ابوعبید نمبر 508) مگر شواہد ہیں کہ ابوعبید کے نقل کرنے سے قبل (224 ہجری) اور اکیدر کے انتقال کے بعد کے ادوار میں جب کہ کئی نسلیں گزر چکی تھیں کسی وقت اس دستاویز میں جعلسازی کی گئی۔ اس دستاویز میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ان کی حارثہ بن قطن کے نام فرمان کے الفاظ سے مماثلت سے دونوں دستاویزات مشکوک ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ ان دستاویزات میں کچھ جملے اصلی بھی ہیں مگر کچھ اضافہ بھی کیا گیا معلوم ہوتا ہے۔ جس کا مقصد اپنے آباؤ اجداد کی شان وشوکت کو بڑھانا تھا اور اس سے زمان ومکان کا جو فرق پڑا اور جعلسازی کے جو شواہد ظاہر ہوئے اس کی بھی پروا نہیں کی گئی۔

884: دستاویز کے معاملے کو ایک طرف رکھ کر آیئے ہم عمومی دلچسپی کی کچھ تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں۔ جب اکیدر کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو اس نے گلے میں ایک طلائی صلیب لٹکا رکھی تھی اور ریشمی ملبوس زیب تن تھا (جو اسے شاہ فارس نے تحفہ میں دیا تھا)۔ (مقریزی ا، 467، ابن عساکر، دمشق، ا، 422) اپنا قلعہ کھو جانے کے بعد اس نے حیرہ میں

اپنے رشتہ داروں کے پاس پناہ حاصل کر لی جہاں اس نے ایک اور قلعہ تعمیر کر لیا اور اس کا نام بھی اس نے دومتہ الجندل رکھا۔ (مقریزی ا، 467)

885: عرینہ بھی کلب ہی کی ایک شاخ تھے۔ متعدد روایات کے مطابق 6 ہجری کے دسویں مہینے میں عرینہ کا ایک وفد جس میں 8 افراد شامل تھے مدینہ گیا اور اپنے قبول اسلام کی اطلاع دی۔ ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور وہ بیمار پڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ کے مضافات میں رہنے کی اجازت دے دی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (سرکاری) اونٹنیاں بھی چرا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان اونٹنیوں کا دودھ پینے کی بھی اجازت دے دی۔ وہ جلد ہی صحت یاب ہو گئے اور ایک روز موقع پا کر اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کر کے جانوروں کو بھگا کر لے گئے۔ علم ہونے پر مسلمانوں نے تعاقب کیا اور کچھ دور جا کر انہیں جا لیا۔ انہیں قیدی بنا کر واپس مدینہ لایا گیا اور انہیں مدینہ کے پہاڑ کوہ جماوات کے مشرق میں واقع مقام فیفا الخبار پر حسب جرم سزا دی گئی۔ (سمہودی، دوسرا ایڈیشن صفحہ 899) ابن سعد 2/I، صفحہ 67-68، ابن ہشام صفحہ 998-9)۔

چند سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے مصالحت کی شروعات کیں اور ان کے سردار ربعیہ السحیمی کو خط روانہ فرمایا یہ شخص اتنا متکبر اور بدطینت تھا کہ وہ اس چمڑے کے ٹکڑے سے اپنی بالٹی صاف کرواتا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامہ مبارک تحریر فرمایا تھا۔ اسے گستاخی کی سزا دینے کے لیے ایک سریہ روانہ کیا گیا جس نے اسے اچانک جا لیا۔ وہ خود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تاہم اس کا بیٹا قابو آ گیا۔ بعد میں تائب ہو کر وہ مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کا بیٹا واپس کر دیا۔

("الوثائق" نمبر 235، مقریزی ا، 441-4، ابن سعد کے مطابق II/I، صفحہ 31)۔

886: اوپر اصبغ الکلبی کا تذکرہ گزر چکا ہے جس نے اپنی بیٹی عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عوف کے عقد میں دی تھی۔ اصبغ کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے امرؤ القیس کو اس کا جانشین نامزد کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ارتداد کی جو زور دار لہر اٹھی اس میں بھی امرؤ القیس ثابت قدم رہا۔ (ابن عساکر ا، 432)۔

887: راویوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلب کے بڑا قبیلہ ہونے کے باعث

اس سے مزید قریبی تعلقات چاہتے تھے اور (اس مقصد کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایلچی اور مشہور صحابی دحیہ الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بہن کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی تھی مگر مدینہ پہنچنے سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد دحیہ کلبی نے اپنی دوسری بہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دینے کی خواہش ظاہر کی مگر اس کے مدینہ پہنچنے سے قبل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (محبر صفحہ 93، ابن سعد 115،VIII)

قبیلہ جذام

888: اس باب کے آخر پر قبیلہ جذام کا تذکرہ جو بہت سے دوسرے قبائل کی طرح اسلام کی طرف آسانی سے مائل نہ ہوا۔ یہ قبیلہ خانہ بدوش تھا اور بدوؤں کی تمام برائیاں ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان کی زمانہ قبل از اسلام کی تاریخ بہت تاریک ہے۔ ان کے طرز عمل کی ایک جھلک اس مثال میں دیکھی جا سکتی ہے۔ زید بن عمرو بن نوفل ان چند لوگوں میں شامل تھے جو اسلام سے قبل بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے انہوں نے مذہب کا مطالعہ کرنے کے لیے شام تک کا سفر کیا لیکن انہیں یہودیت نے متاثر کیا نہ عیسائیت نے اور واپسی پر جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے سے گزر رہے تھے تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا (محبر صفحات، 172-175، مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام صفحہ 143-9، سہیلی، I، 145-51) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عالم شباب میں زید سے اچھی طرح واقف تھے اور منصب رسالت پر فائز ہو جانے کے بعد بھی انہیں یاد کیا کرتے تھے۔

889: جذام کی آبادی عرب کے دور شمال میں تھی ان کا ایک گاؤں حسماء مدینہ سے آٹھ دن کے سفر پر تھا اور وہ معان اور فلسطین میں عمان تک بھی پائے جاتے تھے۔

(یاقوت، بلدان، دیکھیے عنوان حسماء، محبر صفحہ 386)

890: یہ امر قابل ذکر ہے کہ 2 ہجری میں جس قریشی تجارتی قافلے کے باعث جنگ بدر ہوئی جسے ابوسفیان لے کر شام جا رہا تھا، اور یہ اطلاع فلسطین میں ابوسفیان کو ایک جذامی نے ہی دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قافلے پر گھات لگانے کا حکم دیا ہے۔ (مقریزی، I، 66) چونکہ جذام کی آبادی مدینہ سے بہت دور تھی اس لیے اسلام کا رابطہ بھی ان سے تاخیر سے ہی

ہوا۔

891: تمام راوی متفق ہیں کہ 6 ہجری کے اواخر میں رفاعہ بن زید (دبیب کی ایک شاخ) مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل حیران کن عزت افزائی پر مبنی فرمان عطا ہوا: (بعض سیرت نگاروں نے اس کا نام زید بن رفاعہ لکھا ہے۔ مترجم)

''میں نے اسے (رفاعہ) اس کی تمام قوم کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو اس کی قوم میں آباد ہو گئے ہیں بھیجا ہے تا کہ یہ انہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلائے۔ اس لیے جو اس کی دعوت قبول کر لیں گے انہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت میں شمار کیا جائے گا اور جو انکار کریں گے انہیں دو ماہ کی مہلت دی جائے گی۔''

(''وثائق'' نمبر 175)

892: ان کے علاقہ میں لوٹ مار بہت عام تھی اور یہ فرمان حاصل کر کے رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی اپنی قوم میں واپس آئے ہی تھے کہ دحیہ الکلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے ہرقل کے دربار میں جانے کے لیے (بعض روایات کے مطابق وہاں سے واپسی پر: مترجم) اس علاقے سے گزر رہے تھے کہ لٹیروں نے ان کا سامان لوٹ لیا۔ رفاعہ نے ان کی مدد کے لیے بہت بھاگ دوڑ کی۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوابی کارروائی کے لیے فوج دے کر بھیجا مگر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمان ہو جانے والوں کو بھی دھنک دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو ان کے بعد بھیجا اور انہوں نے جن کا نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کی اور جو ناجائز مارے گئے تھے ان کا خون بہا ادا کیا۔

(ابن ہشام 975-9، سہیلی II،384)

893: اگلے سال (8 ہجری) موتہ میں جذامی مسلمانوں کے خلاف رومیوں کے ساتھی بنے ہوئے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا تو انہیں جذام کے علاقے سے گزر کر جانا تھا۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص ایک چھوٹے سے قافلے کی معیت میں سفر کر رہے تھے۔ جذامیوں کے رویے سے مسلمان خدشات میں گھر گئے اور عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمک کے لیے پیغام بھیجا چنانچہ سلسل (ذات السلاسل) کے مقام پر ایک چھوٹی سی جھڑپ کے بعد

مسلمان واپس مدینہ آ گئے۔ ذیل میں انسانی دلچسپی کی چند تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

894: شدید سردی کا موسم تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں نے سردی سے بچنے کی خاطر آگ جلانے کے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کیں مگر امیر لشکر عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عاص نے آگ جلانے کی ممانعت کر دی (یقیناً وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن ان کی موجودگی سے باخبر ہو جائے) یہ حکم ان کے آدمیوں پر شاق گزرا۔ ایک اور رات کا ذکر ہے کہ امیر لشکر کے لیے غسل لازمی ہو گیا مگر (شدید سردی کے باعث) انہوں نے تیمّم کر کے نماز کی امامت کروا دی۔ (قرآن نے مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دی ہے)۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کے اس اقدام نے ان کے لشکریوں کو مزید ناراضی کا موقع دے دیا۔ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ ہی عرصہ قبل مسلمان ہوئے تھے اور ان کے لشکر میں خصوصاً بعد میں آنے والی کمک میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح جیسے کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جراح کمک کے طور پر آنے والی فوج کے کمانڈر تھے اور چونکہ آپ قدیمی مسلمانوں میں سے تھے اس لیے عامۃ المسلمین کی خواہش تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی امامت کرائیں مگر جب انہوں نے امامت کے لیے پیش قدمی کی تو عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے کہا کہ امیر لشکر وہ ہیں امامت ان کا استحقاق ہے جب کہ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امدادی کے طور پر آئے ہیں جس پر ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔

ایک اور روز کا ذکر ہے کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص نے دشمن کے ایک گشتی دستے کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا۔ واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام اقدامات اور ان کی وجوہات سے آگاہ کیا جس میں آگ جلانے سے ممانعت کی عسکری نقطۂ نظر سے وضاحت بھی شامل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تمام اقدامات کی توثیق فرمائی۔

(ابن ہشام صفحہ 984-5، ابن سعد، 2/I، صفحہ 94، مقریزی I، 353، ابن عساکر، I، 407، محبر صفحہ 122)

(نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العاص کے جُنبی حالت (واجب غسل) میں نماز پڑھانے کی شدید سردی کی توجیہ قبول کرنے پر ہی مسلمانوں کو تیمّم کی اجازت ملی تھی۔)

895: اس واقعہ کے تیرہ ماہ بعد (رجب 9 ہجری) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی عظیم مہم پر روانہ ہوئے اس جنگ میں بھی جذام کے لشکری رومیوں کی فوج میں شامل تھے (مقریزی ا، 446) مقریزی نے درجہ ذیل واقعہ بھی روایت کیا ہے جو میرے علم کی حد تک کسی اور راوی نے بیان نہیں کیا۔ (مقریزی 469-70)

896: ''عبید بن یاسر بن نمیر (راوی نے قبیلہ کا ذکر نہیں کیا) اور ایک جذامی (اس کا نام نہیں دیا) تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حال ہی میں مقنا (خلیج عقبہ کی بندرگاہ) پر قبضہ کیا تھا اور اس کے مکینوں نے اپنی مچھلی اور پھلوں کی پیداوار کا ایک چوتھائی خراج کی شکل میں دینا منظور کیا تھا بقول راوی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جذامیوں کے قبول اسلام کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقنا کے خراج کی پوری آمدنی ان دونوں جذامیوں کے نام کر دی۔ مزید یہ کہ عبید نے ایک قیمتی گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کیا اور ایک دوڑ میں جو اس موقع پر کروائی گئی اس گھوڑے نے کامیابی حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا اپنے لشکر کے ایک شہسوار مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔

897: تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر پا کر ایک جذامی سردار مالک (بن احمر یا عمر) عوفی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے درج ذیل فرمان عطا کیا: (''وثائق'' نمبر 174)

''یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مالک اور اس کے ساتھی مسلمانوں کے لیے ہے۔ یہ ان کے تحفظ کی ضمانت ہے اور جب تک وہ نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے (دوسرے) مسلمانوں کا ساتھ دیں گے، مشرکوں سے الگ تھلگ رہیں گے۔ مال غنیمت کا خمس سرکاری خزانے میں جمع کرائیں گے جو مقروضوں (غارمین) اور فلاں فلاں کا حصہ اور حق ہے تو انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور حمایت حاصل رہے گی۔''

898: مشرکین سے ترک مراسم کا مطالبہ چاہے وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ایک بار پھر دیکھنے میں آیا ہے یقیناً اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانے کا داعی ہے جس کی بنیاد خون، مادر

وطن یا زبان کی محبت اور پہچان پر نہیں بلکہ صرف نظریہ حیات پر ہے۔ یہ ''قومیت'' (کسی جگہ پیدائش یا اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ خالصتاً ''حسن انتخاب'' ہے۔

دوسرا مطالبہ جو بھاری قرضے کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں (غارمین) کے حصے سے متعلق ہے غالباً یہ اس سماجی ضمانت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر نہ صرف قرآن (60/9) بلکہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ریاست مدینہ کے آئین میں مذکور ہے۔ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر گروپ اپنے آپ کو ایک یونٹ تصور کرے اور اگر اس کا کوئی ممبر بھاری بوجھ تلے دبا ہوا ہے (مثلاً اس کے ہاتھوں حادثاتی طور پر قتل سرزد ہو جاتا ہے اور اسے خون بہا ادا کرنا ہے جو اس کے بس کی بات نہیں) تو یہ اس گروپ کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ساتھی کا قرض ادا کریں۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے سے یہی اصرار کیا تھا کہ وہ ''سوشل انشورنس'' کا اہتمام کریں جس کا مطلب ہے ایک دوسرے کی مدد

899: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً 9 ہجری کے لگ بھگ قبیلہ بنو جفال کو بھی ایک دستاویز عطا کی (''وثائق'' نمبر 176) جس میں ایران کے علاقے میں ان کی زیر ملکیت املاک کی توثیق کی گئی۔ دستاویز میں جذام اور سعد۔ ہذیم کو مشترکہ طور پر مخاطب کیا گیا۔ اس میں ٹیکس کی شرحیں مذکور ہیں اور ہدایت کی گئی ہے کہ ٹیکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرکاروں کے حوالے کیے جائیں جس میں مال غنیمت کا خمس بھی شامل ہو (''وثائق'' 177) لیکن بنو جفال کو سونپی گئی فوجی مہم کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

دوسرے قبائل

900: بہت سے دوسرے قبائل میں جن کے اسلام سے تعلقات کی مکمل تفصیلات معلوم و معروف ہیں تاہم ان کی نسبتاً کم اہمیت اور تفصیلات کی یکسانیت کے باعث ان کے عدم تذکرہ سے موضوع متاثر ہونے کا احتمال نہیں۔

باب 44

مشرکین کے ساتھ اتحادی معاہدات کی تنسیخ

901: عرب قبائل اور مسلمانوں کے مابین تعلقات کا ہم پہلے ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اسلام کے لیے نرم گوشہ رکھنے والوں اور مسلمانوں کے اتحادی قبائل میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل تھے کہ اگر چہ وہ بت پرست تھے تاہم وہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون بھی کرتے تھے اور وفاداری کے ساتھ طے شدہ معاہدات پر بھی عمل پیرا رہے۔ مثلاً مدلج اور خزاعہ وغیرہ تاہم یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام ان قبائل میں آہستہ آہستہ سرایت کر رہا تھا اور مسلمان اپنے کافر رشتہ داروں کے ساتھ پرامن اور ہنسی خوشی رہ رہے تھے۔ 09ھ کے اختتام کے قریب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی چند ایک ایسی آیات کا نزول ہوا جو ازاں بعد انتہائی دور رس نتائج کی حامل قرار پائیں۔ یہ نویں سورت ہے جس کا نام ''توبہ'' ہے جس کی پہلی 29 آیات میں معاہدات سے دستبرداری کا اعلان ہوا ہے۔

902: فتح مکہ کے قریباً ایک سال بعد حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حج کے دوران قرآن کی مذکورہ آیات کے اعلان کا حکم صادر فرمایا تا کہ عرب کے مختلف حصوں سے آنے والے حجاج کرام اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ یہاں مذکورہ صدر آیات کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

''اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے مشرکین کے عہد سے دستبرداری ہے جن سے تم نے بلاتعین مدت عہد کر رکھا تھا۔ سو تم اس سرزمین پر چار مہینے چل پھر لو۔ اور بڑے حج کی تاریخوں میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین کو امن دینے سے پھر اگر تم کفر سے توبہ کر لو تو بہتر ہے۔ اگر تم نے

اسلام سے اعراض کیا تو جان رکھو تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ ہاں البتہ اس سے وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ نہ کمی کی اور نہ ہی تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی۔ سو ان کے معاہدے کو مدت مقررہ تک پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ بدعہدی سے احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ سو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو، پکڑو، باندھو، اور داؤ گھات کے موقع پر ان کی تاک میں بیٹھو اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی سن لے۔ مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں تو ان پیشوایان کفر سے لڑو کہ یہ باز آجائیں۔ اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے ایسا عزیز رکھیں کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ اے ایمان والو! مشرک لوگ بوجہ عقائد خبیثہ نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو تم خدا پر توکل رکھو خدا تم کو اپنے فعل سے اگر چاہے گا ان کا محتاج نہ رکھے گا۔ اہل کتاب جو نہ خدا پر اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین اسلام کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس عالمگیر چارٹر کا اعلان فرمایا اس کے چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

(1) اسلامی ریاست کی نظریاتی بنیاد کے باوجود، اس کے قیام کا جواز اور مقصد دین حق کا پرچار اور اشاعت اسلام ہی تھا نیز اسلام دیگر اہل کتاب کے ساتھ باہمی رواداری برداشت اور تحمل کا داعی تھا جہاں یہ لوگ مسلم ریاست کے رعایا تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی آزادی اور عقائد اپنانے میں چھوٹ عطا کی تھی جن میں یہود و نصاریٰ، سبائی اور مجوسی بھی شامل تھے۔ ازاں بعد آپ کے خلفاء نے یہ رعایت بربر، بدھ مت اور برہمن ازم کے پیروکاروں کو بھی عطا کی۔ (ترمذی 31:19، ابن ماجہ 41:17، شافعی IV، 96) عباسی دور کے فقہا کے مطابق تو

بت پرستوں (مشرکین) اور ملحدین و منکرین تک نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا۔

(ابو یوسف "خراج"، ص73؛ سرخسی "مبسوط" X، 119)

(2) مسلمانوں کو قرآن میں (سورہ توبہ آیات نمبر 4 اور 7) میں یہ حکم دیا گیا کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ اپنے معاہدات کی پابندی کریں۔ یعنی مشرکین اور کافرین کے ساتھ اپنے عہد نبھائیں۔

(3) غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دائمی نوعیت کے معاہدات نہ کیے جائیں اگر کوئی ایسا معاہدہ کیا ہے تو اسے منسوخ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے قرآن کریم نے عرب کے قبائل کو چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی اس کے بعد انہیں اجازت دی گئی کہ وہ محدود مدت کے لیے نئے معاہدات کر سکتے تھے۔ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 سال کی مدت تک کے معاہدات کیے۔

(4) اسلام اور غیر اسلام کے مابین کوئی مساوات یا برابری نہیں لیکن دنیاوی معاملات میں دونوں کے مابین مکمل غیر جانبداری کا برتاؤ ہوگا قانونی عدالتوں میں بھی اور شہری و فوجی انتظامیہ کے معاملات میں بھی قرآن سورت نمبر 5 کی آیت نمبر 2 میں فرماتا ہے کہ (خیرات) کے معاملات میں غیر مسلموں کے ساتھ تعاون کرو۔"

(5) اس آیت پر غور کیا جانا چاہیے آیت نمبر 6 "اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دی جائے تاکہ وہ کلام الٰہی سنے اور پھر اسے امن کی جگہ پہنچاؤ"

(6) کعبہ اب صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص ہو چکا ہے۔ اب مشرکین کو وہاں اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کی اجازت نہیں۔ (آیت نمبر 28) دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ مدینہ بدستور اسلامی ریاست کا سیاسی دارالحکومت رہا تاہم مکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے واسطے مذہبی مرکز کی حیثیت دے دی گئی۔

903: ابو عبید کا بیان درست ہے کہ اتحادی معاہدات کے خاتمے کا اعلان خصوصی طور پر دوست قبائل کے متعلق تھا یعنی خزاعہ اور مدلج لیکن دیگر چند ایک قبائل اور بھی اس زمرے میں شامل تھے۔ یہ وہ قبائل تھے جہاں اسلام نے ابھی پوری طرح جڑ نہیں پکڑی تھی۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس یک طرفہ طور پر معاہدات کے خاتمے کے اعلان سے مشرکین عرب

پر مسلمانوں کا دباؤ بڑھ گیا اور ان میں اسلام قبول کرنے کی ترغیب کے جذبے کو فروغ حاصل ہوا۔ لیکن ایسا ان قبائل کے ساتھ نہ کیا گیا جو جزیرہ نمائے عرب کے باہر کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اور جو مسلم ریاست کا حصہ تھے نہ ہی اس اعلان سے یہودی، عیسائی وغیرہ متاثر ہوئے کہ یہ اہل کتاب تھے بلکہ یہ پرامن طور پر عرب مسلم ریاست کا حصہ تھے۔ دراصل یہ اعلان ایک قسم کا ایسا دباؤ تھا جو عموماً کوئی باپ اپنی نافرمان اور گستاخ اولاد پر ڈال سکتا ہے۔

باب 45

فتنہ ارتداد اور قبائل کی بغاوت

904: عرب قبائل کی طوائف الملو کی کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے باعث ایک منظم سیاسی قوت کی جانب موڑ دیا۔ اس سے کچھ لوگوں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حسد کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ بلکہ یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران ہی شروع ہو گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی سیاسی قوت و اقتدار پر اظہار ناراضی کرنے پر ہی اکتفاء کیا جب کہ کچھ دیگر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل خدا کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ تک کر ڈالا۔ اس سلسلہ میں پہلے بھی یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ایک نجدی ھوذہ ابن علی نے حکومتی اقتدار میں شراکت کو قبول اسلام سے مشروط کر دیا تھا اور پھر اس کی دیکھا دیکھی اس کے ایک رشتہ دار مسیلمہ نے یہ تک دعویٰ کر ڈالا کہ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ ایک پیغمبر ہے۔

905: ایسا لگتا ہے کہ فصلوں اور جانوروں پر زکوٰۃ کی وصولی ہی اکثر قبائل میں بغاوت کا سبب بنی تھی کیونکہ اس نوعیت کے ٹیکس سے بدوی معاشرہ قبل ازیں واقف ہی نہ تھا۔ مسیلمہ کا اہل نجد پر کافی اثر و رسوخ تھا اور یہاں کے لوگوں میں اسلام ابھی پوری طرح رچ بس نہیں سکا تھا۔ یہاں ہم بطور خاص یمن کے مذحج قبیلہ کا ذکر کریں گے جہاں الاسود الانسی نے جس کا اصل نام ذوالحمار عبہلہ تھا صنعاء کے شہر پر قبضہ کر لیا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ انتظامی عہدیداران کو نکال باہر کیا۔ پھر طلیحہ الاسدی نے شمالی مشرقی عرب میں بغاوت کا علم بلند کر دیا اور سمیراء میں اپنی افواج جمع کرنے لگا۔ غطفانی ام قرفہ کی بیٹی ام زمل نے بھی مدینہ کے خلاف ایک تحریک کی قیادت کی یہ واقعات 11ھ کے ہیں۔ (طبری، I، 1901)

906: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر باغیوں کے ہمسایہ قبائل کے سرداران کو خطوط تحریر فرمائے جن میں ان سے کہا گیا تھا کہ وہ جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف جنگ کریں۔ طبری نے اس سلسلہ میں 19 خطوط محفوظ کیے ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سرداران کو تحریر فرمائے جن کا تعلق قبیلہ تمیم، حمیر، قیس اور حنیفہ وغیرہ سے تھا اور عجمی النسل مسلمانوں کو بھی اسی نوعیت کے خطوط ارسال فرمائے جن میں فیروز داذویہ، ثمامہ ابن اثال، زبریقان ابن بدر اور دیگر مسلم سردار شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید علالت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہب اسلام کے لیے فکر و تشویش میں آڑے نہ آسکی۔

907: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے قبل ہی یمن کے الاسود العنسی کو قتل کر دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خبر خوش کن تھی کیونکہ یہ وہی شخص تھا جس نے ایک عجمی مسلم خاتون جس کا نام ''آزاد'' تھا پر زبردستی قبضہ کر لیا جب کہ اسی مسلم خاتون کی کوششوں سے مسلمان حکومت کی افواج اس کے قلعہ میں داخل ہو گئیں اور اسے ٹھکانے لگا دیا۔ یہی سردار تھا جس نے حضرموت سے طائف تک کا ایک وسیع علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

908: مسیلمہ کی طرح طلیحہ نے بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ معاہدے کرنے کی غرض سے ایک خط لکھا تھا لیکن یہ دونوں ساتھ ساتھ بغاوت پر بھی آمادہ رہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد فتنہ ارتداد زور وشور سے شروع ہو گیا ذوالتاج لاقیط ابن مالک عمان میں، اشعث الکندی یمن (الاسود کی موت کے بعد) ام زمل بنت ام قرفہ جس کا تعلق غطفان قبیلے سے تھا اور قبیلہ تمیم سے سجاح جیسے مرتدین اٹھ کھڑے ہوئے بلکہ موخر الذکر خاتون نے تو خاتون پیغمبر تک ہونے کا دعویٰ کر ڈالا۔

909: واقدی کے مطابق اسلام سے برگشتگی کی واحد وجہ محض زکوٰۃ کا نفاذ ہی نہیں تھا بلکہ اس سلسلہ میں ذاتی مفادات کا کردار بھی بڑا اہم ہے۔ واقدی کی "کتاب الردۃ" (ارتداد) میں فراہم کردہ تمام معلومات کو یہاں دہرانا ہمارے لیے ناممکن ہے اور نہ ہماری اس کتاب کا براہ راست مضمون ہے، اور نہ ہی یہ بیان کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنہ کو کیسے کچلا۔ وصال مبارک سے قبل ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں اپنی حکمت عملی کا اظہار فرما دیا تھا بلکہ اس سلسلہ میں (جنگی پالیسی) کو قانونی شکل دے دی تھی جس پر ازاں بعد

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل کیا۔طبری کے مطابق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جوشیش الدیلمی'' جوقبیلہ''ابناء'' کا سردار اور یمن کا رہائشی تھا کے نام خط میں واضح طور پر لکھا تھا ''مذہب پر سختی سے جمے رہو، جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہو،الاسود سے کسی طور نجات حاصل کرو،خواہ اسے قتل کرو یا دو بدو حملہ کر کے مار ڈالو۔اس سلسلہ میں ہر اہل اور ایماندار مسلمان کی مدد حاصل کرو اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا واسطہ دے کر اسلام کو بچانے کی دعوت دو۔''

910: اس وقت طوائف الملوکی کا شکار عرب معاشرہ ایک نئی ریاست کے زیر نگیں تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا۔اور رجعت پسند قوتیں اس نئے نظام کی ناکامی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھیں اور وہ اس نئی تنظیم کو قبول نہیں کر رہی تھیں حتیٰ کہ انہیں سختی سے کچل دیا گیا اور وہ زیر ہو گئیں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کے آخری چند ماہ یہ سلسلہ جاری رہا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں نے نہایت ہی خاموشی اور آہنی ہاتھ سے اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان کی کامیابی کی بدولت ہی یہ ممکن ہوا کہ یہ عظیم اصلاحی تحریک انتشار سے محفوظ رہی اور یوں اس کے لیے عالمی مشن کے دروازے کھل گئے۔

باب 46

یہودیوں سے تعلقات

911: بعض اوقات یہودیوں اور اسرائیلیوں کو ایک دوسرے سے مختلف شمار کیا جاتا ہے تاہم اس باب میں دونوں کو ہم معنی ہی تصور کیا جائے گا۔ خالصتاً اپنی مشترکہ ولدیت کی بنیاد پر تشکیل پانے والی جو قومیں آج وجود رکھتی ہیں یہودی ان میں قدیم ترین ہیں۔ ان کا اپنا مذہب، اپنا ادب اور اپنی تاریخ ہے جو سب دلچسپ اور اہم مقام کے حامل ہیں۔ ان کے جد امجد پیغمبر یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل تھا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا وطن مالوف میسوپوٹیمیا (عراق) تھا اور ان کی توحید پر مبنی تعلیمات کے باعث ان پر شاہ بابل نمرود کا غیظ وغضب نازل ہوا۔ دور جدید کے بعض سکالرز کا موقف ہے کہ نمرود اور عظیم قانون ساز حمور بی، جس کے قوانین کی حامل لوح پیرس کے Louvre میوزیم کی خوبصورت یادگاروں میں شمار ہوتی ہے، ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا نام آج مشرق قریب کے کونے کونے میں معروف ہے۔ عرب، شام اور مصر غرض وہ کون سی جگہ ہے جہاں آپ علیہ السلام کو کوئی نہیں جانتا آپ کا مزار شہر خلیل (فلسطین) میں ہے اور آپؑ کی اولاد کا ان تمام علاقوں میں پایا جانا حیران کن نہیں۔ اسلامی روایات کے مطابق (خصوصاً قرآن کی سورہ 12) یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا حسد ان کے خاندان کی سرزمین مصر کی جانب ہجرت کا باعث بنا۔ ان کے چہیتے بیٹے یوسف کو ان کے بھائیوں نے وہاں سے گزرنے والے قافلے کے ہاتھ فروخت کر دیا اور حالات کے جبر نے یوسف علیہ السلام کو فرعون (شاہ مصر) کے ایک وزیر کی ملازمت اختیار کرنے پر مجبور کر دیا (اس فرعون کا تعلق ھکسوس خاندان سے تھا جو 1700 سے 1580 قبل مسیح کے زمانے میں حکمران رہے اور ان کا اصل ملک شام

تھا)۔ بعد میں کسی وقت یوسف کو خزانے کا انچارج وزیر بنا دیا گیا اور یوسف جیسے دیانت دار اور با صلاحیت وزیر کے انتظامات کے تحت سلطنت بہت خوشحال ہو گئی اور ان کی نگاہ دور بین نے اچھی پیداوار اور پھر قحط سالی کے ادوار کی آمد و رفت سے اندازہ کر کے مستقبل کی ممکنہ قحط سالی سے نمٹنے کے لیے غلہ کے بھاری ذخائر محفوظ کر لیے۔ ادھر یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اپنے علاقے میں شدید قحط کے باعث اناج لینے کے لیے مصر چلے گئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور اس طرح ان کے بوڑھے والدین سمیت تمام اہل خانہ مصر منتقل ہو گئے۔

912: جلد ہی حالات کا دھارا اس طرح بدلا کہ ''فراعین شام'' کے ھکسوس خاندان کو زوال نے آلیا اور ''فراعین مصر'' کے اقتدار کا دور شروع ہو گیا۔ ان حالات کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل کے چہیتے اگلے ہی روز ''ہدف'' بن جاتے ہیں۔

اگر ہم **1580** قبل مسیح کو ھکسوس خاندان کے زوال کا سال شمار کریں اور **1260** قبل مسیح کو فرعون مصر رعمسس II کے عہد میں قوم موسیٰ (اسرائیلی) کے خروج کا سال تسلیم کر لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اہل کنعان خصوصاً اسرائیلیوں کو تین سو سال تک مصر میں عذاب و تعدی کے تھپیڑے سہنے پڑے۔ رعمسس دوم ''ستی اول'' کا بیٹا اور جانشین تھا اور اس نے **1330** سے **1260** قبل مسیح تک حکومت کی۔ قرآن کے مطابق اس کا عہد خاص طور پر قوم موسیٰ کے لیے بڑی آزمائش کا تھا۔ فرعون مصر کو دین موسوی قبول کرنے پر آمادہ کرنے میں ناکامی کے بعد انہوں نے مصر سے ہجرت کا فیصلہ کیا۔ دو سرداروں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام (موسیٰ علیہ السلام پیغمبر اور ہارون علیہ السلام ان کے مددگار تھے) کی قیادت میں اس اجتماعی ہجرت سے افرادی قوت کی شدید کمی کی بنا پر مصر کی خصوصاً زرعی معیشت کی تباہی کے خدشے کو بھانپ کر فرعون نے اپنی فوج کے ہمراہ اسرائیلیوں کا تعاقب کیا تا کہ انہیں ملک چھوڑنے سے روکا جا سکے۔ مگر اس کوشش میں رعمسس دریا میں ڈوب گیا۔ قرآن میں یہ تو مذکور نہیں کہ رعمسس دریائے نیل میں ڈوبا یا بحیرہ احمر میں تاہم یہ ذکر ہے **(92/10)** کہ فرعون کے جسم کو (عبرت کے لیے) محفوظ رکھا گیا۔ مسلم شارحین کے لیے بڑی مشکل تھی کہ وہ اس قرآنی آیت کی تشریح کیسے کریں اور آخر کار (اللہ کا وعدہ پورا ہوا) **1881**ء میں رعمسس کی ممی جو اب قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے دریافت ہو گئی۔

(قدیم ماہرین مصریات کی تحقیق کی بنیاد پر میں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں اور اس جگہ اور اگلے اوراق میں پیرا 920 نمبر پر یہی لکھا ہے کہ قوم موسیٰ کے تعاقب کے دوران ڈوبنے والا فرعون رعمسس تھا مگر اب بعض محققوں کا اصرار ہے کہ ڈوبنے والا رعمسس کا بیٹا اور جانشین منفتہ تھا۔ یہ ابہام دو وجوہ کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ (i) بائبل (باب خروج 23/2 اور تسلسل) کا اصرار ہے کہ ''موسیٰ کے مدین میں پناہ گزین کی حیثیت سے قیام کے دوران فرعون کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد موسیٰ مصر واپس گئے اور نئے حکمران سے کہا کہ وہ اسرائیلیوں کو ملک چھوڑنے کی اجازت دیدے۔ (ii) ماہرین آثار قدیمہ کو کھدائی کے دوران ایک لوح ملی ہے۔ جس کے مندرجات منفتہ کی اس لاف زنی پر مشتمل ہیں کہ اس نے اسرائیلیوں کا قلع قمع کر دیا ہے اور انکی نسل کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑا۔ لیکن یہ دعویٰ بھی ابہام اور پیچیدگیوں سے خالی نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ بائبل (خروج 11/2-15) اور قرآن (14/28-22) دونوں میں صراحت سے یہ ذکر موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کا غیر ارادی قتل جوانی کے ایام میں ہوا جس کے بعد انہوں نے (شاہی عتاب سے بچنے کے لیے) مصر سے بھاگ کر مدین میں پناہ لے لی۔ اس کے بعد بائبل (خروج 7/7) کہتی ہے ''موسیٰ کی عمر 80 اور ہارون (ان کے بڑے بھائی) کی 83 برس تھی جب انہوں نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا''۔ اس کا مطلب ہے کہ موسیٰ نے 50 سال جلاوطنی میں گزارے؟ لیکن یہ خلاف حقیقت ہے ممکن ہے کہ یہ اس طرح ہو کہ موسیٰ کی عمر اس وقت تیس (چالیس؟) اور ہارون کی ان سے تین سال زیادہ اور 80 سال کی عمر فرعون کی ہو جس کا وہاں حوالہ دیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے قرآن کا بیان زیادہ قابل اعتماد اور وقیع ہے۔ (27/28-32) ''جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی (اپنے سسر کی خدمت کے طے شدہ آٹھ یا دس سال) تو وہ اپنے اہل خانہ (بیوی) کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔'' اور سینا کے راستے پر چل پڑے اور اسی دوران انہیں نبوت کی ذمہ داریاں سونپی گئیں اور حکم دیا گیا کہ فرعون کو جا کر اللہ کا پیغام سناؤ اور بظاہر یہ وہی فرعون تھا (جس سے بچنے کے لیے موسیٰ نے مدین میں پناہ لی تھی) کیونکہ قرآن (18/26-19) اس سے یہ الفاظ منسوب کرتا ہے جو اس نے موسیٰ سے کہے ''کیا ہم نے تجھے بچہ کی حیثیت سے نہیں پالا تھا اور کیا تم نے زندگی کے کئی سال ہمارے ساتھ نہیں گزارے۔ پھر تم نے وہ کام کیا جو کہ تم کر چکے ہو اور تم ناشکر گزار آدمی ہو'' (مدین سعودی عرب میں عقبہ کے

جنوب میں واقع ہے)۔

جہاں تک منفتہ کی مذکورہ بالا لوح کا تعلق ہے۔ میں یہاں عبدالوہاب النجار (قصص الا نبیاء دوسرا ایڈیشن، قاہرہ صفحہ 203) کا حوالہ دیتا ہوں جس میں انہوں نے لکھا ہے ''نمبر 599 کے تحت ریکارڈ میں مندرجہ گرینائٹ کی یہ لوح 3 میٹر، 14 سینٹی میٹر اونچائی کی حامل ہے اوراس پر دو مختلف ادوار سے متعلق تحریریں ہیں۔ایک امینوٹپ III (امینوفس؟) کی ہے جس میں بیان ہے کہ اس نے اپنے بت کے لیے کیا کارنامے انجام دیئے اوراس کی دوسری جانب منفتہ اوراس کی فتوحات کا تذکرہ ہے جواس نے لبیائیوں اور فلسطینیوں کے خلاف حاصل کیں۔لکھا ہے ''بنی اسرائیل تباہ و برباد کر دیئے گئے اوران کی نسل سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔'' تاہم یہ تحریر مشتبہ نظر آتی ہے کہ اتنی عظیم فتوحات کے لیے الگ لوح تیار نہیں کرائی گئی اور یہ تفصیلات ایک اور قدیم لوح پر کندہ کردی گئیں؟ مصری ماہروں کا گمان ہے کہ بعد کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے مقابلے میں پسپائی کواپنی قوم کے لیے شرمناک خیال کرتے ہوئے چاہا کہ اس کوتاریخ کے اوراق سے نکال دیا جائے اوراس کے لیے تاریخ میں ردو بدل سے بھی گریز نہ کیا اور یہ موقف اختیار کرلیا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں فرعون کو ہزیمت نہیں اٹھانا پڑی اور مصریوں نے ان کی نسل ہی ختم کردی اس لیے مصر میں ایک بھی اسرائیلی باقی نہیں رہا۔''

یہاں 1976ء میں پیرس میں کئی ماہ تک جاری رہنے والی ''عظیم رعمسس کی نمائش'' کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جب رعمسس دوم کی ممی پیرس لائی گئی تاکہ اس کے جسم کے بتدریج تحلیل ہونے والے عمل کو روکا جاسکے (روزنامہ لی ماندے، پیرس 25 ستمبر 1976ء)۔ مارس بوسلی اپنی کتاب The Bible, The Quran and Science میں لکھتے ہیں کہ 1881ء میں رعمسس دوم کی ممی دریافت ہوئی تو اسکے گلنے کا عمل پہلے ہی شروع ہو چکا تھا جس میں اب شدت آگئی ہے جیسا کہ فرانس میں ہونے والے طبی معائنہ کے دوران انکشاف ہوا ہے۔ فرانسیسی ڈاکٹروں نے اس کے جسم کے کچھ حصے تفصیلی معائنے کے لیے حاصل کیے تاہم اس کتاب کے شائع ہونے تک اس کے نتائج ظاہر نہیں کیے گئے تھے۔اسی مصنف نے ستمبر 1976 میں ہی آثار قدیمہ سے متعلق ایک ماہنامہ میں صفحہ 30-38 میں اس موضوع پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ مختلف قسم کے جدید آلات سے ہونے والے معائنے سے معلوم ہوا ہے کہ رعمسس دوم کا

جسم بالکل محفوظ ہے جب کہ اس کے بیٹے اور جانشین منفتہ کی کھوپڑی پچکی ہوئی تھی جو اچانک موت کی ایک واضح علامت ہے۔ تاہم اس کا کہنا ہے کہ منفتہ کے جسم پر رعمسس دوم سے زیادہ پانی میں رکھے رہنے کے آثار نہیں ملے۔

بوسلی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ پانی میں غرقابی اگر ہوئی بھی تو وہ زیادہ طویل نہیں ہوگی (شاہی فوج نے اس کے جسم کو فوراً ہی پانی سے نکال لیا ہوگا۔)

ہماری رائے میں مندرجہ بالا معلومات یہ یقینی حکم لگانے کے لیے کافی نہیں کہ منفتہ ہی فرعون موسیٰ علیہ السلام تھا جو کہ غرقاب آب ہوا کیونکہ اگر ہم بائبل کی تصریحات پر آنکھیں بند کر کے یقین نہ کرلیں تو حقیقت یہ ہے کہ ممیوں پر ہونے والے طبی تجربات سے حتمی طور پر ہنوز یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ ڈوبنے والا فرعون رعمسس نہیں منفتہ تھا اور یہ کہ اس کے مردہ جسم کو فوراً ہی سمندر سے نکال لیا گیا تھا۔ کھوپڑی کا پچکے ہوئے ہونا ڈوبنے کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔

منفتہ کی لوح کی تحریر کا انداز وہی ہے جس کے ذریعے قدک کی جنگ میں حیتیوں (Hittis) پر رعمسس کی عظیم "فتح" کی کہانی سنائی گئی ہے جب کہ درحقیقت رعمسس صرف دشمن کی پیش قدمی اور جنگ کو روکنے میں کامیاب ہو سکا تھا جب کہ قدک کا شہر جس پر حتی قابض تھے بدستور انہی کے پاس رہا۔ منفتہ کی لوح کی تحریر دراصل اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے تھی کہ اسرائیلی مصر چھوڑ کر جا چکے ہیں)۔ اگر منفتہ پہلے ہی ڈوب کر ہلاک ہو چکا تھا تو وہ اس بادشاہ (منفتہ) کا جانشین ہوگا جس نے یہ لوح کندہ کروائی ہوگی۔ اگر منفتہ کی لوح کے مطابق بنی اسرائیل کی تباہی کا عمل مصر کے اندر ہی مکمل ہوا اور یہ بنی اسرائیل پر مصریوں کے لامتناہی سلسلہ مظالم کا نکتہ اختتام تھا تو پھر خروج کا واقعہ ہی سرے سے رونما نہیں ہوا۔ کیونکہ ہجرت کے لیے کوئی شخص باقی ہی نہ بچا ہوگا لیکن اگر بنی اسرائیل کے استیصال کا یہ عمل سینا میں مکمل کیا گیا جو کہ سابق بادشاہ کی حادثاتی موت کے انتقام میں ہوسکتا تھا تو اس صورت میں بائبل میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ اس لیے یہ نتیجہ کم وبیش ناقابل تردید نظر آتا ہے کہ منفتہ کی لوح محض زیب داستان ہے۔ اور خروج کے بعد مصر میں کسی اسرائیلی کے باقی نہ رہنے کے نتیجہ میں ہونے والی شاہی قوم کی رسوائی پر پردہ ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔

جہاں تک کہانی کے اس حصے کا تعلق ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مدین میں قیام کے

دوران ایک فرعون کا انتقال ہو گیا تھا۔ (خروج، 23/2) بائبل کی اس روایت کو کئی معتبر مورخ مبہم اور مشکوک قرار دیتے ہیں (بحوالہ بوسلی۔ بائبل قرآن اور سائنس بزبان فرانسیسی صفحہ 232) ایسی ممیاں جن میں دماغ اور جسم کے اندرونی اعضا نکال لیے گئے ہوں ان سے یہ حتمی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ 3000 سال پہلے ان کی موت طبعی تھی یا وہ ڈوبنے سے ہلاک ہوئے تھے۔ اگر یہ اتفاق سے ثابت بھی ہو جائے کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنے والا فرعون رعمسس تھا اور جس فرعون کے زمانہ میں اسرائیلیوں نے خروج کیا منفتہ تھا۔ (اور اگرچہ ابھی تک ممیوں پر جدید ترین آلات کی مدد سے ہونے والی تحقیق سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی)۔ تو بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن نے کہانی کا مختصر انداز میں ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیلات بیان کرنے کی بجائے صرف اشارے دیئے ہیں اور چونکہ منفتہ اپنے باپ کی زندگی کے آخری سالوں میں معاملات حکومت میں پوری طرح شریک ہو چکا تھا تو یہ بات یقیناً اس کے علم میں ہوگی کہ موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں ''ملازم'' رہ چکے ہیں اور اس صورت میں وہ بھی موسیٰ علیہ السلام سے یہ الفاظ کہنے کی پوزیشن میں تھا کہ

''کیا ہم نے تجھے بچہ کی حیثیت سے انہیں پالا تھا۔۔۔ اور تم بڑے ناشکر گزار نکلے ہو۔'' (قرآن 26/18-19)

سر دست ہم اس مفروضہ پر چلیں گے کہ یہ رعمسس دوم تھا جس نے موسیٰ علیہ السلام کو عالم طفولیت میں دریائے نیل سے بچایا تھا پھر اس کی پرورش کی اور پھر اس کا تعاقب کرتے ہوئے ''نرسلوں کے سمندر'' (دریائے نیل) میں غرق ہو گیا۔ یاد رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی کشتی کو دریائے نیل کے نرسلوں میں سے چھوڑا تھا۔ (خروج 3/2) اور بحیرۂ احمر کے ساحل پر نرسل نہیں پائے جاتے اور جہاں تک فرعون سے ملاقات کے وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر 80 سال ہونے کے مفروضے کا تعلق ہے اندازہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کی عمر ہوگی کیونکہ فرض کریں جب ان سے غیر ارادی طور پر مصری کا قتل ہوا تو اگر ان کی عمر 30 سال کی تھی اور انہوں نے 10 سال مدین میں قیام کیا پھر اس کے بعد صحرائے سینا میں ان کے قیام کے مصدقہ 40 سال شمار کیے جائیں۔ (قرآن 26/5) تو یہ 80 سال ہی بنتے ہیں۔ بائبل بھی اس مدت سے اس طرح اتفاق کرتی ہے (خروج 7/7) کہ ''موسیٰ علیہ السلام 80 سال کے تھے جب وہ مدین سے واپس ہوئے اور صحرائے مواب (MOAB) میں ان کے انتقال کے وقت

ان کی عمر 120 برس تھی (7/37, Deuteronomy عہد نامہ قدیم کی کتاب پنجم)۔ اس طرح بائبل کے مطابق بھی خروج کے بعد کی زندگی کا عرصہ چالیس سال ہی بنتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رعمسس نے 67 سال حکومت کی اور اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس کا انتقال 90 سے 100 برس کی عمر کے درمیان ہوا۔ (بوسلی، Momies صفحہ 34) میری طرح کے ایک مبتدی کو رعمسس کی تصویر اتنی ''بوڑھی'' نظر نہیں آتی اور اس کے تمام دانت بھی اپنی جگہ قائم ہیں۔ تاہم میں اپنے موقف پر اصرار نہیں کرتا کیونکہ ایک لحیم شحیم بادشاہ کے لیے بہر حال ناممکن نہیں تھا کہ وہ ایک آرام دہ رتھ گاڑی میں براجمان ہو کر بڑھاپے کے باوجود اسرائیلیوں کا تعاقب کر سکے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ممیاں بالائی مصر میں نیل کے مغربی کنارے پر Thebes کے مقام پر دریافت ہوئیں اور اگر ہم بائبل کا یہ بیان بھی تسلیم کر لیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت رعمسس کے شہر سے شروع ہوئی تو بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ بادشاہ اس وقت Thebes میں تھا یا کہ نیل کے ڈیلٹے میں واقع شمالی دارالحکومت میں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ بادشاہ بہر حال اسرائیلیوں کی ہجرت کے وقت وہاں سے دور کسی مقام پر تھا جہاں اسے ان کے خروج کی اطلاع ملی کیونکہ اگر فرعون اسی شہر میں ہوتا جہاں سے اسرائیلیوں نے خروج کیا تو اس کی موجودگی میں انہیں اس اقدام کی جرأت نہ ہوتی)۔

913: قرآن کے مطابق (9-23/5) موسیٰ علیہ السلام (اپنی قوم کو لے کر) فلسطین میں آباد ہونے جا رہے تھے لیکن یہودی علاقے کے عرب مکینوں سے خوفزدہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے پیغمبر کی بات سننے سے بھی انکار کر دیا۔ جس کی سزا کے طور پر انہیں چالیس سال تک صحرائے سینا کی خاک چھاننا پڑی اور اسی دوران موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کا انتقال ہو گیا۔ عہد نامہ قدیم کی اس روایت (سیموئیل، 3-1/15) کا تذکرہ قرآن میں موجود نہیں جس میں کہا گیا ہے، اگر اسرائیلی علاقے کے عرب مکینوں یعنی عمالقہ کے ''مردوں اور عورتوں، بچوں اور نوزائدگان، گائیوں، بھیڑوں، اونٹوں اور گدھوں کا صرف اس لیے قتل عام کرتے کہ وہ حملہ آور اسرائیلیوں کے حملے کے خلاف اپنی زمین کا دفاع کر رہے ہوتے تو یقیناً موقع آنے پر مرنے والوں کے انتقام میں ان پر بھی ایسی ہی سختی مسلط کی جاتی۔

قرآن پاک میں اس کی بھی تفصیلات نہیں کہ وہ یہودی سلطنت جسے طالوت

(یا ساؤل) بادشاہ نے قائم اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام نے مستحکم کیا کس طرح پہلے خانہ جنگیوں کے باعث دو حصوں میں تقسیم ہوئی اور پھر اس پر مشرق (عراق) اور شمال (شام) سے حملے کیے گئے قرآن نام لیے بغیر صرف ان حملوں کا اشارہ کرتا ہے۔ (5-4/17) جو شاہ بابل بخت نصر، ہیرو ڈ، یونانی فرمانروا اینٹوکس اور ٹیٹس نے کیے۔

ان حملوں میں یہودیوں کو صیہون، (یروشلم کی ایک پہاڑی جس پر داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ اور محل واقع ہے جو یہودی عبادت کا قدیمی مرکز تھی۔ مترجم) کے علاقے سے بھی نکلنا پڑا (یہ جگہ عربوں کے لیے بھی مقدس تھی اور یہاں ان کا عبادت خانہ واقع تھا)۔ اس وقت سے یہودی ایسے منتشر ہوئے کہ پھر جمع نہ ہو سکے اور دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے ان علاقوں میں سرزمین عرب بھی شامل تھی جو ہمارے موضوع کا حصہ ہے۔

قبل از اسلام

914: یہ حتمی طور پر معلوم نہیں کہ جزیرہ نما عرب میں یہودی آبادیاں کب وجود میں آئیں۔ قرآن میں یمن کی ملکہ سبا (بلقیس) کی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آمد کا تذکرہ ہے (قرآن 20/27 اور مسلسل) تاہم ظہور اسلام سے قبل عرب میں یہودی آبادیاں جگہ جگہ موجود تھیں اور بڑی بستیوں، چھوٹے گروپوں اور اکا دکا گھرانوں کی شکل میں ایلہ (خلیج عقبہ پر) سے لے کر حدود یمن، عمان، مدینہ، بحرین، مقنا، وادی القریٰ، تیما، فدک، طائف غرض کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں ان کا وجود نہ ہو۔ عرب کے مختلف علاقوں میں لگنے والے میلوں اور تجارتی قافلوں میں بھی یہ لوگ نمایاں ہوتے۔

915: صرف مکہ ایسا شہر تھا جہاں یہودی تقریباً ناپید تھے مگر میلہ عکاظ میں ان کی نمائندگی بھرپور ہوتی تھی اور وہ نہ صرف اشیاء کی خرید و فروخت سے مال کمانے کے گر جانتے تھے بلکہ ضعیف الاعتقاد لوگوں کو چھپی ہوئی چیزیں ظاہر کرنے اور مستقبل کے بارے میں پیشگوئیوں کا جھانسہ دے کر متاثر کرتے اور ان سے رقمیں اینٹھتے تھے۔ چوں کہ ''اہل کتاب'' تھے اس لیے ان پڑھ اور تہذیب سے ناآشنا بدوؤں کی نظر میں معتبر شمار ہوتے تھے۔

916: نہ صرف قدیم عرب روایات مظہر ہیں بلکہ جدید مغربی محققین (مثلاً کسانووا

"Muhammad et la fin du monde"۔Casanova۔صفحہ 28) کی تحقیق سے بھی اس کی تصدیق ہوئی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز سے یہودی اور عیسائی دونوں ہی ایک عظیم شخصیت یعنی خدا کے آخری پیغمبر کی آمد کے منتظر تھے جو انسانیت کو وہ کچھ دے سکے جس کی اسے ضرورت تھی۔ عرب سیرت نگاروں کے پڑھنے والوں کو بعض اوقات ایک ناقابل توضیح تضاد کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ایک طرف تو مدینہ کے یہودی اپنے عرب مخالفین کو دھمکایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آنے والا ہے جس کی وہ پیروی کریں گے اور ان کی مدد سے اپنے تمام دشمنوں کو ختم کر دیں گے (ابن ہشام صفحہ 286، عیسائیوں کے لیے 107، قرآن 89/2) جب کہ دوسری طرف ان کا کہنا ہے (ابن ہشام صفحہ 116، ابن سعد، 1/I، صفحہ 21) کہ یہودی آنے والے پیغمبر کا انتظار اس پر ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ اسے پیدا ہوتے ہی قتل کرنے کے لیے کر رہے تھے (تاکہ ان پیشگوئیوں کے نتائج سے بچ سکیں جو اس نبی کی آمد سے ان کو پہنچنے والے نقصانات کے حوالے سے کی جارہی تھیں)۔

ایک روایت ہے کہ ایک روز عکاظ کے میلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ نے بچے کو ایک یہودی کاہن کو دکھایا۔ اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو بلوایا تاکہ بچے کو قتل کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا کر لے گئیں۔ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکپن کے دور میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی معیت میں ایک تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو کچھ مسیحی راہبوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو خبردار کیا کہ اپنے بھتیجے کو یہودیوں سے بچا کر رکھنا ورنہ وہ اسے قتل کر دیں گے۔ کیا ان بیانات کو اس حوالے سے خود ساختہ لیا جائے کہ یہ یہود کی اسلام یا مسلم دشمنی کی جڑیں دور تک دکھانے کے لیے گھڑی گئیں؟ (تاکہ جو کچھ بعد میں یہودیوں کے خلاف کارروائی ہوئی اس کا جواز حاصل کیا جا سکے) یا پھر یہ کہ واقعی یہ بیانات سچ پر مبنی تھے؟ تو اس سے یہودیوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنی صاف ظاہر ہو رہی تھی اور یہ بھی کہ یہودی بھی مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے اور ہر طبقہ کے خیالات دوسرے سے الگ تھے۔ تاہم اس معاملے کی زیادہ گہرائی میں جھانکنے کی ضرورت نہیں۔

آغاز اسلام کے بعد

917: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نوع انسانی اور تمام آنے والے زمانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''حسن عمل کا شاندار نمونہ'' پیش کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقاصد اور نتائج کی خوگر اس دنیا کے تقاضوں پر بھی پورا اترنا تھا۔ پوری انسانیت کے لیے پیغمبرانہ فرائض سونپے جانے کے باوجود جیسا کہ قرآن میں متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ذمہ داری محدود تھی قرآن جو کہ خدائی احکام کا مجموعہ ہے، اس میں پہلے آپ کو یہ حکم دیا گیا۔ ''اپنے قریب ترین عزیزوں'' کو خبردار کردو۔'' (قرآن 94/15) اور جہاں تک ابتدائی مرحلے پر پیغمبر کی علاقائی ذمہ داری کا تعلق ہے وہ اس آیت میں واضح انداز میں بیان کردی گئی ہے ''اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''بستیوں کی ماں'' یعنی مکہ کے رہنے والوں اور آس پاس والوں کو ڈرائیں۔۔۔''

(قرآن 92/6)

918: وہاں یہودی تھے کہاں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نافرمانی کے نتائج سے ڈراتے ؟ عرب تاریخ میں مکہ میں یہودیوں کی موجودگی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور اس کی مزید شہادت قرآن کے انداز سے بھی ملتی ہے کہ ہجرت سے قبل قرآن پاک کی 86 سورتیں نازل ہو چکی تھیں مگر کسی میں بھی ''اے بنی اسرائیل'' کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا صرف ''آدم کے بیٹو'' یا'' اے لوگو'' ہی کہا گیا ہے (قرآن میں ایک مکی سورت (80/20) میں بنی اسرائیل کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن یہ محض ایک بیان ہے خطاب نہیں)۔ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ قرآن کی سورتیں جس ترتیب سے جمع کی گئی ہیں اس ترتیب سے نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اس باب کے اگلے صفحات میں ہم قرآنی حوالوں میں تین ہندسے استعمال کریں گے جس میں رومن ہندسہ سورۃ کے نزول کی ترتیب کو ظاہر کرے گا جب کہ انگریزی ہند سے سورۃ اور آیت کو ظاہر کریں گے مثلاً 15:73/III '' یہ نزول کی ترتیب کے حساب سے تیسری سورۃ کی پندرھویں آیت کا حوالہ ہے جب کہ قرآنی ترتیب کے مطابق یہ تہترویں سورۃ شمار کی جاتی ہے۔ بعد کے کسی باب میں ہم قرآن اور اس کی تحریری شکل میں تدوین پر بات کریں گے۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ نزولی

ترتیب کے بارے میں ہم معروف مسلمان سیرت نگاروں کی روایات پر اعتماد کر رہے ہیں جب کہ جدید دور کے مستشرق اس بارے میں متفق نہیں ہیں بلکہ شدید تنازعات کا شکار ہیں۔

919: یہودیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی کا جائزہ لینے کے لیے ہم صرف قرآنی حوالوں پر انحصار کریں گے کیونکہ سیرت نگاروں کے مندرجات اس حوالے سے چنداں مددگار نہیں۔

920: اس موضوع پر پہلا قرآنی حوالہ گو یہ بالواسطہ ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔

''بے شک ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔'' (15-73/III)

لیکن یہاں حوالہ یہودیوں کا نہیں دیا گیا بلکہ عظیم یہودی پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن کا کہنے کا مقصود یہ ہے کہ جیسے اللہ نے ایک پیغمبر رعمسس کی طرف بھیجا تھا اور پھر اس کی نافرمانی پر اسے سزا دی تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو بھی نافرمانیوں کی سزا دے گا۔ اور ان تمام لوگوں کو بھی جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ نافرمانی کی صورت میں برے سلوک کا سزاوار ٹھہرایا جائے گا۔

921: پھر درج ذیل وحی نازل ہوئی:

''لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہت بہتر اور دیر تک باقی رہنے والی ہے۔ بے شک یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں یعنی ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں بھی (19-16:87/VIII) یہاں قرآن نے جو حوالہ بکثرت دیا ہے وہ فرعون کے ناخوشگوار انجام کا ہے جس سے یہودی بخوبی آگاہ تھے (قرآن - 12:38/ xxx viii 41:54 / xxxvii 13:50/xxxiv-18:85/xxvii-10/89/x) کوہ طور کا ذکر محض واقعاتی ہے (2:95/xxviii) قرآن میں اس کے تذکرے کا مقصد موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات یاد دلانا تھا اور یہ کہ انسانوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق صرف ان کے عقائد اور اچھے کاموں کی بنیاد پر ہے اور جس سورۃ 38 کا ذکر ہوا ہے اس میں داؤد، سلیمان اور ایوب علیہم السلام سمیت بہت سے پیغمبروں کا حوالہ موجود ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا تھا ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خدا نے ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ قریش مکہ ان پیغمبروں کے

بارے میں آگاہ تو تھے اس لیے قرآن نے تفصیلات دینے کی بجائے محض حوالے دینے پر ہی اکتفا کی۔

اس دور کے اختتام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آغاز کے چند سال بعد معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور مقاصد سے نہ صرف آگاہ ہو چکے تھے بلکہ انہوں نے اس حوالے سے ردعمل کا اظہار بھی شروع کر دیا تھا وہ کون لوگ تھے؟ ہمیں ان کے نہ تو ناموں کا علم ہے اور نہ ہی جگہوں کا۔

922: سورۃ 7/xxxix (الاعراف) سوائے آیات 163 تا 170 جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں اور جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف ادوار اور مختلف مقامات پر یہودیوں کی فتنہ سامانی کی پیش گوئی کی گئی ہے) اہل یہود کے تذکرے کے لیے مختص معلوم ہوتی ہے جس میں سیر حاصل تفصیلات دی گئی ہیں کہ کس طرح یہ لوگ قوم فرعون سے بچنے میں کامیاب ہوئے، کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر (خدائی) قوانین پر مبنی تختیاں ملیں جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیش گوئی کی گئی تھی:

''اور موسیٰ نے ہم سے ملاقات کے لیے اپنی قوم کے 70 لوگ چن لیے اور پھر جب زلزلے نے انہیں آ پکڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا، کیا اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت بخشے تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' (قرآن 155/7)

''اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی اچھائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم تیری (ہی) طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر میں چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' (156/7)

''جو لوگ اپنے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات،

انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں'' (157/7)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔'' (158/7)

''اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے مطابق ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتی ہے۔'' (159/7)

923: ان آیات کے نزول کے زمانہ کا تعین یا ان حالات اور پس منظر کا تلاش کرنا جن میں یہ آیات نازل ہوئیں ممکن نہیں۔ ممکن ہے تجارت یا دوسرے مقاصد کے لیے طائف، یمن، مدینہ، خیبر، علاقہ تیما، وادی القریٰ، عراق، مصر اور حبشہ جانے والے اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے ان شہروں میں اس عظیم اور غیر معمولی واقعہ کا ذکر کیا۔ (قرآن 2:78/Lxxx) اور بتایا ہو کہ ان کے شہر میں ایک شخص نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان کے یہودی یا مسیحی ہم نشینوں نے یقیناً اس اطلاع پر تنقید و تبصرہ کیا ہوگا۔ ان آیات کے نزول کے وقت کا اندازہ نبوت کا پانچواں سال لگایا جا سکتا ہے (ہجرت سے 8 سال قبل) اور یہ عرصہ کم و بیش وہی ہے جب اہل مکہ نے اپنا ایک وفد وہاں سے پناہ لینے کے لیے آنے والے مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے دربار میں بھیجا تھا یہ بات بہر حال قابل ذکر ہے کہ حبشیوں نے ان مسلمانوں کو پناہ نہ دینے کی اہل مکہ کی خواہش تو پوری نہ کی تاہم انہیں مسیحیت قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی جس سے متاثر ہو کر مسلمان مہاجرین میں سے دو افراد عیسائی بن گئے۔

ہم یہاں یہودیوں کی تاریخ کے کچھ حوالے نقل کریں گے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں نہ صرف مسیحیوں کی تنقید کے حوالے

استعمال کیے بلکہ اہل یہود کے حوالوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ بہر صورت قرآن نے مندرجہ بالا حوالوں میں وضاحت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے حوالے سے اپنی پوزیشن ظاہر کر دی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے یا واحد رسول نہیں ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی اللہ کے رسول آتے رہے ہیں اور یہ بات بھی درست ہے کہ ہر نبی کے مخالفین پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور انہیں سزا بھی دی گئی لیکن اس کے باوجود اللہ اور رسول کو ماننے والوں کی بعد میں آنے والی نسلیں آہستہ آہستہ سچائی کے راستہ سے ہٹ گئیں اور انہوں نے مذہب میں مختلف قسم کی بدعتیں اور غلط چیزیں داخل کر دیں اور مذہب پر حقیقی معنوں میں عمل کو نظر انداز کر دیا۔

جب دین توحید کا آخری نشان بھی مٹ جاتا تو اللہ تعالیٰ (سچی تعلیمات کی تجدید کے لیے) ایک اور پیغمبر مبعوث فرما دیتا اور ان جگہوں پر بھی (پیغمبر بھیج دیتا) جہاں اس سے قبل کسی پیغمبر کے قدم نہ آئے ہوتے۔ قرآن کی اس سورۃ میں نوح، ہود، لوط، شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے جن میں سے بعض بائبل میں بھی مذکور ہیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے ان کی کوششوں کا ذکر آیا ہے۔

پرانے پیغمبروں مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے برعکس موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کافی حد تک محفوظ تھیں۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں Pentateuch موجود تھیں اور دین موسوی کے پیروکار (یہود) بھی موجود تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک نئے پیغمبر اور ایک نئی آسمانی کتاب کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور وہ بھی سرزمین عرب میں۔ کیوں نہ تمام عربوں کو دین موسوی کے پیروکار بنایا گیا؟ کم از کم عرب کے یہودی اپنے دین کو صرف بنی اسرائیل کی میراث نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے برعکس وہ اس دور میں جس کا ہم اب تذکرہ کر رہے ہیں عربوں کو اپنا ہم مذہب بنانے کے لیے بھی کوشاں تھے (ہم پہلے یمن کے بادشاہ ذونواس کا ذکر کر چکے ہیں ہم دوبارہ اس کا مدینہ کے حوالے سے ذکر کریں گے)۔

مندرجہ بالا سوال کا جواب قرآن اس طرح دیتا ہے۔

الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر موعود ہیں جس کا اعلان خود موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

ب) انسانی معاشرے کے ذہنی ارتقا کے نتیجے میں عمومی طرز عمل یا طرز حیات کے تقاضوں

اور قواعد کی از سر نو تشکیل اللہ تعالیٰ کے لیے ضروری ہو گئی تھی جس میں مذہب اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پورے طور پر کارفرما ہو۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ کے باعث بہت سے ایسے بوجھوں سے انسان کو آزاد کر دینے کا فیصلہ کیا تھا جو اس سے قبل بطور سزا اس پر لاد دیے گئے تھے۔

ج) اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے وہ ایک قوم یا ایک خاص دور کے لیے تھے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''تم سب کے لیے''۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں کہا گیا ہے اور تمام زمانوں کے لیے مبعوث فرمایا گیا (جیسا کہ قرآن میں کئی مقامات پر مذکور ہے)۔

924: ان میں پہلا جواب بہت اہم ہے۔ قرآن اس کا متعدد جگہ ذکر کرتا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں یہ خمسہ موسیٰ (عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں، ان کا مجموعہ Pentateuch کہلاتا ہے) اور انجیل کا حوالہ دیتا ہے تاہم ایک اور مقام پر (196:26/xLvii) قرآن زیادہ واضح انداز میں بات کرتا ہے جب کہ مسلم سکالر بدستور ہندوؤں، بدھوؤں، پارسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں کے بحر عمیق میں غوطہ زنی کرتے رہتے ہیں (اور ان سے مطلوبہ مواد کی تلاش میں رہتے ہیں) تاہم ان کتابوں کے تفصیلی حوالے دینے کی یہاں گنجائش نہیں۔ ملاحظہ ہو:

(1) *"Towards Understanding Islam"* **by: H.G. Doraman**

(2) *"Muhammad in Bible"* **by: David Benjamin**

(3) *"Muhammad in Parsi, Hindu and Buddhist Scriptures"*, **by: A.H. Ali and Vidyarathi**

925: اس وقت تک صرف اہل مکہ، باہر سے آنے والے زائرین کعبہ اور شہر کی منڈیوں میں خریداری کے لیے آنے والے لوگ ہی تھے جن سے بات کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع ملتا تھا مگر نہ ہی مکہ اور نہ ہی منیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل یہود یا مسیحیوں سے کبھی ملاقات کا اتفاق ہوا اس وقت قرآن نے ان کا ذکر محض فاعل غائب کے طور پر کیا اور ان کے دین کے بھی سچے (اپنے وقت میں) اور آسمانی ہونے کا ذکر اور اسلامی توحید پرستی کے عقائد کی سچائی پر گواہ بنانے کے لیے (انہیں زیر بحث لایا گیا)۔

926: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل کے خزانے میں ایک نیا عنصر داخل ہوتا ہے۔قرآن کی ایک سورۃ (76,44-1:27/XL Viii) پہلے اپنے الہامی ہونے کی خصوصیات بیان کرتی ہے اور پھر مختصراً گو پہلے سے نسبتاً تفصیل کے ساتھ۔فرعون کو راہ راست پر لانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں، سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کی کہانی اور ملکہ کے ''اسلام'' {(کیونکہ قرآن کے مطابق (78/22) اسلام کا مطلب اللہ کی رضا کے سامنے جھک جانا ہے ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر تھے جنہوں نے ''اسلام'' کی اصطلاح استعمال کی اس سے مراد ہر سچا دین ہے)} قبول کرنے کی تفصیلات کا ذکر کرتی ہے۔اس کے بعد سورۃ میں زور دے کر بنی اسرائیل کو وہ چیزیں بتائی گئی ہیں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (اس نکتہ کی وضاحت کے لیے۔ یہاں چند مثالیں پیش ہیں: انجیل کتاب پیدائش (2/22) کے مطابق ''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا: اپنا بیٹا قربان کرو، اکلوتا بیٹا، جو تمہیں بہت پیارا ہے۔اسحاق''۔جب کہ باب خروج (2/13، 29/22) اور (13/3, 17/8) کے مطابق یہ پہلوٹی کا بچہ تھا، بڑا بچہ جسے قربان کیا جانا تھا۔مگر اسحاق علیہ السلام نہ تو پہلوٹی کے بچے تھے اور نہ ہی (اپنے والد ماجد کی پوری زندگی میں) اکلوتے۔(اسکے برعکس) قرآن قربانی کا یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر منطبق کرتا ہے اور بتاتا ہے (112/37) کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے خدائی حکم پر بغیر کسی ہچکچاہٹ اور پس و پیش کے عمل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے (آپ کی کامل اطاعت سے خوش ہوکر) آپ کو انعام دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ایک اور بیٹا مبارک ہو جو دوسری بیوی (سارہ) سے ہوگا۔

سیموئل I (باب 7) کے مطابق ساؤل کو قرعہ ڈال کر بادشاہ بنالیا گیا (اور اس طرح اللہ کی نافرمانی کی گئی) جب کہ باب 9 کے مطابق سموئل نے اسے اللہ کے حکم پر بادشاہ بنا دیا اور پھر باب 11 کے مطابق ساؤل خود جنگجوؤں کے ایک گروہ کا سالار بن گیا جو دشمن کو مار بھگانے کے لیے لڑ رہے تھے اور اس طرح زبردستی بادشاہ بن گیا۔لیکن قرآن کا کہنا ہے (246/2) کہ بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سموئل (یا شموئل) سے کہا کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں۔انہوں نے (بنی اسرائیل کی نافرمانی کی پرانی عادت کے باعث) اس سے انکار کیا مگر ان کے پیہم اصرار پر انہوں نے اللہ سے دعا کی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ساؤل (طالوت) کو ان کا بادشاہ مقرر کیا۔

''ہارون نے سونے سے ایک بچھڑا بنایا اور (بنی اسرائیل کو) اس کی پوجا کرنے کا حکم دیا (خروج 4/32 اور 24) جب کہ قرآن کے مطابق (94-90/20, 150/7) ہارون علیہ السلام نے انہیں اس سے (بچھڑے کی پوجا سے) روکا اور اس سے ناراض ہو کر قوم نے انہیں مار ڈالنے کی بھی کوشش کی۔ (عہد نامہ قدیم کی تاریخ سے متعلق دو کتابوں کے مجموعے Kings) کے مطابق (7/11) سلیمان (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر بت پرستی کی حمایت کرنے لگے تھے جب کہ قرآن (102/2) سختی سے اس اتہام کو مسترد کرتا اور سلیمان کو معصوم قرار دیتا ہے اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں)۔

کیا اس سے یہ مراد لیا جائے کہ اہل یہود میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا دوسروں نے ان سے قطع تعلقی کر لی تھی۔ صورت جو بھی تھی امر واقعہ یہ تھا کہ قرآن نے اہل یہود پر خصوصی توجہ مبذول کر لی تھی اور اگلی دو سورتوں میں (2/17/L:43/28/XLIX) موسیٰ علیہ السلام اور ان کی تبلیغی کوششوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اس میں توریت کو ''لوگوں کے لیے بصیرت آموز، ہدایت اور رحمت'' کہا گیا اور یہ بھی کہ ''یہ بنی اسرائیل کے لیے راہ ہدایت کی حامل ہے۔'' اسی سورۃ میں ایک اور جگہ (103-101/17) بعض یہودیوں کے دین اسلام کے قبول کر لینے (کے امکان کو) سے انکار نہیں کیا گیا۔

''ہم نے موسیٰ کو نو معجزے (آیات) بالکل صاف صاف عطا فرمائے، تو خود ہی بنی اسرائیل سے پوچھ لے کہ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو فرعون بولا کہ اے موسیٰ! میرے خیال میں تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے۔۔۔۔ اور آخر کار فرعون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ انہیں زمین سے ہی اکھاڑ دے تو ہم نے خود اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا۔''

927: نو معجزے، آیات یا اللہ کی نشانیاں دس احکامات ہیں Ten Commandments ماسوائے قانون سبت کے (اہل یہود کے لیے سبت یعنی ہفتے کے روز بعض کام کرنے کی ممانعت ہوتی ہے) جیسا کہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں اہل یہود سے پوچھنے کا ذکر ہے کیونکہ اہل یہود سے رابطہ ممکن تھا اور ان سے یہ سوال پوچھا جا سکتا تھا۔ پھر فرعون کے غرقاب ہونے کا ذکر ہے تا کہ مشرکین مکہ کو عبرت دلائی جا سکے۔

(یہودی اس موقع کو ''نسان'' کے مہینے میں ایسٹر کے تہوار کے ساتھ مناتے ہیں جو ان

کے کیلنڈر کا ساتواں مہینہ ہے (اور اس میں روزہ نہیں ہوتا)۔ایک حدیث نبویؐ ہے (بخاری 68/30، نمبر 50/634، نمبر 2-3، 65 سورۃ 11، 20 مسلم 13، نمبر 128، ابن ماجہ نمبر 1734، ابوداؤد 64/14، دارمی 46/4، ابن حنبل I، 340,336,310,291، II، 359, 409, IV) جس کے مطابق اس کا تعلق یہودیوں کے روزے کے دن (یوم کپور۔تشری کا مہینہ کا 10 واں دن) سے ہے۔حدیث یہ ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو عاشورہ کے روز روزہ میں دیکھا تو ان سے پوچھا۔انہوں نے جواب میں بتایا یہ ایک مقدس دن ہے۔اس دن خداتعالیٰ نے اسرائیلیوں کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی اور اس روز موسیٰ علیہ السلام روزہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا ''میں موسیٰ پر تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں (چنانچہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دن روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت کی۔

ناقدین نے اس معاملے میں بھی یہودی اور اسلامی روایات میں فرق ظاہر کرنیکی راہ نکال لی اور یہ ''ثابت'' کرنے کی بھی کہ اسلامی علوم کا یہودی حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔مگر آیئے ہم ایک اور ''یہودی حقیقت'' کا حوالہ دیتے ہیں۔معروف یہودی ربی (مذہبی پیشوا) ایس ڈیبرے کی مدون اور ترجمہ کی ہوئی کتاب ''سال کے تمام دنوں کے لیے عبادت اور دعاؤں کا گوشوارہ''۔۔۔میں یوم کپور کی عبادت اور دعا کا بھی تذکرہ ہے جو عربی زبان کے کم وبیش 25 اور (ترجمے کے) اتنے ہی فرانسیسی کے صفحات پر محیط ہے۔صفحہ 680-1 سے درج ذیل اہم اقتباس پیش ہے (ترجمہ) ''ہماری کوتاہیوں کی پاداش میں (اور) تمہاری محبت میں، تم نے حکم دیا ہے کہ اس دن مصر سے خروج کی یاد میں روزہ رکھو'' اس کے اندر جو الفاظ ہیں وہ صرف ہفتے کے روز کہے جاتے ہیں۔

اگر یوم کپور پر روزہ مصر سے ہجرت کی یاد میں ہی رکھا جاتا ہے تو پھر دونوں مذاہب کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں۔یہاں ایک اور حدیث کا ذکر اور حوالہ یقیناً سودمند ہوگا۔اس حدیث کے مطابق (تاریخ طبری I، 197-8، ابن کثیر، تفسیر II، 447۔قرآن: 44/11) ''یوم عاشور طوفان نوح کا پانی اتر جانے کے بعد نوح اور اس کے ساتھیوں کے زمین (خشکی) پر اترنے کا دن ہے اور اس روز نوح نے اظہار تشکر کے لیے روزہ رکھا۔اس لیے ابراہیم اسماعیل علیہ

السلام، قبل از اسلام کے مکہ کے مکین اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی روز روزہ رکھا کرتے تھے (بخاری، 1/30، نمبر 3، 68/30 نمبر 3;25/63۔ ابن حنبل 162-VI)۔ اس کے تقدس اور برکت میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب یہ علم ہو کہ ایک اور پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہ دن خدائی رحمت کا ایک یادگار دن ہے اور اسلام چونکہ آفاقیت اور ہمہ گیریت کے عقیدے کا حامل ہے اور آدم علیہ السلام سے لے کر اب ایک تسلسل کی علامت بھی ہے اس لیے اسلام نے بھی اس دن کو اپنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام صرف یہودیوں کے ہی پیغمبر نہیں ہیں بلکہ مسلمان بھی انہیں رسول تسلیم کرتے ہیں۔)

اسی دوران بعض یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے مابین مخاصمت میں بھی شدت کے ساتھ ملوث ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو (نعوذ باللہ) غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے درج ذیل آیات قرآنی (94-75:10/LI) میں بھی تفصیلاً موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انہوں نے (یہودیوں نے) اختلاف اس وقت کیا جب ان کے پاس علم آ چکا تھا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اختلاف عناد اور تکبر کے باعث تھا) جب کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانے کے لیے فرماتے ہیں "اگر آپ (یہاں اگرچہ مخاطب رسول اللہ ہیں مگر اس سے مراد عام لوگ ہیں کیونکہ خدانخواستہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شک کر ہی نہیں سکتے تھے) اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھیے جو آپ سے پہلی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔" (94/10)

سیرت نگاروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش مکہ اور یہودیوں میں بحث مباحثے کا بھی تذکرہ کیا ہے (قریش یہودیوں سے ان کے اہل کتاب ہونے کے سبب استفسار کرتے تھے) (وثائق نمبر 43: ابن ہشام صفحہ 192۔ 259) اور ہجرت سے قبل کم از کم بیس عیسائیوں کے قبول اسلام کا بھی ذکر آتا ہے۔

اس کے فوراً بعد جو سورۃ نازل ہوئی (110:11/LII) اس میں بھی موضوع سخن یہی ہے کہ: اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کی قوم نے اس بارے میں جھگڑا شروع کر دیا اور مسلسل

شک میں مبتلا رہے مگر اس تصدیق کے بعد کہ موسیٰ علیہ السلام پر اترنے والی کتاب یا کتابیں الہامی تھیں (قرآن 90-83:6LV-36:53/XXIII-12:46/LXVI-17:11/LII) اور بائبل میں جن پیغمبروں کا ذکر آیا ہے (یعنی نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، لوط، یسع، داؤد، سلیمان، زکریا، الیاس، یونس، ایوب، عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے) وہ سب سچے اور اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے، ان میں سے بعض (یعنی یہودیوں میں سے) ضمیر کی شدید کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ مندرجہ بالا حوالہ کی آخری آیت میں قرآن اٹھارہ پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہاں تک چلا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے''۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی اتباع کیجئے'' (90/6)

(یہ حکم اس حوالے سے باعث الجھن تھا کہ) ان میں سے بعض پیغمبروں کے بارے میں بائبل کی تصریحات میں انکی اتباع اور پیروی کے حوالے سے اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ یہ بات درست ہے کہ اس وقت مشرکین مکہ میں شاید ہی کوئی بائبل کی کہانیوں کے بارے میں آگاہ ہو لیکن الجھن اپنی جگہ موجود تھی (کہ مسلمہ طور پر تحریف شدہ آسمانی کتابوں کی اتباع کا حکم کیوں دیا گیا)۔ یہاں تک آخر کار دور مدنی میں قرآن نے واضح طور پر یہ الجھن رفع کر دی۔ لیکن مکی دور میں یہ بات بہرحال الجھن کا باعث رہی جیسا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ قرآن نے (بعد میں) واضح طور پر کہہ دیا کہ یہودیوں نے دانستہ طور پر خدائی پیغام میں تحریف کر دی ہے۔ دور مکی میں قرآن نے سیدھے سادے انداز میں صرف بائبل میں مذکور سابقہ انبیاء کے قصے بیان کیے لیکن اس حوالے سے ایک لفظ بھی نہیں کہا جس سے ان کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں یا تعلیمات کے حوالے سے کوئی حرف گیری کی جاسکتی ہو۔ بائبل کے عہد نامہ قدیم کا المیہ سب کو معلوم ہے کہ کس طرح کافر حملہ آوروں نے بڑے منظم طریقہ سے بائبل کی تمام کتابیں تباہ کر دیں اور ایک ایسے وقت میں جب چھاپہ خانہ کا تصور تک نہ تھا کس طرح دو دفعہ بائبل کو از سر نو محض ایک شخص کے حافظے کی مدد سے ''دوبارہ'' لکھا گیا اور وہ بھی کئی نسلوں بعد۔

نیک ترین انسانوں کے احسن ارادوں کے باوجود حافظے کی غلطی کے احتمال کو رد نہیں کیا جاسکتا اور حقیقت ہے کہ موجودہ بائبل میں ایسے کئی حوالے ہیں کہ ان کے متعلقہ باب اور کتابیں

اب بائبل میں شامل نہیں ہیں۔ بائبل میں بعض مقامات پر متن اور تشریح میں جو تضاد پایا جاتا ہے وہ بظاہر لکھنے والے کی کوتاہی کا ہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کی موت کا ذکر خود موسیٰ علیہ السلام سے ہی منسوب کر دیا گیا ہے۔ بعض تبدیلیاں مذہبی اکابرین نے ناممکن نظر آنے والے حصوں کو ''بہتر'' بنانے کے لیے کیں۔ مختلف مسودوں کی بعض پیچیدگیاں ''مرکب'' نوعیت کی ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان مسودوں کے باہمی ''اختلافات'' کی تعداد دس، بیس نہیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں میں ہے۔

اور آخر میں بحر مردار کے قریب ملنے والے (تورات کے کچھ مندرجات کے حامل) بعض پارچات جن میں سے بعض پارچات جن میں سے بعض عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پہلے کے ہیں اور ان میں بھی بے شمار اور کلیدی نوعیت کی تحاریف کی نشاندہی ہوئی ہے۔ عبرانی کے طرز تحریر کی خامیوں نے بھی اصل متن کے محفوظ رکھنے میں درپیش مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔ تاہم ہمارا مقصد اس حوالے سے خانہ جنگیوں، یہودی ریاستوں کی تقسیم اور فرقہ وارانہ اختلافات کے کردار کو نظر انداز کرنا نہیں۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام نے بغاوت کے جرم میں جیروبوم نامی سردار کو سخت سزا دی اور قید کر دیا اور یہ جیروبوم ہی تھا جو بعد ازاں (مرتد ہو کر) بت پرست بن گیا اور دس یہودی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب کہ سلیمان علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین روبوم کے ساتھ صرف دو قبائل رہ گئے۔ ان دونوں کے باہمی اختلافات کے نتیجے میں بھی متنازعہ تحریریں در آئیں۔ یقیناً جیروبوم کے پیروکاروں نے سلیمان علیہ السلام کے خاندان (اور پیروکاروں) کے خلاف اتہام طرازی کی اور بعد کے ادوار میں جو پرآشوب اور محلاتی اکھاڑ پچھاڑ سے بھرپور تھے۔ متنازعہ تحریریں آسمانی کتابوں کا حصہ بن گئیں اور بعض معاملات میں حقائق پر مبنی معلومات کی عدم موجودگی کے باعث اصل اور تحریف شدہ متن میں خط امتیاز کھینچنا ممکن ہی نہ رہا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن پاک (102/2) موجودہ بائبل میں مذکور سلیمان علیہ السلام کے خلاف یہودیوں کے کفر کے اتہام کی شدید تکذیب کرتا ہے۔

928: قرآن پاک کی آئندہ سورتوں میں بھی مسلسل اس بات کا تذکرہ ہے کہ یہودی جانتے بوجھتے سچی آسمانی کتابوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں (18-16:45/LXV, 14:42/LXII-45:41/LXI) یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہودیوں کی امتیازی خصوصیات سے

کبھی انکار نہیں کیا گیا اور درج ذیل آیت میں قرآن پاک کا اظہار تو حیران کن ہے "یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت اور صلاحیت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ (اور نفیس) روزیاں (اشیائے رزق) دی تھیں اور انہیں دنیا والوں پر فضیلت دی تھی" (16/45) "اسی طرح ہم نے انہیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں" (17/45) پھر یہ آیت نازل فرمائی "اور اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور (اب) یہ کتاب (قرآن) تصدیق کرنے والی عربی زبان میں تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیک کاروں کو بشارت دے"۔

(12:46/LXVI)

قرآن کی حیثیت بائبل کے مد مقابل کی سی نہیں ہے بلکہ یہ اپنے آپ کو اس کی تصدیق اور تائید کرنے والا کہتا ہے، بعد میں نازل ہونے والی ایک سورۃ میں (48:21/LXXiii) خمسہ ءِ موسیٰ (تورات کی پہلی پانچ کتابیں) کو (غلط اور صحیح میں) "امتیاز کرنے والی اور روشنی" قرار دیا گیا ہے۔

929: قرآنی مشن کے عملی تقاضوں کے پیش نظر اس کا انداز بیان اس طرح رہا کہ ایک موضوع کے درمیان اچانک دوسرا موضوع شروع ہو گیا اور پھر (ایسا بھی ہوا کہ) پہلا موضوع دوبارہ زیر بحث آ گیا۔ ایک سورۃ (51/LXVII) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور متعدد دوسرے پیغمبروں کا ذکر ہے اور پھر ان کے نہ ماننے والوں کے انجام کا حوالہ ہے اور اس سے اگلی سورۃ (88/LXVIII بہ ترتیب نزول) حتمی سزا، آخرت اور روز قیامت کا تذکرہ ہے مگر ان میں بنی اسرائیل کا کوئی حوالہ موجود نہیں۔ اور اس کے بعد کی سورۃ میں (18/LXIX) میں جس کا نام "الکہف" ہے۔ کئی قصے بیان کیے گئے ہیں جس میں دین اسلام کے حق میں نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کہانی ہمارے زیر نظر موضوع سے بھی متعلق ہے کہ موسیٰ نامی ایک شخص (یہ بات غیر متعلق ہے کہ وہ "موسیٰ" پیغمبر تھے یا اس سے کوئی اور موسیٰ مراد تھے) علم کے حصول کے لیے سفر پر نکلتے ہیں۔ ان کی چار مہمات کا تذکرہ ہے۔ انہیں ایک شخص سے ملنا تھا جس کے پاس ان سے زیادہ علم تھا یہ ملاقات دو پانیوں (دریاؤں یا سمندروں) کے سنگم پر ہونا تھی۔ وہاں ایک بحری حیات۔ مچھلی (کا بھی ذکر) ہے۔ جو کہ بطور خوراک ساتھ لے لی گئی تھی مگر ایک مقام پر وہ مچھلی زندہ ہو کر پانی میں اپنا رستہ بناتی ہوئی چلی گئی (یہی جائے ملاقات تھی جہاں اس صاحب علم

شخص سے ان کی ملاقات ہوگئی) دونوں نے ایک کشتی پر سفر شروع کر دیا اور ایک جگہ پر پہنچ کر (نا قابل فہم طور پر) صاحب علم شخص نے کشتی میں سوراخ کر دیا جس سے کشتی کے تمام مسافروں میں (ڈوبنے کے خوف سے) افراتفری مچ گئی۔ کچھ سفر کے بعد صاحب علم نے ایک لڑکے کو سامنے پا کر پکڑا اور جان سے مار ڈالا اور پھر وہ ایک شہر میں پہنچے اور ان لوگوں سے کچھ کھانے کو مانگا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود صاحب علم نے ایک مکان کی (بوسیدہ) دیوار کو بغیر کوئی معاوضہ طلب کیے مرمت کر دیا۔ اس کے بعد صاحب علم نے اپنے حیران و پریشان ساتھی موسیٰ کو اپنے ان نا قابل فہم اقدامات کی وجوہ سے آگاہ کیا۔ اس کہانی یا تمثیل کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص کو ہر چیز کا علم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ عظیم ترین عالم بھی بعض ان چیزوں سے لاعلم ہوتا ہے جو اس کے کام یا پیشہ سے متعلق نہیں ہوتیں۔ مذہبی کتابوں میں تماثیل استعمال کی جاتی ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ تاریخی اعتبار سے بھی وہیں منطبق ہوتی ہوں جہاں بیان کی جا رہی ہیں۔ مچھلی کے زندہ ہونے کی کہانی سکندر اعظم کے ایک باورچی سے بھی منسوب کی جاتی ہے اور اس سے بھی قدیم زمانے کے ایک شخص گلگامش سے بھی، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے زمانے سے ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی تصریح نہیں جو کہانی کے ''موسیٰ'' کو موسیٰ پیغمبر یا پھر گلگامش مراد لینے سے مانع ہو عہد نامہ قدیم میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ایسے کسی واقعہ کا ذکر نہیں ملتا تاہم اس سے مندرجہ بالا امکان کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا لیکن جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ تمثیل میں اہم چیز نتیجہ ہوتا ہے یہ نہیں کہ کیا واقعی حقیقت میں ایسا ہوا تھا اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس تاثر سے اختلاف کیا ہے (بخاری 15/31/97,2/18/65,2-1/27/60)۔ ایک تابعی نوفل بکالی نے بھی اصرار کیا ہے کہ قرآن کی اس معجزاتی کہانی کا ''موسیٰ'' میشیٰ بن افراہیم تھا اور اس سے مراد موسیٰ پیغمبر نہیں (بخاری VII، 216، شرح قسطلانی)۔ میشیٰ اور گلگامش میں مشابہت قابل غور ہے۔

930: مکی دور میں نازل ہونے والی ایک قرآنی سورۃ میں فرمایا گیا ہے (164:6/LV)

''اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو۔ ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں''۔ ایک اور مقام پر

قرآن پاک میں پھر اسی موضوع پر ارشاد ہوتا ہے(118:16/LXX) ''اور یہود پر جو کچھ ہم نے حرام کیا تھا اسے ہم پہلے ہی آپ کو سنا چکے ہیں۔ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

شاید انہی وجوہ کی بنا پر بائبل میں اونٹ (ابن ہشام صفحہ 692۔ باب اونٹ اور مدینہ کے یہودی) خرگوش اور شترمرغ کے گوشت کی ممانعت ہوئی ہو (Deuteronomy یعنی موسیٰ علیہ السلام کی آخری کتاب پنجم)۔ممکن ہے کہ جب اسلام نے حلال اور حرام چیزوں کے بارے میں قواعد نافذ کیے اور قرآن نے قبل از اسلام کی ان جانوروں کے گوشت کھانے کی روائت کو بحال رکھا اور پابندیوں کی تعداد کم کی تو یہودیوں نے اعتراض کیا ہو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ قرآن پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کے لیے آیا ہے تو پھر اس نے ان جانوروں کا گوشت (خصوصاً اونٹ) کیوں حلال کر دیا ہے۔اس کے بعد مدنی دور میں (غالباً، یہود کے اعتراضات کے جواب میں) قرآن نے ایک بار پھر اس حوالے سے تصریح کی (93:3/LXXXIX) اور فرمایا ''بنی اسرائیل کے لیے تمام کھانے حلال تھے سوائے ان کے جو اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے تورات آنے سے قبل خود اپنے اوپر حرام کر لیے تھے''۔امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسی کوتاہی کے کفارے کے طور پر اپنے بعض مرغوب کھانے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔جب کہ یعقوب علیہ السلام سے قبل دستور یہ تھا جس کا حوالہ ہم بائبل کتاب پیدائش (4-3/IX) میں پاتے ہیں کہ ''حرکت کرنے والی ہر جاندار چیز کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔میں تم کو یہ سب چیزیں اسی طرح (وافر) دوں گا جس طرح سبز گھاس۔ صرف وہ گوشت نہ کھاؤ جس میں روح اور خون ہو'' (زندہ نہ کھاؤ بلکہ ذبح کرنے کے بعد)۔

قرآن کا استدلال یہ ہے کہ یہود نے جو چیزیں از خود کفارے کے طور پر اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، بے گناہ لوگوں پر اس کی پابندی کیوں لگائی جائے یعنی جو یہودی نہیں ہیں (انہیں کیوں ایک خود ساختہ ممانعت کا پابند بنایا جائے)۔یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ایک قوم سے جو نئی زندگی کا آغاز کر رہی ہے ایک پابندی ختم کر دی ہے۔

931: مکی دور کے قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات کے حوالوں سے یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ قرآن کی طرف سے یہود کے لیے اظہار تحسین کے باوجود اسلام اور یہود کے تعلقات

بحیثیت مجموعی بگاڑ کی طرف ہی مائل رہے۔ وجوہات کے بارے میں واضح طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ جہاں تک مسیحیوں کا تعلق ہے انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر کبھی کان نہیں دھرے لیکن ان دونوں قوموں کے لیے جو ایک طرح سے اسلام کے حریف تھے، اسلام کے رویے میں یک گونہ مگر نا قابل توضیح فرق ضرور پایا جاتا تھا۔ اسلام نے (بگڑے ہوئے) مسیحی عقائد کو یہودی عقائد سے کہیں زیادہ ہدف ملامت بنایا ہے مگر تعلقات کا بگاڑ یہود کے ساتھ زیادہ رہا۔

مدینہ میں، ہجرت کے بعد

932: مدینہ کے کئی نام معروف تھے مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے قدیم ترین کون سا تھا۔ راوی بعض جگہ اسے طابت اور دوسری جگہ طیبہ بھی لکھتے ہیں اور یہ باور کرنے کی منطق موجود ہے کہ جس وادی میں بعد ازاں مدینہ کی تعمیر ہوئی مجموعی طور پر "طابت الطیبہ" کہلاتی تھی (جس کے لفظی معنی پسندیدہ کے ہیں) اور بعد کے ادوار میں اس نام کی تقصیر استعمال ہونے لگی۔ یثرب جس کے لفظی معنی نقصان کے ہیں بھی بہت پرانا نام ہے۔ شاید زمانہ قدیم میں یہ لاوے کے پہاڑوں کی محض ایک مضافات ہو جن کا مقام وقوع شہر کے شمال اور کوہ احد کے جنوب مغرب میں بتایا جاتا ہے اور جہاں وافر پانی اور سرسبز و شاداب نخلستان ہیں۔ پرانے وقتوں میں یثرب کے تیر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے تھے (لسان، یثرب) کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شہر جنگی ساز و سامان بنانے کا ایک مرکز تھا جو کہ (دشمن کو) ''نقصان پہنچانے والے'' ہوتے ہیں اور یہی اس شہر کی وجہ تسمیہ ہو؟ یا پھر یہ نام اسے دور دور تک ''مشہور'' اس کے بے شمار قحبہ خانوں کی بدولت ملا جہاں دور دور سے عیاش طبع لوگ کھنچے چلے آتے تھے (سمہودی، دوسرا ایڈیشن، صفحہ 161) یثرب کا نام ''مدینہ'' (شہر) بھی اسلام کی یہاں آمد سے قبل ہی پڑ گیا تھا۔ دور اسلامیہ میں اسے مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (نبی کا شہر) کہا جانے لگا لیکن چونکہ طویل نام عام طور پر مقبول نہیں ہو پاتے اس لیے صرف ''مدینہ'' ہی معروف ہو گیا۔

933: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں تشریف آوری ہوئی اس وقت شہر کی کم و بیش نصف آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی۔ اس خطے میں یہودیوں کی آمد کے حوالے سے یقین کے

ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ظہور اسلام کے وقت یہ لوگ عرب رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ یہ لوگ عربی بولتے (مگر لکھتے اسے عبرانی رسم الخط میں تھے) اپنے بچوں کے عربی نام رکھتے حتیٰ کہ ان کے قبائل کے نام بھی عربی تھے۔

934: ان کے ہاں ایک بیت المدارس (علم کا گھر) قائم تھا (ابن ہشام صفحہ 383-394) جسے بیک وقت مدرسہ اور ''ماہر قانون'' کے دفتر کی حیثیت حاصل تھی۔اس کے علاوہ کم از کم بنونضیر کے ہاں ایک کنز (خزانہ) بھی قائم تھا (شامی، سیرۃ) اور اس میں ہر شخص چندہ دیتا تھا۔ یہ فنڈ مشترکہ مقاصد مثلاً جنگی کارروائیوں وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

935: اپنے مشرک عرب ہمسایوں کی طرح یہ یہودی بھی نہ صرف قبائل کی شکل میں رہتے تھے بلکہ مختلف دھڑوں میں بھی بٹے ہوئے تھے یعنی بعض یہودی قبائل بعض عرب قبائل کے حلیف تھے اور اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں کے ساتھ لڑتے بھی جس میں بعض اوقات ان کے ہم مذہب بھی ہوتے جو اپنے حلیف عرب قبیلہ کے ساتھ شریک جنگ ہوتے۔ مدینہ کے عرب جو بنوقیلہ کہلاتے تھے دو دھڑوں یا ذیلی قبیلوں اوس اور خزرج میں تقسیم تھے۔ یہ دونوں قبائل دو حقیقی بھائیوں کی اولاد تھے۔

ریاست مدینہ کی تشکیل کے وقت جس کی داغ بیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد ڈالی 9 گمنام یہودی قبائل (جو اپنے عرب حلیفوں کے ساتھ منسلک تھے) کا ذکر آتا ہے۔تاہم سیرت نگاروں نے انہیں تین بڑے قبائل میں تقسیم کیا ہے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ یہ بڑے اور قابل ذکر قبائل تھے گو کہ ان کے علاوہ بھی چھوٹے یہودی قبائل موجود تھے مثلاً بنوعریض بھی یہود میں سے تھے اور شہر کے شمال مشرق میں آباد تھے۔(غالباً مدینہ کی مسجد عریض اسی جگہ تعمیر کی گئی جہاں ان لوگوں کی آبادی تھی)۔ سمہودی (دوسرا ایڈیشن صفحات 165-171) کی روایت ہے کہ مدینہ میں آباد یہودی قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی تاہم انہوں نے ان کے نام نہیں دیئے۔ مندرجہ بالا تین بڑے قبائل میں سے پہلے ''قینقاع'' کا مطلب ہے ''زرگر، سنار'' اور آغاز اسلام کے وقت یہ لوگ اپنا یہی آبائی پیشہ اپنائے ہوئے تھے جب کہ ان میں سے کچھ تجارت پیشہ بھی تھے۔ ان کے نام سے سوق بنوقینقاع (مارکیٹ) بھی مشہور تھی۔(ابن ہشام صفحہ 383)۔ درحقیقت یہ کوئی روزمرہ خریداری کا بازار نہ تھا بلکہ اس کی

حیثیت عکاظ کی طرح ایک سالانہ میلے کی سی تھی جہاں سمہودی (دوسرا ایڈیشن صفحہ 1238) کے مطابق شعرا بھی آتے اور اپنا کلام سناتے تھے۔

جہاں تک بنونضیر کا تعلق ہے۔ نضیر کا ایک معنی سرسبز پودا بھی ہے۔ یہ قبائل کھجوروں کے بڑے بڑے باغات کے مالک تھے۔ قریظہ کا مطلب ہے کیکر کا درخت۔ اس درخت کی چھال وہاں کھالوں کی رنگائی میں استعمال ہوتی تھی۔ کیا ابتداً یہ قبیلہ کھالیں رنگنے والوں، جوتے بنانے والوں اور کھالوں کی تجارت کرنے والوں پر مشتمل تھا؟

936: مدینہ کے ذہین اور محنتی یہودی پورے شہر کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے۔ اس قوم میں ایک دوسرے کی مدد کے جذبہ نے پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ان کی آبادی کو عالمی تجارت میں نمایاں کامیابیاں دلانے میں اہم کردار ادا کیا اور وہ بتدریج دولت مند ہوتے چلے گئے قرضوں کے سودی کاروبار نے جہاں ان کے وسائل میں اضافہ کیا وہاں آہستہ آہستہ یہ دوسروں کی جائدادیں خرید کر ان پر قابض ہوتے گئے ابن النجار کی روایت ہے کہ (صفحہ 31) مدینہ میں قبل از اسلام عربوں کے 13 قلعے (آطام) تھے تو یہودیوں کے پاس 59 تھے۔

937: تجارت، صنعت اور زراعت پر ان کا قبضہ تھا۔ اس کے علاوہ نسلی تفاخر صاحب مذہب اور اہل کتاب ہونے اور پر شکوہ ماضی کے گھمنڈ کے باعث انہوں نے اپنے آپکو عام عرب بدوؤں سے برتر سمجھنا شروع کر دیا تھا اور انہیں کسی بھی غیر یہودی مذہب قبول کرنے میں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ یہ بات درست ہے کہ وہ ایک ''مسیحا'' کی آمد کے منتظر تھے لیکن وہ اسے پوری دنیا پر یہودی عمل داری کے معنوں میں نے رہے تھے اور انسانی مساوات کا ان کے ذہن میں کوئی تصور نہ تھا جس میں فضیلت کا معیار پرہیز گاری ہو۔ اسلامی جمہوریت میں انہیں حکومتی اقتدار اور معاشی بالا دستی کے اپنے خوابوں کے تار و پود بکھرتے نظر آئے۔

938: ابھی اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے دوران یہودیوں کے بارے میں قرآنی فرمودات کا ذکر آچکا ہے جہاں یہودیوں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ مگر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل مختلف صورتحال سے واسطہ پڑا جہاں یہودی ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے اور خطے کی معیشت ان کی گرفت میں تھی۔ مہاجرین مکہ کی مواخات سے فارغ ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معمول کی تبلیغی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ قدرتی طور پر انہوں نے

مدینہ کے یہودیوں سے رابطہ کیا جس کا سرفہرست موضوع سلامتی کے مسائل تھے اور اس کے بعد تبلیغ دین۔

939: مدینہ کی شہری ریاست کے قیام کے لیے ضروری تھا کہ آبادی کے تمام طبقوں سے مشورہ کیا جاتا۔ ایک سابقہ باب میں ہم مدینہ کی مجوزہ ریاست کے لیے تیار کیے جانے والے آئین کے متن کا تجزیہ کر چکے ہیں۔ جس میں حکومتی معاملات چلانے کے حوالے سے یہودیوں کی پوزیشن بھی زیر بحث آئی تھی۔ اس حوالے سے ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مذکورہ بالا دستاویز میں جہاں بھی یہودیوں کا ذکر آیا وہ اس طرح تھا ''بنوعوف کے یہودی۔۔۔ بنونجار کے یہودی، بنوحارث، بنوساعدہ، بنوجشم، بنواوس، بنوثعلبہ اور بنوالشُطیان کے یہودی۔۔۔ مگر یہ تمام قبائل عرب تھے تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر قبیلے کو خواہ وہ عرب تھا یا یہودی، کسی دوسرے قبیلے کا حلیف بننا پڑتا تھا؟۔۔۔ اور یہ کہ ہمیشہ ایک عرب اور یہودی قبیلہ باہم حلیف ہوتے تھے تاکہ آبادی کے دو یکساں اہم طبقوں کو ایک معاہدے میں جمع کر کے امن وامان قائم رکھا جا سکے؟ اور یا پھر یہ کہ شہر کی اصل آبادی عرب تھی اور وہاں آباد ہونے کے خواہش مند یہودیوں کو اصل باشندوں کے ساتھ یک گونہ زبردستی (کفالت) کا ایک معاہدہ کرنا پڑتا تھا؟ دوسرے لفظوں میں یہودیوں کا اپنا کوئی قبیلہ نہ تھا اور نہ ہی ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ اپنا الگ یونٹ یا قبیلہ بنا سکیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدینہ کی قدیم عرب آبادی نے دانستہ یہودیوں کو یہاں الگ تشخص کے ساتھ آباد ہونے کی اجازت ہی نہ دی ہو اور انہیں پابند کیا ہو کہ وہ صرف اس صورت میں یہاں رہ سکتے ہیں کہ وہ مقامی عرب قبائل کے ساتھ حلیف بن جائیں اس سے ان کا مقصد یہ ہو سکتا تھا کہ اس طرح آپس میں بچھڑ کر اور عربوں میں گھل مل کر رہنے سے بتدریج ان کا یہودی تشخص ختم ہو جائے گا اور وہ بالآخر عربوں کا ہی حصہ بن جائیں گے۔ تاریخ کے اوراق ان سوالوں کا جواب دینے سے قاصر ہیں اور وہاں اس حوالے سے تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ تاہم یہ امر بعید از قیاس ہے کہ یہودی آبادی میں یہودیت قبول کرنے والے عربوں کی قابل ذکر تعداد تھی اور یہ کہ پیدائشی یہودی کم تعداد میں تھے۔ یقیناً کچھ نہ کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے یہودیت کو اپنایا تھا جس پر ہم بعد میں بات کریں گے لیکن ان کا تناسب اتنا قلیل تھا کہ اس کے کوئی حقیقی اثرات مرتب نہیں ہو سکے۔

اہم اور قابل ذکر بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی تمام یہودی

آبادی کو مدینہ میں ایک شہری ریاست کے قیام پر آمادہ کر لیا تھا تاکہ بیرونی حملوں کے خلاف شہر کے دفاع کا ایک باضابطہ نظام قائم کیا جا سکے (امر واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمران خاندان کی تبدیلی نہ تھی بلکہ ایک مکمل نئی ریاست کو بنیاد سے کھڑا کیا جانا تھا) جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکسوئی کے ساتھ اپنا تمام وقت تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر سکتے تھے۔

اپنے ایام مکہ کے دوران متعدد بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شریک سفر ہونے والے نئے ساتھیوں کو بتایا تھا کہ تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیش گوئی موجود ہے اور مدینہ میں ہزاروں یہودیوں کی موجودگی نے اس معاملے کو ایسا رخ دے دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ اس حوالے سے فوری اقدام ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اس معاملے میں دباؤ میں محسوس کرتے تھے (کہ اگر واقعی تورات میں پیش گوئی موجود ہے تو سچے یہودیوں کو اس پر فوری صاد کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جانا چاہیے) اور سیرت نگاروں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آمد کے پہلے ہی ماہ میں اس لائن پر کام شروع کر دیا تھا (ابن ہشام صفحہ 130-6، 351 مسلسل)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر تسلیم کر لیں۔ یہودیوں کی طرف سے ردعمل ملا جلا تھا۔ کچھ نے اسلام قبول کر لیا اور کچھ گریزاں رہے تاہم بعض نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے۔ قبول اسلام میں پہل کرنے والے یہودیوں میں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سلام کا نام بہت نمایاں ہے۔

عرب سیرت نگاروں کے مطابق (ابن ہشام 353-4) جب عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''جو کچھ یہود کہتے ہیں وہ قطعاً قابل اعتماد نہیں ہے اور ثبوت کے طور پر انہوں نے تجویز کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے میرے بارے میں سوال کیجئے مگر ان پر ظاہر نہ کریں کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سلام کو ایک کمرے میں چھپا کر کچھ معزز یہودیوں کو ملحقہ کمرے میں مدعو کر کے اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سلام کے بارے میں پوچھا (ان کا پہلا نام حصین

بن سلام تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول اسلام کے بعد بدل دیا۔ مترجم)۔ یہودیوں نے ان کے علم اور فضیلت کی بات کی اور کہا "وہ ہمارے سردار ہیں اور بہتر ہیں اور بہتر کے صاحبزادے ہیں۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سلام کو بلوایا۔ انہوں نے باہر آتے ہی ساتھی یہودیوں کو اسلام کی حقانیت کا یقین دلایا اور کہا "یہی وہ سچے نبی ہیں جن کی آمد کا ہمیں انتظار تھا اس لیے دیر نہ کرو اور فوراً اسلام قبول کر لو۔ اور میں بھی مسلمان ہو چکا ہوں۔" اس پر فوراً یہودی انہیں جھٹلانے لگے اور یہاں تک کہا کہ یہ "خود برا اور برے کی اولاد ہے۔"

راویوں نے (ابن ہشام صفحہ 352 مسلسل) ایسے یہودیوں کی ایک طویل فہرست دی ہے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن وہ مسلمانوں کو اندر سے نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔

940: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال میں بھی مایوس نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح یہودیوں کو بھی برابر قبول اسلام کی دعوت دیتے رہے جس سے کئی تنازعات بھی پیدا ہوئے۔ اس صورت حال کی ایک جھلک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کے یہود کے نام ایک نامہ مبارک میں بھی ملتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکم ہجری کو ارسال فرمایا تھا ("وثائق" نمبر 15)۔ اہل خیبر کے اپنے مدنی ہم مذہبوں کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ خط کے مندرجات یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسیٰ علیہ السلام کے دوست اور بھائی محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترنے والی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جو اہل کتاب ہیں بتا چکا ہے اور آپ اپنی کتاب مقدس میں دیکھ سکتے ہیں کہ (وہاں لکھا ہے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی کافروں کے لیے بھاری اور ایک دوسرے کے ساتھ شفیق ہوں گے۔ آپؑ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں (مسلمانوں کو) پائیں گے رکوع کرتے ہوئے اور سجدے کرتے ہوئے، اپنے پروردگار کی مدد اور خوشنودی کی تمنا کرتے ہوئے اور ان کے چہروں (ماتھے) پر ان سجدوں کے

نشان ہوں گے۔اور تورات میں بھی اور انجیل میں بھی ان کے متعلق ایسی ہی مثال دی گئی ہے۔ ایک بیج کی طرح جس نے اپنی ایک پھوٹ (انکھوا) نکال لی ہے (پھر) شاخ جو سخت اور موٹی ہو کر اپنے تنے پر سیدھی اوپر اٹھ رہی ہے اور اپنے بونے والوں کے لیے سامان مسرت بن رہی ہے اور جس پر کافر غصے سے پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کے لیے عظیم انعام کا وعدہ کیا ہے۔''

''اس لیے میں اللہ کے نام پر اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا (اس کے نام پر) اور اس ذات باری تعالیٰ کے نام پر اپیل کرتا ہوں جس نے آپ کے آباؤ اجداد کو من وسلویٰ کی خوراک دی اور ان کے لیے سمندر کو خشک کر دیا اور پھر انہیں فرعون اور اس کے مظالم سے نجات دی۔آپ مجھے بتائیں کیا اپنی کتاب میں آپ نہیں پڑھتے جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ گے۔اگر (واقعی) آپ کی کتاب میں یہ (معاملہ) موجود نہیں ہے تو پھر آپ پر کوئی زبردستی نہیں (کہ اسلام قبول کرو)۔چونکہ حق کا راستہ باطل سے الگ (صاف) نظر آ رہا ہے اس لیے میں آپ لوگوں کو اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف بلاتا ہوں۔''

941: (بیج کے اگنے سے متعلق جو مثال اوپر بیان کی گئی ہے وہ سینٹ میتھیو کی انجیل میں **32-31/13** اور مارک کی انجیل میں **32-26/4** پر موجود ہے اور جہاں تک چہرے (پیشانی) پر نشان کا تعلق ہے۔اس کا حوالہ کتاب یوحنا **(St. John's Apocalypse)** **(1/14)** سے لیا گیا ہے۔اس کا ذکر قرآن پاک میں **(29/48)** بھی ہے۔علاوہ ازیں پہاڑ پر عیسیٰ علیہ السلام کے آخری خطبہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو مائل کرنے کے لیے جو (جذباتی) طریقہ اختیار کیا وہ سودمند ثابت نہ ہوا اور پھر جنگ بدر کے نتائج نے اسلام کے قدم مضبوط کر دیے۔

942: مذکورہ بالا مثال میں جو اصطلاح استعمال کی گئی کہ ''وہ کافروں کے لیے بھاری (یا سخت) ہوں گے''۔اس میں یک گونہ دھمکی بھی پوشیدہ تھی اور مدینہ میں (بعض اوقات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں میں چھپی ہوئی دھمکی کی جھلک نظر آ جانا حیرت کی بات نہ تھی۔ (جنگ بدر کے بعد) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے انہیں جمع کیا گیا اور ان سے خطاب فرمایا ''اے اہل یہود! اللہ سے ڈرو تاکہ جو تباہی (جنگ بدر)

قریش پر مسلط ہو چکی ہے وہ تم کو بھی نہ آ جائے اور اسلام قبول کر لو کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا پیغمبر، تم اپنی کتاب میں یہ بات پڑھتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا پابند کیا ہے۔''

یہودیوں نے جواب دیا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنی قوم (قریش) سے واقف ہیں اور اس بات سے دھوکا نہ کھائیں کہ اتفاق سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسی قوم کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو جنگی مہارت نہیں رکھتی تھی۔ خدا کی قسم! اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ ہم سے آ پڑا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ لیں گے کہ (اصل) مردمیدان ہم ہیں۔'' (ابن ہشام صفحہ 545۔ قبلہ تبدیل کرنے کے فیصلہ سے بھی یہودی مشتعل ہوئے ہوں گے۔) (قرآن 139/2) .

943: شک وشبے کی اس فضا میں معمولی سا واقعہ بھی چنگاری بھڑکا دیتا ہے۔ نو ماہ تک کوئی قابل ذکر بات نہ ہوئی اور پھر اچانک ایک واقعہ نے آگ لگا دی۔ ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے بازار میں ایک یہودی زرگر کے پاس کسی خرید وفروخت کے لیے گئی وہاں نوجوان یہودی لڑکوں نے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور شرارتاً کہا کہ وہ اپنا چہرہ کھول کر انہیں دکھائے (اس نے نقاب پہنا ہوا تھا) عورت نے انکار کر دیا جس پر نوجوان زرگر نے عورت کی آنکھ بچا کر اس کے کپڑوں کو کسی چیز سے باندھ دیا (یاد کیجئے کہ ایسی ہی شرارت تھی جس سے جنگ فجار کے شعلے بھڑک اٹھے تھے جب عکاظ میں ایک عورت کو مخالف قبیلے کے لوگوں نے چھیڑا تھا)۔ (حوالہ ابن الجوزی، وفا، صفحہ 135) جب عورت جانے کے لیے اٹھی تو کپڑا کھنچ جانے سے بے پردہ ہوئی جس پر یہودی تمسخر سے ہنسنے لگے۔ شرم اور رنج سے عورت چلا اٹھی ایک مسلمان پاس سے گزر رہا تھا۔ عورت کی دہائی سن کر لپک کر آیا اور حقیقت حال معلوم ہونے پر تلوار مار کر یہودی کا سر کاٹ ڈالا۔ اپنے ساتھی کا قتل دیکھ کر یہودیوں نے مسلمان کو پکڑ کر اسے بھی قتل کر دیا۔ جونہی اس سانحہ کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہمراہ لے کر بنو قینقاع کی آبادی کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ پندرہ روز جاری رہا جس کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان میں 700 مردان کارزار شامل تھے (ابن ہشام 545-7)۔

بخاری میں جس انداز میں یہ واقعہ روایت ہوا ہے (بخاری، مسلم، بہ روایت ابن القیم)

احکام اهل الذمه ،I،128 (مسودات حیدر آباد، بخاری 6/58) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر معاملے کا مذہبی پہلو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر رہتا تھا اور دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی انصاف اور ہمدردی کا عنصر ہمیشہ غالب رہتا۔ بخاری میں بیان ہے ''ہم مسجد میں تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور ہمیں آ کر کہا۔ آئیں یہود کی طرف جانا ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو گئے اور (یہودیوں کے مرکز) بیت المدارس (بعض سیرت نگاروں نے اس کا نام بیت المدراس لکھا ہے، مترجم) پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور کہا ''اے یہود کی جماعت، اسلام قبول کر لو اور تم محفوظ رہو گے۔'' یہود نے پھر وہی جواب دیا ''ابو القاسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خبردار کر چکے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں پھر یہی الفاظ دہرائے ''مجھے یہی کہنا تھا میں چاہتا تھا تم اسلام قبول کر لو''۔ پھر تیسری دفعہ انہی مکالموں کا تبادلہ ہوا جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' جان لو کہ یہ زمین اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ میں تم لوگوں کو اس علاقہ سے نکالنا چاہتا ہوں جس کے پاس کوئی چیز ملکیت میں ہے وہ اسے فروخت کر سکتا ہے ورنہ جان لو یہ زمین اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔''

ان کے ہتھیار ضبط کر لیے گئے (جن میں 1500 تلواریں، 300 زرہیں، 2000 نیزے اور 500 ڈھالیں شامل تھیں۔ الجوزی، وفا 695) اور مسلمانوں میں سے ان کے بعض دوستوں کی سفارش پر انہیں صرف مدینہ بدری کی سزا دی گئی۔ یہ لوگ اذرعات (فلسطین، شام) میں جا کر آباد ہو گئے (ابن ہشام صفحہ 546، طبری I، 1362، ابن سعد I/2، صفحہ 19-20، میری کتاب Battlefields of the Prophet نمبر 203)۔ وقت رخصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اجازت دی کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں جب چاہیں مدینہ آ سکتے ہیں مگر اس شرط پر کہ ان کا قیام تین روز سے زیادہ نہیں ہو گا۔ (برہان الدین المرغینانی، ذخیرہ برھانیہ۔ باب ''سیر'' پیرا 18 مخطوطہ استنبول)۔

944: روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گو بنو قینقاع کی پوری آبادی کو جلاوطن کیا گیا تھا مگر اکا دکا کچھ عرصہ بعد تک بھی دیکھے جاتے رہے مثلاً ابن سعد کی روایت ہے (ابن سعد، 1/2 صفحہ 34۔ سرخسیؒ کے مطابق: شرح السیر، 187/3، باقی رہ جانے والوں کی تعداد 4 تھی) کہ ان کی جلا

وطنی کے چار ماہ بعد غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دریافت فرمایا "یہ کون لوگ ہیں؟" (جو ہماری حمایت میں آئے ہیں) جواب دیا گیا کہ "یہ عبداللہ بن اُبی ء بن سلول ہے جو بنو قینقاع اور خاندان عبداللہ بن سلام کے اپنے حلیفوں سمیت 600 افراد لے کر آیا ہے۔"

"کیا ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا "نہیں" "پھر ہمیں ان کی مدد کی ضرورت نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک انداز میں کہا۔ تاہم یہ لوگ بعد میں بھی مدینہ میں ہی رہے اور بعض روایات کے مطابق جنگ خندق کے موقع پر بنو قینقاع کے کچھ لوگ مسلمانوں کے شانہ بشانہ اپنے ہم مذہبوں بنو قریظہ کے ساتھ لڑے بھی (سرخسی مبسوط، x، 25: شیبانی، الاصل، باب "سیر") بیہقی کی روایت ہے (سنن کبریٰ IX, 53) کہ 7 ہجری میں خیبر کی مہم میں بنو قینقاع کے لوگوں نے مسلمانوں کے لیے انتہائی مفید اور بیش قیمت خدمات انجام دیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فیاضانہ تحائف سے نوازا۔

945: راوی بعض اوقات ناموں کو خلط ملط کر دیتے ہیں لیکن مندرجہ بالا روایات میں جہاں بنو قینقاع کا ذکر آیا ہے ان سے مراد یہودی ہی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعض دوسری روایات میں (مثلاً مقریزی I، 204-5 میں) اس قبیلے کے منافقین کا ذکر ہے۔ (جنہوں نے بظاہر مصلحتاً اسلام قبول کر لیا تھا مگر دل سے مسلمان نہ ہوئے تھے) مگر راویوں کی ڈالی ہوئی یہ گھنڈی کیسے کھولی جائے؟ بعض راویوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بنو قینقاع کو زیر کیے جانے کے بعد مشہور عرب منافق (رئیس المنافقین) عبداللہ بن اُبی ء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں پر زور سفارش کی اور اس کے پیہم اصرار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالآخر فرمایا "اچھا میں ان کا معاملہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔"۔ راویوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود کو زیادہ سخت سزا دینے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن عبداللہ بن اُبی ء کے اصرار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف جلا وطنی پر اکتفا کیا۔ مگر ہم ابھی بخاریؒ جیسے وقیع راوی کے حوالے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسلام نہ لانے والوں کو جلا وطنی کی ہی سزا دی اور اس لیے عبداللہ بن ابی ء کی سفارش پر انہیں جو رعائت دی گئی وہ صرف جان بخشی تک محدود

نہیں ہوسکتی تھی بلکہ درحقیقت بنوقینقاع کے وہ تمام لوگ جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے اور جو قبیلے کی کل آبادی کا نصف یا ایک تہائی تھے انہیں نہ صرف معاف کر دیا گیا بلکہ انہیں بدستور مدینہ میں رہنے اور آزادی سے کاروبار کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔

946: یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب بنوقینقاع پر یہ آزمائش آئی ہوئی تھی مدینہ کے دوسرے یہودیوں نے اس معاملے میں قطعاً کوئی مداخلت نہیں کی جو اس بات کی غمازی کرتی تھی کہ ان کے مابین بھی پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ بنوقینقاع عرب قبیلے خزرج کے حلیف تھے اور ان کی باہمی پھوٹ کا اندازہ ایک اور حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ مدینہ کی شہری ریاست کی تشکیل میں یہودیوں کی شرکت بحیثیت مجموعی نہ تھی بلکہ ہر قبیلہ یا گروپ خودمختار حیثیت میں شامل تھا۔

ابن سعد کی روایت ہے (ابن سعد، 1/2، صفحہ 19) کہ ''بنوقینقاع جنگ بدر سے پہلے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے''۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنوقینقاع کے ساتھ مسلمانوں کی ''لڑائی'' میں جو دو ہفتے تک رہی دونوں طرف کا کوئی بھی شخص ہلاک یا زخمی نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محاصرے کے دوران محصورین باہر سے کوئی خوراک حاصل نہ کر سکے اور جو کچھ ان کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی تاریخوں میں بھی اختلاف ہے بعض روایات کے مطابق یہ 3 ہجری کے دوسرے اور بعض کے مطابق 2 ہجری کے دسویں مہینے کا واقعہ ہے

(ابن سعد، 1/2، صفحہ 19۔ مقریزی ا، 103)

تاریخوں کے تعین میں اختلاف صرف ایک اس واقعہ تک محدود نہیں بلکہ متعدد واقعات کی تاریخیں متنازعہ ہیں اور اس کی وجہ وہی قبل ازیں جس کا ذکر آ چکا ہے کہ مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کی روائت (جس سے مکہ اور مدینہ کے کیلنڈر میں فرق آ گیا تھا) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور پھر (کئی سال بعد) سن ہجری کے آغاز کے موقع پر بھی چند ماہ کا فرق ہو جانے کے باعث روایات کی تاریخوں کے تعین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

947: اگرچہ غزوہ قینقاع میں کوئی خون نہیں بہایا گیا اور اس تنازعہ میں دوسرے یہودی قبائل غیر جانبدار رہے مگر بنوقینقاع کے بعض خاندانوں کی جلاوطنی سے مسلمانوں اور یہود کے عمومی تعلقات میں مزید کشیدگی در آئی اور یہود کو قبول اسلام پر آمادہ کرنے کی کوششیں مزید مشکلات سے دوچار ہو گئیں (حالانکہ) امر واقعہ یہ ہے کہ (خصوصیات کے اعتبار سے) مذہب یہود، مذہب

اسلام سے قریب ترین ہے اور مدینہ کے تمام یہودیوں کو قبول اسلام پر آمادہ کرنے میں مسلمانوں کی ناکامی بہر حال ایک المیہ ہی ہے۔ مخالف کو قصوروار ٹھہرا دینا بہت آسان ہے لیکن یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ جب ایک دفعہ غلط فہمی جنم لیتی ہے تو جواب در جواب کی کارروائیوں کے نتیجے میں مجرم ٹھہرائے جانے والوں کے ہاتھ بھی ایسے دلائل لگ جاتے ہیں جو وزن رکھتے ہیں۔

948: مشہور یہودی شاعر کعب بن اشرف کا باپ عرب قبیلے طے کے خاندان بنو نبہان (طے کی شاخ) اور ماں یہودی قبیلہ بنونضیر سے تھی (ابن ہشام صفحہ 458)۔ راویوں کا کہنا ہے کہ اس کی مسلمانوں سے عداوت عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ رواداری اور شائستگی سے بہت دور جا چکا تھا (وکیع، اخبار القضاۃ I، 54، مقاتل، "تفسیر" آیت 42/5) بدر میں کفار مکہ کی شکست سے وہ خصوصاً بہت دلبرداشتہ تھا وہ مقتولین قریش کی نوحہ خوانی کے لیے خود مکہ گیا اور وہاں اپنے شعروں سے آگ لگا دی اور قریش کو مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے پر ابھارا۔ (ابن ہشام صفحہ 53-548، ابن سعد I/2، صفحہ 21-3)۔ اس کے کردار کی پستی کا یہ عالم تھا کہ مکہ میں قیام کے دوران اپنے میزبان کی بیوی کو ورغلا لیا اور مدینہ میں مسلمان عورتوں کو اپنی شعری یاوہ گوئیوں کا موضوع بنا لیا۔ مدینہ کے جنوب میں اس کے قلعہ کے آثار ہمارے ایام تک موجود تھے۔ کعب بن اشرف کے ہاتھوں مسلمان جس طرح زچ ہو چکے تھے ان سے ایسے ہی ردعمل کی توقع تھی کہ ایک رات کو چند مسلمانوں نے جن میں اس کا رضاعی بھائی بھی شامل تھا اس پر اس کے گھر میں قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ ابن سعد کے مطابق اس واقعہ کے بعد بنونضیر نے مسلمانوں سے حلیفانہ معاہدہ کر لیا۔ (شاید مصلحتاً) (ابن سعد I/2 صفحہ 23)

949: لیکن امن کا یہ معاہدہ محض چند ماہ قائم رہ سکا۔ بنونضیر نجد کے قبیلہ بنو عامر کے بھی حلیف تھے (ابن ہشام صفحہ 652) ہم اوپر (نمبر 737) بیان کر آئے ہیں کہ کس طرح ایک غلط فہمی کی بنا پر عمرو بن امیہ الضمری نے مسلمان مبلغوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جو بنو عامر سے سرزد ہوا تھا، اس قبیلے کے دو افراد کو قتل کر دیا جو مسلمان ہو چکے تھے یا کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں امان دے چکے تھے۔ اس کا خون بہا ادا کرنا پڑا اور چونکہ عمرو بن امیہ نے یہ قتل "نیک نیتی" سے کیا تھا اس لیے خون بہا کی ادائیگی کی ذمہ داری حکومت نے اٹھائی۔ اس حوالے سے دو روایات ہیں۔

1- ابن اسحاق اور ابن ہشام کے مطابق جن کے حوالے سے بعد کے سیرت نگاروں نے

بھی ذہن پر زیادہ زور ڈالے بغیر روایت نقل کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر سے کہا کہ چونکہ وہ اب مسلمانوں کے حلیف ہیں اس لیے خون بہا کی ادائیگی میں وہ بھی حصہ ڈالیں۔ مگر یہود نے نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑا پتھر لڑھکا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی بھی سازش کی جس کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون بہا کی رقم کی وصولی کے لیے منتظر بیٹھے تھے جس کا وعدہ بعض یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر چکے تھے۔

(اس سے ملتی جلتی کئی روائتیں ان ایام کے دوران معروف ہیں جن میں سے ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے پتھر (لڑھکانے کے لیے) اوپر پہاڑ پر لے جایا گیا۔ مگر اس روایت میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ جو خون بنی نضیر نے نہیں بلکہ ایک مسلمان نے بہایا تھا اس کی دیت کی پابندی بنونضیر پر کیوں عائد کی گئی۔ ابن اسحاق سے روایت نقل کرنے والے سے شاید درمیان کا کچھ حصہ نقل ہونے سے رہ گیا۔

-2 دوسری روایت کے مطابق جو ابن مردویہ نے راویوں کی مکمل فہرست کے ساتھ بیان کی ہے اور عبد بن حمید نے بھی اپنی تفسیر قرآن میں یہی روایت بیان کی ہے۔ (یہ روایت فطری طور پر قابل ترجیح ہے اور سمہودی نے بھی اپنی کتاب "وفاء الوفاء" میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ دوسرا ایڈیشن صفحہ 298) بدر کی شکست کے بعد قریش مکہ نے بنونضیر کو پیغام بھجوایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ (مدینہ سے بنوقینقاع کی جلاوطنی کے بعد یہودیوں کی مسلمانوں کے حوالے سے تشویش میں قدرتی طور پر اضافہ ہو چکا تھا اور وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے)۔ اس خط کے بعد انہوں نے سازش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں بلوایا اور کہا "اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ آئیں اور ہمارے تین علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کریں گے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم بھی اسلام قبول کریں گے۔"

یہ تین یہودی "عالم" اپنے کپڑوں میں خنجر چھپائے ہوئے تھے۔ ان یہودیوں میں سے کسی کی بیوی کا تعلق انصار مدینہ سے تھا جس نے اپنے بھائی کو پیغام بھیج کر سازش کی اطلاع دیدی اور اس کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی بستی کی طرف جاتے ہوئے راستے میں تمام معاملے سے باخبر کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس روز وہیں سے واپس تشریف لے

آ ئے تا ہم اگلے روز علی الصبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہمراہ لے کر ان کی آبادی میں پہنچے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ مگر پھر اچانک (غالباً کوئی اطلاع ملنے پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ اٹھالیا اور بنوقریظہ کی آبادی کو گھیر لیا۔ جس پر بنوقریظہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ واپس آ کر بنونضیر کو گھیر لیا۔ قتل و خون کی نوبت نہ آئی اور بنونضیر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اپنی سابقہ روائت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قبول کرنے والوں کو معاف کر دیا (طبری، I، 1453، ابن ہشام صفحہ 654) اور جو لوگ کسی طور اسلام لانے پر آمادہ نہ ہوئے انہیں مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی کہ وہ ہتھیاروں کے سوا اپنی تمام املاک (منقولہ) ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اذرعات (فلسطین) اور کچھ خیبر چلے گئے جہاں انہیں بالا دست حیثیت حاصل ہوگئی (ابن ہشام صفحہ 652-61، طبری، I، 1448-52، ابن سعد I/2، صفحہ 40-2، میری کتاب Battlefields سلسلہ نمبر 204)۔ تاہم بعض دوسری روایات کے مطابق (ابن سعد I/2، صفحہ 41) بنی نضیر غطفان کے حلیف تھے لیکن (مشکل وقت میں) نہ تو ان کے خزرجی حلیف اور نہ ہی بنوقریظہ ان کی مدد کو آئے مگر ہم نے ابھی ابن مردویہ کی روایت میں دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنونضیر کا محاصرہ درمیان میں چھوڑ کر) بنوقینقاع کا محاصرہ کر لیا تھا اور یہ اقدام ان کی بنونضیر کے ساتھ فوجی اشتراک عمل کی بنا پر کیا تھا (کہ انہیں ان کی مدد سے باز رکھا جائے) اور بخاریؒ (14/64) اور مسلمؒ (62/32) جیسے قابل اعتماد اور وقیع راویوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے جب کہ ابوداؤد (23/19 باب بنونضیر) کا موقف بھی یہی ہے کہ "بنونضیر اور قریظہ دونوں مائل بہ جنگ تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حکمت عملی کے تحت) بنونضیر کو جلا وطن کر دیا مگر بنو قریظہ کو رہنے کی اجازت دے دی اور اس وقت تک بنوقریظہ کا ساتھ دیا جب تک بنوقریظہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمادہ جنگ نہیں ہو گئے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزا دی (جس کے وہ مستحق تھے) بہر حال امر واقعہ یہ ہے کہ جب بنونضیر مدینہ سے روانہ ہوئے تو جاتے ہوئے جواہرات اور قیمتی اشیاء سمیت تمام ساز وسامان لے گئے حتیٰ کہ مکانوں کے دروازے بھی اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد لیے (قرآن 2/59) (مگر ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا)۔ انہیں ان کا

''کنز'' بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی گئی جو قبیلہ کا مرکزی خزانہ ہوتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسلمانان مدینہ سے اپنے قرضے وصول کرنے کی بھی مہلت اور اجازت دی۔ قرضوں کی قانونی پوزیشن کے حوالے سے کچھ تفصیل پیش خدمت ہے۔ ''ایسے قرضے جن کی ادائیگی کی مدت ابھی باقی تھی ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کہا کہ ''انہیں کچھ کم کر دیں اور رقم ساری فوراً وصول کر لیں۔'' (سرخسی، شرح سیر الکبیر III، 229، 180، ابن القیم ''احکام اھل الذمه، دمشق 1961، ایڈیشن صفحہ 186، بحوالہ دار قطنی)۔

طبری اور دوسروں نے درج ذیل تفصیل بیان کی ہے (طبری، تفسیر، I، 1448) قرآن مجید کی اس آیت (257/2) کی تشریح کرتے ہوئے جس میں کہا گیا کہ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں'' طبری کہتے ہیں کہ زمانہ قبل از اسلام میں مدینہ میں جن لوگوں کے بچے نہیں ہوتے تھے وہ یہ منت مانا کرتے تھے کہ اگر اللہ انہیں بچہ عطا کرے تو وہ اسے یہودیت پر پرورش کریں گے۔ اس لیے مدینہ میں بڑی تعداد ایسے بچوں کی تھی جو نسلاً عرب لیکن یہودیت پر پرورش پانے کے باعث وہ اسی مذہب کے پیروکار تھے۔ جب بنونضیر کو جلاوطنی کا حکم ملا تو انہوں نے چاہا کہ ان بچوں کو بھی ہمراہ لے جائیں۔ ان بچوں کے والدین نے مداخلت کر کے روکنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے پر بنونضیر کا ساتھ دیا اور انہیں یہ بچے ہمراہ لے جانے کی اجازت دے دی۔ یہ لوگ 600 اونٹوں کے قافلے میں ساز و آواز کے آہنگ میں اس طرح رخصت ہوئے کہ لونڈیاں گیت گا رہی تھیں۔ ان کے ہمراہ جانے والوں میں بنوغفار کی ایک عورت ام عمرو بھی تھی جو ایک نضیری یہود کے لے پالک مشہور شاعر عروہ بن ورد کے عشق میں مبتلا تھی اور اس نے اس قدر زیورات پہن رکھے تھے کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی (ابن ہشام صفحہ 653-4، ابن سعد I/2، صفحہ 41، سہیلی، II، 176-81) باقی تفصیلات معروف ہیں کہ کس طرح بنونضیر کے وفد نے عرب کے طول و عرض میں پھر کر مسلمانوں کے خلاف عربوں کو جمع کیا اور مدینہ کا محاصرہ کیا جس کے نتیجے میں پانچ ہجری میں جنگ خندق کا واقعہ پیش آیا جو بنونضیر کی جلاوطنی کے صرف ایک سال بعد کی بات ہے۔

950: قرآن پاک کی ان آیات کی حتمی تاریخ نزول کا اندازہ نہیں ہے جن کا حوالہ آگے آ رہا ہے تاہم ان کا تعلق 3 اور 5 ہجری کے درمیان رونما ہونے والے واقعات سے ہے۔

951: وہ (یہودی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالتے اور بعض الفاظ کو اس طرح بگاڑ کر ادا کرتے کہ معانی تک بدل جاتے (قرآن 104/2, 46/4)۔ اس سلسلے میں ایک عربی لفظ " راعنا" ہے۔ جس کے معنی ہیں ہماری طرف توجہ فرمائیں۔ یا ''ہماری طرف نظر کرم کریں، ہمارا دھیان رکھیں وغیرہ۔ مگر یہودی اپنی عیاری اور شرارت سے اور اپنے جذبۂ عناد کی تسکین کے لیے اسے بعض اوقات ''راعینا'' (ہمارے چرواہے) یا عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بولتے جو گستاخانہ معانی کا حامل تھا وہ قرآن کا بھی مضحکہ اڑاتے (قرآن 57/5) اور مسلم عقائد پر دریدہ ذہنی کرتے۔ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں میں بھی تحریف کرلی تھی (قرآن 46/4) انہوں نے اس دنیا کی زندگی کے بدلے میں اپنی آخرت کو بیچ ڈالا تھا۔ (قرآن 86/2) وہ کھلے بندوں سودی کاروبار کرتے حالانکہ خود ان کے مذہب میں اس کی ممانعت تھی اور بددیانتی سے دوسروں کا مال ہضم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے (قرآن 161/4) انہوں نے اپنی مقدس کتابوں کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا (طاق نسیاں کی زینت بنا دیا) حالانکہ اللہ تعالیٰ ان پر ایمان لانے (اور عمل کرنے) کا حکم دیتا ہے (قرآن 101/2) وہ ناحق اپنے پیغمبروں کو قتل (بھی) کرتے رہے (قرآن 61/2) اور اس طرح کی ان گنت برائیاں ان میں پائی جاتی تھیں۔

اسلام کے بارے میں یہودیوں کی ہٹ دھرمی پر مسلمانوں کو اطمینان دلانے کے لیے قرآن پاک نے یاد دلایا کہ (78/5/CXII) ''داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ان پر لعنت کیا کرتے تھے۔ ان کے کردار کے ایک ایک پہلو کو کئی کئی آیات کے ذریعے بے نقاب کیا گیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں سونے کا بچھڑا تباہ کرنے کا حکم دیا۔ جسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے دوران معبود بنالیا تھا) تو وہ اس کے بارے میں مختلف سوالات کر کے حجت کرتے رہے: یہ (بچھڑا) کیسا ہو، اس کا رنگ کیسا ہو؟ (قرآن 71-67/2) (یہ حوالہ اس گائے یا بچھڑے کے بارے میں ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ اسے ذبح کریں تاکہ ایک مقتول کے جسم سے مس کر کے اسے زندہ کریں اور وہ اپنے قاتل کا نام بے نقاب کرے۔ نہ جانے ڈاکٹر حمید اللہؒ نے یہاں اس کا حوالہ کیسے دے دیا؟ مترجم) اور پھر وہ قرآن اور اسلام کی تعلیمات سے بھی مطمئن نہیں ہو پا رہے تھے'' اہل کتاب آپ سے کہتے ہیں

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے لیے آسمان سے ایک کتاب اتار کر لاؤ (اور) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے تو انہوں نے اس سے بھی بڑی بات کہی تھی کہ ہمیں (ہماری آنکھوں سے) کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھاؤ'' (قرآن 153/4)۔ اس آیت قرآنی کا مفہوم یہ تھا کہ ان لوگوں کے لیے کتاب کا کیا فائدہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تو ان کے لیے کتاب لے کر آئے تھے لیکن انہوں نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ اصرار کیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ خدا خود اپنے ہاتھ سے انہیں کتاب مقدس عطا کرے۔

952: یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام کوتاہیوں کی نشاندہی کے باوجود قرآن یہودیوں کی خصوصیات اور فضائل سے انکار نہیں کرتا: ''یقیناً'' میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی (تھی)'' یہ بات قرآن نے ایک ہی سورۃ میں دو دفعہ کہی (122,47/2/LXXXVII)۔

''تورات آسمانی کتاب ہے اور یہود کو اس کی مکمل پابندی کرنی چاہیے''۔ یہ آیت بھی قرآن نے ایک ہی سورۃ میں دو بار کہی ہے (68,44-43/5/CXII)۔ ان دو سورتوں میں قرآن مجید ایک مشترک دین کی روح پیش کرتا ہے (69/5, 62/2) جو اس دنیا (کی بقا) کا کم از کم تقاضا ہے یعنی ایک ایسی دنیا جس میں تمام مذاہب پر امن بقائے باہمی کے اصول پر عمل پیرا ہوں (فرمان خداوندی ہے)

''بے شک جو مسلمان ہیں، یہودی ہیں، نصاریٰ ہیں یا صابی، جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی''۔

953: تاہم اس سے قرآن کی یہ مراد نہیں ہے کہ کوئی شخص محض اللہ پر ایمان لائے لیکن اس کے رسولوں پر ایمان کو نظر انداز کر دے۔ ایسے ''مومن'' قرآن کی نظر میں ''اصل کافر'' ہیں۔ فرمان خداوندی ہے ''(بے شک) جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔'' (151-150/4)

954: لیکن ایک طرف اگر قرآن مسلم مردوں کو مشرک عورتوں سے شادی کرنے سے روکتا ہے اور مشرکوں کا ذبیحہ کھانے کی بھی ممانعت کرتا ہے تو دوسری طرف مسلمان مردوں کو عیسائی اور یہودی عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے (اہل کتاب کی عورتیں) اوران کے ذبیحہ کو کھانا بھی جائز قرار دیا گیا ہے (5/5) بشرطیکہ وہ اپنے صحیح عقائد کے مطابق ان کو ذبح کریں۔

955: جنگ خندق کے دوران بنو قریظہ کے یہودیوں کا جو شہر کے وسط میں آباد تھے شروع میں تو رویہ ٹھیک رہا لیکن وقت پر انہوں نے دھوکہ دیا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اور یہ ایک ایسا جرم تھا جسے کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا اس لیے جونہی کفار نے مدینہ کا محاصرہ اٹھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے چند روز کی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ قرآن پاک نے ان کے "صیاصی" (قلعوں) کا ذکر کیا ہے اور سمہودی نے (دوسرا ایڈیشن صفحہ 1256) چودہ "اطم" (قلعہ بند مینار) کا حوالہ دیا ہے جو ایک دوسرے سے اتنے قریب تھے کہ ایک دوسرے میں آگ پکڑائی جا سکتی تھی۔

956: ممتاز مؤرخ **Wensinck** کی رائے بھی وہی ہے جو کسی بھی انصاف پسند شخص کی ہونی چاہیے بلکہ دنیا کی مہذب ترین قوموں کے لوگوں کی بھی یہی رائے تھی (*Der Islam*,II,289" غزوہ قریظہ کے عمومی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب **Battlefields,206**):

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنی نضیر سے سلوک رحم دلانہ تھا مگر انہوں نے پورے عرب کے کافروں کو مدینہ پر لا چڑھایا۔ اور اگر بنو قریظہ کو بھی معاف کر دیا جاتا تو یہ (حکمت کے خلاف اور) انتہائی خطرات مول لینے کے مترادف ہوتا۔ یہ باور کرنے کی ٹھوس وجوہ موجود ہیں کہ اگر بنو قریظہ غیر مشروط ہتھیار ڈال دیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا کرتے کیونکہ اس سے پہلے بنو نضیر کی نظیر موجود تھی جنہیں اس کے باوجود کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی بھی ناپاک کوشش کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر کے مدینہ بدر کر دیا تھا لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے بیان کیا ہے (ابن ہشام صفحہ 689، طبری، I، 1487، ابن سعد، I/2، صفحہ 54/53) انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سابق ہم مذہب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ جو اب ایک سچے اور پکے

مسلمان تھے کو ثالث تسلیم کر لیں۔

(ابن حنبل، VI، 142، بخاری 4/12/68، حلبیہ، II، 119)۔

بنو قریظہ کا گمان تھا کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سفارش کریں گے جس طرح عبداللہ بن اُبی ء نے قینقاع کے یہودیوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی حاصل کر لی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرط تسلیم کر لی۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ جنگ خندق میں زخمی ہونے کے بعد سے زیر علاج تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی ہفتے سے ان کے ساتھ ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمان طلبی موصول ہونے پر وہ ''فوجی ہسپتال'' سے گدھے پر سوار ہو کر پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پہلے انہوں نے اپنے قبیلہ والوں (بنو قریظہ) سے پوچھا کہ وہ ان کا فیصلہ قبول کر لیں گے انہوں نے ہاں میں جواب دیا پھر انہوں نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا جس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ نے تورات کے قانون کے مطابق اس کا فیصلہ کیا۔ (Deuteronomy, XX, 10-14)۔ حمید بن ہلال کے مطابق (جس کا حوالہ سمہودی نے دوسرے ایڈیشن صفحہ 308 پر دیا ہے) حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فیصلہ دیا کہ یہودیوں کے مکانات مہاجرین مکہ کو دے دیئے جائیں تا کہ انصار پر ان کا انحصار کم ہو سکے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثالث یعنی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ وہ انہیں ثالث بنانے پر اپنی رضا مندی واپس نہ لے سکنے پر پریشان بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے سخت فیصلے کی توقع نہیں تھی تاہم فیصلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کی قسمت یہی تھی کہ سات آسمانوں پر اللہ کا فیصلہ یہی تھا۔'' (ابن ہشام صفحہ 689: ابن سعد، I/2، صفحہ 54) کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق مہربانی کا مظاہرہ کیا، مثلاً:

957: قیدیوں سے حسن سلوک کیا گیا انہیں اچھی خوراک دی گئی (سرخسی، ''شرح سیر الکبیر'' کے مطابق انہیں کھجوریں (بھی) دی گئیں۔ مجد ایڈیشن، 2000) ایک مسلمان ثابت

بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی ابن باطا کی سفارش کی کہ اس نے ان پر ایک دفعہ احسان کیا تھا اس کے بدلے میں اس کی جان بخشی کر دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفارش قبول کی اور اسے اور اس کے بال بچوں کو بھی معاف فرما دیا اور اس کی جائیداد بھی اسے واپس کر دی۔ (ابن ہشام 691)۔ ایک اور یہودی رفاعہ بن سیموئل نے ایک بوڑھی مسلمان عورت کے گھر میں پناہ لی تھی۔ اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ رفاعہ کو زندگی بخش دی جائے۔ اس نے نمازیں پڑھنے حتیٰ کہ اونٹ کا گوشت کھانے کا بھی وعدہ کیا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی سفارش بھی قبول کر لی۔ (ابن ہشام صفحہ 692)

958: بنوقریظہ کے حوالے سے ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ جب ریاست مدینہ کا آئین اور قانون تیار کیا گیا تو یہودی قبیلوں بنوقریظہ اور بنونضیر کے مابین ایک قتل کے مقدمہ کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے لے جایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ رواج کے مطابق بنوقریظہ کی دیت بنونضیر کے مقابلے میں آدھی ہے (70 بمقابلہ 140 وسق کھجوریں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ دیت برابر ہوگی۔ بنونضیر کا کعب بن اشرف چیخ اٹھا اور کہا ''ہم آپ کا فیصلہ نہیں مانتے اور ہم اپنے رواج پر ہی عمل کریں گے'' (مقاتل، تفسیر، مسودات حمیدی استنبول فائل 96 اے، قرآن 44/5) قارئین کرام چاہیں تو کعب بن اشرف جو معروف یہودی شاعر تھا کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو بغض اور کینہ پایا جاتا تھا اس کی وجہ تلاش کرنے اور بنونضیر کے خلاف کارروائی کے دوران بنوقریظہ کے غیر جانبدار رہنے کے پس پردہ وجود کا سراغ لگانے کے لیے کتب سیرت ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مدینہ کے دیگر یہودی

959: جو یہودی مدینہ میں باقی رہ گئے تھے بادی النظر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اپنے آپ کو محض تجارت تک محدود کر لیا تھا۔ انہوں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رویہ کی شکایت نہیں کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہمیشہ مہربانی سے پیش آتے یہاں تک کہ جن کے سالانہ وظائف مقرر تھے ان کو باقاعدگی سے ادائیگی ہوتی تھی۔ ہمارے پاس ایک ایسی دستاویز ہے جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے بنوعریض کو وافر مقدار میں غلہ فراہم کیا تھا (''وثائق'' نمبر 20) ابن ہشام نے بھی ''حرة العرید'' کی ''لاوا'' وادی نام کی ایک آبادی کا ذکر کیا ہے اور جس راستے کی اس نے نشاندہی کی ہے (شعب العجوز، بنوامیہ بن زید، بنوقریظہ، بعاث، عریض) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آبادی مدینہ کے مشرق اور جنوب مشرق میں واقع تھی۔ (ابن ہشام 552)۔ اسی نام سے ایک بستی جس کا ذکر ابن سعد نے کیا ہے (ابن سعد I/2، صفحہ 26) اس کے مطابق یہ بستی مدینہ کے شمال میں کوہ احد کے مشرق میں واقع تھی۔ 10 ہجری میں مدینہ میں بعض امیر کبیر یہودی تاجروں کی موجودگی بھی ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک قیمتی کپڑا عنایت کیا تھا جو انہوں نے ایک یہودی تاجر کو 8 ہزار درہم میں فروخت کیا تھا (ابن سعد ii/I، صفحہ 75)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا 11 ہجری میں وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی تاجر ابوالشحم کے پاس رھن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری 87/34، ابن سعد ii/I، صفحہ 119، ابن حنبل نمبر 2724) یہ یہودی بنوظفر کی کفالت میں تھا۔

(ابن سعد ii/I، صفحہ 173، ابن کثیر ''تفسیر'' I، 337 آیت 285/2)۔

قسطلانیؒ کی روایت کے مطابق (ارشاد 296/4) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 30 صاع (تقریباً 60 کلو) جو جن کی قیمت ایک دینار طلائی کے برابر تھی ادھار خریدا تھا اور ضمانت کے طور پر اپنی زرہ جس کا نام ''ذات العقول'' تھا رکھوائی تھی۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیمت ادا کر کے زرہ واپس کروائی تھی۔

باب 47

بیرونِ مدینہ کے یہودی

خیبر

960: خیبر مدینہ سے شمال میں واقع ہے جب میں اپنے بعض دوستوں کی معیت میں خیبر جانے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوا تو گاڑی کا میٹر 36949 پر تھا اور منزل پر پہنچنے کے بعد دیکھا تو 37133 تھا اس طرح یہ یکطرفہ سفر 184 کلومیٹر طویل نکلا۔ یہ ایک نخلستان ہے جس کے اردگرد آتش فشانی لاوے کے جلے ہوئے حرے (چھوٹی پہاڑیاں) اور میدان ہیں۔ بارش کی کثرت اور علاقے کی ساخت نے نہ صرف آبپاشی کے چھوٹے ڈیموں کی تعمیر کو ممکن بنایا ہوا تھا بلکہ ان گنت چشمے ابل ابل کر ندیوں کی صورت میں بہتے اور کاشتکاروں کے لیے نعمت غیر مترقبہ بنے ہوئے تھے زمین انتہائی زرخیز اور پیداوار کا یہ عالم تھا کہ اسلامی دور میں بیس ہزار فوج کی خوراک کی ضروریات یہاں سے پوری ہوسکتی تھیں۔ جیسا کہ ہم اگلے اوراق میں دیکھیں گے خیبر میں سات یا آٹھ قلعے تھے جن میں سے ایک بہت مشہور قلعہ قموص تھا جو ایک بڑے سردار مرحب بن حارث کی ملکیت تھا اور آج بھی موجود ہے جسے حصن مرحب کہا جاتا ہے اور اس خطے کے سعودی گورنر کی سرکاری رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

961: خیبر کیسے وجود میں آیا اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ اس بارے میں اب تک دستیاب ہونے والا قدیم ترین حوالہ 568ء کے دور کا ایک کتبہ ہے جو خران سے برآمد ہوا۔ اس پر جو تحریر ہے وہ خیبر کے تباہ ہونے کے بعد کندہ کی گئی اس تباہی کا حوالہ ہے جو شاہ غسان حارث بن ابی شمر جبلہ کے حملہ کے نتیجے میں ہوئی۔ (ابن قتیبہ، معارف صفحہ 313)۔ رومی شہنشاہوں کے باجگزار غسانی حکمران کو اس خطے پر حملہ آور ہونے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی

اس کی وجوہات کا اندازہ لگانا مشکل ہے تاہم یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کے ستر سال بعد اس علاقے میں صرف یہودی ہی نظر آتے تھے۔ کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ حارث کے حملہ میں علاقے کے تمام عرب مکینوں کو صفحہء ہستی سے مٹا دیا گیا تھا؟ مدینہ میں اسلام کی آمد کے موقع پر خیبر ایک خوشحال تجارتی مرکز کی حیثیت سے معروف اور مشہور تھا اور یہاں کے لوگ پورے خطے میں آسودہ حال تھے۔ مثلاً قریش مکہ اپنی شادی بیاہ کی تقریبات پر کھانا پکانے کے لیے دیگیں وغیرہ خیبر والوں سے ہی کرایہ پر لے کر جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کرائے پر عورتوں کے استعمال کے لیے جواہرات موتی اور سونے کے زیورات بھی دستیاب تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر کچھ قیمتی جواہرات گم ہو گئے تو خیبر والوں کو دس ہزار طلائی دینار ادائیگی کر کے خلاصی ہوئی۔

(سرخسی، شرح سیر الکبیر 186،I، (370)، ابن سعد i/2، صفحہ 81)

962: خیبر کی آب و ہوا مرطوب اور ملیریا کی وبا عام ہے۔ پرانے زمانے میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس موذی بیماری سے کیسے نجات حاصل کی جائے اور دوسرے علاقوں کے لوگ ادھر کا سفر کرنے سے کتراتے تھے۔ اگر کوئی باہر کا آدمی خیبر کے کسی مکین سے پوچھتا کہ بھئی تمہیں یہ بیماری کچھ نہیں کہتی اس کا راز کیا ہے تو وہ ازراہ مذاق کہتا کہ جو اس بیماری سے بچنا چاہے وہ شہر میں داخل ہوتے وقت دس دفعہ گدھے کی طرح کی آواز نکالے۔ اس کے بعد بیماری اسے کچھ نہیں کہے گی۔ بعض سادہ لوح بدو بڑے خشوع و خضوع اور احترام کے ساتھ یہ ''صوت الحمیر'' نکالتے ہوئے شہر میں داخل ہوتے اور اہل خیبر کے لیے ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچاتے۔ یہ رسم ''تعشیر'' (دس دفعہ) کہلاتی تھی۔ معروف شاعر عروہ بن الصعالک کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا تو اس نے زبان شعر میں اس کیفیت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ ''گدھا بننے سے بہتر ہے کہ وہ بیمار ہو جائے''۔ (قزوینی، آثار، II، 60-1)

963: اس بارے میں ایک دلچسپ حکایت اور بھی ہے۔ عربوں کے نزدیک سخت ترین وباؤں کا ظہور ''سات سہیلیوں کا جھمکا'' نامی چھ ستاروں کے جھرمٹ کے غروب اور طلوع ہونے کے درمیان ہوتا تھا۔ ان کے ''قومی ڈاکٹر'' (طبیب العرب) کا کہنا تھا: ''اگر تم مجھے ان ''سبعہ ستارہ'' کے طلوع تک غروب رہنے کی ضمانت دے دو تو میں باقی سال تک (بیماریوں سے محفوظ رہنے) کی ضمانت دے دوں گا۔'' جب خیبر کے یہودیوں سے پوچھا جاتا کہ آپ لوگ کس طرح

صحت برقرار رکھتے ہیں؟ تو وہ جواب دیتے کہ ''شراب پی کر، لہسن کھا کر، اوپر (بلند جگہ) رہ کر، نیچے (کی وادیوں) سے بچ کر اور سبعہ ستارہ کے غروب سے طلوع تک کا درمیانی عرصہ خیبر سے باہر گزار کر''۔ (ابن قتیبہ انواء، پیرا37، صفحہ 30-31)

964: خیبر کے بارے میں ایک اور روایت: ایک روز ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعض ساتھیوں کو نئے فیشن کے کپڑوں میں ملبوس دیکھا تو کہنے لگے۔ ان ''طیلسان'' میں تو آپ لوگ خیبر کے یہودیوں کی طرح نظر آتے ہو۔ (بخاری 40/64 (نمبر 12)

965: روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے خیبر کی ایک یہودی عورت سے شادی کی تھی (ابن حبیب ''منمق'' صفحہ 506) جس سے ان کے دو بیٹے صفی اور ابو صفی پیدا ہوئے۔ وہ خاتون مطلب (ہاشم کے بھائی) کے بھی نکاح میں رہی (پہلے یا بعد میں روایت میں اس کا ذکر نہیں)۔ اس نکاح سے بھی اس کا بیٹا تھا جس کا نام مخرمہ تھا جس نے بڑے ہو کر ایک یہودی عورت داسہ سے شادی کی جو اس کے بیٹے قیس کی ماں تھی اسی راوی کے مطابق زمانہ قبل از اسلام میں مدینہ کی یہودی عورتوں کی قریش مکہ سے شادیاں ہوئی تھیں۔

966: عبدالمطلب کا وہ مشہور واقعہ جس میں انہوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دس بیٹے دے تو وہ ایک بیٹا اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جس کاھنہ سے مشورہ کیا تھا وہ کبھی مدینہ اور کبھی خیبر میں رہتی تھی (ابن ہشام 98-99)

967: بنو نضیر مدینہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر میں آباد ہو گئے جس سے خیبر کی دولت اور آبادی میں اضافہ ہو گیا اور جنگ خندق میں مسلمانوں کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہونے کے باوجود اہل خیبر کی قوت وحشمت برقرار رہی۔ اس حوالے سے عظیم مورخ اور سکالر سرخسی لکھتے ہیں (سرخسی، ''شرح سیر الکبیر''، ا، 201 (403)، مبسوط 86, X) ''قریش مکہ اور اہل خیبر میں یہ معاہدہ تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے کسی پر حملہ کا رخ کریں تو دوسرا مدینہ پر چڑھائی کر دے گا۔ اس صورتحال کی پیش بندی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے معاہدہ امن (حدیبیہ) کر لیا تاکہ اس طرف سے وہ بے خطر ہو جائیں اور اطمینان سے خیبر کا رخ کر سکیں۔'' مدینہ، خیبر اور مکہ کے کم وبیش درمیان میں ہے۔ حدیبیہ کے فوراً بعد (محرم 7 ہجری) مسلمانوں نے خیبر کا رخ کیا تاکہ اس مستقل خطرے کا سدباب کیا جا سکے۔

968: خیبر جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو غطفان کے علاقے سے گزرے جو خیبر کے یہود کے حلیف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان کو غیر جانبدار رہنے کے عوض کھجوروں کی ایک خطیر مقدار کی پیشکش کی لیکن نہ صرف انہوں نے انکار کر دیا بلکہ ایک مضبوط فوجی دستہ بھی خیبر بھیج دیا تا کہ مسلمانوں کے خلاف یہود کے ساتھ مل کر لڑ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک اپنی فوج کا رخ بدل کر غطفان کے اندرونی علاقوں کا رخ کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز یہ تھا کہ خیبر والوں سے تو بعد میں نمٹیں گے پہلے غطفان سے دو دو ہاتھ ہو جائیں اور چونکہ یہ ایک منطقی اور قابل عمل راستہ بھی تھا کیونکہ پیچھے عورتیں بچے اور مویشی ہی رہ گئے تھے۔ اس لیے غطفان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر حملہ آور ہونے والے ہیں چنانچہ توقع کے عین مطابق انہوں نے خیبر کی مدد کے لیے بھیجی گئی فوج فی الفور واپس بلا لی اور پھر انہوں نے خیبر کی مہم سر ہونے تک اپنی جگہ سے ہلنے کی جرأت نہیں کی (ابن ہشام صفحہ 757-8)۔

(اس کہانی کا ایک دلچسپ پہلو اور بھی ہے جس کے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی) خیبر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپسی سفر کے دوران غطفان کے علاقے سے گزرے تو انہوں نے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور مطالبہ کیا کہ چونکہ وہ غیر جانبدار رہے ہیں اور اپنے حلیفوں کا ساتھ نہیں دیا اس لیے وعدے کے مطابق انہیں کھجوریں دی جائیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس استدلال کو مسترد کر دیا اور معروف سیرت نگار شامی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد کو ترش روئی کے ساتھ اپنی مجلس سے چلے جانے کے لیے فرمایا۔

969: یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ خیبر کے دفاع کے لیے 20 ہزار جنگجوؤں کی طاقتور فوج موجود تھی جنہیں منجنیقوں سمیت جدید ہتھیاروں کی مدد بھی حاصل تھی مگر وہ پندرہ سو پر مشتمل قلیل مسلمان فوج کا مقابلہ نہ کر سکے (بحوالہ Battlefields صفحات 209-220)۔ مال غنیمت سے بھاری مقدار میں غذائی رسد بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئی جو خوراک کی کمی کا شکار مسلمانوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ ایک دن اچانک بیس سے تیس گدھوں کا ایک ریلہ قلعہ سے نکلا جنہیں مسلمانوں نے پکڑ لیا اور غذا کی اس قدر کمی تھی کہ انہیں فوراً ذبح کر کے گوشت چولہوں پر چڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما

دیا کہ اسلام میں گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں اور حکم دیا کہ تمام گوشت ضائع کر دیا جائے۔ مقریزی (امتاع ،I، 317)۔

فتح خیبر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتوحین کی درخواست پر منظور کرلیا کہ ''ان کی جانیں محفوظ رہیں گی۔ ان کی عورتوں اور بچوں سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور وہ اپنے تن کے کپڑوں کے سوا باقی تمام املاک چھوڑ کر ترک وطن کرنے کے پابند ہوں گے مگر یہ کہ وہ املاک میں سے کچھ چھپائیں گے نہیں۔'' (بلاذری، فتوح صفحہ 23) اس سلسلے میں ابو داؤد کی روایت قدرے مختلف ہے۔ (24/19، باب خیبر): ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے باغات اور مزروعہ کھیتوں پر قبضہ کرلیا اور قلعوں کا محاصرہ سخت کر دیا تو محصورین نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ سونا، چاندی اور ہتھیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں گے تاہم جو کچھ ان کے بار برداری کے جانور اٹھا سکیں گے وہ اپنے ساتھ لے جانے کے حق دار ہوں گے بشرطیکہ وہ (املاک میں سے) کچھ چھپائیں گے نہیں اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو دیئے گئے تمام تحفظات ختم ہو جائیں گے۔''

970: تاہم اس دوران ایک نئی صورتحال یہ پیدا ہوگئی کہ مسلمانوں کے پاس چونکہ زراعت پیشہ لوگوں کی کمی تھی (بحوالہ ابوداؤد) اس لیے سوال پیدا ہوا کہ اگر ان لوگوں کو جلاوطن کر دیا گیا تو اتنے زیادہ کھیتوں کو کون سنبھالے گا چنانچہ یہود کو اس وقت تک ٹھہرنے کی اجازت دے دی گئی جب تک اس حوالے سے تسلی بخش انتظامات نہ کر لئے گئے اور کھیتوں کی دیکھ بھال کے عوض وہ نصف پیداوار کی ملکیت کے حق دار قرار پائے (ابن ہشام صفحہ 764)۔ اس کے بعد فصلوں کی برداشت کے موسم میں مدینہ سے وصولی کے لیے ایک ایجنٹ روانہ کیا گیا جسے یہود نے رشوت دینے کی کوشش کی جو ناکام رہی تاہم مسلمان ایجنٹ (عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ) نے اس دیانت داری سے حصے تقسیم کیے کہ خود یہود کہہ اٹھے کہ ''ایسی ہی وجوہات کے سبب آسمان زمین پر نہیں گرتا'' (ابن ہشام 777، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام پیداوار کے دو برابر حصے کر دیئے اور یہود کو اختیار دے دیا کہ وہ کوئی سا ڈھیر اٹھالیں)۔

971: معاہدہ خیبر کی تکمیل کے بعد مفتوحین کو تمام شہری حقوق حاصل ہو گئے اور روایات میں ہے کہ بعض مسلمانوں نے کھجوروں کے باغات میں جا کر اپنے لیے مفت کھجوریں لینے کی کوشش کی

لیکن یہود کی شکایت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکینوں کی ملکیت کسی بھی چیز کو چھیڑنے کی سختی سے ممانعت کر دی (سرخسی، شرح السیر الکبیر I، 92, 1018)

972: یہود کو تورات کے وہ تمام نسخے بھی واپس کر دیئے گئے جو مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے (مقریزی I، 323)

973: محاصرے کے دوران خیبر کے ایک یہودی کے غلام چرواہے نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے ساتھ یہودی کا ریوڑ بھی لے آیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو ہدایت کی کہ وہ واپس جا کر ریوڑ اپنے مالک کو واپس کرے اور پھر آ کر مسلم کیمپ میں شامل ہو (ابن ہشام صفحہ 769-770۔ سرخسی "شرح سیر الکبیر" IV, 381)۔ مقریزی کے مطابق ("امتاع"، I-312-313) جب وہ ریوڑ واپس کر کے آیا تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر یہود کے خلاف جہاد میں شریک ہوا اور درجہ شہادت حاصل کیا۔

974: خیبر کی مہم کے دوران بعض مسلمانوں نے متعہ (عارضی شادی) کی پرانی رسم سے فائدہ اٹھالیا (متعہ یہودی عورتوں سے کیا یا ارد گرد کی دیگر عورتوں سے یہ واضح نہیں) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے متعہ کی ممانعت فرما دی (بخاری 40/64 نمبر 20 اور 3/28/72، سہیلی II، 239) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی مسلم تعلقات کی بہتری کے لیے ایک نوجوان یہودی بیوہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کر لی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر بھر اپنے غیر مسلم عزیزوں کی مدد کرتی رہیں اور سیرت نگاروں کے مطابق (زرقانی، III، 296، ابوعبید "اموال" نمبر 1993) انہوں نے اپنے انتقال کے وقت اپنی جائیداد کا ایک تہائی جس کی مالیت ایک لاکھ درہم کے برابر تھی اپنے بھانجے کے نام وصیت کی جو ابھی تک مذہب یہود پر تھا۔

975: خیبر کو مکمل خود مختاری دی گئی تاہم روایت ہے کہ الحکم بن سعید کو قریٰ عربیہ کے علاقے کا گورنر مقرر کیا گیا جس میں خیبر اور فدک کا علاقہ بھی شامل تھا۔ (محبر صفحہ 126 اسے قریٰ عرینہ بھی کہا جاتا تھا، بحوالہ یاقوت، بلدان، ابن سعد I/ii صفحہ 50) ابن سعد کے مطابق خیبر اس علاقے کا سب سے بہترین اور خوبصورت شہر تھا اور اس کی پیداوار کی کہانیاں ضرب المثل اور گیتوں کا حصہ تھیں (بخاری 34/63(I)، ابن سیدہ، مخصص، XI، 7 ابن کثیر، III، 315)

ابن حنبل کے مطابق (244/5) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن جبل کو غالباً عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد جو خیبر میں پہلے مسلمان ٹیکس کلکٹر تھے حظ الارض (اراضی ٹیکس) کی وصولی کے لیے مامور فرمایا جس کی شرح زمین کی زرخیزی کی بنیاد پر کل پیداوار کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی تھی تاہم اپنی فیاضانہ طبیعت کے باعث وہ دیوالیہ ہو گئے اور (سرکاری واجبات کی وصولی کے لیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مکان فروخت کر دیا جس کے بعد وہ رہائش کے لیے اصحاب صفہ کے ہمراہ قیام پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھجوروں کے ان خوشوں کا نگران مقرر کر دیا جو امیر لوگ مسجد نبوی میں غریب لوگوں کے لیے لٹکا جاتے تھے (جس سے خود معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فائدہ اٹھا سکتے تھے) تا کہ اس کے معاوضے سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ (سمہودی، دوسرا ایڈیشن صفحہ 1265)۔ کچھ عرصے میں وہ معمول کی زندگی گزارنے کے قابل ہو گئے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معیار زندگی عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت بہتر تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔

976: ایسے شواہد ہیں کہ بعض یہودیوں نے (شاید حالات سے دلبرداشتہ ہو کر) زمین فروخت کر کے ترک وطن کو ترجیح دی کیونکہ تذکروں میں اس علاقے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کچھ جائیداد کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ (بکری، 331,X، موضوع خیبر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت سے تو ہو سکتا ہے وہ زمین مراد ہو جو بے نامی ہو جائے تو وہ سرکاری ملکیت میں چلی جاتی ہے۔

977: ایک دفعہ ایک مسلمان تاجر کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ خیبر میں مقیم تھا اور چونکہ اس کے قاتل کا کوئی سراغ نہ مل سکا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شہر کو حکم بھجوایا کہ اس کا خون بہا اجتماعی طور پر ادا کیا جائے لیکن اہل شہر نے اصرار کیا کہ وہ بے گناہ ہیں جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے ورثا کو سرکاری خزانہ سے ادائیگی کی۔

(ابن ہشام ص 777-8)

وادی القریٰ

978: وادی القریٰ کا علاقہ خیبر سے بہت دور نہیں تھا اور اس میں عربوں اور یہودیوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ بلاذری کے مطابق، (انساب I، 378، فتوح صفحہ 33-35) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے فارغ ہو کر وادی القریٰ پر یلغار کی۔ ایک روز کی کمزوری مزاحمت کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے (سمہودی، دوسرا ایڈیشن صفحہ 1328)۔ شرائط وہی خیبر والی رکھی گئیں یعنی پیداوار کا نصف اسلامی حکومت کو بطور ٹیکس ادا کیا جانا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سعید کو اس علاقے کا گورنر مقرر کیا (محبر، صفحہ 126، صفدی I، 5-84)۔ خیبر کے سقوط نے اردگرد کی یہودی آبادیوں کے حوصلے پست کر دیئے کیونکہ خیبر یہود کی عظمت اور تہور کا محور تھا اور اس کی شکست قوم کے لیے انتہائی صدمے کی بات تھی اس کے بعد یکے بعد دیگرے تمام چھوٹی بڑی یہودی بستیاں ہتھیار ڈالتی چلی گئیں۔ ایک مثال بنو عذرہ کے یہودیوں کی ہے۔ (سرخسی، مبسوط 2-7) ان کے ایک سردار حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ میں وسیع قطعات اراضی عطا کیے۔ (بلاذری، فتوح، صفحہ 33-35) 9 ہجری میں اس علاقے میں ایک عورت کا بھی ذکر آتا ہے جو اسی علاقے میں زمینوں کی مالک تھی۔ (بخاری 54/24)۔

فدک

979: فدک کا علاقہ بھی مدینہ اور خیبر کے درمیان واقع تھا یہ علاقہ گھوڑوں کی افزائش میں بتانے کے حوالے سے بہت مشہور تھا (سمہودی، دوسرا ایڈیشن صفحہ 1245)۔ واقدی کی روایت ہے (اس کا حوالہ ابن سعد I/2 نے صفحہ 65 پر دیا ہے۔ بلاذری، انساب، I، 739، انہوں نے بنو سعید کے یہود کا ذکر کیا ہے؟) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیبر کی مہم کے دوران فدک کے یہود خیبر کی مدد کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں ایک سریہ شعبان 6 ہجری میں روانہ فرمایا۔ جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ خیبر کی مہم اس کے چھ ماہ بعد محرم 7 ہجری میں سر ہوئی۔ کیا یہ مہینوں کے شمار میں اسی الجھن کا شاخسانہ تو نہیں جس کا ذکر پہلے بھی واقدی کے حوالے سے کئی بار آ چکا ہے؟

ابن ہشام کے مطابق فدک کے یہود نے امن کے لیے ازخود ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا (ابن ہشام صفحہ 764، 773-4) اور درخواست کی کہ خیبر کی شرائط پر ہی ان کے ساتھ بھی معاملہ کرلیا جائے۔ اس خطے سے حاصل ہونے والے محاصل کا ایک قابل ذکر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کے لیے وقف کیا گیا جب کہ اس میں سے دوسرے اخراجات بھی کیے جاتے تھے۔ ابوداؤد اس روایت کے واحد راوی ہیں (سنن 33/19-35 باب غیر مسلموں کے تحائف) کہ ایک روز فدک کے ایک (غیر مسلم) سردار نے تحائف اور اشیائے خوردنی سے لدے ہوئے چار اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحائف قبول فرمالیے۔ تاہم اس واقعہ کی مزید تفصیلات معلوم نہیں ہوسکیں۔

تیماء

980: تیماء کے شہر نے جو عرب کے انتہائی شمال میں واقع ہے عربی ادب پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جن میں سے تقریباً سب کا تعلق چھٹی صدی عیسوی سے ہے۔ آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ملنے والی معلومات کے مطابق ان کا زمانہ قبل از مسیح تک چلا جاتا ہے اور ان پر کسی قسم کے یہودی اثرات کے کوئی شواہد نہیں ملتے۔

981: دوسری آشوری سلطنت کے بانی تگلتھ پائلسر III (745-727 قبل مسیح) Tiglath-Pileser نے شمالی عرب پر حملہ کیا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس حملے میں اسے تیمائی (تیماء) کے شہر اور مسائی اور سبائی قبائل سے بڑی مقدار میں سونا، اونٹ اور مصالحے بطور خراج وصول ہوئے (*"History of the Arabs"*, Philip k Hitti، صفحہ 37، ایڈیشن 1951)۔ اس کے دو سو سال بعد اس شہر نے اس وقت اہمیت حاصل کر لی جب آخری کلدائی بادشاہ نبونیدس نے اپنا صوبائی مستقر یہاں قائم کیا (کلدائی خاندان کی سلطنت جو آشوریوں کے بعد قائم ہوئی شام اور شمالی عرب کے بعض علاقوں پر مشتمل تھی) ایک قدیم کتبے کے مطابق نبونیدس نے اپنی حکومت کے تیسرے سال تیما پر حملہ کر کے اس کے حکمران کو قتل کر دیا اور اس نخلستان میں اپنی حکومت قائم کر لی'' (فلپ کے ہٹی، ہسٹری آف عربز صفحہ 39)۔ ایک اور

کتبے کے لیے اس باب کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

982: تیماء کی تاریخ میں دلچسپی اور دلکشی کا ایک اور عنصر ''ستون آف تیماء'' نام کے کتبے سے پیدا ہوا جو اس وقت فرانس کے Louvre میوزیم کی زینت ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح کا آرامی زبان کا یہ کتبہ ایک نئے مذہب ''ھجم کا صلم'' کے تذکرے سے عبارت ہے جو ایک مذہبی پیشوا نے تیماء میں رائج کیا جس نے بعد ازاں اس دیوتا کا معبد تعمیر کر کے اس پر چڑھاوے چڑھانے کی رسم شروع کی اور اس کا مجاور بن کر اسے اپنی نسل کے لیے وراثت کا درجہ دیا (فلپ کے ہٹی، ہسٹری آف عربز صفحہ 40) ایک اور حوالے Dictionnaire de la Bible (1910) کے مطابق کتبہ پر تحریر ہے معنان بن عمران نے اپنی زندگی کے عوض تخت صلم دیوتا کو پیش کیا۔''

983: تیماء میں یہودی اقتدار کی تاریخ اغلباً چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ تذکرہ نگار ایک یہودی شہزادے سیموئل بن عادیا کا حوالہ دیتے ہیں جو تیماء کے ایک مشہور قلعہ میں مقیم تھا۔ سیموئل صرف عربی جانتا تھا اور اس سے بڑی اعلیٰ درجے کی عربی شاعری منسوب ہے۔ اس کی نظموں کے ایک مجموعے (بیروت ایڈیشن) کو پڑھیں تو عربوں اور اس کی زبان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور انداز فکر اور بیان بالکل دوسرے عرب شاعروں کے ہم پلہ ہیں۔ ممکن ہے وہ پیدائشی اسرائیلی نہ ہو بلکہ عربی یہودی ہو۔ اس وقت عربوں میں یہ چلن عام تھا کہ وہ مظاہر پرستی ترک کر کے توحیدی یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کر رہے تھے (یہ اسی دور کی بات ہے جب ذونواس نے یہودیت قبول کی تھی)۔

984: جس قلعہ میں سیموئل کا قیام تھا وہ الابلق (پنج رنگا یا دورنگا) کہلاتا تھا (لسان، ایم آر ڈی) اور بعض اوقات اسے ''الا بلق الفرد'' (واحد پنج رنگا) بھی کہا جاتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ نام اس لیے پڑا ہو کہ اسے مختلف رنگوں کے پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہو۔ تیماء مدینہ سے سات دن کے سفر پر جبیل عقیرہ پر واقع تھا۔ یہ بڑا سرسبز و شاداب خطہ تھا۔ کھجور، انجیر اور انگور کے باغات کی بہتات تھی۔ بکری کے مطابق یہ قلعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کرایا تھا اور وہ اپنے دعوے کی تائید میں عظیم عرب شاعر الاعشا کا قول بھی پیش کرتا ہے۔ نامور عرب شاعر امرءالقیس، سیموئل کا ہم عصر تھا۔ ایک روز اس نے تیماء کا رخ کیا اور اپنی منقولہ املاک خصوصاً ہتھیار اس کے محل

میں رکھوائے اور 540 عیسوی کے لگ بھگ انقرہ میں بازنطینی شہنشاہ سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔ جہاں بالآخر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا (اس کی قبر اب بھی وہیں ہے)۔ غسانی فرمانروا حارث الاعراج نے سیموئل سے مطالبہ کیا کہ امرؤالقیس کی املاک اس کے حوالے کی جائیں جس کی موت کا باعث بھی حارث کا حسد تھا۔ سیموئل کے انکار پر اس نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ بدقسمتی سے سیموئل کا بیٹا قلعہ سے باہر تھا جو حارث کے ہتھے چڑھ گیا۔ حارث نے اسے دوبارہ دھمکی آمیز پیغام بھیجا کہ اگر اس نے املاک حوالے نہ کیں تو اس کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا۔ سیموئل نے یہ دھمکی بھی ٹھکرا دی جس پر اس کی آنکھوں کے سامنے کہ وہ اوپر برج میں بیٹھا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔ قلعہ الابلق بہت مستحکم تھا اور قبضہ کی بار بار ناکام کوششوں کے بعد آخر کار دشمن بے نیل و مرام محاصرہ اٹھا کر واپس جانے پر مجبور ہو گیا۔

985: روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تیما کی فتح کی تاریخ اور وقت کا اندازہ نہیں ہوتا تاہم تذکروں میں سب ہی بنو عادیا (عادیا سیموئل کا باپ تھا) کے یہودی خاندان کا ذکر کرتے ہیں۔ بلاذری کی روایت ہے (فتوح صفحہ 33-35) کہ خیبر اور وادی القریٰ کی مہمات (7 ہجری) کے بعد تیماء کے مکین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ کی ادائیگی کے عوض صلح کی پیشکش کی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ یہ واقعہ 9 ہجری کے لگ بھگ ہو سکتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 30 ہزار کی ایک طاقتور فوج کے ساتھ تبوک کی طرف کوچ فرما رہے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن ابوسفیان کو اس علاقے کا گورنر مقرر کیا (صفدی، 1، 84-5)۔ تیماء کے لوگوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس کی دستاویز کی زبان سفارتی مہارت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنو عادیا کے لیے تحفظ کی ضمانت ہے اور ان پر جزیہ (کی ذمہ داری) ہے۔ ان پر نہ زیادتی ہوگی نہ ہی وہ جلاوطن کیے جائیں گے۔ رات معاون ہوگی اور دن پختگی بخش (یعنی یہ معاہدہ دائمی ہوگا)۔ تحریر کنندہ خالد بن سعید (رات طوالت اور دن پختگی کی علامت ہے۔ سرما کی رات اور گرما کے دن کا تصور کریں۔)

(''وثائق'' نمبر 19)

986: حکمران خاندان بنو عادیا کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف تیماء نہیں بلکہ اس سے مراد پورا علاقہ تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن سعد کی روایت میں انہیں بنو غادیا لکھا گیا ہے جو غیر مذکور نام ہے لیکن باقی تذکرہ نگاریقین کے ساتھ انہیں بنو عادیا لکھتے ہیں۔ (عربی میں ع اور غ کے فرق نے یہ الجھن پیدا کر دی ہے) ابن منظور "لسان "معاہدے کے ایک اقتباس کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ''یہ تیماء کے ساتھ معاہدے کا ایک حصہ ہے'' اور بنو عادیا تیماء کے حکمران تھے (مسعودی، تنبیہ صفحہ 258) اس کے علاوہ جزیہ کے ذکر سے بھی ہمیں مدت کا تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کیونکہ جزیہ پہلی بار 9 ہجری میں عائد کیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ خیبر کی مہم میں ''زرعی پیداوار کے حصے'' کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مقریزی نے واضح انداز میں لکھا ہے کہ ''تبوک کی مہم کے دوران تیماء والے خوف زدہ ہو گئے'' (صفحہ 467)

987: یہ بات تو مسلمہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں سرزمین عرب میں مقیم یہودیوں کو وہاں سے نکال کر اسلامی سلطنت کے دوسرے حصوں میں منتقل کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کی بستیوں سے گزرنے والے مسلمانوں کو وہ تنگ کرنے سے باز نہیں آتے تھے (ابن القیم۔ ''احکام الذمہ''، دمشق ایڈیشن صفحہ 183) تاہم ابن القیم ہی کی روایت ہے کہ تیماء کے یہودیوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ ہی یمن کے یہودیوں کو چھیڑا گیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کا رویہ اپنے دوسرے ہم مذہبوں سے مختلف تھا۔ خصوصاً یمن کے یہودیوں کا جنہیں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں نجران سے عراق منتقل کیا گیا تھا۔

مقنا

988: تبوک میں مسلمان فوج کی آمد سے ہر طرف کھلبلی مچ گئی اور اردگرد کے تمام قبائل نے رضامندی یا غیر رضامندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی۔ تبوک کے جنوب میں خلیج عقبہ کے ساحل پر یہودی مچھیروں کی ایک بستی واقع تھی۔ مقنا کے نام سے یہ بستی دراصل ایک زرخیز نخلستان تھا جس میں کھجوروں کے باغات کی کثرت تھی اور اون کا کاروبار بہت ترقی یافتہ تھا۔ ان کی یہ خوشحالی ان کی ہمسائیگی میں اسی خلیج پر مزید شمال میں واقع متحدہ بندرگاہ ایلہ کے مسیحی مکینوں (بازنطینی) کے لیے بھی باعث حسد تھی اور ان لوگوں نے یہود کو اپنی سرزمین سے نکال باہر

کیا تھا (غالباً یہ کارروائی ہرقل کے حکم پر یہود پر روا رکھی جانے والی سختیوں کے دوران کی گئی)۔اس لیے اس امر پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ مقنا کے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک میں آمد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مشترکہ دشمن یعنی بازنطینی حکمرانوں کے خلاف معاہدہ دوستی کیا۔تبوک میں اپنے قیام کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد چھوٹی چھوٹی مہمات اردگرد کے قبائل کی طرف روانہ کیں اور انہیں اسلامی ریاست کا مطیع بنایا۔اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط ایلہ کے لاٹ پادری کو بھی بھجوایا جس میں اسے اسلام قبول کرنے یا پھر جزیہ ادا کر کے اسلامی ریاست کی رعایا بننے کی دعوت دی۔خط کا اختتام اس انتباہ کے ساتھ ہوا ''اور مقنا کے لوگوں کو مع ساز و سامان اپنے وطن جانے کی اجازت دی جائے۔''

(ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ایلہ کے لاٹ پادری نے تبوک آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے اور یقیناً ایلہ کے ذمہ دار لوگوں نے مقنا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ تسلیم کر لیا تھا گو کہ راوی اس بارے میں خاموش ہیں مگر چونکہ ان کے سرپرست بازنطینیوں کی کوئی فوج ان کا تحفظ کرنے کے لیے موجود نہ تھی اس لیے ان کے پاس طاقتور مسلم فوج کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی اور چارہ ء کار بھی نہ تھا۔ہمارے پاس یہ نتیجہ اخذ کرنے کے بھی شواہد موجود ہیں کہ یہ مقنا کے یہودی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایلہ کے خلاف مہم بھیجنے پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں مشورے بھی دیئے اور اسے کامیاب بنانے کے لیے مدد بھی کی۔

989: تاہم یہ نتیجہ نکالنے کی راہ میں قابل ذکر رکاوٹیں بھی اپنی جگہ موجود ہیں جن کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقنا کے یہود کے مابین ہونے والے معاہدے کے مندرجات پر ہے (جس کا متن ہم اسی باب میں دے رہے ہیں۔) اور مختلف راویوں نے اس معاہدے کے دو مختلف متن پیش کر کے بھی مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔اور اب مقنا کے حوالے سے ایک نئی دستاویز بھی سامنے آ گئی ہے۔جس کا حال ہی میں تجزیہ کیا گیا ہے اور وہ جس کے بارے میں ہمارے قدیم راوی آگاہ نہیں تھے اس لیے ان کے ہاں اس کے تذکرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ہمارا ایک مسئلہ یہ تھا کہ ہمارے راوی مقنا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرنے کے

معاملے پر کوئی یقینی تفصیلات دینے سے قاصر رہے ہیں اور ان کے تذکروں میں اس کی وجہ، وقت وقوع یا کہ یہ مہم کس انداز میں سر ہوئی اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی اور یہ سارا معاملہ قیاس کی بنیاد پر ہی نمٹایا جا رہا ہے۔

990: ذیل میں وہ نئی دستاویز ملاحظہ ہو جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

"اور عبید بن یاسر بن نمیر اور جذام قبیلہ کا ایک شخص تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو مقنا سے موصول ہونے والے محاصل کا ایک چوتھائی عطا کیا یعنی ان کی مچھلی اور کھجور کی پیداوار کے علاوہ اون کے کاروبار پر عائد محاصل کا بھی ایک چوتھائی۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید بن ناصر کو ایک سو چوغے بھی عنائت کیے کیونکہ وہ سوار تھا اور جذام کا شخص پیادہ پا (سوار کو اخراجات زیادہ ہونے کے باعث مال غنیمت میں سے بھی زیادہ حصہ ملتا تھا۔ مترجم) پھر وہ دونوں مقنا چلے گئے جہاں یہود نے اس کے یعنی عبید کے گھوڑے کا خیال رکھا (عبید غالباً گھوڑے کو کچھ افراد کے سپرد کر کے خود کسی عورت سے ملنے چلا گیا؟ مترجم) پھر اس (عبید) نے گھوڑے (؟) پر سے ساٹھ چوغے اتار کر اس عورت (؟) کو دے دیئے جب کہ اس نے ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نذر کیا جس کا نام مراوِح تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ دوڑ میں جیتنے والا گھوڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر ہی گھوڑوں کی ایک ریس منعقد کروائی اور اس میں یہ گھوڑا فاتح رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں یہ گھوڑا مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا۔" (مقریزی ا،469-70)

991: جیسا کہ اس متن کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ متن کا ابتدائی ماخذ یا مسودہ ایک ہی تھا شاید اس طرح ہو کہ ساٹھ جبوں کا ذکر جذامی کے لیے ہو۔ جو پیادہ تھا اور سو جبے عبید کے لیے ہوں اور یہ کہ جبے گھوڑے پر لاد کر لے جائے گئے مگر جو چیز ہمارے لیے زیادہ دلچسپی کی ہے اس کا تعلق اس واضح اقتباس سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقنا کی پیداوار کا ایک چوتھائی ان دو ہمسایہ سرداروں کو عطا کر دیا۔ (یہاں سوال یہ ہے کہ) آیا مقنا کا شہر پہلے ہی مطیع ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو سرداروں کے لیے عنایت فیاضانہ تحفہ کی حیثیت رکھتی تھی یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ حکم (یا پیشکش) دے رہے تھے کہ مقنا کو

میرے نام سے فتح کرلو اور معاوضے اور انعام کے طور پر اس کی آمدنی کا ایک چوتھائی حاصل کرلو۔
دلچسپ امر یہ ہے کہ مقنا کے مکینوں کے ساتھ معاہدے میں (ملاحظہ ہو اسی باب میں آگے) ان کی کھجوروں، مچھلی اور ٹیکسٹائل (اونی کپڑے) کی پیداوار کا ایک چوتھائی اسلامی حکومت کے حوالے کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

992: معاہدے کے متن کے لیے ہمارا قدیم ترین ذریعہ ابن سعد ہے لیکن معاہدے کا متن بلاذری نے بھی دیا ہے جن کا تعلق قدرے بعد کے زمانے سے ہے اور جو خلیفہ کے مکتب میں سرکاری عہدیدار بھی تھے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ متن شہر کے مکینوں کے پاس محفوظ دستاویز سے حاصل کیا ہے۔ ان دونوں راویوں کے دیئے ہوئے متن میں جو فرق پایا گیا ہے۔ اس کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک دوسرے کے سامنے درج کرتے ہیں۔ خانے میں مختصر لکیر (____) کا مطلب ہوگا کہ اس نکتے پر دونوں راویوں کا بیان یکساں ہے اور جہاں درمیان میں نقاط (......) دیئے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے جملہ یا الفاظ غائب ہیں۔

ابن سعد	بلاذری
......	بسم اللہ الرحمٰن
......	الرحیم
بنو جنبہ کے لیے (ایک اور مسودہ میں بنو حینہ لکھا ہے) اور مقنا کے مکینوں کے لیے	محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو جبیبہ کے لیے
جب کہ میری ملاقات آپ کے وفد کے	______
ارکان سے ہوئی ہے جو آپ کے شہر واپس جا رہے تھے۔ جونہی میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچ جائے گا تو آپ محفوظ ہو جاؤ گے۔	آپ امن سے رہو گے اور مجھ پر یہ وحی کیا گیا ہے کہ آپ اپنے شہر میں (بحفاظت) پہنچ جاؤ گے
آپ کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ	______
ہے۔	______

اور اللہ کا رسول آپ کی بد اعمالیوں پر آپ نے جو غلطیاں کی ہیں ان پر آپ کو معاف کرتا ہے اور آپ کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہے

———

———

———

آپ پر کوئی جبر یا زیادتی نہیں ہوگی

اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر اس چیز سے جس سے وہ خود اپنی حفاظت کرتے ہیں آپ کی بھی حفاظت کریں گے (یعنی دشمنوں سے)

اور تمہاری ٹیکسٹائل (اون بافی) اور اگر کوئی غلام ہو اور بار برداری کے جانور اور ہتھیار اللہ کے رسول کے ہوں گے ماسوائے اس کے جو اللہ کے رسول یا اللہ کے رسول کے نمائندہ نے مستثنیٰ کر دیا ہو۔

اب کے بعد آپ اپنی کھجور، چھوٹی کشتیوں سے پکڑی جانے والی مچھلی اور خواتین کے چرخوں کی پیداوار کا ایک چوتھائی (اسلامی حکومت کے) حوالے کرنے کے پابند ہوں گے۔ اس کی (ادائیگی کے) بعد آپ ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ قرار پاؤ گے۔

اور اللہ کے رسول نے تمہاری غلطیاں معاف کر دی ہیں اور جو خون تمہارے ذمہ ہے وہ بھی معاف ہے

———

آپ اپنے شہر میں اللہ کے رسول یا اللہ کے رسول کے ایلچی کے سوا کسی کو بھی تعلق دار بنا کر نہیں رکھو گے

اور کوئی زیادتی نہیں ہوگی

———

اللہ کے رسول دفاع کریں گے

———

———

———

تمہارے غلام

———

———

———

اس کے بعد (ادائیگی کے) آپ (ہر قسم کی ذمہ داری سے) فارغ ہونگے اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ہر قسم کے جزیہ اور بیگار سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں

———

———

———

اس کے بعد اگر آپ سنیں اور اطاعت کریں	ــــــــ
تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق	ــــــــ
ہے کہ وہ آپ کے عزت داروں کی عزت	ــــــــ
بڑھائیں اور خطا کاروں کو معاف کر دیں۔	ــــــــ
مجھے مومنوں اور اللہ کے سامنے جھکنے والوں	جو مسلمان مقنا کے بنو حبیبہ کے ساتھ حسن
(مسلمانوں) سے یہ کہنا ہے کہ جو کوئی بھی	سلوک کی نصیحت قبول کرے گا۔
مقنا کے مکینوں سے حسن سلوک کرے گا تو یہ	ــــــــ
اس کا حسن عمل شمار ہوگا اور جو کوئی ان سے	ــــــــ
بدسلوکی کرے گا تو یہ ان کے حق میں برا فعل	ــــــــ
گنا جائے گا۔ اور آپ پر آپ میں سے ہی	ــــــــ
ایک شخص کو سردار بنایا جائے گا یا پھر وہ رسول	ــــــــ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان میں	ــــــــ
سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب ترین	آپ کے خاندان کا رکن ہوگا (اہل بیت)
ہوگا۔	ــــــــ
ــــــــ	تحریر کنندہ
ــــــــ	علی بن ابو طالب
ــــــــ	سن 9 ہجری

("وثائق" نمبر 33)

993: تاہم کسی بھی تذکرہ نگار نے اہل مقنا اور مسلمان فوج کے درمیان کسی جنگ کا ذکر نہیں کیا۔ تبوک میں تیس ہزار مسلمانوں کے خلاف وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ اور اس کے باوجود دستاویز میں زرعی، صنعتی اور مچھلی کی پیداوار کے چوتھائی کے علاوہ ان کے ہتھیار، غلام، جانور اور ٹیکسٹائل مسلمانوں کے حوالے کیے جانے کا ذکر ہے جب کہ دوسری جانب انہیں جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں بے گار کی پابندی سے بھی مستثنیٰ کر دیا گیا (گویا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت میں یہ چیز موجود تھی؟ یقیناً اس سے مراد بازنطینی حکمرانوں کی مسلط

کردہ بے گار ہی ہو گی) اور ان کی تمام سابقہ غلطیاں بھی معاف کر دی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے اکابرین کو عزت بخشی اور ان کے جرائم میں ملوث افراد کو معاف کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب یہ فرمان کہ ان کے سردار انہی میں سے یا پھر ان لوگوں میں سے منتخب کیے جائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب (خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں گے (یہ صرف ابن سعد نے روایت کیا) جب کہ بلاذری نے جن کا انتقال 892ء میں ابن سعد سے بعد میں ہوا جو 845ء میں فوت ہوئے تھے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے خود وہ دستاویز دیکھی جو ایک مصری نے خود سرخ کھال پر لکھی ہوئی اصل دستاویز سے نقل کی تھی کیونکہ کھال پر سے الفاظ مٹ رہے تھے۔ نقل شدہ دستاویز میں کئی اہم تبدیلیاں اور اضافے کر دیئے گئے تھے مثلاً وفد کے ارکان کی اپنے شہر کو واپسی کے غیر اہم واقعہ کو وحی کی بنیاد پر پیش گوئی میں تبدیل کر دیا گیا، تمام خون بھی معاف کر دیئے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ کو ان کے گاؤں کا ''شریک مالک'' بنا دیا گیا (کیسا اعزاز ہے!)۔ ہتھیار حوالے کرنے کا ذکر لیکن اُن لوگوں کو اس سے مستثنیٰ کرنے کا ذکر جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کا نمائندہ اجازت دے دے۔ گورنر کے لیے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین لوگ'' ہونے کی شرط، دوسری دستاویز میں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''اہل بیت'' میں بدل گئی (ایک اعزاز جو اہل تشیع کے نزدیک انتہائی اہم ہے) اور پھر نقل نویس کا نام علی (اہل تشیع کی اس نام سے عقیدت معروف ہے) بھی قابل غور ہے۔ اور آخر میں سن 9 ہجری کا معاملہ۔ اس دستاویز پر 9 ہجری کا لکھا جانا تو بالکل نا قابل قبول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب یہ دستاویز لکھی گئی تو سن ہجری کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا پھر یہ 9 ہجری کا اضافہ کیسے ہو گیا کیونکہ سن ہجری کا آغاز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 16 ہجری میں کیا تھا۔

994: اس سلسلے میں کسی حتمی نتیجہ کا اعلان کرنے سے قبل اسی معاہدے کی ایک تیسری دستاویز کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ یہ دستاویز ایک یہودی مسودہ میں محفوظ ہے۔ جو قاہرہ کے ایک یہودی مذہبی ادارے سے دستیاب ہوا اور آج کل یہ برٹش یونیورسٹی آف کیمبرج میں محفوظ ہے۔ اس کا متن عربی میں ہے تاہم اسے عبرانی رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔ ہم یہاں اس طویل دستاویز کے ہو بہو اور مکمل ترجمہ کی بجائے جس میں ہجوں اور گرامر کی ان گنت غلطیاں ہیں (وثائق نمبر 34،

اس کا مکمل ترجمہ میری کتاب Documents، II، نمبر 22 میں موجود ہے) ان چیدہ چیدہ حصوں کا جائزہ لیں گے جہاں ابن سعد اور بلاذری کے روایت کردہ متن میں تحریف اور اضافے کیے گئے ہیں۔

☆ ''یہ تحریر نہ صرف مقنا بلکہ خیبر کے مکینوں اور ان کی آئندہ نسلوں کے لیے بھی ہے اور یہ رہتی دنیا تک موثر رہے گی'' مذکورہ رعایات کے جواز کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کا ذکر کیا گیا ہے اور یہود کو نہ صرف اپنے ہتھیار حوالے نہیں کرنے تھے بلکہ غلاموں، مال اور مویشی حوالے کرنے سے استثنٰی کی بھی کوئی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ باضابطہ طور پر کہا گیا کہ یہ تمام چیزیں ہمیشہ ان کے پاس ہی رہیں گی۔

☆ دیگر تحاریف میں قابل ذکر، ہر قسم کے ٹیکس (رسوم)، کسی قسم کے شناختی بیج لگانے یا امتیازی لباس پہننے اور کٹے ہوئے چمڑے کے سینڈل پہننے کی پابندی سے استثنٰی (کا حوالہ) بھی شامل ہے۔ جب کہ بیش قیمت لباس زیب تن کرنے اور ہر قسم کے ہتھیار لے کر چلنے کی آزادی کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

☆ اس صورت میں کہ کوئی یہودی کسی مسلمان کو دانستہ قتل کر دے مسلمانوں اور یہودیوں سے یکساں برتاؤ۔

☆ دوسری غیر مسلم رعایا کی نسبت یہود کو امتیازی حیثیت کا حامل قرار دیا گیا۔

☆ مساجد تک رسائی اور ان کے (یہود) جنازوں کو بڑے بازاروں سے گزارنے کی اجازت (یہ بات قابل ذکر ہے کہ مقنا کیونکہ نومفتوحہ علاقہ تھا جہاں کوئی مسلمان نہ تھا اس لیے وہاں کسی مسجد کا ہونا خارج از امکان تھا)۔

☆ جو کوئی اسلام قبول کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شمار ہوگا۔

☆ اور جہاں تک زبان کی سنگین غلطیوں کا تعلق ہے وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ لکھا ہے ''جو کوئی ان شرائط یا شقوں کی پابندی نہیں کرے گا میں (یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)) اس کے تحفظ اور اللہ کے روبرو اس کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں گا۔'' (یعنی خدانخواستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ''شقوں کی پابندی نہ کرنے والے شخص'' کا تحفظ اور روز قیامت شفاعت کی ضرورت تھی) حالانکہ دراصل لکھنے والے کی مراد یہ تھی کہ ''جو کوئی ان شقوں کی پابندی نہیں کرے گا میرے تحفظ اور

شفاعت سے محروم ہو جائے گا'' (غالباً تحریف کرنے والا اچھی عربی نہیں جانتا ہوگا۔ مترجم)

☆ دستاویز پر 3 رمضان 5 ہجری کی تاریخ رقم ہے (جب کہ مقنا 9 ہجری اور خیبر 7 ہجری میں فتح ہوا)۔

995: اس دستاویز کی تحاریف کی نوعیت پر بحث محض وقت کا ضیاع ہوگا اگرچہ بعض یہودی سکالروں مثلاً ہرشفیلڈ (Hirshfeld) اور لیزنسکی (Leszynsky) نے اسے ''اصل'' دستاویز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے (ہرشفیلڈ *"Jewish Quarterly Review"*، 1903 صفحہ 4-172۔ لیزنسکی *"Die Juden in Arabien"* صفحہ 107 اور آگے)۔

جہاں تک سپر بر Sperber کا تعلق ہے (*"Die Schreibien Muhammads"*) اس نے اسے تحریف شدہ قرار دیا ہے اور بلاذری کی روایت سے تقابل کرتے ہوئے اسے جعلسازی کا نتیجہ کہا ہے مگر بلاذری کی روایت کو بھی وہ مصدقہ نہیں سمجھتا بلکہ ابن سعد سے مروی متن کو مصدقہ قرار دیتا ہے تاہم اس نے تحاریف اور مذکورہ بالا مستثنیات کے حوالے سے کوئی تجزیہ نہیں کیا۔

996: ہم چاہتے ہیں کہ یہاں ہتھیار حوالے کرنے اور مخصوص لباس پہننے وغیرہ کی پابندی کی شرائط کا تجزیہ کیا جائے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط خیبر کے یہود پر عائد کی تھیں۔ (البتہ) بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر کہ جب تک اسلامی حکومت کی مرضی ہوگی، انہیں خیبر میں ہی قیام کی اجازت دے دی۔ بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں انہیں خیبر سے شام منتقل کر دیا گیا۔ ان حوالوں کی روشنی میں ہمارا یہ تاثر ہے کہ یہ خیبر کے یہودی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کی کہانی اٹھائی اور اسے اہل مقنا پر منطبق کر دیا جب خلیفہ ہارون الرشید نے 807ء میں غیر مسلموں پر بعض پابندیاں عائد کیں (طبری، III، 13-712) تو ممکن ہے کہ یہودیوں نے وہ بیان گھڑ لیا اور ابن سعد نے (جن کا انتقال اس کے بعد 845ء میں ہوا)۔ اسے روایت کر دیا۔ بعد میں جب خلیفہ متوکل نے 850ء اور 854ء میں یہود اور دوسرے غیر مسلموں سے متعلق سخت احکام جاری کیے تو ممکن ہے اسے اس کی تحریک دستاویز کے اس متن سے ہوئی ہو جس کو بلاذری نے روایت کیا

ہے (انتقال 892) اور آخری بات یہ کہ مصر کے پاگل فرمانروا الحاکم نے (یہود پر) جو سختیاں روا رکھیں ممکن ہے (الحاکم نے 966 سے 1021 تک حکومت کی) قاہرہ کے یہودی مذہبی ادارہ سے برآمد ہونے والی دستاویز انہی سختیوں سے بچنے کی کوشش میں تیار کر لی گئی (الحاکم، فاطمی حکمران تھا)

997: اس دستاویز کے حوالے سے بعد کے ادوار میں پیش آنے والے کچھ واقعات کا تذکرہ بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

998: ایران میں 14 ویں صدی عیسوی میں قزوین کے علاقے میں ایک عربی النسل قبیلہ بنو زاکان آباد تھا۔ (مشہور شاعر عبید زاکانی کا تعلق اسی قبیلے سے تھا) "تاریخ گزیدہ" (مصنف حمد اللہ مصطوفی 1330/730ء) بتاتی ہے کہ قزوین کے علاقے میں آباد بیشتر قبائل عربی النسل تھے (صفحہ 843-845-6)

999: "زاکان، بنو خفاجہ کی نسل میں سے تھے اور ان کے پاس علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریر کردہ ایک فرمان تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا کیا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ تحریر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنو زاکان کے لیے ہے جو میری موجودگی میں قبول اسلام کے بعد ان کو دی گئی۔ میں آپ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بھیجتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں میری طرف وحی کی گئی ہے کہ آپ لوگ اپنے ملک، اپنے غاروں (غاروں والے علاقے؟) اور اپنے گھروں میں واپس جائیں گے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت آپ کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں بنے گی وہ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے تمام جرائم معاف کر دیں گے اور آپ کی غلطیاں اور خطائیں بھی معاف کر دی جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (کس کو؟) وہی صلاحیت اور علم دیا ہے جو انہوں نے اپنے آپ کو دیا۔ آپ کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری خطائیں معاف کر دی ہیں اور تمہاری شکایت سن لی ہے۔ کیونکہ تم (دین کو) مکمل قبول کرنے والے مومن ہو۔ جب تک آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف متوجہ رہو گے آپ کا کوئی بھی حق سلب نہیں کیا جائے گا۔ آپ پر تیس زرہیں اور چالیس اونٹ

قرض دینے کی ذمہ داری ہے اور یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرض ہے کہ وہ یہ قرض آپ کو واپس کریں اگر یہ یمن میں دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت میں آجائیں گے اور آپ کو، آپ کے مال، جائیداد کو اور بچوں کو تحفظ حاصل ہو گا۔ آپ پر کوئی ٹیکس عائد ہوگا نہ ہی آپ سے بیگار لی جائے گی سیدھے راستے کے بارے میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور یہی درست طریقہ ہے۔ جو کوئی ان سے حسن سلوک کرے گا اچھائی کا مستحق ہوگا اور جو ان کو نقصان پہنچائے گا تو یہ پھر اس کی مرضی ہوگی (کہ وہ نتائج کا سامنا کرنے کی توقع رکھے)۔ مومن مردوں اور عورتوں پر اس تحریر کی باتوں کی پابندی لازمی ہے"۔۔۔۔ پھر ایک ناقابل فہم جملہ لکھا ہے۔ جو اس طرح ہے "اور اس نے آپ کو چھوڑ دیا ہے یا وہ روئی ہے اور اس تحریر میں شامل ان دو افراد کے علاوہ۔"

گواہان: عمر بن خطاب، ابوبکر صدیق، سلمان الفارسی، ثقفی المغیرہ بن شعبہ، جریر بن عبداللہ اور مالک بن عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

تحریر کنندہ: علیؓ بن ابوطالب، 7 محرم

مہر

(الوثائق۔تتمہ۔VI)

1000: مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر لکھی جانے والی کسی کتاب میں بنوزاکان اور بنوخفاجہ نام کے قبائل کا کوئی ذکر موجود نہیں البتہ ابن ہشام کی روایت میں (ابن ہشام صفحہ 679) خفاجہ نام کے ایک شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"روایت ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تیر چلانے والا خفاجہ بن عاصم بن حبان تھا۔" اس کے علاوہ اس نام کا کوئی اور ذکر موجود نہیں۔ تاہم سمہودی کی ایک مجہول روایت میں (دوسرا ایڈیشن صفحہ 94-1193) اس کا حوالہ اس طرح ملتا ہے "امر واقعہ یہ ہے کہ ذوالحلیفہ میں جو مدینہ کے جنوبی مضافات میں ہے، پینے کے پانی کی مشترکہ ملکیت بنوجشم اور بنوخفاجہ کے پاس تھی۔" مذکورہ بالا اقتباس جو فارسی کتاب میں عربی متن کے ساتھ دیا گیا ہے جو اغلاط سے پر ہے اور نقل نویس نے صحت لفظی پر دھیان نہیں دیا، معروف سیرت نگار اس کے وجود سے لاعلم ہیں اور اس کا فارسی ترجمہ بھی جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں سات سو سال بعد سامنے آیا۔ اس کا متن مقنا کے یہود کے ساتھ ہونے والے مبینہ معاہدہ کے متن سے بہت حد

تک مشابہ ہے۔ زرہیں اور اونٹ عاریتاً دینے سے متعلق جملہ نجران کے مسیحیوں کے ساتھ ہونے والے معاہدے میں موجود ہے (ملاحظہ ہو اس سے آگے کے ایک باب ''مسیحی'' کا پیرا نمبر 1023) ابن سعد اور بلاذری نے ''عزت دار'' اور ''مجرم'' کے لفظوں کا جو تذکرہ کیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار سے خطاب میں سے لیے گئے ہیں۔

(ابن ہشام صفحہ 1007)

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مسلمہ روایت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاریتاً ہتھیار صرف غیر مسلموں سے لیا کرتے تھے کیونکہ مسلمان تو اسلام کے لیے ہر وقت آمادہ اور تیار رہتے تھے۔ اگر بنوزاکان نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسا کہ دستاویز میں دعویٰ کیا گیا ہے تو ان کا ہتھیار عاریتاً دینا حالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بنوزاکان کی اپنے گھروں کو واپسی کی معجزانہ پیش گوئی اسی انداز میں مقنا کے یہود والے معاہدے میں بھی موجود ہے لیکن بنوزاکان کے معاملے میں ان کی رہائش گاہیں غار ہیں کہ مرد غاروں میں رہیں گے۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مذہب کی وجہ سے تعزیر و تعذیب کا نشانہ بنایا گیا لیکن عرب میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ کیا یہ یہودی فرقہ مغاریہ (غار والے) کا حوالہ تو نہیں جو حال ہی میں معروف ہوا ہے۔

(Kahle, *"The Age of the Scrolls"* کرکسانی، ''کتاب الانوار والمناقب''، نیویارک 1939-43، بیرونی ''آثار باقیہ'' صفحہ 284، شہرستانی ''الملل و النحل''، ا، صفحہ 169)

یاد رہے کہ یہودیوں کا مغاریہ فرقہ دوسرے یہودیوں سے عقائد میں اختلاف رکھتا ہے اور وہ ایک غار سے برآمد ہونے والے (تورات کے) مسودات کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں جن کے مندرجات آج کی زیر استعمال تورات سے مختلف ہیں۔ پروفیسر کہلے (Kahle) کی تحقیق کے مطابق یہ غار بحیرہ مردار کے نزدیک (کچھ عرصہ قبل) دریافت ہونے والے ایک اور غار کے قریب واقع تھا جہاں سے بائبل کے کچھ مسودات حال ہی میں برآمد ہوئے ہیں۔

1001: علاوہ ازیں اگر یہ فرمان حاصل کرنے والے اسلام قبول کر چکے تھے تو بیگار سے استثنیٰ والی بات بھی بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی حکومت بعض لوگوں پر تو بیگار مسلط رکھے اور بعض کو اس سے مستثنیٰ کر دے جیسا کہ بنوزاکان کا دعویٰ ہے کہ انہیں اس سے

مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں بیگار کا تصور ہی نہ تھا اور پھر تاریخ 7 محرم کا معاملہ بھی مبہم ہے۔ اس کے ساتھ سال کا ذکر نہیں کیا گیا تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ خیبر کے خلاف مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوائل محرم، 7 ہجری میں لے کر گئے تھے۔ جہاں تک دستاویز کی زبان کا تعلق ہے یہ غور وفکر کے کئی دروازے کھولتی ہے اور واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس کو بیرونی ہاتھوں نے گھڑا۔

جربا اور اذرح

1002: یہ دو گاؤں تھے جن کی آبادی کم وبیش سو، سو مردوں پر مشتمل تھی۔ بعض روایات کے مطابق یہ یہود کے گاؤں تھے اور انہوں نے اور ایلہ والوں نے کم وبیش ایک ہی وقت میں اطاعت قبول کی۔ مقریزی کے مطابق (467,I) جب ایلہ کے بشپ وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے تبوک جا رہے تھے تو ان دونوں آبادیوں کے نمائندے بھی وفد میں شامل تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں آبادیاں ایک دوسرے کی ہمسائیگی میں واقع تھیں۔ (معان سے آگے اذرح کے نام سے ریلوے سٹیشن بھی موجود ہے)۔ ان دونوں گاؤں کو سو، سو دینار سالانہ کی ادائیگی کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پروانہ تحفظ عطا کیا گیا ("الوثائق" نمبر 321) اذرح کی دستاویز میں ایک مبہم (اور ناقابل توضیح) شق بھی ہے "اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ان کے اچھے ارادوں اور اعمال کا ضامن ہوگا اور ان مسلمانوں کے لیے (بھی) جو خطرے اور تعزیب سے بچنے کے لیے ان کے ہاں پناہ لیں گے اور وہ (اذرح کے مکین؟) اس وقت تک محفوظ ہوں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانگی سے قبل انہیں مطلع نہ کر دیں۔" یقیناً یہ گاؤں حملہ آوروں سے جان بچا کر آنے والے لوگوں کے لیے پناہ کا مرکز ہوگا اور ظلم کا شکار مسلمانوں کی قریب ترین رسائی کا علاقہ بھی" (بازنطینی علاقوں میں رہنے والے مسلمان اپنے حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کا شکار تھے اور معان کے گورنر کو سزائے موت دیئے جانے کے واقعہ میں یہ پس منظر زیادہ واضح نظر آتا ہے)

طائف

1003: طائف میں یہودیوں کی قابل ذکر تعداد آباد تھی (بلاذری، فتوح صفحہ 56) جن میں مشہور شاعر امیہ بن ابی صلت بھی شامل تھا (بلاذری، انساب، III، 1267) اس علاقے کے یہود کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس خطے کی معیشت پر چھائے ہوئے ہوں گے۔ طائف نے 9 ہجری میں اسلام قبول کیا اور اہل طائف کو جو پروانہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا اس میں یہود کا الگ سے ذکر نہیں ہے تاہم ممکن ہے کہ معاہدے کی شق 13 سے مراد یہود ہی ہوں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ''ثقیف کا کوئی اتحادی یا تاجر (جو وہاں عارضی طور پر مقیم ہو) بھی اسی (حسن) سلوک کا حق دار ہوگا جس کے مستحق ثقیف ہوں گے'' (بحوالہ باب طائف اور ثقیف)۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ سود پر قرض دی گئی رقوم کی شق بھی یہود سے ہی متعلق ہو یا پھر اس کی زد ان پر پڑتی ہو۔ ماضی کا تمام سود ختم کر دینے کی شق سے سرمایہ داروں کے جاہ وجلال میں کمی آئی جو سرمایہ کے بل پر انہیں معاشرے میں حاصل تھا۔

عرب کے جنوب اور مشرق میں آباد یہودی

1004: یہودی آبادیاں یمن، بحرین اور عمان میں بھی تھیں اور جب یہ علاقے مسلمان ہو گئے تو یہاں آباد یہودیوں پر انہی قوانین کا اطلاق کیا گیا جو ایک اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں پر لاگو ہوتے تھے۔

1005: عمان میں جو یہودی آباد تھے ان کی ایک قابل ذکر تعداد بندرگاہ المزون کے علاقے میں تھی جو ملاح تھے۔ یاد رہے کہ حاکم بحرین (منذر بن ساوی) کے ایک استفسار کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دہانی کروائی تھی کہ ''وہ یہودی جو اپنا دین ترک نہیں کریں گے انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی''

1006: ابن حبیب کی روایت ہے (محبر، صفحہ 75) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ البجلی کو یمن کے دو سرداروں ذوالکلاع اور ذوعمرو کے پاس اسلام کی دعوت دے کر بھیجا۔ ذوعمرو یہودی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کو جواب دیا ''اگر وہ شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے تمہیں بھیجا ہے سچا ہے تو آج اس کا انتقال ہو

جانا چاہیے۔ کیونکہ ہماری کتابوں میں موجود ہے کہ دنیا میں آنے والے آخری پیغمبر کا انتقال فلاں دن ہوگا۔''

راوی لکھتا ہے کہ یہ تاریخ نوٹ کر لی گئی اور چند روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر نے یہودی سردار کے بیان کی تصدیق کر دی جس کے بعد دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا۔

کچھ متفرق حقائق

1007: بائبل اور یہودی تاریخ میں صرف موسیٰ علیہ السلام سے بعد کے یہودی بادشاہوں کا ذکر آتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی یہ آیت ہمارے لیے غور وفکر کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ ''اور یاد کرو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے۔۔۔۔'' (21-20/5)

اس آیت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مصر سے خروج کے بعد موسیٰ جزیرہ نما سینا کے قیام کے دوران اپنی قوم کے بادشاہ بن گئے تھے۔ اسی سورۃ میں اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے لیے (داخلی) خود مختاری کا تصور بھی دے دیا گیا ہے۔

''(بے شک) ہم نے تورات نازل کی ہے جس میں ہدایت و نور ہے یہودیوں میں اسی تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ماننے والے انبیاء (علیہم السلام) اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے کیونکہ انہیں اللہ کی اسی کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں (گروہ یہود) چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔ میری آیات کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو۔ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی وحی کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔'' (44/5)

1008: مندرجہ بالا سورۃ میں ذرا آگے قرآن قانون قصاص (آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان۔۔۔) کا حوالہ دیتا ہے جیسا کہ یہودی قانون میں بھی موجود ہے۔ (خمسہ موسیٰ کی

تیسری کتاب 18/25,20/19,17/24-Leviticus)۔

1009: اسلامی ریاست میں یہود کو اپنے تنازعات کا خود فیصلہ کرنے کے حوالہ سے جو ''عدالتی'' اور مرضی سے زندگی گزارنے کی جو تہذیبی خود مختاری دی گئی وہ ایک زندہ حقیقت ہے اور تاریخ کے اوراق میں اس کی ان گنت مثالیں محفوظ ہیں۔ اور ایسا بھی ہوا کہ بعض معاملات میں یہود خود اپنے مابین تنازعات کا فیصلہ کرانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے قانون کے مطابق فیصلہ دیا مثلاً بنوقریظہ اور بنونضیر کے مابین قتل کے ایک معاملے کو فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر بدکاری کے ایک مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاف مانگا گیا جس میں بدکاری کے مرتکب مرد عورت دونوں یہودی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود (کے علماء) سے دریافت فرمایا کہ اس بارے میں یہودی قانون کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''مجرموں کے منہ کالے کر کے (گدھے پر الٹے بٹھا کر) گلیوں میں گھمانا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا یقین نہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات منگوائی اور اس میں سے متعلقہ حصہ پڑھ کر سنایا اور پھر اس کے مطابق بدکار جوڑے کو سنگسار کرا دیا۔ (بخاری 51/97,26/61۔ ابن ہشام صفحہ 393-5، تنبیہ از مسعودی صفحہ 274، بیہقی، سنن کبریٰ، 231,VIII، ابو داؤد 26/37) یہ بات قابل ذکر ہے کہ تورات کی جو کتاب اب مستعمل ہے۔ (خمسہ موسیٰ کی تیسری کتاب Leviticus 14-11/20، 20/19، 29/21 اور آخری کتاب 21/22 Deuteronomy) اس میں اس قانون کا ذکر ہے بالکل اسی طرح جیسے انجیل یوحنا میں (5-3/8) انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے کہا ''آقا یہ عورت بدکاری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے اور قانون کے مطابق موسیٰ (علیہ السلام) نے ہمیں حکم دیا (تھا) کہ ایسی عورت کو سنگسار کریں، آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟'' اس قانون کی ایک اور شہادت ''عہد نامہ قدیم کے نظریات'' نامی کتاب میں بھی موجود ہے جو ابتداً عربی میں لکھی گئی اور اس کا ترجمہ ڈاکٹر B.R. Sanguinetti نے ''Journal Asiatique'' میں شائع کر دیا۔

(مطبوعہ 1860, I, 4-33)۔

1010: ایسے مقدمات میں جن میں ایک فریق یہودی ہوتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس قانون کو لاگو کیا جس پر ملزم (مدعا علیہ) عمل پیرا ہوتا۔ اس طرح جب ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل کر اسے مار ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قصاص میں) قاتل کو بھی اسی انداز میں سزائے موت دینے کا حکم سنایا۔

(بخاری 1/44، طبری، تفسیر، 127,V)

1011: قرآن میں یہودی تاریخ کے حوالے اور تلمیحات کثرت سے موجود ہیں جن کی عظیم قانونی اہمیت ہے۔ قرآن میں مذکور ہے کہ اسرائیلی اپنے پیغمبر (سیموئیل) کے پاس گئے اور ان سے استدعا کی کہ ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ساؤل (طالوت) کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا "اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے مقابلے میں (تمہارے اوپر) منتخب کیا ہے اور اسے دماغی وجسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں۔" (قرآن 247/2)

یہ حقیقت ہمیں معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دو حیثیتیں حاصل تھیں، روحانی بھی اور دنیاوی بھی یعنی وہ بادشاہ بھی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وقت کے پیغمبر بھی تھے (اور پھر) جب طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو یہ دونوں مناصب الگ الگ ہو گئے۔ جو اس سے قبل ایک ہی ہاتھ میں تھے (سیموئل پیغمبر بادشاہ تھے اور بہت بوڑھے ہو جانے کے باعث بنی اسرائیل نے نوجوان اور فعال بادشاہ کی ضرورت محسوس کی اور ان سے استدعا کی کہ وہ خود پیغمبرانہ ذمہ داریوں پر اکتفا کریں اور بادشاہی کی ذمہ داریاں کسی اور فعال اور باصلاحیت شخص کے سپرد کر دیں۔ مترجم)

اس طرح قانون یہ قرار پایا کہ اگر ایک ہی شخص تمام سرکاری فرائض بجا نہیں لا سکتا تو مناسب یہی ہے کہ ذمہ داریاں اس شرط پر مختلف افراد میں تقسیم کر دی جائیں کہ وہ اپنے اپنے شعبوں میں خدائی قانون کو بروئے عمل لائیں گے۔

1012: قرآن نے اسرائیلیوں کے خلاف جو الزامات عائد کیے ان میں سے ایک بہت زیادہ موضوع بحث بنا۔ "اور یہودی کہتے ہیں عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کا بیٹا ہے" (قرآن 30/9)۔ مسٹر **Blachere** نے مسٹر **Hell** کا حوالہ دیا ہے (**Blachere *"Coran"* on 9/30**) کہ انہوں نے لکھا "اگر عزیر کی شناخت **Esdras** (عہد نامہ قدیم کا ایک بہت پرانا نسخہ جو موجودہ عبرانی بائبل اور بائبل کے دوسرے جدید نسخوں میں شامل نہیں) کی مدد سے کرنے کی کوشش کی جائے تو دراصل یہ پہلی صدی عیسوی کی

Apocalypse (سینٹ یوحنا پر نازل ہونے والی وحی کا مجموعہ۔ انجیل یوحنا کا حصہ جو ایسٹڈ راس کی چوتھی کتاب کہلاتی ہے) کا حوالہ ہے۔

1013: لیکن ہمارے پاس بائبل کی کتاب پیدائش (2/6) کا حوالہ بھی ہے جس میں ''خدا کے بیٹے'' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہودی ربیوں (علماء) کا کہنا ہے کہ خدا کے ان بیٹوں کو بعض اوقات عزائل کہا جاتا تھا اور مسٹر Blachere یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عزائل عربی میں عزیر بن گیا ہے۔

ایک کتبہ کا تذکرہ

1014: اس باب کو ایک کتبے کے ذکر کے ساتھ مکمل کرتے ہیں کہ 1956ء میں یہ کتبہ حرآن کے علاقے میں دریافت ہوا جہاں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بادشاہ (نبونیدس 556-539 قبل مسیح) نے سرزمین عرب کا سفر کیا تھا جب وہ تیما میں ''بابل کی طرح کا شہر'' تعمیر کر رہا تھا اور اس دورے کے دوران وہ سرزمین یثرب تک بھی آیا تھا اور اس راستے میں خیبر اور فدک کے علاقوں میں بھی اس نے پڑاؤ کیا۔ شہر مدینہ کے بارے میں یہ قدیم ترین حوالہ ہے جو ہم تک پہنچا ہے۔

(بحوالہ ڈی ایس رائس *"Excavations in Harran's Great Mosque, in Illustrated London News"*, 21 ستمبر 1957، صفحہ 466-9) اس سے متعلق مزید تفصیلات International Congress of Orientalists, Munchen کی رپورٹ میں صفحہ 132 پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

باب 48

عیسائیوں کے ساتھ تعلقات

1015: اسلام کا گہوارہ مکہ، کفار (بت پرستوں) کا گڑھ تھا۔ لیکن وہاں بہت کم تعداد میں عیسائی بھی رہائش پذیر تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں سوائے ورقہ بن نوفل کے (جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مبارکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریبی رشتے دار تھے)۔ مکہ میں مقیم تمام عیسائی تقریباً غلام ہی تھے۔ ورقہ بن نوفل نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور انہوں نے شام میں سریانی زبان سیکھی نیز پادریوں کے ہمراہ کچھ وقت بھی گزارا اور انجیل کے کچھ حصے عربی میں ترجمہ بھی کیے۔

(ابن ہشام، ص 143 بخاری 1/21/60، سہیلی ا، ص 123، بلاذری "انساب" ا، پیرا 744)

1016: اپنے ایک مبہم سے بیان میں ابن اسحاق (ابن ہشام، ص۔ 259) 20 عیسائی افراد پر مشتمل ایک وفد کا ذکر کرتا ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل ملاقات کے لیے آیا یہ صاف عیاں ہے کہ انہوں نے اسلام قرآن پاک کی آیات سن کر ہی قبول کیا ہوگا۔ چند اطلاعات کے مطابق ("الوثائق "43) ایک عیسائی جس کا نام تمیم الدٰاری تھا اور اُسے یہ نام اسکی روایتی سیاحت اور سفر کے باعث دیا تھا ("داری" کا مطلب ہے ملاح)، نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا یہ ہجرت سے قبل کا دور تھا۔ اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اُسے فلسطین (حبرون) میں چند ایک گاؤں عطا کیے جائیں۔

(صحیح مسلم، ص 52 نمبر 119-122)

1017: مدینہ میں ابو عامر الراہب نامی ایک عیسائی راہب رہا کرتا تھا۔ جسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فاسق کہا کرتے تھے جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو یہ فرار

ہو گیا اور مکہ جا کر آباد ہو گیا۔ جنگ اُحد میں اس نے کفار کی جانب سے اپنے 15 یا 50 دوستوں سمیت شرکت کی تھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ تمام بھی عیسائی ہی تھے۔

1018: قبل ازیں ہم عرب اور بازنطینی عیسائیوں کے مابین تعلقات کا ذکر کر چکے ہیں ایسے تعلقات غسان، ایلہ دومتہ الجندل اور طے کے قبائل کے ساتھ بھی تھے۔ بالحارث وہ واحد قبیلہ تھا جس میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ بالحارث کا لفظ دراصل بنوالحارث ابن کعب کا اختصار ہے۔ یہ یمن کے علاقے نجران میں رہائش پذیر قبیلے مذحج کی ایک شاخ تھی۔

نجران

1019: وادی نجران اپنی شادابی اور زرخیزی کے باعث بڑی شہرت رکھتی ہے STRABON اور PLINE کے مطابق AELIOUS GALLUS (253-251) نے اس شہر پر حملہ کیا اور قبضہ جما لیا اور ازاں بعد اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔ نمارہ کے کتبوں اور نقش و نگار میں اس کا ذکر ملتا ہے ان دنوں بین البراعظمی قافلوں کی بین الاقوامی شاہراہ پر واقع اس شہر میں کھالوں اور کپڑا بافی کی بھرپور صنعتیں موجود تھیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں یہاں کی پارچہ بافی کی صنعت خوب پھل پھول رہی تھی۔ یہودی شہنشاہ ذونواس نجران کے عیسائیوں پر بڑا ظلم و تشدد کیا کرتا تھا بلکہ بعض اوقات تو انہیں زندہ جلا دیتا 'اصحاب الاخدود' کے الفاظ یعنی 'خندق والے' سے قرآن نے ایک خاص واقعہ کی یاد دلائی ہے۔ (قرآن 85:4) ''انجام کار ھلاک ہونگے جس طرح ہلاک ہوئے خندق والے'' چند ایک جدید سیاحوں کے مطابق مدینۃ الاخدود (خندقوں کا شہر) اور خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیر کردہ مسجد کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں جو آج بھی عیسائی شہدا کی یاد دلاتے ہیں۔ ابن اسحاق نے یمن میں عیسائیت کی آمد اور مدینۃ الاخدود میں عیسائیوں کی شہادت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(ابن ہشام، ص 20)

1020: شہنشاہ جسٹینین Justinian (565-527) کے ظلم و تشدد سے تنگ آ کر کفار اور بہت سے توحید پرست عیسائیوں نے نجران میں پناہ لے لی تھی۔ یہ واقعہ مابعد کا ہے جب بازنطینی شہنشاہوں نے گرجہ گھر تعمیر کیے اور پادریوں کو بیش قیمت تحائف بھی دیئے اسکا آغاز شمالی عرب

سے بکر ابن وائل سے ہوا۔ (ابن ہشام ،ص 401) یہ یقین کر لینے کی ہمارے پاس معقول وجوہات نہیں ہیں کہ نجران کی پوری وادی یا بالحارث قبیلے کی تمام شاخوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔اس سے متعلق حقیقت کیا ہے اس کا اظہار اس منشور سے ہوتا ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بالحارث قبیلے کے ان سرداروں کے ساتھ طے کیا تھا جو اسلام قبول کر چکے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک فرامین میں ان سرداروں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ کفار کے ساتھ اپنے تمام تعلقات منقطع کر لیں خصوصاً ان رشتہ داروں کے ساتھ جنہوں نے ہنوز کفر ترک نہ کیا ہو۔ لیکن اس جگہ عیسائی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔اس حقیقت کے باوجود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نجران کے عیسائیوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے فرما چکے تھے۔تاہم ان کے خلاف آپ نے دو مہمات روانہ فرمائیں جن میں سے ایک کی قیادت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور دوسری کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی، یہ مہمات جو خالصتاً جنگی نوعیت کی تھیں اس قبیلے کے عیسائیوں کے خلاف تھیں۔

('وثائق" 78-80،ابن سعد ج دوم ص 122)۔

1021: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نامہ مبارک جو محفوظ کر لیا گیا درج ذیل ہے۔

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشپ نجران کے نام

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، اور یعقوب علیہ السلام کا رب ہے۔میں تمہیں مخلوق کی عبادت کی جانب سے موڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں۔اور میں تمہیں مخلوقات سے تعلق توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔لیکن اگر تم اس کا انکار کرو گے تو تمہیں جزیہ دینا ہوگا۔اور اگر تم جزیہ کا بھی انکار کرو گے تو میں تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔والسلام''

1022: اس خط کے تحریر کرنے کے محرکات کا کچھ علم نہیں تاہم زُہری کے مطابق اہل نجران وہ پہلے لوگ تھے جن پر جزیہ نافذ کیا گیا اور وہ اسلامی مملکت کی رعایا تسلیم کیے گئے۔ایلہ کے علاقے پر جزیہ کا نفاذ 9 ہجری کو ہوا اور ان دِنوں ہی تبوک کیلئے جنگی مہم روانہ کی گئی اہل نجران نے غالباً پہلے ہی جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ تسلیم کر لیا تھا۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جس نامہ مبارک کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ غالباً اہل نجران کے ساتھ معاہدہ طے پانے سے قبل تحریر کیا گیا ہوگا۔(ابو عبید، 67)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مکتوب 9,8 ہجری کے درمیان کسی وقت تحریر کیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ بحرین کے یہودیوں نے جزیہ کی ادائیگی کے مطالبے کو تبوک کی جنگی مہم کی روانگی سے قبل ہی تسلیم کر لیا تھا۔ تاہم نجران کے عیسائیوں نے ساٹھ 60 اراکین پر مشتمل عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ روانہ کیا جس کی قیادت ابو حارث ابن علقمہ کر رہے تھے جو رئیس مدرسہ تھے اور ان کے پاس پادری کا عہدہ بھی تھا۔ عاقب عبدالمسیح اور قبیلے کا سردار الایہم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ہمارا ذریعہ اس کی کچھ مزید تفصیلات بھی بیان کرتا ہے۔ (ابن ہشام، ص 380-81، 401-11) ان لوگوں کے لباس اور اونٹوں کا کاروان دیکھ کر اہل مدینہ بہت متاثر ہوئے وہ لوگ ملاقات کے لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی پہنچے تو یہ سہ پہر کا وقت تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی نمازیں ادا کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لے گئے ان لوگوں نے اپنے رخ مشرق کی جانب کیے اور نمازیں ادا کیں۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ عیسائی تھے اور بادشاہ کے مذہب کے پیروکار البتہ کچھ معاملات میں فرق بھی معلوم ہوا ممکن ہے ان میں کچھ لوگ کسی اور عقیدے کے ہوں ازاں بعد اسلام اور عیسائی مذہب کے متعلق لمبی بحث شروع ہو گئی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کیوں شروع ہوئی لیکن اس بحث میں یہودی بھی کود پڑے انتہا یہ کہ عیسائی اور یہودی آپس میں الجھ پڑے۔ عین اس موقعہ پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی تیسری سورت کی 80 سے زائد آیات نازل ہوئیں۔ اور بلاشبہ کم وبیش 89 آیات ایسی ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل نجران کے مابین مناظرے سے متعلق ہیں۔ تقریباً تمام امور معلومہ (مبینہ حقائق) جو اسلام عیسائیت کے بارے میں رکھتا ہے ان آیات کریمہ میں موجود ہیں ہم ان آیات کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔ ''اللہ حی وقیوم ہے اس نے تم پر یہ کتاب برحق نازل کی ہے یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے آ چکی ہیں۔ اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے توریت اور انجیل نازل کی تھی۔ اور اب اس نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔ اب جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔ قرآن عیسائیوں کے ایمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ وہ خدا ہی تھا اور پھر اس نے اپنی جان صلیب پر دی؟ قرآن مزید کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اس طرح اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف

فرمائے گا اور وہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ مزید آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ تم لوگ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو سن رکھو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ بے شک اللہ نے آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کو تمام جہان کے لوگوں پر (ترجیح دے کر نبوت کے لیے) منتخب کیا تھا۔ (حضرت عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی تھے)۔ ازاں بعد قرآن مریم کا ذکر کرتا ہے۔ (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں) اور عمران کے خاندان میں لے پالک تھیں (بچپن ہی سے ازاں بعد بڑے معجزانہ انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ قرآن کہتا ہے ''اور جب فرشتوں نے مریم سے کہا، اے مریم اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ جس کا نام (مسیح) عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ دنیا اور آخرت دونوں میں بڑے مرتبے والا اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ لوگوں سے گہوارے میں کلام کرے گا اور بڑی عمر میں بھی۔ اور وہ صالح انسانوں میں سے ہوگا۔ مریم نے جب یہ بشارت سنی تو متعجب ہو کر بولی۔ اے میرے رب میرے ہاں لڑکا کس طرح ہو سکتا ہے مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں، ارشاد ہوا۔ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ فرشتوں نے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ''اور اللہ اس لڑکے کو کتاب اور حکمت اور خاص طور پر توریت اور انجیل کا علم عطا کرے گا۔ اور اسے بنی اسرائیل کی طرف بحیثیت رسول بھیجے گا۔ ہم اس آخری فقرے کو اس حقیقت کا حوالہ دینے کے لیے لیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو حکم دیا (جب آپ انہیں اپنے مذہب کے دستور کی تبلیغ کے لیے روانہ فرما رہے تھے کہ ''وہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑ ہی کا لحاظ کریں۔'' (متی، 6:10)۔ یہاں قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے موازنہ کرتا ہے کہ ان کی والدہ تک نہ تھیں۔ اس لحاظ سے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش نسبتاً زیادہ غیر معمولی انداز میں وقوع پذیر ہوئی بمقابلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے، اس طرح اس پیدائش میں اللہ کی زبردست حکمت کا واضح اظہار موجود ہے۔ (یعنی دونوں میں) اور اس طرح قرآن کی مذکورہ سورۃ کا اختتام بھی انتہائی اہم ہے۔

پھر جب تم کو (مسیح کی) حقیقت معلوم ہو چکی اس کے بعد بھی تم سے اس کے بارے

میں جو حجت کرے تو (ایسے لوگوں سے) کہو کہ آؤ ہم دونوں فریق (میدان میں نکلیں اور) اپنی اپنی بیٹیوں اور عورتوں کو بلا لیں اور خود بھی شریک ہوں۔ پھر ہم سب گڑ گڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔ اے پیغمبر! یہ صحیح واقعات ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست اور حکمت والا ہے پھر اگر (یہ لوگ مباہلہ سے) منہ موڑیں (تو یاد رکھو کہ) اللہ مفسدوں کا حال خوب جانتا ہے۔ اے پیغمبر! تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مانی جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ مانے پھر اگر یہ لوگ اس بات سے روگردانی کریں تو مسلمانو! ان سے کہہ دو کہ گواہ رہنا (انکار تمہاری طرف سے ہے اور) ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔''

1023: قرآن کے اس کھلے اعلان جنگ کے بعد (جس میں جھوٹوں پر لعنت کی گئی تھی) یہ وفد آپس میں نجی گفتگو کرنے لیے ایک طرف بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سخت طریقہ کار کی جانب رجوع نہیں کریں گے جو کہ تجویز کیا گیا ہے بلکہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ معاہدۂ امن سیاسی درخواست اور بنیاد پر کریں گے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا اور ایک دستاویز لکھی گئی جو کہ ہم ذیل میں پیش کریں گے ازاں بعد انہوں نے خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ وہ ایک مسلمان جج کا تقرر فرمائیں جو ان کے مالی معاملات میں کی جانی والی قانونی چارہ جوئی سے متعلق امور پر قاضی کے فرائض سرانجام دے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر کیا اور فرمایا کہ وہ جو کچھ سچ ہو اس کے مطابق فیصلہ کریں اہل نجران کے ساتھ طے پانے والا معاہدہ حسب ذیل ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ وہ تحریر ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے متعلق تحریر فرمائی جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل ہے یعنی ان کی فصلوں، ان کے پھلوں، ان کے مال و دولت اور ہر غلام پر۔ اہل نجران کو ہر سال ماہ رجب میں کپڑوں کے ایک ہزار جوڑے اور ایسے ہی ایک ہزار جوڑے ماہ صفر میں بھیجنے کے پابند ہوں گے اس کے علاوہ ہر جوڑے کے ساتھ ایک اونس

چاندی بھی دی جائے گی یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ زرہوں یا گھوڑوں یا اونٹوں کی شکل میں مزید جو کچھ دیں گے اس کا بھی مکمل حساب کتاب رکھا جائے گا اور اس کا بھی جو وہ آئندہ سال ادا کریں گے۔ اہل نجران کے لیے لازم ہے کہ میرے سفیر کی کم و بیش ایک ماہ تک آؤ بھگت کریں (خاطر تواضع مہمان داری، ایک اور جگہ یہ مدت کم و بیش بیس روز بھی لکھی گئی ہے) نیز میرے سفیر کو ایک ماہ سے زائد اپنے ہاں نہ ٹھہرایا جائے۔ یمن میں اگر جنگ چھڑ جائے یا جرائم سر اٹھائیں تو اہل نجران کو میرے سفیر کو تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس عدد زرہ بکتریں ادا کرنے ہوں گے ان میں سے اگر کوئی چیز خراب ہو جائے یا جانور مر جائے تو اس کا تاوان میرے سفیر کی ذمہ داری ہوگی جب تک وہ اس کا عوضانہ ادا نہ کرے۔ "اللہ کی جانب سے تحفظ اور اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ضمانت اہل نجران اور ان پر انحصار کرنے والوں پر ہے (یعنی جو ان کی رعایا ہے یا زیر نگیں ہیں) یعنی تمام لوگ جو موجود ہیں یا غیر حاضر ہوں، ان کے خاندان اور ان کے رسوم و رواج، ان کے مال و دولت اور متبرک مقامات تک یہ معاہدہ محیط ہے۔ کسی بھی پادری (بشپ) کو اس کے عہدے سے برطرف نہیں کیا جائے گا۔ کسی بھی راہب کو اس کی خانقاہ سے نہیں نکالا جائے گا۔ ان پر کسی بھی سود کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اسلام سے قبل کے خون بہا کی ذمہ داری ہوگی۔ ان سے فوجی خدمات بھی نہیں لی جائیں گی نہ ہی ان سے عشر ہی لیا جائے گا۔ ان کی سرزمین پر کوئی دستہ در اندازی نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی اور ان پر حملہ آور ہوا تو دفاع کیا جائے گا۔ نہ وہ ظلم کریں گے اور نہ ان پر ظلم کیا جائے گا۔ آئندہ جو بھی سودی کاروبار کرے گا اس پر سے میری ضمانت اور تحفظ کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی۔ کوئی بھی شخص کسی بھی دوسرے شخص کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ ان پر اللہ اور اس کے رسول کی سلامتی ہو۔ اللہ اور رسول اس مکتوب کے متن کی تصدیق کرتے ہیں اور منظوری عطا کرتے ہیں اور جب تک اللہ اپنا حکم ظاہر نہ فرما دے جب تک اہل نجران مطیع و فرمانبردار رہتے ہیں اور اپنے فرائض بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور برائیوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اس دستاویز کے گواہان میں ابوسفیان ابن حرب، غیلان ابن عمرو، مالک ابن عوف النصری، الاقراء، ابن حابس الحنظلی اور المغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ ستاویز عبداللہ ابن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر کی۔ ("الوثائق" 94)

1624: بلاذری کے مطابق دو صدی قبل نجران سے مذکورہ مکتوب کی جو نقل دریافت ہوئی ہے

اس پر کاتب کا نام علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابن ابو طالب درج ہے۔ شاید ایسا ہوا ہو کہ اس نامہ مبارک کی ایک نقل عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کی ہو اور اسے مدینہ میں محفوظ کر لیا گیا ہو دوسری نقل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کی جو کہ اہل نجران کو دے دی گئی ہر نقل پر وثیقہ نویس یا مسودہ نگار کا نام درج ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس مکتوب پر گواہان میں دو مکہ کے تمیم قبیلے سے تھے جب کہ ایک گواہ کا تعلق طائف کے علاقے سے تھا۔ تمیم قبیلے کی اس طرح بطور گواہ شمولیت کیا اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ اس طرح معاشی مفادات کا تحفظ اور سود کی ممانعت جیسے معاملات طے پا سکتے تھے؟

1025: یہاں یہ صاف واضح ہو رہا ہے کہ اہل نجران کو مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ، اپنے رسوم ورواج اور ضمیر کی آزادی کی بھی ضمانت فراہم کی جا رہی ہے۔ اس طرح انہیں سود ترک کرنا تھا اور غالباً یہ وہ عظیم اقتصادی اصلاح ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم متعارف کرانا چاہتے تھے اور یہی امر ان کی ازاں بعد جلا وطنی کا باعث بھی بنا تھا۔ کیونکہ اپنے عہد حکومت میں خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو عراق جلا وطن کر دیا تھا کیونکہ یہ لوگ سودی لین دین یا کاروبار سے تائب نہیں ہو رہے تھے اور دن بدن اس علاقے میں اسلام کی حمایت کم سے کم تر ہوتی جا رہی تھی۔ لباس اور جوڑے جو معاہدے کے تحت اہل نجران نے مدینہ بھجوانے ہوتے تھے ان کی تعداد روز بروز کم ہو رہی تھی۔ بدیں وجہ ان کی امداد میں پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ازاں بعد حضرت عمر ثانیؒ نے تخفیف کی۔ حتیٰ کہ ہارون الرشید کے دور میں یہ 200 لباس فی سال رہ گئی۔

1026: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نجرانیوں اور ان کے بشپ صاحبان کے نام ایک اور خط یہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے بشپ ابوالحارث، نجران کے بشپ صاحبان، ان کے پادریوں، حواریوں اور راہبوں کے نام! جو کچھ ان کے پاس ہے وہ انہی کا ہے، چاہے کم ہے یا زیادہ۔ ان کی خانقاہیں اور خطبہ گاہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حفاظت و ضمانت میں ہیں۔ کسی بشپ، راہب اور پادری کو اس کے منصب اور متعلقہ معبد سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ ان کے وہ حقوق، اختیارات اور رسومات برقرار رکھے جائیں گے جن کے وہ عادی ہو چکے ہیں۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول کی محافظت اس وقت تک حاصل ہو گی جب تک وہ مخلص

رہیں گے اور اپنے فرائض کے مطابق عمل کریں گے۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تحریر کنندہ: المغیرہ"

Bis 1026: مذکورہ وفد کے ساتھ جو مشفقانہ سلوک ہوا تھا اس کا نتیجہ خوشگوار تھا۔ جیسا کہ ابن سعد کہتا ہے (طبقات، ii/l، ص 85) کہ جب اہل نجران حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ طے کر لینے کے بعد واپس اپنے گھروں کو لوٹے تو کچھ ہی عرصہ بعد ان کا ایک پادری "سید" اور نائب "عاقب" مدینہ واپس آئے اور انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی مہمان نوازی کی اور انہیں اپنے ہمراہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ٹھہرایا جہاں آپ ہجرت مدینہ کے بعد مقیم تھے۔

1027: یہاں یہ یاد رکھا جائے کہ عیسائیت پر لکھی جانے والی کتاب "Patrologia Orientalis" میں بھی مذکورہ تمام دستاویزات موجود ہیں لیکن ایک تو یہ کہ ان میں بے تحاشہ اضافوں کے ساتھ ساتھ سہو زمانی اور داخلی مشکلات کی بھی بھرمار ہے۔

1028: ایک مرتبہ پھر اس امر کا ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جنہوں نے اطاعت قبول نہ کی۔ عرب کے دیگر علاقوں میں منتقل کر دیا گیا جو اسلامی ریاست کے زیر نگیں تھے۔ اس حکم سے اہل نجران شدید طور پر متاثر ہوئے۔ کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لینے کے باوجود وہ لوگ ابھی تک سودی کاروبار کر رہے تھے۔ انہیں بڑی فیاضی سے عراق میں زمینیں عطا کی گئیں تھیں جہاں انہوں نے ایک اور شہر آباد کر لیا۔ اس کا نام بھی انہوں نے نجران رکھا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نجران کی وادی کے عیسائی جلاوطنی کے حکم سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو مشکلات کا ضرور سامنا کرنا پڑا جو مجرم تھے یا سرمایہ دار تھے۔ تاریخ دانوں کے مطابق تیسری صدی ہجری تک عیسائی نجران میں رہائش پذیر رہے۔ بلکہ معروف جغرافیہ دان بکری کے مطابق تو نجران کے عیسائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ صرف مجرموں کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تھا۔

بالحارث قبیلے کی دیگر شاخیں

1029: 10 ہجری کے آغاز پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک جنگی دستہ نجران کے بالحارث قبیلہ عبدالمدان کے سردار کی جانب بھیجا۔ جس کا مقصد انہیں اسلام کی دعوت دینا تھا۔ یہ واقعہ ان کے خلاف باقاعدہ جنگ سے تین روز قبل کا ہے۔ یہ ایک تادیبی مہم تھی۔ جس کا مقصد ان سے مصالحت کرنا تھا۔ اس کے بعد خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ اس قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے جس کے جواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا ''چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی ہے چنانچہ ان کے ترجمان اور معلم بن جائیں۔ آپ مجھ سے ملنے کے لیے آئیں۔ اور ان کا وفد بھی ہمراہ لائیں'' اس گفتگو سے جو ان کے ساتھ مدینہ میں پہلے ہو چکی تھی۔ ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ قبائل جارحانہ کارروائیوں میں ملوث پائے گئے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالغصہ ابن الحسین کو ان کا سردار مقرر کیا۔ کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کے بعد عبدالمدان کا وفد اپنے گھر واپس لوٹ گیا (یہ واقعہ ماہ شوال کے آخر کا ہے) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو ان کے ملک کا گورنر مقرر فرمایا۔ تحریری ہدایات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیں۔ وہ ایک دلچسپ دستاویز ہے جو خاصی طویل بھی ہے اس دستاویز میں کہا گیا ہے ''گورنر کو عدل کے مقام کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ یہ اشد ضروری ہے تاکہ تعلیم عامہ، ٹیکسوں کی وصولی اور اسلام کی اشاعت جیسے مسائل سے بہ آسانی نمٹا جا سکے دوسرے یہ کہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ تحمل اور بردباری کا رویہ اختیار کیا جائے اور گورنر کو اس امر کی ضمانت فراہم کرنا ہوگی کہ ان کے مذہب کا بخوبی احترام کیا جائے۔ مزید برآں انہیں اخلاقیات کا خیال رکھنا ہے اور برائیوں کی روک تھام و تدارک کرنا ہے چونکہ یہ ہدایت ایک ایسے ملک کے گورنر کو دی جا رہی تھیں جو نیا نیا اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اس لیے ہدایت میں نماز پنجگانہ اور ان کے اوقات تک کی وضاحت موجود ہے۔ اس میں انتقام اور بدلہ لینے سے متعلق قوانین میں خاطر خواہ ترامیم کی گئی ہیں یعنی جسم پر لگائے جانے والے زخموں پر عوضانہ یا ہرجانہ مالی طور پر مقرر کیا گیا مثلاً دانت کے بدلے پانچ اونٹ اور ایک آنکھ، ایک بازو یا ایک ٹانگ کا عوضانہ 50 اونٹ مقرر کیا گیا۔'' (''الوثائق'' 105)

1030: ان قبیلوں میں سیاسی اتحاد قطعاً نہیں پایا جاتا تھا۔ جس کا اظہار ان پانچ چارٹرز سے ہوتا

ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے مختلف وفود کے ساتھ طے کیے جو مدینہ آتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں چار اور بھی دستاویز ایسی ہیں جو کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے مختلف خاندانوں کے ساتھ معاہدے کے بعد تحریر کروائی تھیں۔ تاہم ذرائع یہ نہیں بتاتے کہ یہ دستاویزات وفود کی آمد کے وقت لکھی گئی تھیں یا بعد میں۔ عام طور پر یہ دستاویزات امداد، زمینوں پر ان کی ملکیت کی تصدیق اور آبی ذرائع کے متعلق تھیں۔

1031: ابن ہشام کے مطابق جب عبدالمدان مدینہ آیا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''یہ لوگ کون ہیں جن کی شکل و شباہت ہندوستانیوں سے ملتی ہے'' چونکہ ہندوستان کے لوگ جنوب مشرقی عرب کے میلوں میں شرکت کے لیے جایا کرتے تھے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس علاقے میں خاصہ عرصہ قیام فرما چکے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستانیوں کی شکل و شباہت اور لباس سے آشنا تھے۔

(ابن ہشام، ص۔ 960 طبری، I، 1826)

1032: عظیم سردار ذوالغصہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا ''اپنی بیویوں کے مہر کے معاملے میں حکومت کی جانب سے قائم کردہ حد سے تجاوز مت کرو خواہ یہ تمہاری اپنی ہی بیٹی کیوں نہ ہو'' (سہیلی، II، 347) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ خاصا امیر تھا اس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دستاویز حاصل کی جس کے تحت اس کے قبیلے اور بنونجد کو تحفظات اور ضمانت ملی۔ بنونجدان کے اتحادی اور پڑوسی تھے اس چارٹر کے مطابق انہیں فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن ان پر یہ بندش عائد کی گئی تھی کہ وہ اپنے بت پرست دوستوں اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کریں گے اس طرح انہیں عشر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا لیکن زکوٰۃ لاگو کر دی گئی کیونکہ ان کی جائیدادوں پر مسلمانوں کا بھی حق تھا۔ یہاں زکوٰۃ اور عشر کا حق اہم ہے عشر غالباً اس ٹیکس کو ظاہر کرتا ہے جو اشیاء کی درآمد اور برآمد پر عائد کیا جاتا تھا نہ کہ فصلوں پر کہ جن پر زکوٰۃ واجب تھی اس صورت میں باہمی تجارت فروغ پذیر ہوئی بنوقنان ابن یزید نے بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چارٹر حاصل کیا جس کی رو سے انہیں اپنے علاقے اور آبی وسائل کے تحفظ کی ضمانت مل گئی اور انہیں ٹیکس ادا کرنے کو کہا گیا یہاں ایک دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ان جائیدادوں کے تحفظ کی ضمانت کا انحصار سڑکوں اور راستوں پر امن و امان قائم رکھنے پر تھا جس کی انہیں مسلسل نگرانی اور دیکھ

بھال کرنی تھی اس سے اس قبیلے کی ماضی کی صورتحال کا اظہار ہوتا ہے۔

1033: مشرکین سے قطع تعلق کی بندش ان تمام چارٹرز میں موجود ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروائے یزید ابن طفیل جو ایک قبائلی سردار تھا نے اپنی ملکیت کے حقوق کی ضمانت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی ''جب تک وہ مشرکین کے خلاف صف آراء رہا'' اسے فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ازاں بعد اسے علاقے میں ایک اہم مسلح مشن سونپا اور کچھ زمین عطا کی اس کے علاوہ جو اس کی ملکیت میں پہلے سے تھی۔

1034: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی معاشی ترقی اور تحفظ کے لیے اکثر متفکر رہتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رعایا کی تعلیم کا بھی بہت خیال تھا طبری ہمیں بتاتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن روانہ فرمایا کہ وہ وہاں باری باری ہر ضلع کا دورہ کریں اور وہاں تعلیم کی نگرانی کریں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی سختی سے طوائف الملوکی کو کچل ڈالا اور لوگوں کی مادی اور روحانی ترقی پر زور دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو طرفہ پالیسی تھی جس کا اظہار ان دستاویزات سے ہوتا ہے۔

ایک اور مہم

1035: مذکورہ صدر وفد ابھی مدینہ ہی میں تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں 10 ہجری ماہ رمضان کو اسی علاقے میں ایک جنگی مہم روانہ کی۔ جسے یہ ہدایت دی گئی کہ وہ صرف دفاع کرے اور جارحیت سے محترز رہے۔ شروع شروع میں چند ایک جھڑپیں ضرور ہوئیں۔ انسداد ارتداد کے لیے بھیجی گئی یہ مہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ طبری اس کہانی کے دو پہلو بیان کرتا ہے ایک وہ جس سے ذرا سا فرق اس کہانی میں پیدا ہوا ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمدان کے ملک میں بھیجا جہاں وہ چھ ماہ قیام پذیر رہے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور اہل ہمدان نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کر لیا۔ (طبری، I، 1824-26 اور 1831-32) مقریزی (I، 502-4) یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہے جس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار میں سختی کے پہلو کا اظہار ہوتا ہے

انہوں نے مال غنیمت کو قاعدے کے تحت تقسیم کیا اور مرکزی خزانے کا حصہ سربہ مہر کر کے الگ رکھ دیا جب کہ دوسرے کمانڈرز تحفوں کی تقسیم اپنی مرضی سے کیا کرتے تھے اور یہ حکومتی حصے میں سے کٹوتی کرتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہیں کیا اور کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ پسند فرمائیں گے۔ وہ مجھے عطا کریں گے راستے میں کچھ سخت الفاظ کے تبادلے بھی ہوئے اور واپسی پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند شکایات بھی پہنچیں۔ تاہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کمانڈر کی دیانتداری کی تعریف کی۔ بلواسطہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ یہ تحفے ان کا حق نہیں اور کسی کو ان کے بارے سوچنا بھی نہیں چاہیے جب تک کہ وہ اسلام کی خدمت پر مامور ہے۔ ایسا لگتا ہے یہ معاملہ کچھ طول پکڑ گیا جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قدرے ملول ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے واپس تشریف لا رہے تھے تب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھیل خم (جھہ نزد رابغ) کے قریب قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پر موجود لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا ''اے وہ جس کا کہ میں دوست ہوں جان لے کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کا دوست ہے، اے اللہ! تو اس کا دوست بن جس کا وہ دوست ہے اور اس کا دشمن بن جا جس کا وہ دشمن ہے۔''

روحا

1036: روحا بھی بالحارث کی طرح مذحج قبیلے کی ایک شاخ تھے۔ 9 ہجری کے وسط میں حمیر قبیلے کے چند سرداروں نے مالک الرحاوی کی قیادت میں ایک وفد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا جس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا دراصل یہ اعلان حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مکتوب کا نتیجہ تھا جو کچھ اسطرح ہے۔

''الحارث، مسروح، نعیم، ابن عبدالکلال، سرداران قبیلہ حمیر کے نام! تم اس وقت تک امن اور سلامتی میں رہو گے جب تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ ایک ہے اور اس کا شریک نہیں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات دے کر بھیجا۔ اور اپنے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا: یہودی کہتے ہیں ''عزیز علیہ السلام اللہ کے بیٹے

ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ''تینوں میں خدا تیسرا ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔'' (اس مکتوب کا اختتام غیر رسمی انداز میں ہوا اور وثیقہ نویس کا نام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارکہ کے ثبت ہونے کے متعلق کچھ تحریر نہیں ہے۔ مترجم)۔

1037: ان سرداروں میں یہودی اور عیسائی سردار بھی تھے جن کا تعلق حمیر قبیلے سے تھا۔ جن کو تبوک کی مہم سے واپسی پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ خطوط تحریر فرمائے اور وضاحت فرمائی کہ وہ کیا اقدامات کر رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے پر مبارکباد بھیجی۔ تمام قابل ادائیگی ٹیکسوں کا مختصراً ذکر کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ٹیکس نہ ہی مجھے پہنچیں گے اور نہ ہی میرے خاندان کو بلکہ یہ غرباء اور غیر ملکی مسافروں کا حصہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ وہ شخص خواہ یہودی ہو یا عیسائی ہو اگر اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اہل ایمان میں سے ہے اور اس کے حقوق و فرائض وہی ہیں جو مسلمان کے ہیں۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو یہودیت یا عیسائیت کے پیروکار ہیں اور اپنے مذاہب پر قائم رہنا چاہتے ہیں انہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔''

1038: یاد رہے کہ ایک مسلم ریاست غیر مسلم رعایا پر جزیہ عائد کرتی تھی اور اس طرح وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھی جو مسلم رعایا پر عائد کی جاتی تھی جو کہ جزیہ کی نسبت زیادہ تھی اور آمدنی کے مطابق شرح فیصد کے حساب سے عائد ہوتی تھی جبکہ جزیہ بلحاظ آمدنی نہیں بلکہ فکسڈ تھا۔

باب 49

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت۔۔۔قرآن کی روشنی میں

1039: جیسا کہ قرآن تمام بنی نوع انسان سے خطاب کرتا ہے تو گویا اس میں عیسائی اور دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی شامل ہیں۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے متعلق دو پہلوؤں پر خصوصاً روشنی ڈالتا ہے یعنی ان کی بحیثیت انسان زندگی اور خصوصی انداز میں ان کی پیدائش پر۔

1040: جہاں تک ان کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے۔قرآن بار بار اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف اللہ کے پیغمبر تھے تا کہ وہ فرمانِ الٰہی کے مطابق اپنی قوم کی اچھے اخلاقیات کی طرف راہنمائی کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور جب عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے کہا ''اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا پیغمبر ہوں اور میں جو کچھ تورات میں ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی نوید دیتا ہوں۔ (قرآن 6:61) اور مزید یہ کہ ''اور (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے پیغمبر بنا کر کہ میں تم لوگوں کے پاس اپنی نبوت پر کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔'' (49:3)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پاک صاف زندگی گزاری اور آپ شفقت و محبت کا پیکر تھے (دیگر تمام پیغمبروں کی طرح) یہاں قرآن کہتا ہے کہ ''وہ کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں۔'' قرآن 46:3) یہاں قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے الفاظ یوں بیان کرتا ہے۔ ''وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ ''میں اللہ کا خاص بندہ ہوں۔اس نے مجھ کو کتاب انجیل دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا۔ مجھ کو برکت والا بنایا۔ جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اس نے مجھے سرکش

بد قسمت نہیں بنایا۔ مجھ پر سلام ہے جس روز پیدا ہوا۔" (قرآن 19:30-2)

قرآن دوبارہ فرماتا ہے۔ (59:43) "عیسیٰ علیہ السلام تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا۔ اور ان کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا۔"

قرآن زور دے کر کہتا ہے (172:4) "مسیح ہرگز خدا کا بندہ ہونے سے عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔" اسی طرح "جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب رب رحمٰن کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں"۔ (93:19) فرشتے بھی رب رحمٰن کے غلام ہیں۔ (19:43)

1041: پیغمبروں سے معجزات کا ظہور مذہب اسلام اللہ ہی کی کاری گری قرار دیتا ہے اور وسیع تر معنوں میں یہ ایک ایسا فطری اور غیر معمولی واقعہ ہوتا ہے جو اللہ اپنے پیغمبروں کی حقانیت کے ثبوت کے طور پر ظاہر فرماتا ہے تاکہ اس جگہ کے لوگوں کو یقین آ جائے اور وہ اللہ کے پیغمبر کے الہامی پیغام اور تعلیمات کے انکار سے محترز رہیں اور یہ کہ پیغمبروں سے معجزات کا ظہور نبوت کی شرط بھی نہیں ہے۔ پیغمبروں سے معجزات کا ظہور از خود ان کی اپنی مرضی و منشاء سے نہیں ہوتا بلکہ یہ سب اللہ کی کاری گری اور مشیت ایزدی کے تحت ہونے والے اعمال ہیں۔ وہ معجزات جو قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب کرتا ہے یعنی یہ کہ جو کچھ اللہ نے چاہا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لیے کرے، وہ ہے جس کا تعلق ان کی پیدائش سے ہے اور ازاں بعد دیگر چیزوں سے جن کا مطالعہ ہم آگے چل کر کریں گے۔ قرآن کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ قرآن کہتا ہے "ہم نے ان کے پاس جبرائیل علیہ السلام فرشتہ بھیجا جو ان کے سامنے آدمی بن کے ظاہر ہوا اور کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔" تو حضرت مریم تعجباً کہنے لگیں بھلا میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" قرآن 47:3 اور 20:19) حضرت نوح علیہ السلام ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا حضرت یحییٰ علیہ السلام یا خواہ کوئی اور ہو، انسانی پیدائش ماں اور باپ کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ (حوالہ قرآن بالترتیب (71:28، 14:14، 15:46) حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں "(اللہ نے) مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا۔"

(32:19) اس سے زائد آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے جملہ واقعات ایک کنواری (دوشیزہ) کے بطن سے ایک بچے کی پیدائش کے متعلق ہیں جس کی پاکیزگی اور پاکبازی کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ نے کی۔ (43-42:3) قرآن آخر میں فرماتا ہے: ''بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مثال آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مشابہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر اس سے کہا ''کن'' (ہو جا) اور وہ ہوگئی (جیسا اللہ نے چاہا)۔'' (59:3) یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ بغیر باپ کے یہ پیدائش محض اتفاقی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا تھا۔ یہ سب اللہ کا لطف و کرم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان (سیلاب) سے محفوظ رکھا، نمرود کی آگ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا پس اس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا فرما دیا: اس قسم کی خاصیت (وصف یا اختصاص) کسی کو ممتاز کر سکتا ہے۔ اور ادھر پیغمبر کو کسی نہ کسی خوبی (خاصیت) سے نوازا گیا۔ اور ان کا مرتبہ الوہیت تک بلند کرنے کی بجائے انسانی حدود میں ہی رکھا گیا۔ اور اس کے برعکس یہ معجزات اور استثنائی حقائق خدائے واحد کی قدرت کاملہ کی سند ہیں۔

1042: ذیل میں ایک قرآنی آیت کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔ **(61:43)**

''اور وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس کی صحت میں شک مت کرو۔ تم لوگ میرا اتباع کرو یہ سیدھا رستہ ہے۔'' یہاں استعمال ہونے والے ضمائر ''یہ'' اور ''وہ'' کی وجہ سے کچھ شارحین یعنی (مفسرین قرآن) کے لیے کچھ دقتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ کچھ نے اس کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا ہے۔ لیکن ہم اس سلسلہ میں قرآن کی طرف اشارے کو زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ جو کسی دوسری الہامی کتاب کی نسبت روز قیامت، روز محشر، جنت، دوزخ اور اس کے مابعد کا ذکر بہتر انداز میں اور بہت زیادہ کرتا ہے۔ سورۃ کے آخر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک غیر مبہم انداز میں ہے اور اس طرح ہمارے مندرجہ بالا مفہوم کی صحت کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ عیسائیوں کے عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھائے گئے اور ازاں بعد انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ وہ دوبارہ زمین پر نزول فرمائیں گے اور مردوں اور زندوں کا فیصلہ کریں گے۔ (قرآن 4:158-159)

کہتا ہے ’’بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے۔‘‘ یہاں قرآن ان کی زمین پر دوبارہ آمد (نزول) کے متعلق کچھ نہیں کہتا: لیکن صحیح مسلم کی حدیث نمبر 116,110,52 اس کا حوالہ دیتی ہیں۔ ’’جب زمین ناانصافیوں سے پر ہو جائے گی تو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کی حیثیت سے زمین پر نزول فرمائیں گے اور دجال (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہوگا) کو قتل کریں گے۔ المہدی محمد ابن عبداللہ (اس وقت کے مسلمان خلیفہ) کے ساتھ عملی تعاون کریں گے اور ان کی موت کے بعد زمین دوبارہ کفر (یعنی ایمان سے تہی) کی طرف پھر جائے گی اور یہ دنیا کے اختتام کا وقت ہوگا (قیامت کا دن) ابن حنبل (13/5) میں ہمیں یہ وضاحت ملتی ہے ’’پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے اور ان کی ملت کے رکن ہوں گے۔‘‘ (یا) ’’جب ابن مریم تم تک پہنچیں گے، اس وقت تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔‘‘ لیکن، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوں گے۔ جن کا مشن (مقصد حیات) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔

(بخاری 2/49/60)

1043: یہاں قرآن میں درج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چند ایک دیگر خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے ’’پس مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر (قرآن۔ 19:29-33;46:3;110:5) باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا خاص بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب (انجیل) دی۔ اور اس نے مجھ کو نبی بنایا۔ (یعنی بنا دے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔ اور اس نے مجھ کو سرکش و بدقسمت نہیں بنایا اور مجھ پر اللہ کی جانب سے سلام ہے۔ جس روز میں پیدا ہوا۔ جس روز مروں گا، اور جس روز (قیامت) اٹھایا جاؤں گا۔‘‘ یہ ہیں عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم۔ (46:3) ’’وہ آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں اور بڑی عمر میں بھی، شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے‘‘ (110:05) اے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور

تمہاری والدہ پر ہوا ہے۔ جب کہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی۔ تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے۔ گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی جبکہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں توریت اور انجیل تعلیم کیں۔ جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے۔ جیسے پرندے کی شکل ہوتی ہے۔ میرے حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے۔ جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا۔ اور تم اچھا کر دیتے تھے اور مادر زاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کر لیتے تھے۔ میرے حکم سے اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا (تمہارے قتل سے) جب کہ تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔" (القران 49:3)

"اور ان کو تمام بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجیں گے کہ میں تم لوگوں کے پاس کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔ تمہارے رب کی طرف سے وہ یہ ہے کہ تم لوگوں کے لیے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندے کی ہوتی ہے۔ پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں۔ جس سے وہ جاندار پرندہ بن جاتا ہے۔ خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو۔ اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو۔ خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ گھروں میں کھا کر آئے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔ بلاشبہ ان میں میری نبوت کی کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو۔"

1044: چند ایک قرآنی اصطلاحات مثلاً "روح اللہ"، "کلمۃ اللہ"، "روح القدس" جو تمام کی تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں خاصی پیچیدہ ہیں اس سلسلہ میں قرآن کی سورہ النساء آیت نمبر 171 یوں بیان کرتی ہے۔

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں مبالغہ آرائی مت کرو اور سوائے سچ کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ نہ کہو۔ مسیح علیہ السلام ابن مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ (حکم) ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں پس اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں۔ باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں۔"

علاوہ ازیں قرآن سورۃ بقرہ آیت نمبر 253 میں بیان کرتا ہے۔''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مثلاً بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے درجوں میں سرفراز کیا اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام سے فرمائی......''

1045: مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ خالص وحدانیت کے عقیدے کے پیش نظر استعمال ہونے والے ان الفاظ کو قرآن نئے مفہوم عطا کرتا ہے۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کی مدد کے لیے یا مسلمانوں کی اعانت کے لیے آسمان سے فرشتوں کے نزول کو قرآن 'روح اللہ' **Spirit From God** کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ (نوٹ: احادیث مبارکہ میں یہ اصطلاح غیر نبی اصحاب کے لیے بھی استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً حسان ابن ثابت کے لیے جو معروف شاعر تھے اور اسلام کی خاطر کفار سے اپنی شاعری کے ذریعے جنگ کرتے تھے۔ ایک موقع پر ان کے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''روح القدس'' ان کی مدد فرماتے ہیں۔

(بخاری 68:8، کنزالعمال، V، 5269؛ مسلم 44، نمبر 151-3)۔

اس طرح گویا ''روح اللہ'' کسی پیغمبر کی کوئی خاص وصف یا صفت قرار نہیں پاتی۔

جہاں تک لفظ ''کلمۃ اللہ'' **Word of God** کا تعلق ہے۔ اس اصطلاح کا مطلب غالباً اللہ کی مرضی یا اللہ کا حکم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا مثلاً اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور انہیں توریت عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے لفظ ''ہو جا'' (کن) کہا اور یہ کائنات معرض وجود میں آ گئی۔ اسی طرح اللہ نے اپنا (کلمہ، حکم) مریم کی طرف بھیجا تا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بن سکیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حالانکہ قرآن میں ''کلمۃ اللہ'' کی اصطلاح کا بار بار استعمال ہوا ہے اور اسی طرح ''روح اللہ'' کی اصطلاح بھی متعدد بار استعمال ہوئی ہے تاہم اس سے کسی طور بھی ''پسر اللہ'' **Son of God** کے مفہوم کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اس طرح گویا قرآن نے انتہائی سختی سے بت پرستی شرک اور انسانوں میں خدائی صفات کی موجودگی کے عقیدے کی نفی کی ہے اس سلسلہ میں فرعون نمرود، شداد وغیرہ کی مثالیں دی جا سکتی ہیں)۔ ''خدا کے بچے'' **Children of God** کی اصطلاح جو یہودی استعمال کرتے ہیں یا ''آسمانوں کے بیٹے'' **Son of**

Heaven کی اصطلاح جو چینی استعمال کرتے ہیں یا سورج کی آل اولاد (جانشین) Desendants of The Sun کی اصطلاح جو جاپانی استعمال کرتے ہیں یا یونانیوں اور برہمنوں کی اصطلاح ''دیوتاؤں کی اولاد'' Decendents of the gods وغیرہ کے خلاف اسلام کی شدید جنگ کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ توحید کے تصور اور وحدانیت کے عقیدے کو اجاگر کیا جائے۔ اب یہ تصور کہ خدا ہمارا باپ ہے باطل قرار پا چکا ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے 99 خوبصورت (صفاتی) نام ہیں۔ وہ اللہ ہے جو ہر شے کا پیدا کرنے والا، رحمٰن ورحیم اور ہر چیز کا مالک ہے، وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی عطا کرتا ہے وہی سزا دیتا ہے وہی جزا دیتا ہے۔ اسلام اس نظریئے کا زبردست حامی ہے کہ زبانوں کے ارتقاء کے ساتھ جب ان میں مجرد تصورات کے اظہار کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے تو ہمیں ''باپ'' جیسے لفظ یا اصطلاح کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ہم عظیم، قدرت والا، حکمت والا، کے لیے باپ 'Father' کا لفظ استعمال کریں۔ جس میں مذکورہ صفات ہم سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اگر عیسائیت میں تثلیث، وحدانیت کے تصور کے مطابق ہو تو اسلام پھر بھی یہی کہتا ہے کہ ہر چیز کو اس کے اصل نام ہی سے پکارا جانا چاہیے۔

1046: اس سلسلہ میں سچی بات تو یہ ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے عیسائیت کی کوئی بے مثال شکل سامنے نہیں آسکی ہے یعنی یہ کہ توحید پرست (یا وحدانیت کے قائل) عیسائیوں اور کیتھولک کے مابین کوئی مذہبی اور عقیدت کے اعتبار سے قدر مشترک نہیں ہے۔ مثلاً ایک طرف آریائی اور دوسری طرف وہ فرقہ جو حضرت مریم کی عبادت جائز قرار دیتا ہے یعنی Collyridians دراصل ایک ہی نظریئے کی مثالیں ہیں۔ ہمارے اپنے وقت میں عیسائیوں کا ایک فرقہ ''کرسچن سائنس'' کے پیروکار بے شمار فرقوں اور شاخوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کا کسی مشترکہ نظریہ یا عقیدہ پر قائم رہنا ناممکن ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ تمام اپنے تئیں عیسائی ہی گردانتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو عیسائی کہلاتا ہے اور ان الزامات کا تو ذکر ہی کیا جو ایک فرقہ دوسرے کے خلاف عائد کرتا ہے۔ (بدقسمتی سے یہ صورت حال کم وبیش دنیا کے ہر مذہب میں پائی جاتی ہے) آج ایک کیتھولک یا پروٹسٹنٹ عیسائی کے لیے قرآن کو غلط یا غیر منصفانہ قرار دینا نہایت آسان ہے جبکہ خود قرآن انہیں اپنے اور اپنے پادریوں (راہبوں) کو خدا کے علاوہ Lords پکارنے کی سخت نفی کرتا

ہے اور شرک کا مورد قرار دیتا ہے لیکن ہنوز ایسے فرقے موجود ہیں۔ جو مذہبی پیشواؤں کے متعلق غلو میں مبتلا ہیں اور ان کو بشری سہو اور غلطیوں سے مبرا اور معصوم سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ قرآن اس موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ایک ہم عصروں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا ''ایسا مت سوچو کہ میں قانون (سابقہ الہامی کتب) کو تباہ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ (یعنی سابقہ پیغمبروں کی کتب کی منسوخی کے لیے) بلکہ ان کی تکمیل یا پورا کرنے کے لیے آیا ہوں اور میں تم سے یقیناً یہ کہتا ہوں۔ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں ذرا سا بھی ناحق قانون سے بالا نہیں حتیٰ کہ تمام کے تمام کی تکمیل ہونی چاہیے۔'' پس جو کوئی بھی ان احکامات کی پیروی سے منہ موڑے گا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دے گا وہ آسمان کی بادشاہت (سلطنت) میں کم ترین ہوگا۔ لیکن جو کوئی بھی ان احکامات پر عمل پیرا ہوگا اور دوسروں کو ان پر عمل کی تعلیم دے گا تو وہ آسمان کی سلطنت میں عظیم ترین ہوگا۔ (متی 5:17-19)

مزید برآں ''ہر وہ عمل جس کو کرنے کا میں نے حکم دیا ہے، اس کی تعلیم دینا اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہنا۔'' (متی، 20:28) آیئے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان ہدایات پر ان کے حواریوں کے عمل کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں: ''یہ روح القدس اور ہمارے لیے اچھا ہے کہ تم پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے ماسوائے اس کے جو ضروری ہو وہ یہ کہ تم بتوں کے چڑھاوے (گوشت) سے پرہیز کرو۔ خون اور اس جانور سے جو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو اور زنا بالرضا تک سے اگر بچے رہو گے تو تم اچھا عمل کرو گے'' اور بائبل میں عائد کردہ دیگر تمام بندشیں منسوخ کی جاتی ہیں (The Acts 15,28-29) سینٹ پال (رومنز 4:10) کہتا ہے ''عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قانون کا اختتام ہو گیا۔''

اس کے برعکس اسلام میں دنیا کی کسی بھی مجاز ہستی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دیئے ہوئے قانون میں رتی برابر بھی کمی بیشی کر سکے خواہ ایسی ہستی مذہبی ہو یا دنیاوی (غیر مذہبی)۔

1047: چونکہ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا، بدیں وجہ ''اللہ کے بیٹے'' کی انسانیت کی نجات کی خاطر موت (سولی چڑھ جانا یا صلیب پر لٹک جانا) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنی زندگی میں کرنے والے اپنے تمام اعمال

کے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے اور یہ اللہ ہی کو زیبا ہے کہ وہ اسے انعام واکرام سے نوازے، معاف کرے یا سزا دے، یہ سب کچھ اللہ کے نظام عدل وترحیم اور انصاف کے معیار پر مبنی ہے۔ تاہم قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر موت کو ایک تاریخی سچائی کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اس بارے میں لوگوں کو مشابہت شخصی (تلبیس شخصی) کے باعث مغالطے میں ڈالا گیا۔ (قرآن 157:4)

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھی جائے کہ ان تاریخی حقائق کے متعلق ایسے نظریات و خیالات کو قرآن ہی میں زیر بحث نہیں لایا گیا بلکہ اس سلسلہ میں عیسائی اور دیگر قدیم مذاہب کے پیروکار بھی اسی قسم کی کہانی سناتے ہیں:

1048: مذکورہ چند اختلافات کے علاوہ پورا قرآن عیسائیوں کے متعلق نرم گوشہ رکھتا ہے۔ قرآن ان کا درجہ (عام کفار سے) بلند قرار دیتا ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب ہیں۔ اس طرح اگر کوئی مسلمان مرد عیسائی عورت سے شادی کرتا ہے (جب کہ وہ کسی کافر یا بت پرست سے شادی نہ کر سکتا ہو) تو اس کی بیوی (عیسائی خاتون) کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہتی ہے تو وہ اپنے مذہب پر قائم رہے اور اس پر عمل کرے۔ بلکہ مسلم علماء کرام تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ وہ شراب پی سکتی ہے کیونکہ اس کی ممانعت اس کے مذہب میں نہیں ہے اور ایک مسلمان فرد کی بیوی ہونے کی وجہ سے اس کے حقوق اور آزادی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور نہ ہی اسلام اور عیسائیت کے مابین اختلاف کا یہاں کوئی عمل دخل ہوگا۔

1049: شاید قدرے زیادہ حیران کن اور غیر متوقع قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ "اور آپ ان میں دوستی رکھنے کے قریب مسلمانوں کے لیے ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور فقراء ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔" (قرآن 82:5) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب اسلام ہر شخص کو نئے دین (پرانا دین ابراہیم) کی طرف بلاتا ہے تو وہ ان لوگوں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، اپنا پرانا مذہب ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی ایسی کوشش کرتا ہے (خصوصاً الہامی مذاہب کے سلسلہ میں) اس کے برعکس، قرآن تو اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ لوگ اپنے متعلقہ مذہب ہی کی پیروی کریں اور قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ "وہ خدا ہی ہے جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی جس میں روشنی اور ہدایت ہے" (قرآن

4-3:3)اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اس حالت میں بھیجا اپنے سے قبل کی کتاب توریت کی تصدیق فرماتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لیے''اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور جو شخص نہ مانے تو ایسے لوگ بالکل نافرمان ہیں۔''(قرآن 47:5)''اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کی جو کتاب اللہ کی طرف سے ان کو بھیجی گئی پوری پابندی کرتے، تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ ان میں ایسے ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔''(قرآن 66:5)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ''اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں۔ جب تک کہ توریت کی، انجیل کی اور جو کتاب تمہارے پاس ہے جو رب کی طرف سے تمہیں بھیجی گئی ہے۔اس کی یعنی پوری پابندی نہ کرو گے۔اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب بن جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔''(قرآن، 68:5)

1050: یہودیوں سے متعلق باب میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن پیش گوئی پہلے کر چکا ہے کہ سابقہ تمام پیغمبروں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دی تھی۔اس لیے انجیل کے گہرے مطالعے اور پیروی ہی سے عیسائی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا سکتے ہیں جو پیغمبر موعود ہیں اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے''جو لوگ کہ ایسے رسول (نبی امی) کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔جن کی صفت یہ بھی ہے وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر بدستور حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ (طوق) تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی موصوف پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔(قرآن 157:7)

اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے فرمایا کہ

''اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے توریت آ چکی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام مبارک احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو ان دلائل (معجزات) کی نسبت کہنے لگے یہ صریح جادو ہے اور واقعی اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو۔ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیا کرتا۔ (قرآن 7-6:61)

مسلم دانشور اور تاریخ دان ابن اسحٰق (متوفی 151ھ، 766ء) قرآن کے اس پیراگراف کو سینٹ جان (XIV، 16) سے منسلک کرتے آئے ہیں جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے ''اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں مقدس باپ سے دعا کروں گا اور وہ تمہیں ایک اور آرام پہنچانے والا عطا فرمائے گا تاکہ وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ رہے'' مزید یہ کہ'' اور اب اس کی طرف لوٹتا ہوں جس نے مجھے بھیجا تھا اور تم میں سے کوئی مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ لیکن یہ چیزیں میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ غم سے تمہارے دل بھرے ہوئے ہیں تاہم میں تمہیں سچی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ میرا جانا تمہارے لیے (مناسب) ضروری ہے اگر میں نہ جاؤں تو تمہیں آرام پہنچانے والا نہیں آئے گا۔ لیکن اگر میں تم سے جدا ہو کر دور چلا جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیجوں گا اور جب وہ آ جائے تو وہ گنہگار دنیا کو راست بازی اور قدرت کی جانب سے سزا کا یقین دلائے گا۔ میں نے ابھی تمہیں بہت سی باتیں بتانی ہیں لیکن تم انہیں ابھی نہیں سن سکتے۔ بہر صورت جب آرام پہنچانے والا آئے گا وہ مقدس روح وہ تمہاری راہنمائی کرے گا سچائیوں کی جانب کیونکہ وہ کچھ نہیں بولے گا۔ سوائے اس کے جو کچھ اللہ تعالیٰ اس پر وحی کرے گا اور تمہیں آنے والی چیزیں دکھائے گا۔ وہ میری ستائش و تعریف ہی کرے گا۔ وہ جو کچھ میرے پاس ہے لے کر تمہیں دے گا۔ باپ کی تمام اشیاء میری ہیں (؟) اسی لیے میں نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے لے کر تمہیں دے گا۔'' (XVI،5-15)

1051: ہمیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ یونانی الفاظ کی بجائے جو آرامی الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان جگہوں پر استعمال کیے وہ ہم نہیں جانتے البتہ یہ ہے کہ **Parakletos** کا مطلب ہے آرام پہنچانے والا یا ہدایت دینے والا۔ کبھی کبھی یہ لفظ یونانی لفظ **Periklytos** کے

ہم معنی تصور کیا جاتا تھا جس کا مطلب وہی ہے جو کچھ کہ قرآن کہتا ہے یعنی آخری نبی کی صفات اعلیٰ درجے کی ہوں گی کیونکہ نبی بیک وقت ہزار ہا خوبیوں کا مالک ہوسکتا ہے۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ ''سچی پاک روح The Holy spirit of Truth'' جس کی انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر توریت کی عطا کے وقت ظاہر ہوئی لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے کہ انہوں نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ جس کی پیشین گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی۔ سچائی کی پاک روح ابھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہے۔''

اب ذرا اس اعلان پر غور کیجئے ''اور اگر میں تم سے دور نہ گیا تو دوسرا آرام پہنچانے والا تم تک نہیں پہنچے گا'' جہاں تک سچائی کی پاک روح کا تعلق ہے اس کے متعلق چند اور چیزیں بھی قابل غور ہیں۔

1052: قرآن نے بار بار کئی موقعوں پر یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے مدد فرمائی یعنی یہ Spirit of Holiness (قرآن 2:87؛ 2:253؛ 5:110) قرآن کے مطابق اسطرح دیگر پیغمبروں کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کیے جانے کی تصدیق ہوتی ہے یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم (قرآن ، 16:102؛ 26:193؛ 42:52) اور دیگر پیغمبر اللہ کی منتخب شدہ ہستیاں ہیں (قرآن ، 16:2؛ 40:15؛ 58:22) اسی طرح اگر عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی پاکیزہ روح سے پیدا کیے گئے تھے (قرآن ، 4:171؛ 19:17؛ 66:12) تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ (قرآن 15:29؛ 32:9؛ 38:72) قرآن کی ایک اور آیت کے مطابق (قرآن 17:85) روح سے مراد اللہ کا حکم اور اللہ کی مرضی ہے اور جہاں تک ''کلمۃ اللہ'' کا تعلق ہے جس کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے تو قرآن اس لفظ کی حیثیت تبدیل نہیں کرتا بلکہ اس کو ایک نیا مفہوم دیتا ہے جس سے درست مطلب ''خالص توحید'' ہے جس میں بت پرستی، ثنویت یا تثلیث کا شائبہ تک نہ ہو۔ قرآن کی رو سے (4:172؛ 5:75) عیسیٰ علیہ السلام ایک آدمی ہیں، اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے کبھی بھی اللہ کی عبادت سے منہ نہیں موڑا اور جنہوں نے ہمیشہ اپنے حواریوں کو اور مخاطبین (سامعین و ناظرین و ہم نشین) کو صرف اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دی جو قیوم ہے جبکہ وہ خود اور

ان کی ماں اس زمین کے ہر باشندے کی مانند فانی ہیں (قرآن 17:5) موت اور خدائی (الوہیت) مخلوط الوجود (Coexist) نہیں ہوتے (باہم شریک نہیں ہوتے)۔

نتیجہ

1053: اوپر بیان کردہ حقائق سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائیت اور اسلام کے مابین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات دو نکات سے متعلق ہیں۔ یعنی پسر خدا Son of God اور تثلیث (Trinity) قرآن نے عیسائیوں کے عقیدے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی (صلیب) تمام گناہگاروں کے لیے نجات (بخشش) کا ذریعہ ہے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اور اسی وجہ سے ہم اس موضوع پر یہاں بات آگے نہیں بڑھائیں گے۔ کیونکہ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی (صلیب کیے جانے) اور ان کی موت دونوں کا انکار کرتا ہے۔ جہاں تک پسر خدا یعنی خدا کے بیٹے ہونے کا تعلق ہے تو اس اصطلاح کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''خدا کا سچا اطاعت گزار'' "True Surrenderer to God" اور یہ کہ ''ایسا مومن جو خدائی احکامات پر عمل بھی کرتا ہے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایسا اطاعت گزار جو اس حقیقت کی پیروی کرتا ہے۔ ''تم بیٹے ہو کیونکہ تم اپنا خدا رکھتے ہو'' (توریت، کتاب پنجم، 1:14) یہی کچھ (زبور 7:2) کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ ''تم میرے بیٹے ہو اور آج میں تمہارا باپ'' جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے آپ اپنے تئیں انجیل میں متعدد مقامات پر ''Son of Man'' ''پسر انسان'' کی اصطلاح سے پکارتے ہیں۔ لیکن کئی جگہ آپ علیہ السلام نے پسر خدا ''Son of God'' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس اصطلاح کے اس مفہوم و مطلب کی وضاحت کے لیے مقدور بھر کوشش کی جو آپ کے ذہن میں تھا۔ انجیل کے دو اقتباسات دیکھئے!

(1) ''اطاعت گزاروں (امن ساز) پر خدا کی رحمت ہے کیونکہ وہ خدا کے بچے پکارے جائیں گے۔'' (متی، 9:5)

(2) ''اس کے برعکس، اپنے دشمنوں سے محبت کرو، ان پر رحمت (مہربانی) کرو جو تم پر لعنت

کریں (برا بھلا کہیں یا گالیاں دیں) ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ انہیں دو بغیر بدلے کی توقع کے کیونکہ تمہارا (بدلہ عظیم ہوگا اور تم ہی اللہ تعالیٰ کے بچے ہو گے۔
(متی، 5:44-45)

یہ محض اتفاق ہے یا فضل خداوندی کہ لفظ ''مسلم'' کے معنی ہیں ''وہ شخص جو اطاعت کرے'' یا ''امن قائم کرے''؟ اس مفہوم پر مبنی ایک حدیث مبارکہ بھی ہے۔ ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (بخاری 2:4-5، مسلم 64:1 قرآن پسر خدا "Son of God" کی اصطلاح کی سرے سے نفی کرتا اور اسے مسترد کرتا ہے تا کہ کسی بھی نوعیت کا کوئی ابہام یا تشکیک پیدا نہ ہو جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل مقدس میں بھی اس اصطلاح سے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیا مثلاً آپ فرماتے ہیں'' جہاں تک اس دن کی تاریخ اور گھنٹے کا تعلق ہے تو کوئی بھی انہیں نہیں جانتا نہ فرشتے آسمانوں کے، نہ ہی بیٹا لیکن صرف باپ ہی جانتا ہے۔'' (متی، 24:36؛ مارک، 13:32)

1054: جہاں تک تثلیث کے نظریہ کا تعلق ہے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین صدیوں بعد تسلیم (قبول) کیا گیا۔ کیونکہ Arius اور اس کے کٹر توحید پرست حامیوں نے اس کی سخت مزاحمت کی تھی۔ دراصل تثلیث کے قائل انجیل متی (28:19-20) کا حوالہ دیتے ہیں ''اور پھر تم جاؤ اور تمام اقوام کو تعلیم دو، ان کی بپتسمہ کرو۔ باپ کے نام پر، بیٹے کے نام پر اور پاک روح الامین (جبرئیل) کے نام پر۔ انہیں اس پر عمل پیرا ہونے کی تعلیم دو جس کا میں نے حکم دیا ہے۔'' ایک مسلمان کے نزدیک یہاں ''باپ'' سے مراد وہ مالک ہے جو وحی نازل کرتا ہے، ''بیٹے'' سے مراد وہ پیغمبر ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے اور ''روح الامین'' سے مراد اللہ کا پیغام پہنچانے والا فرشتہ حضرت جبرئیل امین ہیں اور مسلمان قطعاً ان تین اصطلاحات کو باہم یک جا کر کے ایک ہی شخصیت میں مرتکز کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شناخت بائبل سے ہے جو آپ کو پیغمبر تسلیم کرتی ہے۔ (متی، 21:11؛ لوقا 7:16، 26) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے تئیں ''اللہ کا بندہ اور غلام'' کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ (متی، 12:17-18) تثلیث کے پیروکار بھی خدا اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرق کو تسلیم کرتے ہیں جب کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ ''عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں کی طرف اٹھا لیے

گئے ہیں اور وہ اللہ کی دائیں جانب تشریف فرما ہیں۔'' چونکہ کوئی بھی شخص اپنے ہی دائیں جانب نہیں بیٹھ سکتا اس لیے عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف زمین پر بلکہ آسمانوں اور تخت الٰہی پر بھی اللہ سے الگ اور جدا رہیں گے۔

1055: گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں عیسائیت کسی طرح بھی اسلام کے خلاف نہیں تھی ۔ یعنی اس کی تعلیمات اور عقائد اسلامی تعلیمات اور عقائد کے عین مطابق تھیں۔ البتہ اگلے زمانے یعنی مابعد کے ادوار کے عیسائیوں کی بات اور ہے کہ جب عقائد اور تعلیمات میں دیگر کئی نظریات خیالات اور مفروضات کی آمیزش ہوگئی۔

باب 50

دیگر مذاہب

1056: یہود و نصاریٰ کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام سے قبل جو دیگر مذاہب کے لوگ رہائش پذیر تھے ان میں مجوسی بت پرست، صابی، ملحد، دہریئے، مادہ پرست اور جانور پرست وغیرہ کے قبائل شامل تھے البتہ کچھ لوگ اس عقیدے کے حامل تھے کہ کوئی غیر مرئی قوت ایسی ضرور ہے جو اس پورے عالم کی جاندار چیزوں کو منظم کیے ہوئے ہے۔

مجوسی

1057: پورے قرآن میں صرف ایک مرتبہ مجوسیوں یا زرتشیوں کا ذکر ملتا ہے اور وہ بھی محض ضمناً میں قرآن فرماتا ہے۔

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے روز عملی فیصلہ کر دے گا (مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور کافروں کو دوزخ میں) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔''

(القرآن،17:22)

1058: قرآن نہ تو ان کے عقیدے کو زیر بحث لاتا ہے اور نہ ہی ان کے سماجی رویوں اور طور طریقوں پر گفتگو کرتا ہے نیز یہ امر خاصا حیران کن ہے کہ عرب کے قرب وجوار میں بھی مجوسی خاصی تعداد میں موجود تھے بلکہ وہ عرب کے ایک نہایت ہی طاقتور ہمسایہ بھی تھے یعنی ساسانی بادشاہت جس کے ساتھ اہل عرب کے صدیوں سے بڑے قریبی تعلقات چلے آ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو کہ زرتشیوں، مجوسیوں اور مزدکیوں کے مابین شدید قسم کی خانہ جنگی نے ان کے لیے مذہب کو

ایک فضول اور لایعنی سی شے بنا کر رکھ دیا ہو جس میں کسی قسم کی قوت مدافعت باقی نہ رہ گئی تھی اور اسی لیے اسلام نے اسے کبھی بھی ایک طاقتور حریف نہیں سمجھا اس سلسلہ میں ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کی جانب رجوع کرتے ہیں تا کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رویے کا پتہ چل سکے۔

1059: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے جو کچھ اس طرح ہے ''مجوسیوں کے ساتھ بھی اہل کتاب کا سا رویہ روا رکھو''

(ابو عبید، پیرا 78؛ ''موطاء'' امام مالک باب زکوٰۃ، 17 نمبر 42)۔

بحرین اور حجر کے گورنرز کے نام حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ ہائے مبارک میں سے ایک میں مجوسیوں کے متعلق کہا گیا ہے ''انہیں اسلام کی دعوت دو اور اگر وہ قبول کر لیں تو انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور ان پر وہی فرائض لاگو ہوں گے جو ہم پر لاگو ہیں اور وہ لوگ اگر انکار کریں تم ان پر جزیہ نافذ کرو۔ ہم نہ ان کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ ان کی عورتوں سے شادی کریں گے'' یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ کھانے (خصوصاً گوشت) پینے اور شادی بیاہ کو جائز قرار دیتا ہے اس سلسلہ میں کوئی ایسا حکم مجوسیوں کے متعلق موجود نہیں کیونکہ ممکن ہے اسلام ان کے جانوروں کو مارنے کے طریقے (نہ کلمہ پڑھنا اور نہ خون بہانا) کو جائز نہیں سمجھتا جہاں تک مجوسیوں کے ساتھ شادی بیاہ کا تعلق ہے تو اسلام حسب و نسب اور خون کے تحفظ و حفاظت کو حد درجہ اہمیت دیتا ہے اسی وجہ سے ان کے ساتھ شادی بیاہ کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ ان کے ہاں محرمات (بہن، بیٹی، ماں) تک سے نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔ ایسی شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ بیٹا ہوگا، بھتیجا، پوتا یا بھائی؟ حد تو یہ ہے کہ اسلام سے قبل کے بدوی معاشرے میں بھی محرمات سے نکاح ''ذیزن'' کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں اوس ابن حجر کی ایک ہجو میں پڑھ چکے ہیں۔

1060: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس سے تعلق رکھنے والی چند ایک دستاویزات میں عمان میں مجوسیوں کے آتش کدے کا ذکر ملتا ہے بلکہ پن چکیوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

ابوداؤد (16:27) اس سلسلہ میں بڑی دل چسپ اطلاعات دیتا ہے ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بیویوں کے ساتھ اس وقت جب ان کے بچے زیر پرورش ہوں ہم

بستری کی ممانعت کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ رواج بازنطینیوں اور ایرانیوں میں پایا جاتا ہے اور اس سے ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا''

1061: ہندوستان کے پارسیوں (مجوسیوں) کے پاس ایک منشور و فرمان ہے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ انہیں سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایرانی مسلمان حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش پر عطا فرمایا تھا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قطعاً مصدقہ نہیں ہے۔

صابئین

1062: قرآن صابئین کے متعلق تین مقامات (62:2؛ 69:5؛ 17:22) پر گفتگو کرتا ہے۔ جب وہ یہود و نصاریٰ کے غیر اسلامی مذاہب کی کیفیات بیان کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث ان کے عقائد و عبادات کے متعلق بالکل خاموش ہیں اور نہ ہی تاریخ میں ان کی تہذیب و ثقافت کے متعلق کوئی ذکر ملتا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ستاروں کی پرستش اس مذہب کی ایک بڑی خصوصیت تھی۔ تاہم یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب سے معدوم ہو چکا تھا۔ بلکہ اس کا نام و نشان اس کی اپنی جائے پیدائش عراق تک سے مٹ چکا تھا۔

بت پرست اور متعلقین و مشرکین

1063: مذہب اسلام دیگر مذاہب کی نسبت اس مذہب کی سب سے زیادہ شدت سے مخالفت کرتا اور اس کے خلاف لڑتا ہے ان دنوں عرب کے لوگ پتھر لکڑی اور دھات کے بنے ہوئے بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بلکہ غیر تراشیدہ پتھروں اور درختوں جانوروں (خصوصاً گھوڑوں) وغیرہ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جو قبیلہ جتنا زیادہ قدیم تھا اتنا ہی زیادہ ان چیزوں کی عبادت میں پختہ تھا۔ یاد کریں کہ نجد جیسے خوشحال اور سرسبز علاقے کے بنو حنیفہ والوں نے آٹے اور کھجور سے ایک بہت بڑا اور عظیم الشان بت تیار کیا تھا۔ لیکن جب ایک سال وہاں قحط پڑا تو وہی لوگ اسے توڑ پھوڑ کر ہضم کر گئے۔ ان کے مخالفین نے اس موقع پر طنزاً کہا '' اہل نجد تو اتنے بھوکے لوگ ہیں کہ اپنے خدا تک کو نگل گئے'' (ابن الکلبی ''اصنام'') جہاں تک مکہ کے مذاہب کا

تعلق ہے تو ان پر ہم ریاستی آئین پر بحث کے دوران غور کریں گے۔

1064: تبدیلی مذہب کے متعلق اسلام کے رویے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اور عموماً مذہبی رواداری کے حوالے سے قرآن میں (108:6) میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے ''اور دشنام مت دوان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ جہالت میں حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقے والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتادے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔''

بدھ مت

1065: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں بھی بدھ مت عظیم مذاہب میں سے ایک تھا۔ چین اور ہندوستان سے بدھ تجار جنوب مشرقی عرب کے عظیم میلوں میں شرکت کے لیے آیا کرتے تھے۔ لیکن زبان کا فرق بسا اوقات اس نوعیت کے دوروں میں رکاوٹ کا سبب بن جاتا تھا۔ لوگ شاذ و نادر ہی اتنا دور دراز کا سفر کرتے تھے اسی وجہ سے اہل عرب ان کے مذاہب کے متعلق محدود معلومات رکھتے تھے۔ قرآن بھی ان کے مذاہب کو صاف صاف اور کھول کر بیان نہیں کرتا۔ بعض غیر ثقہ مفسرین قرآن کے مطابق بدھ ازم کا ذکر حضرت ذوالکفل کے متعلق قرآنی آیات میں ملتا ہے۔ قرآن (48:38، 85:21) اس قرآنی نام کا مطلب ہے ''کفل کا باشندہ'' اور مذکورہ مفسرین نے اسے گوتم بدھ کی جائے پیدائش سے منسوب کر دیا ہے۔ ذوالکفل کا ایک مطلب ''خوراک کی نشو و نما کرنے والا'' بھی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق گوتم بدھ کا باپ ایک ریاست کا حکمران تھا جس کا دارالحکومت کپل وستو تھا جس کے معنی ہیں ''خالص خوراک'' دوسروں کی بھی کم و بیش یہی رائے ہے دیکھئے قرآن کی آیت (95:1-3) ''قسم ہے انجیر کے درخت کی، اور زیتون کے درخت کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر یعنی مکہ معظمہ کی'' یہاں گویا امن والے شہر سے مراد مکہ، جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک ہے، طور سینا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شہر سے ہے اور زیتون کے درخت سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شہر سے ہے۔ جب کہ انجیر کے درخت کا حوالہ مذکورہ مفسرین کے نزدیک بدھا سے ہے جسے سچائی اور حق کی روشنی ایک جنگلی انجیر کے درخت تلے ملی تھی۔

ہندوستان اور چین کے دیگر مذاہب

1066: بالحارث کے بارے ذکر کے دوران ہم نے پہلے یہ تذکرہ بھی کیا تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہندی لباس پہچانتے تھے۔ان دو عظیم ممالک کے دیگر مذاہب کے متعلق قرآن کچھ نہیں بتاتا۔تاہم یہ حدیث بعض اوقات حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی جاتی ہے۔ ''علم حاصل کرو، خواہ چین ہی سے کیوں نہ ملے کیونکہ علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے''

1067: یہ بات بھی بالکل قابل فہم ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق رشتے اور عقیدت کو اپنے لیے قابل فخر اور عزت وتوقیر کا باعث سمجھتے ہیں اسی طرح جنوب مغربی ہندوستان کے ساحلی علاقے مالا بار کے لوگ بھی اس بات پر فخر کرتے اور بڑے نازاں ہیں کہ ان کے ایک بادشاہ تھکراوتی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر کا مشاہدہ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل دکھایا تھا اور ازاں بعد یہ بادشاہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے عرب چلا گیا تھا اور اپنے واپسی سفر کے دوران یمن کی ایک بندرگاہ ''ظفار'' میں وفات پا گیا تھا۔(معبری، ''تحفة المجاهدين في بعد اخبار البر تگالين'')

1068: بالکل اسی طرح چینی بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک قریبی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چین روانہ فرمایا تھا جس کے جواب میں چینی بادشاہ نے بھی اپنا ایک سفیر مدینہ روانہ کیا تا کہ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بادشاہ کے قبول اسلام کی اطلاع دے۔(Broomhall، ''Islam in China''، ص66)

1069: ان روایات اور داستانوں کے ذکر کو ہم یہیں چھوڑتے ہوئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی طرح ترکستان میں بھی صدیاں گزرنے کے بعد لوگ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق اور رشتے کی بات کرتے ہیں اسی طرح رتن ہندی، سرباتک ہندی اور مکلا بہ ابن مکلا ان الخوارزی بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں۔(ابن حجر ''الاصابہ'' نمبر 2759، 3739، 8126)

باب 51

بنیاد سے وصال تک

1070: آیئے اب ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی اور دنیاوی حکمت عملیوں کے مثبت نتائج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر ملکیوں کے ساتھ تعلقات کے تذکرے کو مکمل کرتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی عظیم الشان ریاست کوئی ورثے میں نہیں ملی تھی۔ بلکہ اس وقت پورے جزیرہ نمائے عرب میں تو ریاست کا تصور تک کسی کے ذہن میں نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی دراصل اسے عدم سے وجود میں لائی تھی۔ اور یہ ریاست جو ایک شہری حکومت سے شروع ہوئی تھی روز بروز وسعت پذیر ہوتی گئی یعنی اس روز سے جب اس کی بنیاد رکھی گئی اور اس کے بانی کے آخری ایام تک یہ بدستور پھیلتی ہی رہی۔ یعنی تقریباً 10 سال تک اس کی سرحدوں میں اضافہ ہوتا رہا۔

1071: قدیم مصنفین کی جانب سے اس سلسلہ میں چونکہ معلومات فراہم نہیں کی گئی ہیں اس لیے ہم اس سمت میں اپنے مطالعے کی بنیاد معاہدات کے ذریعے اور فوجی مہمات سے حاصل کردہ مقبوضات کے بارے میں معلومات پر رکھتے ہیں اسی طرح ہی اس ریاست کے ارتقاء اور علاقائی وسعت کا مطالعہ ممکن ہے۔

ہجری سال اول: مدینہ کی شہری ریاست کی بنیاد، مدینہ اور بحیرہ احمر کے ساحل تک کے درمیانی علاقے میں دوستی کا دائرہ اثر جبکہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ خصوصی تعلقات۔

ہجری سال دوم: دوستانہ تعلقات کا پھیلاؤ مدینہ کے جنوب اور جنوب مغربی علاقوں تک ہو گیا خصوصاً بنوضمرہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ طے پا گیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت صرف مسلمان قبائل میں تقسیم فرمایا: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جنگ بدر کا مال غنیمت وادی

صفراء کے قریب ''سیر'' کے مقام پر تقسیم کیا گیا تھا۔ (ابن ہشام، ص 458) اسی سال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوسلیم اور غطفان قبائل کے خلاف مدینہ کے مشرقی سمت میں واقع ان کے علاقے قرقرۃ الکدر کی جانب ایک تادیبی مہم کی سربراہی کی۔

ہجری سال سوم: اس سال مدینہ کی مشرقی سمت نجد، ذات الرقاع اور قرادہ وغیرہ کی جانب کئی جنگی مہمات روانہ کی گئیں۔

ہجری سال چہارم: اس سال بھی مدینہ کی مشرقی جانب نجد کے علاقے فید کو جنگی مہم روانہ کی گئی۔

ہجری سال پنجم: ایک مہم عرب کے انتہائی شمال کی جانب دومتہ الجندل روانہ کی گئی جبکہ دوسری مہم مدینہ کے جنوبی علاقے مریسیع کی جانب بھیجی گئی۔ (یہ علاقے مکہ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔) یہ مہم مصطلق قبیلے کے خلاف بھیجی گئی تھی ان علاقوں کی فتوحات سے مدینہ کی شہری ریاست کی حدود مکہ کی سرحدوں کو چھونے لگی تھیں۔

ہجری سال ششم: ایک مہم مدینہ کی مشرقی سمت نجد کے خلاف جبکہ دوسری عسفان کے ساتھ ساتھ مکہ کے مضافاتی علاقے کراع الغمیم روانہ کی گئی۔

ہجری سال ہفتم: مدینہ کی شہری ریاست سے خیبر، وادی القراء اور فدک کے علاقوں کا الحاق۔ دیگر مہمات ابھی نجد میں کارروائی کر رہی تھیں۔ اس دوران عمان اور بحرین نے بھی مدینہ سے الحاق کر لیا یہ علاقے جزیرہ نمائے عرب کے مشرق اور جنوب مشرق میں واقع ہیں۔

ہجری سال ہشتم: مکہ اور دیگر جنوبی علاقوں کی فتوحات۔ ساحلی علاقہ تہامہ اور فلسطین کے علاقے کی طرف کئی مہمات (موتہ، ذات الاطلاح)۔

ہجری سال نہم: جنوبی علاقوں یمن وغیرہ کا الحاق علاوہ ازیں شمالی علاقے دومتہ الجندل سے فلسطین تک (مقنا، ایلہ، جربا، اذرح) بھی مدینہ سے منسلک ہو گئے۔ وفود کی کثرت سے آمد کے باعث ہجری سال نہم کو ''عام الوفود'' یعنی وفود کا سال کہا گیا کیونکہ اس سال تقریباً پورے جزیرہ نمائے عرب سے وفود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے۔ اس طرح پورا جزیرہ نمائے عرب، جنوبی عراق اور فلسطین کے کچھ علاقے اسلامی ریاست کا حصہ بن گئے۔

ہجری سال دہم: یمن اور عدن کے پہاڑی علاقے زیرنگیں ہوئے۔ جس وقت حضور پاک

صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ہجری کو مکہ میں حج ادا فرمایا تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب بھر کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ایک لاکھ افراد کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔
ہجری سال یازدہم: اس سال کے تیسرے ماہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا۔

1072: جزیرہ نمائے عرب کا کل رقبہ 3,000,000 یعنی 30 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ جسے محض 10 سال کی مختصر سی مدت میں فتح کر لیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ 822 کلومیٹر علاقہ روزانہ مدنی ریاست میں شامل ہو رہا تھا۔ 10 ہجری میں کوئی ایک لاکھ 40 ہزار مسلمانوں نے مکہ کا رخ کیا اور نجانے کتنے ایسے تھے جو اس سال مکہ نہ آ سکے اور گھروں میں مقیم رہے۔ (تقریباً 50 ہزار) تبدیلی مذہب کا جیسا عظیم کارنامہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محض 23 سالہ نبوی دور میں سرانجام دیا ایسا تاریخی اعزاز دنیا کے کسی بھی نئے مذہب کے بانی کے حصے میں کبھی نہیں آیا۔

انتظامی تقسیم

1073: شروع شروع میں یعنی اسلام کے آغاز کے وقت مسلمان عموماً فرائض کی ادائیگی اور زکوٰۃ و خیرات وغیرہ کی ادائیگی تک ہی محدود تھے۔ چنانچہ اس وقت اسلامی ریاست کو انتظامی طور پر تقسیم کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سردار مقرر فرمائے اور انہیں مختلف قبائل کی جانب روانہ کیا اور انہیں عدالتی اور اسلامی طور طریق کی تعلیم کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل کے حق جائیداد کو تسلیم کیا اور جوں کا توں برقرار رہنے دیا چنانچہ اس طرح انتظامی طور پر اتنے صوبے ہی پیدا ہو گئے جتنے قبائل تھے یا آزاد و خود مختار گروپ۔ ان کے زیر نگیں جتنا علاقہ تھا اسے صوبہ قرار دے دیا گیا۔
1074: 9 ہجری کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے حکومتی عہدیدار تعینات فرمائے۔ اسی سال زکوٰۃ ایک براہ راست حکومتی ٹیکس بن گیا۔ ایسے عہدیدار عارضی طور پر مقرر کیے جاتے اور ٹیکس جمع کرنے کے بعد واپس مدینہ آ کر وہ رقوم سرکاری خزانے میں جمع کراتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ علاقے انتظامی اکائیوں کی صورت اختیار کرتے چلے گئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ چھوٹے چھوٹے گروپوں کے لیے ایک ہی حکومتی نمائندہ ارسال کیا گیا

مثلاً عماد ابن بشر الاشہلی کو سلیم اور مزینہ قبائل کے گروپ کے لیے حکومتی نمائندہ مقرر کیا گیا جبکہ تمیم قبیلے کے لیے جہاں آبادی زیادہ ہونے کی بنا پر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا کئی نمائندے مقرر کیے گئے۔ (طبری، ابن حبیب وغیرہ نے ایسے درجنوں حکومتی نمائندگان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے نام معاہدات اور چارٹرز کے ابواب میں بھی ملتے ہیں۔) اس طرح محققین کے لیے اس نئی ابھرتی ہوئی ریاست کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کرنا اور ان سرحدوں کا تعین کرنا آسان ہوگا۔ ہر قبیلے کے لیے اس کے پانی کے وسائل، پہاڑ اور وادیوں کا تعین کر دیا گیا تھا۔ اب جزیرہ نمائے عرب کے خاصے ترقی یافتہ نقشہ جات دستیاب ہیں اور کچھ نام تبدیل ہو چکے ہیں جب کہ کچھ قدیم نام ہی چلے آ رہے ہیں اور اس طرح تاریخ دانوں کے کام میں مزید سہولت ہوگئی ہے۔

1075: اس انتظامی نظام مراتب میں دو طرح کے سرداروں کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہے یعنی کچھ تو جدی پشتی سردار تھے جنہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیا تھا یا ان کی سرداری کو تصدیق کا پروانہ جاری فرما دیا تھا یا کچھ سردار ایسے بھی تھے جنہیں خود اس قبیلے کے لوگوں نے چنا تھا۔ دوسری قسم ان عارضی سرداروں کی تھی جو ٹیکس جمع کرتے تھے، عدالتی فرائض سرانجام دیتے تھے، اساتذہ تھے یا دیگر نوعیت کے اہل کار تھے۔ جنہیں دارالحکومت سے براہ راست حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا کرتے تھے۔ بعض اوقات وراثتی سرداروں کو بھی ٹیکس جمع کرنے کی ذمہ داری سونپ دی جاتی تھی اور ان سے کہا جاتا کہ وہ ازاں بعد یہ رقم مدینہ ارسال کر دیں یا گشتی اہل کار (جو ٹیکس جمع کرتے تھے) کے حوالے کر دیں اور وہ لوگ جب مدینہ آتے تب رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا دیتے تھے۔ پہلی قسم کے سرداروں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ قدیم ترین غیر ملکی مقبوضات میں جہاں حقیقی بادشاہتیں ہنوز باقی تھیں وہاں مقامی سرداروں ہی کو برقرار رکھا گیا گویا اس طرح مقامی خود مختاری کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اس طرح ایک بلواسطہ حکومت کا تصور ابھرا جسے ہم فیڈریشن یا حتیٰ کہ کنفیڈریشن کہہ سکتے ہیں۔